مسلمان کی زندگی کے تمام امور سے متعلق
ہزاروں مستند احادیث کا جدید مجموعہ

معارف السنة



حسب فرمائش
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

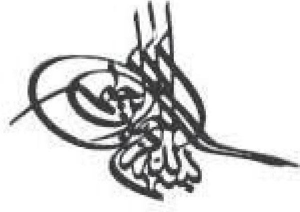
مجموعۂ افادات

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
وکیل احناف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
ودیگر اکابرین

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

معارف السنة



قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نَضَّرَ اللّٰہُ اِمْرَاءً سَمِعَ مَقَالَتِیْ
فَوَعَاہَا وَاَدَّاہَا کَمَا سَمِعَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!
اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ اور خوشحال رکھیں جس نے میری حدیث کو سنا
پھر اسے یاد کیا اور اور اُسے آگے پہنچایا جیسے اُس نے سنا (مشکوٰۃ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

تمام اُمور سے متعلق ہزاروں مُستند احادیث کا جدید مجموعہ

معارف السنۃ

جلد سوم

دور حاضر کے مطابق ایک مسلمان کی زندگی کے تمام امور سے متعلق ہزاروں مستند احادیث مع اعراب و ترجمہ اور عام فہم تشریح... احادیث مبارکہ کی معروف و مستند کتب بخاری و مسلم جیسی عظیم کتب کے مطالعہ کا ذوق رکھنے والوں کیلئے ایک سدا بہار گلدستہ... ہر مسلمان کیلئے تمام معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا جدید و مکمل نصاب... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت.... عظمت و عقیدت اور اطاعت کا جذبہ بیدار کرنیوالی کتاب... جس کا مطالعہ ہر مسلمان کو اتباع سنت کیلئے متحرک کرتا ہے.... نیز جدید و اہم مسائل کے بارہ میں اکابر مشائخ کے گراں قدر مقالات جن سے فہم حدیث کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
وکیل احناف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
ودیگر اکابرین

حسبِ فرمائش

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

مُرتبین

مولانا عبدالاحد بلالؒ — مولانا حبیب الرحمٰنؒ
(از فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان)

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(061-4540513-4519240

معارف السنۃ

تاریخ اشاعت .... ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ

ناشر.....................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت..................سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان — اسلامی کتاب گھر.. خیابان سرسید روڈ... راولپنڈی

ادارہ اسلامیات........ انار کلی........ لاہور — دارالاشاعت........ اُردو بازار.......... کراچی

مکتبہ سید احمد شہید........ اردو بازار...... لاہور — مکتبۃ القرآن........ نیوٹاؤن............ کراچی

مکتبہ رحمانیہ........ اُردو بازار .... لاہور — مکتبہ دارالاخلاص... قصہ خوانی بازار...... پشاور

مکتبہ رشیدیہ...... سرکی روڈ.................. کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

کلماتِ مرتّب

بسم الله الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْن وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْن

اما بعد! اسلام کے تمام علوم واحکام کی اساس چار چیزیں ہیں۔

قرآن کریم۔احادیث نبویہ۔اجماع امت اور قیاس۔

عہد نبوت سے تا قیامت امت مسلمہ نے انہی چاروں اصول کی روشنی میں صراط مستقیم کا سفر طے کرنا ہے اور اپنی زندگی کے تمام معاملات کو مذکورہ اصول کی رہنمائی ہی میں طے کرنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مقاصد نبوت کا ذکر کرتے ہوئے چار امور کی نشاندہی فرمائی ہے۔

تلاوت۔تعلیم کتاب۔تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس۔

خیر القرون میں جو محیر العقول اسلامی انقلاب رونما ہوا' اور اس نے روئے زمین پر ایک نئے معاشرہ اور نئی امت تشکیل دی اس کے عناصر تین چیزیں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی۔قرآن مجید۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین۔

زیر نظر جدید مجموعہ بنام "معارف السنۃ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مستند احادیث کے ترجمہ اور تشریح پر مشتمل مفید عام مجموعہ ہے' جسے برصغیر پاک وہند کے مشائخ حدیث اور اکابر علماء کی تالیفات اور تشریحات سے مرتب کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں خدمت حدیث اور اس کی نشر واشاعت کی تاریخ بتاتی ہے کہ سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشکوۃ کا فارسی ترجمہ وتشریح بنام "اشعۃ اللمعات" کیا۔فارسی کا دور ختم ہوجانے کے بعد مولانا خرم علی بلہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام صغانی کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" کا ترجمہ وتشریح کا کام کیا جو "تحفۃ الاخیار" کے نام سے ہے۔اس کے بعد خاندان ولی الہٰی کے شاگرد رشید نواب قطب الدین خان نے مشکوۃ کا اردو ترجمہ ضروری تشریح پر مبنی "مظاہر حق" کے نام سے کیا' جو ظاہری ومعنوی محاسن پر مشتمل ہونے کی بنا پر عوام وخواص میں تاہنوز مقبول ہے۔

ماضی قریب میں دار العلوم دیوبند' سہارنپور وغیرہ کے اجل فضلائے کرام نے مختلف اعتبار سے حدیث کی خدمات کو سرانجام

دیا، جن میں ہمارے بزرگ استاد فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اساتذہ کرام میں سے فخر المحدثین حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ کا نام محتاج تعارف نہیں۔ خدمت حدیث میں آپ کی شاہکار تصنیف ''ترجمان السنۃ'' چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جو تمام اعتقادی ونظریات احکام ومسائل پر احادیث اور ترجمہ وتشریح کی ایک مستند ومبسوط کتاب ہے۔ حضرت علامہ عبداللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (احمد پور شرقیہ) فرمایا کرتے تھے کہ حدیث پر اس صدی کی بہترین کتاب ''ترجمان السنہ'' ہے۔ استاد محترم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دیرینہ خواہش تھی کہ ''ترجمان السنۃ'' کو ذوق حاضر کے مطابق ڈھالا جائے اور ہر مسلمان بآسانی اس سے مستفید ہو سکے۔

آج تقریباً 25 برس کے بعد ادارہ کو خدمت حدیث کا یہ شرف حاصل ہو رہا ہے کہ اس نے احادیث مبارکہ کی مشاہیر و متداول کتب سے ایک مستند مجموعہ مرتب کرایا ہے جو عوام وخواص کیلئے دور جدید کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

معارف السنۃ کیا ہے؟ یہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ' استاذ المحدثین' حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ' حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ' مناظر اسلام مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ' مولانا مفتی عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب احادیث وتشریحات اور شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے جدید مسائل اور دیگر اکابرین کی تصنیفات وتالیفات سے مزین ایک مستند مجموعہ ہے' جو زندگی کے تمام امور کے بارہ میں براہ راست فرامین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی عام فہم تشریحات کے ساتھ رہنمائی کرتا ہے۔

اس جدید مجموعہ کو ایک عام مسلمان کی ضرورت کے مطابق فقہی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ایمان' توحید رسالت' ختم نبوت اور معجزات جیسے اعتقادی ونظریاتی ابواب کے مباحث بھی مفصل ذکر کئے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تکمیل ایمان کی شرط ہے جس کا اہم واولین تقاضا اطاعت ہے یہ مجموعہ جن مخلص اہل علم اکابر کی تالیفات سے منتخب کر کے مرتب کیا گیا ہے ان کے اخلاص کا عکس پڑھنے والے کی زندگی میں یوں رونما ہوتا ہے کہ قاری صرف اپنے علم میں اضافہ نہیں کرتا' بلکہ عملی زندگی میں اتباع سنت کی مبارک دولت سے بھی مالا مال ہوتا ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے شب وروز اسوہ حسنہ میں ڈھل جائیں اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ احادیث مبارکہ کی اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اسے مرتبین' ناشر
اور جملہ قارئین کیلئے ذریعہ نجات بنائیں آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

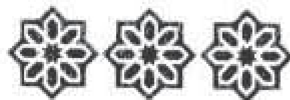
والسلام مرتبین

عبدالاحد بلال حبیب الرحمٰن

(فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان)

ذیقعدہ ١٤٣١ھ بمطابق نومبر 2010ء

فہرست عنوانات



کِتَابُ الْعِلْمِ

اہل علم سے دین سیکھنا ضروری ہے

عَنْ اَبْزَی الْخُزَاعِیِّ وَالِدِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذَاتَ یَوْمٍ فَاَثْنٰی عَلٰی طَوَائِفَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرًا، ثُمَّ قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ لَا یُفَقِّهُوْنَ جِیْرَانَھُمْ وَلَا یُعَلِّمُوْنَھُمْ وَلَا یَعِظُوْنَھُمْ وَلَا یَاْمُرُوْنَھُمْ وَلَا یَنْھَوْنَھُمْ وَمَا بَالُ اَقْوَامٍ لَا یَتَعَلَّمُوْنَ مِنْ جِیْرَانِھِمْ وَلَا یَتَفَقَّھُوْنَ وَلَا یَتَّعِظُوْنَ، وَاللّٰہِ لَیُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِیْرَانَھُمْ وَیُفَقِّھُوْنَھُمْ وَیَعِظُوْنَھُمْ وَیَاْمُرُوْنَھُمْ وَیَنْھَوْنَھُمْ وَلَیَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِیْرَانِھِمْ وَیَتَفَقَّھُوْنَ وَیَتَّعِظُوْنَ اَوْلَاُعَاجِلَنَّھُمْ بِالْعُقُوْبَۃِ فِیْ دَارِ الدُّنْیَا...... ثُمَّ نَزَلَ فَدَخَلَ بَیْتَہٗ فَقَالَ قَوْمٌ مَنْ تَرَوْنَھُمْ عَنٰی بِھٰؤُلَاءِ؟ فَقَالُوْا نَرَاہُ عَنٰی بِہِ الْاَشْعَرِیِّیْنَ، ھُمْ قَوْمٌ فُقَھَاءُ وَلَھُمْ جِیْرَانٌ جُفَاۃٌ مِنْ اَھْلِ الْمِیَاہِ وَالْاَعْرَابِ...... فَبَلَغَ ذٰلِکَ الْاَشْعَرِیِّیْنَ، فَاَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ذَکَرْتَ قَوْمًا بِخَیْرٍ وَذَکَرْتَنَا بِشَرٍّ فَمَا بَالُنَا؟ فَقَالَ لَیُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِیْرَانَھُمْ وَلَیُفَقِّھَنَّھُمْ وَلَیَعِظَنَّھُمْ وَلَیَاْمُرَنَّھُمْ وَلَیَنْھَیَنَّھُمْ وَلَیَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِیْرَانِھِمْ وَیَتَّعِظُوْنَ وَیَتَفَقَّھُوْنَ اَوْلَاُعَاجِلَنَّھُمْ بِالْعُقُوْبَۃِ فِیْ دَارِ الدُّنْیَا فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَبِطَیْرُ غَیْرِنَا؟ فَاَعَادَ قَوْلَہٗ عَلَیْھِمْ وَاَعَادُوْا قَوْلَھُمْ اَبِطَیْرِ غَیْرِنَا؟ فَقَالَ ذٰلِکَ اَیْضًا، فَقَالُوْا اَمْھِلْنَا سَنَۃً فَاَمْھَلَھُمْ سَنَۃً لِیُفَقِّھُوْھُمْ وَیُعَلِّمُوْھُمْ وَیَعِظُوْھُمْ ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ. کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ. (رواہ ابن راھویہ والبخاری)

مشہور صحابی عبدالرحمٰن بن ابزی الخزاعی رضی اللہ عنہما کے والد) ابزی الخزاعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسجد میں منبر پر) خطاب فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے بعض گروہوں کی تعریف فرمائی (کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسلمانوں کے بعض دوسرے گروہوں کو تنبیہ اور سرزنش کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ کیا حال ہے، ان لوگوں کا (اور کیا عذر ہے، ان کے پاس) جو اپنے پڑوس والے (ان مسلمانوں کو جو دین سے واقف نہیں ہیں) دین نہیں سمجھاتے اور دین کی تعلیم نہیں دیتے اور وعظ ونصیحت نہیں کرتے اور ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام نہیں دیتے (اسی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اور کیا حال ہے،

ان لوگوں کا (اور کیا عذر ہے، ان کے پاس جو دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں ہیں، اس کے باوجود) وہ اپنے پڑوس میں رہنے والے (ان مسلمانوں سے جو دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم حاصل کر چکے ہیں) دین سیکھنے اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی اور ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کے ساتھ تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) کہ وہ لوگ (جو دین کا علم رکھتے ہیں، علم نہ رکھنے والے) اپنے پڑوسیوں کو لازماً دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں...... اور (جو لوگ دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں، ان کو) میری تاکید ہے کہ وہ (دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھنے والے) اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور ان کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں، ورنہ یعنی اگر ان دونوں فریقوں نے اس ہدایت پر عمل نہیں کیا تو ان کو اس دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا۔

اس کے بعد (یعنی یہ تنبیہی خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے اور گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے آپس میں کہا کہ کیا خیال ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کون لوگ ہیں؟ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطاب میں کن لوگوں کو تنبیہ اور سرزنش فرمائی ہے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اشعریین (یعنی ابوموسیٰ اشعری کے قبیلہ کے لوگ) ہیں، انہی کا یہ خیال ہے کہ وہ فقہاء ہیں (دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھتے ہیں) اور ان کے جوار میں پانی کے چشموں کے پاس رہنے بسنے والے اور ایسے بدوی لوگ ہیں جو بالکل اجڈ (اور دین سے بالکل ناواقف) ہیں۔

یہ ساری بات اشعریین کے علم میں آئی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! (معلوم ہوا ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض گروہوں کا ذکر تعریف کے ساتھ فرمایا اور ہم لوگوں کی مذمت فرمائی، ہمارا کیا معاملہ (اور کیا قصور) ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (میرا کہنا بس یہی ہے کہ دین کا علم و فہم رکھنے والے) لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ (دین نہ جاننے والے) اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں، ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا کریں...... اور جو دین کو نہیں جانتے ان کا فرض ہے کہ وہ (جاننے والے) اپنے پڑوسیوں سے سیکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہوا کریں اور دین کی سمجھ بوجھ ان سے حاصل کریں، یا پھر ان کو اس دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا...... اشعریین نے عرض کیا کہ کیا دوسرے لوگوں کے جرم اور کوتاہی کی بھی سزا ہم کو بھگتنا ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے جواب میں اپنی وہی بات دہرائی جو فرمائی تھی، اشعریوں نے پھر وہی عرض کیا جو پہلے عرض کیا تھا کہ کیا دوسروں کی غفلت و کوتاہی کی سزا بھی ہم پائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، وہ بھی (یعنی دین کے جاننے والے اگر نہ جاننے والے اپنے پڑوسیوں کو دین سکھانے میں کوتاہی کریں گے تو وہ اس کی بھی سزا پائیں گے) اشعریوں نے عرض کیا کہ پھر ہم کو ایک سال کی مہلت دی جائے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک سال کی مہلت اس کام کے لئے دے دی کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں اور وعظ و نصیحت سے ان کی اصلاح کی کوشش کریں، اس کے بعد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَالِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ. (مسند ابن راهويه، كتاب الوحدان للبخاری)

لعنت ہوئی ہے بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا، داؤد اور عیسیٰ بن مریمؑ کی زبان سے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے، وہ ایک دوسرے کو ان برائیوں اور گناہوں سے نہیں روکتے تھے، جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے، برا تھا ان کا یہ فعل۔

تشریح:۔حدیث کی کچھ تشریح ترجمہ کے ضمن میں گزر چکی ہے بقیہ تشریح ملاحظہ ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ کسی آبادی یا علاقے کے جو لوگ دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں ان کی یہ ذمہ داری اور ڈیوٹی ہے کہ وہ اپنے قرب و جوار کے ان لوگوں کو جو دین سے ناواقف ہوں للہ فی اللہ دین سکھائیں، اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان کی دینی اصلاح و تربیت کی کوشش کرتے رہیں اور اس تعلیمی خدمت کو اپنی زندگی کے پروگرام کا خاص جز بنائیں۔

اور دین کی واقفیت نہ رکھنے والے مسلمان اس کو اپنا فرض اور زندگی کی ضرورت سمجھیں کہ دین کے جاننے والوں سے رابطہ قائم کر کے دین سیکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں غفلت اور کوتاہی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا تھا۔

دینی تعلیم و تربیت کا یہ ایسا عمومی نظام تھا کہ اس کے ذریعہ ہر شخص بغیر مکتب یا مدرسہ کے اور بغیر کتاب اور کاغذ قلم کے اور بغیر کچھ لکھے پڑھے بھی دین کا ضروری علم حاصل کر سکتا تھا۔ بلکہ اپنی محنت و صلاحیت کے مطابق اس میں کمال بھی حاصل کر سکتا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اسی طرح تابعین کی غالب اکثریت نے بھی علم دین اسی طرح حاصل کیا تھا، ان کا علم یقیناً ہمارے کتابی علم سے زیادہ گہرا اور قابل اعتماد تھا، ان کے بعد امت میں جو کچھ علم دین رہا ہے اور آج ہے وہ سب انہی کا ترکہ ہے۔

افسوس ہے کہ بعد میں امت میں یہ نظام قائم نہیں رہا، اگر قائم رہتا تو امت کا کوئی طبقہ اور کوئی عنصر بلکہ کوئی فرد بھی دین سے ناواقف اور بے بہرہ نہ ہوتا۔ اس نظام تعلیم کی یہ خاص برکت تھی کہ زندگی علم کے سانچہ میں ڈھلتی چلی جاتی تھی۔

حدیث کے آخر میں ہے کہ اشعریین کے وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کو ایک سال کی مہلت دے دی جائے، ہم اس مدت میں ان شاء اللہ یہ تعلیمی مہم انجام دے لیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات منظور فرمالی، یہ گویا اس علاقہ کی پوری آبادی کے لئے ''ایک سالہ تعلیمی منصوبہ'' تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر آج بھی ہر ملک اور ہر علاقے کے مسلمان خواص و عوام اس طریق کار کو اپنالیں اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس مقصد کے لئے جدوجہد کریں تو امت کے تمام طبقوں میں ایمانی زندگی اور ضروری درجہ کی دینی واقفیت عام ہو سکتی ہے۔

سلسلہ کلام کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ کی جو دو آیتیں تلاوت فرمائیں، ان میں بیان

فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں پر اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت ہوئی اور ان کی ملعونیت کا اعلان ہوا، ان کا ایک خاص جرم جو لعنت کا موجب ہوا یہ تھا کہ وہ باہم ایک دوسرے کو گناہوں اور برائیوں سے روکنے کی اور ان کی دینی واخلاقی اصلاح کی کوئی فکر اور کوشش نہیں کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ جرم ایسا سنگین ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی اللہ کی اور اس کے پیغمبروں کی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں جو تنبیہ اور سرزنش فرمائی تھی یہ آیتیں اس کی قرآنی سند ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات تلاوت فرما کر گویا بتلایا کہ جو کچھ میں نے خطبہ میں کہا ہے اور جس پر مجھے اصرار ہے، یہ وہی ہے جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی ان آیتوں میں فرمائی ہے۔

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالْاٰخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ الَّيْلَ اَيُّهُمَا اَفْضَلُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِيْ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ الَّيْلَ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ. (رواہ الدارمی)

حضرت حسن بصری نے بطریق ارسال روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے ایسے دو آدمیوں کے بارے میں دریافت کیا جن میں سے ایک کا معمول یہ تھا کہ وہ فرض نماز پڑھتا پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی نیکی کی باتیں بتلاتا اور دین کی تعلیم دیتا...... اور دوسرے صاحب کا حال یہ تھا کہ وہ دن کو برابر روزہ رکھتے اور رات کو کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں کون افضل اور اعلیٰ ہے؟...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عالم جو فرض نماز ادا کرتا ہے پھر لوگوں کو دین اور نیکی کی باتیں سکھانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، اس کو اس صائم النہار اور قائم اللیل عابد کے مقابلہ میں اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح کی تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔ (مسند دارمی)

تشریح:۔ مندرجہ بالا حدیث میں "علم"، "طالبین علم"، "علماء" اور "معلمین" کی جو غیر معمولی عظمتیں اور فضیلتیں بیان کی گئیں، ان کی لم اور ان کا راز یہی ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا نور ہدایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا ہے اور دنیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھا لئے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا الٰہی علم (جو قرآن و حدیث میں ہے) امت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ ہستی کے قائم مقام ہے اور جو اس کے حامل اور امین علماء و معلمین ہیں وہ زندہ انسانوں کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہیں، وہ نبی تو نہیں ہیں، لیکن وارث انبیاء ہونے کی حیثیت سے کار نبوت سنبھالے ہوئے ہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام انجام دے رہے ہیں، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو اور آلہ کار ہیں۔ اسی خصوصیت نے ان کو اس مقام و مرتبہ پر پہنچا دیا ہے اور ان غیر معمولی انعامات الٰہیہ کا مستحق بنا دیا ہے جن کا مندرجہ بالا حدیث کے ذریعہ اعلان فرمایا گیا ہے...... لیکن جیسا کہ آگے درج ہونے والی متعدد حدیثوں سے معلوم ہوگا، اس کی شرط یہ ہے کہ علم دین کی یہ طلب و تحصیل اور تعلیم و تدریس خالصاً لوجہ اللہ اور اجر آخرت کے لئے ہو، اگر خدانخواستہ یہ دنیوی اغراض کے لئے ہو

تو بدترین معصیت ہے اور ایک صحیح حدیث کی صراحت کے مطابق ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا.

مدارس و مساجد کی شکل میں علم دین کی تحصیل و تعلیم کا جو نظام قائم ہے، اس کی وجہ سے جب ہمارے دینی حلقوں میں "طالب علم" کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن ان دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے "طالب علموں" ہی کی طرف جاتا ہے، اسی طرح عالم دین یا معلم دین کا لفظ سن کر ذہنی اصطلاحی وعرفی علماء اور دینی مدارس میں تعلیم دینے والے اساتذہ ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور پھر اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اور اسی طرح اس باب کی دوسری حدیثوں میں علم دین کی طلب و تعلیم، یا طالبان علم دین اور معلمین دین کے جو فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے جن غیر معمولی انعامات کی بشارتیں دی گئی ہیں، ان سب کا مقصدان مدارس ہی کے تعلیمی سلسلہ اور ان کے طلبہ اور معلمین ہی کو سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، عہد نبوی میں اور ان کے بعد صحابہ کرامؓ بلکہ تابعین کے دور میں بھی اس طرح کا کوئی تعلیمی اور تدریسی سلسلہ نہیں تھا، نہ مدارس اور دارالعلوم تھے، نہ کتابیں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کا کوئی طبقہ تھا، بلکہ سرے سے کتابوں ہی کا وجود نہیں تھا، بس صحبت و سماع ہی تعلیم و تعلم کا ذریعہ تھا، صحابہ کرامؓ نے (ان کے درجہ اول کے علماء و فقہاء مثلاً خلفائے راشدین، معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی) جو کچھ حاصل کیا صرف صحبت و سماع کے ذریعے حاصل کیا تھا اور بلاشبہ وہ حضرات ان حدیثوں اور بشارتوں کے اولین مصداق تھے۔ آج بھی جو بندگان خدا کسی غیر رسمی طریقے سے مثلاً صحبت و سماع ہی کے ذریعہ اخلاص کے ساتھ دین سیکھنے اور سکھانے کا اہتمام کریں وہ بھی یقیناً ان حدیثوں کے مصداق اور بلاشبہ ان کے لئے بھی یہ سب بشارتیں ہیں...... بلکہ ان کو اصطلاحی وعرفی طلبہ اور معلمین پر ایک فضیلت و فوقیت حاصل ہے اور وہ یہ کہ ہمارے موجودہ مدارس اور دارالعلوموں میں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کے سامنے اس طلب و تعلیم کے کچھ دنیوی منافع بھی ہو سکتے ہیں (اور بس اللہ ہی جانتا ہے کہ اس لحاظ سے ہماری برادری کا کیا حال ہے) لیکن جو بے چارے اصلاح وارشاد کی مجالس میں یا کسی دینی حلقہ میں اپنی دینی اصلاح اور دین سیکھنے کی نیت سے شریک ہوتے ہیں، یا دین سیکھنے سکھانے والے کسی جماعت کے ساتھ اس مقصد سے کچھ وقت گزارتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اس سے کسی دنیوی منفعت کی توقع نہیں کر سکتے، اس لئے ان کی غیر رسمی "طالب علمی" یا "معلمی" بالکل بے غل و غش صرف اللہ ہی کے لئے اور آخرت ہی کے واسطے ہوتی ہے۔ اللہ کے ہاں اسی عمل کی قدر و قیمت ہوتی ہے، جو خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اس عاجز نے اس زمانے میں بھی اللہ کے ایسے بندے دیکھے ہیں۔ ان میں متعدد ایسے بھی پائے جن سے ہم جیسے لوگ (جن کو دنیا عالم فاضل سمجھتی ہے) حقیقت دین کا سبق لے سکتے ہیں۔

یہ وضاحت یہاں اس لئے ضروری سمجھی کہ ہمارے اس زمانے میں "عالم"، "معلم" اور "طالب علم" کے مصداق کے بارے میں مذکورہ بالا غلط فہمی بہت عام ہے، اگرچہ غیر شعوری طور پر ہے۔

حصول علم میں اخلاص کی ضرورت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ تَعَلَّمَ العلم لِغَيْرِ اللهِ

وَارَادَ بِهٖ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے علم دین اللہ کی رضا کیلئے نہیں بلکہ غیر اللہ کیلئے (یعنی اپنی دنیوی اور نفسانی اغراض کے لئے) حاصل کیا وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اللہ تعالیٰ نے دین کا علم انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اور آخر میں سیدنا حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی آخری مقدس کتاب قرآن مجید کے ذریعہ اس لئے نازل فرمایا کہ اس کی روشنی اور رہنمائی میں اس کے بندے اللہ کی رضا کے راستہ پر چلتے ہوئے اس کے دار رحمت جنت تک پہنچ جائیں...... اب جو بدنصیب آدمی اس مقدس علم کو اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیوی دولت کمانے کا وسیلہ بناتا ہے اور اسی کے واسطے اس کی تحصیل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس مقدس علم پر ظلم عظیم کرتا ہے، اور یہ شدید ترین معصیت ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے کہ اس کی سزا جنت کی خوشبو تک سے محرومی اور جہنم کا عذاب الیم ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا.

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ عِلْمُهٗ (ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اس کے علم دین نے نفع نہیں پہنچایا (یعنی اس نے اپنی عملی زندگی کو علم کے تابع نہیں بنایا) (مسند ابوداؤد)

تشریح ...... بعض گناہ ایسے ہیں جن کو بلا تفریق مومن وکافر سب ہی انسان شدید وسنگین جرم اور سخت سزا کا مستوجب سمجھتے ہیں، جیسے ڈاکہ زنی، خون ناحق، زنا بالجبر، چوری، رشوت ستانی، یتیموں اور بیواؤں اور کمزوروں پر ظلم وزیادتی اور ان کی حق تلفی جیسے ظالمانہ گناہ، لیکن بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو عام انسانی نگاہ اس طرح شدید سنگین نہیں سمجھتی لیکن اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ ان کبائر وفواحش ہی کی طرح یا ان سے بھی زیادہ شدید وسنگین ہیں، شرک وکفر بھی ایسے ہی گناہ ہیں اور علم دین (جو نبوت کی میراث ہے) اس کا بجائے دینی مقاصد کے دنیوی اغراض کے لئے سیکھنا اور دنیا کمانے کا وسیلہ بنانا علیٰ ہذا اپنی عملی زندگی کو اس کے تابع نہ بنانا بلکہ اس کے خلاف زندگی گزارنا یہ بھی اسی قبیل سے ہیں۔ پہلی قسم کی معصیتوں میں مخلوق کا مخلوق پر ظلم ہوتا ہے، اس لئے اس کو خدانا آشنا کافر بھی محسوس کرتا اور ظلم وپاپ سمجھتا ہے لیکن دوسری قسم کے گناہوں میں اللہ ورسول اور ان کی ہدایت وشریعت اور اس کے مقدس علم کی حق تلفی اور ان پر ایک طرح کا ظلم ہوتا ہے، اس کی سنگینی اور شدت کو وہی بندے محسوس کرسکتے ہیں، جن کے قلوب اللہ ورسول اور دین وشریعت اور ان کے علم کی عظمت سے آشنا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم دین کو بجائے رضائے الٰہی اور اجر اخروی کے دنیوی اغراض کے لئے سیکھنا اور اس کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا، اسی طرح خود اس کے خلاف زندگی گزارنا، شرک وکفر اور نفاق کے قبیل کے گناہ ہیں، اس لئے ان کی سزا وہ ہے جو مندرجہ بالا

حدیثوں میں بیان فرمائی گئی ہے (یعنی جنت کی خوشبو تک سے محروم رہنا اور دوزخ کا عذاب)...... اللہ تعالیٰ حاملین علم دین کو توفیق عطا فرمائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات وتنبیہات ہمیشہ ان کے سامنے رہیں۔

سنت کی اتباع اور بدعت سے احتراز کی تاکید

اس دنیا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخصت ہو جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید اور آپ کی تعلیمات جن کا معروف عنوان ''سنت'' ہے اس دنیا میں ہدایت کا مرکز وسرچشمہ اور گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت کے قائم مقام ہیں، اور امت کی صلاح وفلاح، ان کی پیروی و پابندی سے وابستہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں امت کو مختلف عنوانات سے ہدایت و آگاہی دی ہے، اور محدثات و بدعات سے اجتناب کی تاکید فرمائی ہے، اگلی امتیں اسی لئے گمراہ ہوئیں کہ محدثات وبدعات کو اپنا دین بنالیا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم اَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه و آله وسلم، وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (رواه مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اثنائے خطبہ میں) ارشاد فرمایا کہ...... اما بعد سب سے بہتر بات اور سب سے اچھا کلام کتاب اللہ ہے، اور سب سے بہتر طریقہ (اللہ کے رسول) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں ایجاد کر لئے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت جابر کی یہ حدیث صحیح مسلم میں خطبہ جمعہ کے باب میں متعدد سندوں سے روایت کی گئی ہے۔ روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خطبہ جمعہ میں یہ ارشاد بار بار سنا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جوامع الکلم میں سے ہے، بہت مختصر الفاظ میں امت کو وہ ہدایت دے دی گئی ہے جو قیامت تک راہ راست پر قائم رکھنے اور ہر طرح کی گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے...... اعتقادات، اعمال، اخلاق اور جذبات وغیرہ کے بارے میں انسانوں کو جس مثبت یا منفی ہدایت (امر بالمعروف یا نہی عن المنکر) کی ضرورت ہے یقیناً کتاب اللہ اور سنت نبوی و طریق محمدی اس کے پورے کفیل ہیں، اس کے بعد گمراہی کا ایک دروازہ رہ جاتا ہے کہ اللہ ورسول نے جن باتوں کو دین قرار نہیں دیا ان کو دین کا رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے اور قرب ورضائے الٰہی اور فلاح اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنا لیا جائے۔ دین کے رہزن شیطان کا سب سے خطرناک جال یہی ہے، اگلی امتوں کو اس نے زیادہ تر اسی راستہ سے گمراہ کیا ہے...... مختلف امتوں کے مشرکوں میں بت پرستی، عیسائیوں میں تثلیث اور حضرت مسیح کی ابنیت وولدیت اور کفارہ کا عقیدہ اور احبار ورہبان کو ''اربابا من دون اللہ'' بنانے کی گمراہی یہ سب اسی راستہ سے آئی تھیں...... اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ اگلی امتوں میں جو گمراہیاں آئی تھیں، وہ سب آپ کی امت میں بھی آئیں گی اور انہیں راستوں سے آئیں گی جن سے پہلی امتوں میں آئی تھیں،

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مواعظ وخطبات میں بار بار یہ آگاہی دیتے تھے کہ بس کتاب اللہ اور میری سنت کا اتباع کیا جائے، صرف وہی حق وہدایت ہے اور اسی میں خیر وفلاح ہے، اور محدثات وبدعات سے اپنی اور دین کی حفاظت کی جائے۔ بدعت خواہ ظاہری نظر میں کیسی ہی حسین وجمیل معلوم ہو، فی الحقیقت وہ صرف ضلالت وہلاکت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جو بقول حضرت جابرؓ آپ جمعہ کے خطبوں میں بار بار فرماتے تھے، اس کا یہی پیغام ہے اور اس میں یہی آگاہی دی گئی ہے۔

بدعت کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا آخری جملہ ہے "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" (ہر بدعت گمراہی ہے) بعض اکابر علماء وشارحین حدیث نے "بدعۃ" کے اصل لغوی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سمجھا اور لکھا ہے کہ ہر وہ امر بدعت ہے جو عہد نبوی میں نہیں تھا اور قرآن وحدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے...... پھر انہوں نے دیکھا کہ ایسے بہت سے امور ہیں جو نہ تو عہد نبوی میں تھے اور نہ قرآن وحدیث میں ان کا ذکر ہے، مگر دینی لحاظ سے وہ اشد ضروری اور ناگزیر ہیں اور امت کے علماء وفقہاء میں سے کسی نے بھی ان کو "بدعت" اور ناجائز نہیں قرار دیا ہے، بلکہ دین کی ضروری خدمت اور موجب اجر وثواب سمجھا ہے۔ مثلاً قرآن مجید پر اعراب لگانا، فصل ووصل اور وقف وغیرہ کی علامات کا لکھنا تاکہ عوام بھی قرآن پاک کی صحیح تلاوت کر سکیں، اسی طرح حدیث اور فقہ کی تدوین اور کتابوں کی تالیف اور حسب ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر تصانیف اور ان کی طباعت واشاعت کا اہتمام اور دینی تعلیم کے لئے مکاتب ومدارس میں دینی موضوعات پر تصانیف اور ان کی طباعت واشاعت کا اہتمام اور دینی تعلیم کے لئے مکاتب ومدارس کا قیام وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں نہیں تھیں اور قرآن وحدیث میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ہے، تو بدعت کی مذکورہ بالا تشریح کے لحاظ سے یہ سب امور بدعت ہونے چاہئیں، اسی طرح ساری نئی ایجادات، ریل، موٹر، ہوائی جہاز، تار برقی اور ٹیلی فون وغیرہ کا استعمال بھی اس تشریح کے لحاظ سے بدعت اور ناجائز ہونا چاہئے۔ حالانکہ یہ بات بداہۃً غلط ہے۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ان علماء وشارحین حدیث نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو کتاب وسنت اور اصول شریعت کے خلاف ہو وہ "بدعت سیئہ" ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے بارے میں فرمایا ہے "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" مطلب یہ ہے کہ ہر "بدعت سیئہ" گمراہی ہے اور دوسری قسم بدعت کی وہ ہے جو کتاب وسنت اور اصول شریعت کے خلاف نہ ہو بلکہ مطابق ہو وہ "بدعت حسنہ" ہے اور یہ بدعت حسنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے کبھی واجب ہوتی ہے، کبھی مستحب اور کبھی مباح وجائز۔ پس قرآن مجید پر اعراب اور فصل ووصل وغیرہ کی علامات لکھنا اور حدیث وفقہ کی تدوین اور حسب تقاضائے ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف واشاعت اور مدارس کا قیام وغیرہ یہ سب بدعت حسنہ کے قبیل سے ہیں، اس طرح نئی ایجادات کا استعمال بھی بدعت حسنہ ہی کے قبیل سے ہے، ناجائز نہیں ہے مباح اور جائز ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ

اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو اس کی وہ بات رد ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح۔ بدعات ومحدثات کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اس میں ان محدثات اور نو ایجاد باتوں کو (خواہ وہ اعمال کے قبیلہ سے ہو یا عقائد کے قبیل سے) قابل رد اور مردود قرار دیا گیا ہے، جو دین میں ایجاد کی جائیں اور ان کو امر دینی یعنی رضائے الٰہی اور ثواب اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنایا جائے اور فی الواقع ان کی یہ حیثیت نہ ہو، نہ اللہ ورسول کی طرف سے صراحۃً یا اشارۃً ان کا حکم دیا گیا ہو، نہ شرعی اجتہاد واستحسان اور قواعد شریعت پر ان کی بنیاد ہو...... حدیث کے لفظ "فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا" اور "مَا لَیْسَ مِنْهُ" کا مفاد اور مطلب یہی ہے، پس دنیا کی وہ ساری ایجادات اور وہ تمام نئی چیزیں جن کو امر دینی اور وسیلہ رضائے الٰہی وثواب اخروی نہیں سمجھا جاتا، اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور شرعی اصطلاح کے لحاظ سے ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔ جیسے نئی نئی قسم کے کھانے، نئے طرز کے لباس، جدید طرز کے مکانات اور سفر کے لئے ترقی کے ذرائع کا استعمال کرنا، اسی طرح شادی وغیرہ کی تقریبات کے سلسلہ کے وہ خرافاتی رسوم اور لہو ولعب اور تفریحات کے وہ پروگرام جن کو کوئی بھی امر دینی نہیں سمجھتا، ان سے بھی اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں، ہاں جن رسوم کو امر دینی سمجھا جائے اور ان سے ثواب آخرت کی امید کی جائے وہ اس حدیث کا مصداق، قابل رد اور بدعت ہیں، موت اور غمی کے سلسلہ کی زیادہ رسوم اسی قبیل سے ہیں، جیسے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی، ہر جمعرات کو مردوں کی فاتحہ، بڑے پیر صاحب کی گیارہویں، بارہویں، بزرگوں کی قبروں پر چادر پھول وغیرہ چڑھانا اور عرسوں کے میلے ٹھیلے ان سب کو امر دینی سمجھا جاتا ہے اور ثواب آخرت کی ان سے امید رکھی جاتی ہے، اس لئے یہ سب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث "من احدث فی امرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد" کا مصداق اور مردود بدعات ومحدثات ہیں۔

پھر ان عملی بدعات سے زیادہ مہلک وہ بدعات ہیں جو عقائد کے قبیل سے ہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کو عالم الغیب اور حاضر وناظر سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دور دراز سے پکارنے والوں کی پکار فریاد کو سنتے ہیں اور ان کی مدد اور حاجت روائی کرتے ہیں، یہ عقیدہ بدعت ہونے کے ساتھ شرک بھی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی کتاب پاک کا اعلان ہے کہ اس جرم کے مجرم اللہ کی مغفرت وبخشش سے قطعی محروم ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ "اِنَّ اللهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ".

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم ذَاتَ یَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِیْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللهِ کَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَلَوْ کَانَ عَبْدًا حَبَشِیًّا فَاِنَّهٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِیَّاکُمْ

وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ پھر آپ ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور ہماری طرف رخ فرمالیا اور ایسا مؤثر وعظ فرمایا کہ اس کے اثر سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل خوفزدہ ہو کر دھڑکنے لگے تو ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو گویا ایسا وعظ ہے جیسے الوداع کہنے والے اور رخصت ہونے والے کا وعظ ہوتا ہے (پس اگر ایسی بات ہے) تو پھر آپ ہم کو (ضروری امور کی) وصیت فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی اور اُولوالامر (خلیفہ یا امیر) کا حکم سننے اور ماننے کی اگر چہ وہ کوئی حبشی غلام ہی ہو، اس لئے کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا (تو ایسی حالت میں) تم اپنے اوپر لازم کر لینا میرے طریقے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کی پیروی و پابندی اور مضبوطی سے اس کو تھام لینا اور دانتوں سے پکڑ لینا اور (دین میں) نئی نکالی ہوئی باتوں سے اپنے کو الگ رکھنا، اس لئے کہ دین میں نئی نکالی ہوئی ہر بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح...... ظاہر ہے کہ یہ حدیث کسی وضاحت اور تشریح کی محتاج نہیں، اس کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ حیات کا ہے، آپ نے نماز کے بعد جو وعظ فرمایا اس کے غیر معمولی انداز سے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات اور آگاہیاں دیں ان سے صحابہ کرام نے اندازہ کیا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہو گیا ہے کہ اس دنیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے، اس بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ ہم کو بعد کے لئے وصیت فرمایئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے وصیت فرمائی سب سے پہلے تقوے کی، یعنی خدا سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی، اس کے بعد دوسرے نمبر پر وصیت فرمائی کہ خلیفہ اور امیر کے حکم کی بہر حال اطاعت کی جائے اگر چہ وہ کسی کمتر طبقہ کا آدمی ہو...... دین میں تقوے کی اہمیت تو ظاہر ہے اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح اسی پر موقوف ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا میں امت کا اجتماعی نظام صحیح اور مضبوط طور پر قائم رہنے کے لئے ضروری ہے کہ خلیفہ اور امیر کی اطاعت کی جائے۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو انتشار و افتراق پیدا ہو گا اور انارکی پھیلے گی اور نوبت خانہ جنگی تک پہنچے گی (لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر بار بار یہ وضاحت فرمائی ہے) کہ اگر امیر و خلیفہ اور کوئی بالاتر شخصیت کسی ایسی بات کا حکم دے جو اللہ و رسول کے کسی حکم کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ (**لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق**)

تقویٰ اور اولوالامر کی اطاعت کی ہدایت و وصیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ امت میں بڑے اختلافات دیکھے گا۔ ایسے حالات میں نجات کا راستہ یہی ہے کہ میرے طریقہ کو اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ کو مضبوطی سے تھام لیا جائے اور بس اس کی پیروی کی جائے اور دین میں پیدا کی ہوئی نئی نئی باتوں اور بدعتوں سے بچا جائے کیونکہ ہر بدعت گمراہی اور صرف گمراہی ہے۔

یہ حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ میں ایسی

حالت میں جب کہ کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اختلاف وافتراق کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا فرما دیا تھا کہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بڑے بڑے اختلافات دیکھیں گے، یہی ظہور میں آیا کہ آپ کے وہ اصحاب ورفقاء جو آپ کے بعد ۲۵۔۳۰ سال بھی زندہ رہے انہوں نے امت کا یہ اختلاف آنکھوں سے دیکھ لیا...... اور اس کے بعد اختلافات میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور آج جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم اور پندرہویں صدی شروع ہو چلی ہے، امت کے اختلافات کا جو حال ہے وہ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق وہدایت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قائم رہنے کی توفیق دے۔

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلَا اِنِّىْ اُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ اَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَاحَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ. (رواه ابوداؤد والدارمی وابن ماجه)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سن لو اور آگاہ رہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ہدایت کے لئے) قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی آگاہ رہو کہ عنقریب بعض پیٹ بھرے لوگ (پیدا) ہوں گے جو اپنے شاندار تخت (یا مسہری) پر (آرام کرتے ہوئے) لوگوں سے کہیں گے کہ بس اس قرآن ہی کو لے لو، اس میں جس چیز کو حلال بتایا گیا ہے اس کو حلال جانو اور جو حرام قرار دیا گیا ہے، اس کو حرام سمجھو (یعنی حلال وحرام بس وہی ہے، جس کو قرآن میں حلال یا حرام بتلایا گیا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں) (آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گمراہانہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) اور واقعہ یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، وہ بھی انہیں چیزوں کی طرح حرام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حرام قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

تشریح۔ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آتی تھی، اس کی دو صورتیں تھیں، ایک متعین الفاظ اور عبارت کی شکل میں اس کو ''وحی متلو'' کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے) یہ حیثیت قرآن پاک کی ہے۔ دوسری صورت وحی کی یہ ہوتی تھی کہ آپ کو مضمون کا القا اور الہام ہوتا تھا، آپ اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے یا عمل کے ذریعہ تعلیم فرماتے تھے، اس کو ''وحی غیر متلو'' کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام دینی ہدایات وارشادات کی حیثیت یہی ہے، الغرض ان کی بنیاد بھی وحی الٰہی پر ہے، اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ چیز منکشف فرما دی تھی کہ آپ کی امت میں ایسے لوگ اٹھیں گے جو یہ کہہ کر لوگوں کو گمراہ اور اسلامی شریعت کو معطل کریں گے کہ دینی احکام بس وہی ہیں جو قرآن میں ہیں اور جو قرآن میں نہیں ہے، وہ دینی حکم ہی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زیر تشریح حدیث میں امت کو اس فتنہ سے باخبر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے علاوہ بھی وحی غیر متلو کے ذریعہ احکام دیئے گئے ہیں اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ احادیث نبوی کے حجت دینی ہونے سے انکار کرتے ہیں، وہ اسلامی شریعت کے پورے نظام سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن مجید کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں صرف اصولی تعلیم اور احکام ہیں، ان کے بارے میں وہ ضروری تفصیلات جن کے بغیر ان احکام پر عمل ہی نہیں ہوسکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی یا قولی احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہے، مثلاً قرآن پاک میں نماز کا حکم ہے، لیکن نماز کس طرح پڑھی جائے؟ کن اوقات میں پڑھی جائے؟ اور کس وقت کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جائیں یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، یہ ساری تفصیلات احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں، اسی طرح مثلاً قرآن مجید میں زکوٰۃ کا حکم ہے، لیکن یہ بھی نہیں بتلایا گیا کہ زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے اور ساری عمر میں ایک دفعہ نکالی جائے یا ہر سال یا ہر مہینے نکالی جائے، یہی حال اکثر و بیشتر قرآنی احکام کا ہے۔ الغرض حدیث کے حجت دینی ہونے کا انکار انجام کے لحاظ سے پورے نظام دینی کا انکار ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں امت کو خاص طور پر آگاہی دی ہے۔ یہ حدیث اس حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں پیدا ہونے والے اس فتنہ (انکار حدیث) کی اطلاع دی ہے جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلکہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں بھی تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

امت کے لئے عمل کا آسان راستہ

انُ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم يَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم وَقَدْ غَفَرَاللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدٌ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّى اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّىْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّىْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّىْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ فَلَيْسَ مِنِّىْ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ کرامؓ میں سے) تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آئے اور آپ کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے لگے (یعنی انہوں نے دریافت کیا کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کیا ہے؟) جب انکو وہ بتلایا گیا تو (محسوس ہوا کہ) گویا انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہا کہ ہم کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت! ان کے تو اگلے پچھلے سارے قصور اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے ہیں (اور قرآن میں اس کی خبر بھی دیدی گئی ہے، لہٰذا آپ کو زیادہ عبادت ریاضت کی ضرورت ہی نہیں، ہاں ہم گناہگاروں کو ضرورت ہے کہ جہاں تک بن پڑے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں) چنانچہ ایک نے کہا کہ اب میں تو ہمیشہ پوری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے صاحب نے کہا کہ میں طے کرتا ہوں کہ ہمیشہ بلاناغہ دن کو روزہ رکھا کروں گا، تیسرے صاحب نے کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ عورتوں سے بے تعلق اور دور رہوں گا، نکاح شادی کبھی نہیں کروں گا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو جب یہ خبر پہنچی) تو آپ ان تینوں صاحبوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ہی لوگوں نے یہ بات کہی ہے (اور اپنے بارے میں ایسے ایسے فیصلے کئے ہیں) سن لو! خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی اور ناراضی کی باتوں سے تم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں لیکن (اس کے باوجود) میرا حال یہ ہے کہ میں (ہمیشہ روزے نہیں رکھتا بلکہ) روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں اور (ساری رات نماز نہیں پڑھتا بلکہ) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں (اور میں نے تجرد کی زندگی اختیار نہیں کی ہے) میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) اب جو کوئی میرے اس طریقہ سے ہٹ کر چلے وہ میرا نہیں ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... جن تین صحابیوں کا اس حدیث میں ذکر ہے بظاہر ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں مغفرت و جنت حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی دنیا اور اس کی لذتوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لے اور بس اللہ کی عبادت میں لگا رہے، اپنی اسی غلط فہمی کی بناء پر وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال ہو گا لیکن جب ان کو ازواج مطہرات سے عبادت (نماز، روزے وغیرہ) کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے خیال کے لحاظ سے اس کو بہت کم سمجھا، لیکن ازراہ عقیدت و ادب اس کی توجیہ یہ کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور جنت میں درجات عالیہ کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ کو عبادت میں زیادہ مشغول رہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہمارا معاملہ دوسرا ہے ہم کو اس کی ضرورت ہے اور اس بناء پر انہوں نے اپنے لئے وہ فیصلے کئے جن کا حدیث میں ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال پیش کر کے ان کی غلط فہمی کی اصلاح اور تنبیہ فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تم سب سے زیادہ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے، اس کے باوجود میرا حال یہ ہے کہ میں راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، دنوں میں روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں، میری بیویاں ہیں، ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں۔ زندگی کا یہی وہ طریقہ ہے جو میں بہ حیثیت نبی اور رسول کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہوں، اب جو کوئی اس طریقہ سے ہٹ کر چلے اور اس سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے۔

صرف عبادت اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا، فرشتوں کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ہی پیدا کیا ہے کہ ان کے ساتھ نفس کا کوئی تقاضا نہیں ہے، انکے لئے ذکر و عبادت قریب قریب ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لئے سانس کی آمد و رفت...... لیکن ہم بنی آدم کھانے پینے کی جیسی بہت سی ضرورتیں اور نفس کے بہت سے تقاضے لے کر پیدا کئے گئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہم کو تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود و احکام کی پابندی کرتے ہوئے اپنی دنیوی ضرورتیں اور نفسانی تقاضے پورے کریں اور باہمی حقوق کو صحیح طور پر ادا کریں یہ بڑا سخت امتحان ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے، اور اسی میں کمال ہے، اسی لئے وہ فرشتوں سے افضل ہیں اور ان میں بہترین نمونہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کثرت عبادت کوئی غلط چیز ہے بلکہ اس کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ وہ ذہنیت اور وہ نقطہ نظر غلط اور طریقہ محمدی کے خلاف ہے، جس بنیاد پر ان تین صاحبوں نے اپنے بارے میں وہ فیصلے کئے

تھے۔ غالباً انہوں نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راتوں میں آرام فرمانا اور ہمیشہ روزہ نہ رکھنا اور ازدواجی زندگی اختیار کرنا اور اس طرح کے دوسرے مشاغل میں مشغول ہونا اپنے طرز عمل سے امت کی تعلیم کے لئے تھا، اور یہ کار نبوت کا جز تھا اور یقیناً آپ کے حق میں یہ نفلی عبادات سے افضل تھا۔ اس کے باوجود آپ کبھی کبھی اتنی عبادت فرماتے کہ پائے مبارک پر ورم آ جاتا اور جب آپ سے عرض کیا جاتا کہ آپ کو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے؟

تو آپ فرماتے ''اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا'' اسی طرح کبھی کبھی آپ مسلسل کئی کئی دن بلا افطار اور بلا سحری کے روزے رکھتے، جس کو ''صوم وصال'' کہا جاتا ہے۔ الغرض حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث یا اسی مضمون کی دوسری حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ عبادت کی کثرت کوئی ناپسندیدہ چیز ہے۔ ہاں رہبانیت اور رہبانیت والی ذہنیت بلاشبہ ناپسندیدہ اور طریق محمدی اور تعلیم محمدی کے خلاف ہے۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم بِنُسْخَةٍ مِنَ التَّوْرَاةِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ، فَسَكَتَ، فَجَعَلَ يَقْرَءُ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَتَغَيَّرُ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ مَا تَرٰى مَا بِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم، فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ بَدَالَكُمْ مُوْسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِىْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَاَدْرَكَ نُبُوَّتِىْ لَاتَّبَعَنِىْ. (رواه الدارمى)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تورات کا ایک نسخہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ تورات کا ایک نسخہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا (زبان مبارک سے کچھ ارشاد نہیں فرمایا) حضرت عمرؓ نے اس کو پڑھنا (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانا) شروع کر دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ (حضرت عمرؓ پڑھتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے تغیر سے بے خبر رہے) حضرت ابوبکرؓ نے (جو مجلس میں حاضر تھے، حضرت عمرؓ کو ڈانٹا اور) فرمایا ''ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی کیفیت تم نہیں دیکھ رہے ہو! تو حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف نظر کی اور فوراً بولے۔ اللہ کی پناہ! اللہ کے غصہ سے اور اس کے رسول کے غصہ سے ہم (دل و جان سے) راضی ہیں، اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور حضرت محمد کو نبی و رسول مان کر، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس خداوند عالم کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر (اللہ کے پیغمبر) موسیٰ (اس دنیا میں) تمہارے سامنے آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی اختیار کر لو تو راہ حق اور صحیح راستہ سے بھٹک جاؤ گے اور گمراہ ہو جاؤ گے اور (سنو) اگر (اللہ کے نبی) موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری پیروی کرتے (اور میری لائی ہوئی شریعت ہی پر چلتے) (مسند دارمی)

تشریح...... "نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ" کا مطلب ہے تورات کے عربی ترجمہ کا کوئی جز اور کچھ اوراق۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری اور چہرۂ مبارک پر اس کے اثر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے جو جملہ فرمایا "ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ" اس کا لفظی ترجمہ ہے "رونے والیاں تجھ کو روئیں"۔ جب اظہار ناراضی کے موقع پر جملہ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب صرف ناراضی کا اظہار ہوتا ہے، لفظی معنی مراد نہیں ہوتے، ہر زبان میں ایسے محاورے ہوتے ہیں، ہماری اردو زبان میں مائیں اپنے بچوں کو ڈانٹتے ہوئے "موا" کہتی ہیں، (جس کے لفظی معنی ہیں مرا ہوا) مقصد صرف ناراضی اور غصہ کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی و ناگواری کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ "خاتم الکتب" "قرآن مجید" اور "خاتم الانبیاء" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے بعد بھی تورات یا کسی قدیمی صحیفہ سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے، حالانکہ قرآن اور تعلیم محمدی نے معرفت الٰہی اور ہدایت کے باب میں ہر دوسری چیز سے مستغنی کر دیا ہے، اگلی کتابوں اور انبیاء سابقین کے صحیفوں میں جو ایسے حقائق اور مضامین و احکام تھے، جن کی بنی آدم کو ہمیشہ ضرورت رہے گی وہ سب قرآن مجید میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں "مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِ" جو قرآن پاک کی صفت ہے، اس کا مطلب یہی ہے۔ نیز تورات اور دوسرے اگلے صحیفوں کا دور ختم ہو چکا ہے، نزول قرآن اور بعثت محمدی کے بعد نجات اور رضائے الٰہی کا حصول، انہی کے اتباع پر موقوف ہے، اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے آپ نے قسم کھا کے فرمایا کہ اگر بالفرض آج صاحب تورات موسیٰ علیہ السلام زندہ ہو کر اس دنیا میں تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے اور میری لائی ہوئی ہدایت و تعلیم کو چھوڑ کے ان کی پیروی اختیار کر لو، تو تم راہ یاب نہیں ہو گے بلکہ گمراہ اور راہ حق سے دور ہو جاؤ گے۔ اس حقیقت پر اور زیادہ روشنی ڈالتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت و رسالت کا یہ دور پاتے تو وہ خود بھی اسی ہدایت الٰہی اور اسی شریعت کا اتباع کرتے جو میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، اور اس طرح میری اقتداء اور میری پیروی کرتے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَيَاتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِىْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِىْ اُمَّتِىْ مَنْ يَّصْنَعُ ذَالِكَ، وَاِنَّ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِىْ عَلٰى ثَلٰثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِى النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً، قَالُوْا مَنْ هِىَ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری امت میں وہ سب برائیاں آئیں گی جو بنی اسرائیل میں آئی تھیں بالکل برابر برابر، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا بدبخت ہوا ہو گا جس نے اعلانیہ اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کیا ہو گا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا بدبخت ہو گا جو ایسا کرے اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گی اور یہ سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے (وہی جنتی ہو گا) صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت وہ کون سا فرقہ ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اس راستے پر ہو گا جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ (جامع ترمذی)

(قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔)

تشریح...... اس حدیث میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ صرف ایک پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ امت کے لئے بہت بڑی آگاہی ہے، مقصد یہ ہے کہ ہر امتی اس کی فکر اور اس کا دھیان رکھے کہ وہ انہی عقائد و نظریات اور اسی مسلک پر قائم رہے جس پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام تھے، نجات اور جنت کی ضمانت انہی کیلئے ہے۔

اس طبقہ نے اپنے لئے ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا عنوان اختیار کیا ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت صحابہ کے طریقہ سے وابستگی رکھنے والے) دوسرے بہتر (۷۲) فرقے جن کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ ''كُلُّهُمْ فِي النَّار'' ان سب کی تعیین کے ساتھ نشاندہی نہیں کی جاسکتی، بہرحال یہ وہ ہیں، جن کا دینی طرز فکر اور اعتقادی مسلک ''مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ'' سے اصولی طور پر مختلف ہے، مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے جیسے زیدیہ، معتزلہ، جہمیہ اور ہمارے زمانے کے منکرین حدیث اور وہ مبتدعین جن کے عقیدے کا فساد کفر تک نہیں پہنچا ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں نے ایسے عقائد اختیار کر لئے جن کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو گئے۔ جیسے قدیم زمانے میں مسیلمہ کذاب وغیرہ مدعیان نبوت کو نبی ماننے والے، یا ہمارے زمانے کے قادیانی، سو ایسے لوگ ''امت'' کے دائرہ ہی سے نکل گئے اس لئے یہ ان بہتر (۷۲) فرقوں میں شامل نہیں ہیں، یہ بہتر (۷۲) فرقے وہ ہیں جو امت کے دائرہ میں ہیں، مگر انہوں نے ''مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ'' کے راستہ سے ہٹ کر اعتقادی مسلک اور دینی طرز فکر اختیار کرلیا لیکن ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار اور کوئی ایسا عقیدہ اختیار نہیں کیا جس کی وجہ سے اسلام اور امت کے دائرہ ہی سے خارج ہوگئے ہوں۔ ان کے بارے میں جو فرمایا گیا ''كُلُّهُمْ فِي النَّار'' ''مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ'' (یہ سب جہنم میں جائیں گے) اس کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ کے فساد اور گمراہی کی وجہ سے یہ عذاب جہنم کے مستحق ہوں گے۔ اسی طرح ''مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ'' کے مسلک سے وابستگی رکھنے والے تہترویں فرقے کے جنتی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اعتقادی استقامت کی وجہ سے نجات اور جنت کا مستحق ہوگا۔ بہرحال حدیث میں جس ''تفرق'' (فرقوں میں تقسیم ہونے کا) ذکر فرمایا گیا ہے، اس کا اعمال کی نیکی بدی اور اچھائی برائی سے تعلق ہے، فرقہ بندی کا تعلق عقائد وانکار سے ہوتا ہے۔ اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کی وجہ سے ثواب یا عذاب کا مستحق ہونا بھی برحق ہے، لیکن اس حدیث کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اصلاح امت کی جدوجہد

عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ اَحْيٰى سُنَّةً مِنْ سُنَّتِىْ قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِىْ كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. (رواہ الترمذی)

حضرت بلال بن الحارث مزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد ختم کردی گئی تھی، (متروک ہوگئی تھی) تو اس شخص کو اجر وثواب ملے گا ان تمام بندگان خدا کے اجر وثواب کے برابر جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں سے کچھ کمی کی جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث کے مضمون کو اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ فرض کیجئے کسی علاقے کے مسلمانوں میں زکوٰۃ ادا کرنے کا یا مثلاً باپ کے ترکہ میں بیٹیوں کو حصہ دینے کا رواج نہیں رہا، پھر کسی بندہ خدا کی محنت اور جدوجہد سے اس گمراہی اور بددینی کی اصلاح ہوئی اور لوگ زکوٰۃ ادا کرنے لگے اور بیٹیوں کو شرعی حصہ دیا جانے لگا تو اس کے بعد علاقہ کے جتنے لوگ بھی زکوٰۃ ادا کریں گے اور بہنوں کو اس کا شرعی حق دیں گے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عمل کا جتنا اجر و ثواب ملے گا۔ اس سب کے مجموعہ کے برابر اس بندے کو عطا ہوگا جس نے ان دینی احکام و اعمال کو پھر سے زندہ کرنے اور رواج دینے کی جدوجہد کی تھی اور یہ اجر عظیم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے خصوصی انعام کے طور پر عطا ہوگا، ایسا نہیں کہ عمل کرنے والوں کے اجر سے کاٹ کر اور کچھ کم کر کے دیا جائے۔ اس کی ہمارے ہی زمانے کی ایک واقعاتی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ ہر مسلمان، جوان ہو یا بوڑھا، امیر ہو یا غریب، پڑھا لکھا ہو یا بے پڑھا لکھا، دین کی ضروری واقفیت حاصل کرے اور دین پر چلے اور اپنے خیالات اور استطاعت کے مطابق دوسروں میں بھی اس کے لئے محنت اور کوشش کرے۔ لیکن کچھ تاریخی اسباب کی وجہ سے مرور زمان کے ساتھ یہ نظام کمزور پڑتا رہا اور صدیوں سے یہ حال ہوگیا کہ علماء مخلصین اور خواص اہل دین کے بہت ہی محدود حلقہ میں دین کی فکر باقی رہ گئی ہے۔ پھر ہمارے ہی زمانے میں اللہ کے ایک مخلص بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وفادار امتی نے دین کی فکر و محنت کے اس عمومی اور عوامی نظام کو پھر سے رائج کرنے اور رواج میں لانے کے لئے جدوجہد کی اور اپنی زندگی اسی کے لئے وقف کر دی جس کا یہ نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ اس وقت (جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم ہو کر پندرہویں صدی شروع ہوئی ہے) دنیا کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کے وہ لاکھوں افراد جن کا دین سے نہ علمی تعلق تھا نہ عملی اور ان کے دل آخرت کی فکر سے بالکل خالی تھے۔ اب وہ آخرت ہی کو سامنے رکھ کر خود اپنی زندگی کو بھی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق بنانے اور دوسروں میں بھی اس کی فکر پیدا کرنے کے لئے محنت و کوشش کر رہے ہیں، اس راہ میں قربانیاں دے رہے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔ بلاشبہ احیاء سنت کی عظیم مثال ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ امت میں اور پھر پورے عالم انسانی میں ہدایت کو عام فرمائے۔ "وَمَا ذَالِکَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ."

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبىٰ لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ. (رواہ الترمذی)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین (اسلام) جب شروع ہوا تو وہ غریب (یعنی لوگوں کیلئے اجنبی اور کسمپرسی کی حالت میں) تھا، پس شادمانی ہو غرباء کے لئے اور (غرباء سے مراد) وہ لوگ ہیں جو اس فساد اور بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کریں گے جو میرے بعد میری سنت (اور میرے طریقہ) میں لوگ پیدا کریں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... ہماری اردو زبان میں تو "غریب" نادار اور مفلس آدمی کو کہا جانے لگا، لیکن اس لفظ کے اصل معنی ایسے پردیسی کے ہیں جس کا کوئی شناسا اور پرسان حال نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے سامنے اسلام پیش کیا تھا تو اس کی تعلیم، اس کے عقائد، اس کے اعمال اور اس کے نظام زندگی لوگوں کے لئے بالکل نامانوس اور اجنبی تھے اور وہ اس وقت ایسے غریب الوطن پردیسی کی طرح تھا جس کا کوئی جاننے پہچاننے والا اور کوئی اس کی بات پوچھنے والا نہ ہو۔ پھر رفتہ رفتہ یہ صورت حال بدلتی رہی لوگ اس سے مانوس ہوتے رہے اور اس کو اپناتے رہے، یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ پہلے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اجتماعی طور پر اس کو سینہ سے لگایا، اس کے بعد جلدی ہی قریباً پورے جزیرۃ العرب نے اس کو اپنالیا، پھر دنیا کے دوسرے ملکوں نے بھی اس کو خوش آمدید کہا اور اس کو عام مقبولیت حاصل ہوئی، لیکن جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ جس طرح اگلی امتوں میں بگاڑ آیا آپ کی امت میں بھی آئے گا اور اس کی غالب اکثریت گمراہانہ رسوم اور غلط طور طریقوں کو اپنالے گی اور اصل اسلام جس کی دعوت و تعلیم آپ نے دی تھی، بہت ہی کم لوگوں میں رہ جائے گی اور اپنے ابتدائی دور کی طرح وہ پھر غریب الوطن پردیسی کی طرح ہو جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں امت کو اس انقلاب حال کی اطلاع اور آگاہی دی ہے اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا ہے کہ امت کے اس عمومی فساد کے وقت اصل اسلام پر قائم رہنے والے جو وفادار امتی اس فساد و بگاڑ کی اصلاح کی کوشش اور بگڑی ہوئی امت کو اصل اسلام کی طرف لانے کی جدوجہد کریں گے ان کو شاباش اور مبارکباد اس حدیث شریف میں دین کے ایسے وفادار خادموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غرباء'' کا خطاب دیا ہے۔

بلاشبہ ہمارے اس زمانے میں مسلمان کہلانے والی امت کا جو حال ہے، اس پر یہ حدیث پوری طرح منطبق ہے، امت کی غالب اکثریت دین کی بنیادی تعلیمات سے بے خبر قبر پرستی جیسے صریح شرک میں مبتلا اور نماز و زکوٰۃ جیسے بنیادی ارکان کی بھی تارک ہے، دن رات کے معاملات، خرید و فروخت وغیرہ میں حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں ہے، جھوٹے مقدمات اور جھوٹی گواہی جیسے موجب لعنت گناہوں سے صرف اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے پرہیز کرنے والے بہت ہی کم رہ گئے ہیں، علماء و درویشوں کی بڑی تعداد میں نفس پرستی اور حب جاہ و مال کی پیدا کی ہوئی وہ ساری خرابیاں دیکھی جاسکتی ہیں جو یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان میں پیدا ہوگئی تھیں، اور جن کی وجہ سے ان پر خدا کی لعنت ہوئی، ایسے فساد عام کے وقت میں جو باتوفیق بندے اصل اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و سنت سے وابستہ رہیں اور امت کی اصلاح کی فکر و کوشش میں حصہ لیں وہ لشکر محمدی کے وفادار سپاہی ہیں، انہیں کو اس حدیث میں ''غرباء'' کہا گیا ہے) اور زبان نبوت سے ان کو شاباشی اور مبارکباد دی گئی ہے، ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاحْشُرْنَا فِىْ زُمْرَتِهِمْ''.

دنیوی معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے کی حیثیت

اللہ کے پیغمبر جو بھی حکم نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے دیں وہ واجب الاطاعت ہے، خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، عبادات سے ہو یا معاملات سے، اخلاق سے ہو یا معاشرت سے، یا زندگی کے کسی بھی شعبہ سے لیکن کبھی کبھی اللہ کے پیغمبر کسی خالص دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے بھی مشورہ دیتے ہیں تو اس کے بارے میں خود رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمادیا ہے کہ وہ امت کے لئے واجب اطاعت نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ صحیح ہو، اس میں غلطی بھی ہوسکتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث کا مدعیٰ یہی ہے۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَابِرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ؟ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهٗ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا لَكَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ مِنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْهُ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ. (رواہ مسلم)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہجرت کر کے) مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اہل مدینہ کھجور کے درختوں پر تابیر کا عمل کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ یہ کیا کرتے ہیں؟ (اور کس واسطے کرتے ہیں؟) انہوں نے عرض کیا کہ یہ ہم پہلے سے کرتے آئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید کہ تم اس کو نہ کرو تو بہتر ہو، تو انہوں نے اس کو ترک کر دیا، تو پیداوار کم ہوئی، تو لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں (اپنی فطرت کے لحاظ سے) بس ایک بشر ہوں، جب میں تم کو دین کی لائن کی کسی بات کا حکم کروں تو اس کو لازم پکڑ لو (اور اس پر عمل کرو) اور جب میں اپنی ذاتی رائے سے کسی بات کے لئے تم سے کہوں تو میں بس ایک بشر ہوں۔ (مسلم)

تشریح...... مدینہ طیبہ کھجور کی پیداوار کا خاص علاقہ تھا (اور اب بھی ایسا ہی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر وہاں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ کھجور کے درختوں میں ایک درخت کو نر اور دوسرے کو مادہ قرار دے کر ان کے شگوفوں میں ایک خاص طریقہ سے پیوند کاری کرتے ہیں، جس کو "تابیر" کہا جاتا تھا، چونکہ مکہ معظمہ اور اس کے اطراف میں کھجور پیدا نہیں ہوتی اس لئے یہ تابیر کا عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک نئی بات تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں اور کس لئے کرتے ہیں؟ وہ اس کی کوئی خاص حکمت اور نافعیت نہیں بتلا سکے، صرف یہ کہا کہ پہلے سے ہی یہ ہوتا رہا ہے، یعنی ہم نے اپنے باپ دادا کو کرتے دیکھا تھا اس لئے ہم بھی کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دور جاہلیت کی دوسری بہت سی لغو باتوں کی طرح کا ایک فضول اور بے فائدہ کام سمجھا اور ارشاد فرمایا کہ شاید اس کو نہ کرو تو بہتر ہو۔ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر اس عمل تابیر کو ترک کر دیا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اس فصل میں کھجور کی پیداوار گھٹ گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ الخ" یعنی میں اپنی ذات سے ایک بشر ہوں، میری ہر بات دینی ہدایت اور وحی کی بنیاد نہیں ہوتی، بلکہ ایک بشر کی حیثیت سے بھی بات کرتا ہوں تو جب میں نبی و رسول کی حیثیت سے دین کی لائن کی کسی بات کا حکم دوں تو وہ واجب التعمیل ہے اور جب میں کسی دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے کچھ کہوں تو اس کی حیثیت ایک بشر کی رائے کی ہے، اس میں غلطی بھی ہوسکتی ہے اور عمل تابیر کے بارے میں جو بات میں نے کہی تھی وہ میرا ذاتی خیال اور میری ذاتی رائے تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ بہت سی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب خاصیتیں رکھ دی ہیں، جن کا پورا علم بھی بس اسی کو ہے،

تابیر کے عمل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس کی وجہ سے پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں بتلایا گیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، آپ باغبانی کے رموز بتلانے کیلئے نہیں آئے تھے، بلکہ عالم انسانی کی ہدایت اور اس کو رضائے الٰہی اور جنت کا راستہ دکھلانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے اور اس کیلئے جس علم کی ضرورت تھی، وہ آپ کو بھرپور عطا فرمایا گیا تھا۔

دین کا سیکھنا اور سکھلانا

عن انس قال قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ طلب العلم فريضة على كل مسلم.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علم (دین کا) طلب کرنا (یعنی اسکے حاصل کرنیکی کوشش کرنا) ہر مسلمان پر فرض ہے (ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت ہو، شہری ہو یا دیہاتی ہو، امیر ہو یا غریب ہو، دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور علم کا یہ مطلب نہیں کہ عربی ہی پڑھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی باتیں سیکھے خواہ عربی کتابیں پڑھ کر خواہ اُردو کی کتابیں پڑھ کر، خواہ معتبر عالموں سے زبانی پوچھ کر، خواہ معتبر واعظوں سے وعظ کہلوا کر، اور جو عورتیں خود نہ پڑھ سکیں اور نہ کسی عالم تک پہنچ سکیں، وہ اپنے مردوں کے ذریعہ سے دین کی باتیں عالموں سے پوچھتی رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر (یہ ایک صحابی کا نام ہے) اگر تم کہیں جا کر ایک آیت قرآن کی سیکھ لو یہ تمہارے لیے سو رکعت (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے اور اگر تم کہیں جا کر ایک مضمون علم (دین) کا سیکھ لو خواہ اس پر عمل ہو یا عمل نہ ہو یہ تمہارے لیے ہزار رکعت (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث سے علم دین حاصل کرنے کی کتنی بڑی فضیلت ثابت ہوئی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بعضے لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ جب عمل نہ ہو سکا تو پوچھنے اور سیکھنے سے کیا فائدہ، یہ غلطی ہے۔

دیکھو اس میں صاف فرمایا ہے کہ خواہ عمل ہو یا نہ ہو دونوں حالت میں یہ فضیلت حاصل ہوگی۔ اس کی تین وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب دین کی بات معلوم ہوگئی تو گمراہی سے تو بچ گیا یہ بھی بڑی دولت ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ جب دین کی بات معلوم ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی تو عمل کی بھی توفیق ہو جاوے گی۔

تیسری وجہ یہ کہ کسی اور کو بھی بتلا دے گا۔ یہ بھی ضرورت اور ثواب کی بات ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان آدمی کوئی علم (دین کی بات) سیکھے پھر اپنے بھائی مسلمان کو سکھلا دے۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دین کی جو بات معلوم ہوا کرے وہ دوسرے بھائی مسلمانوں کو بھی بتلا دیا کرے، اس کا ثواب تمام خیر خیرات سے زیادہ ہے، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے کہ ذرا سی زبان ہلانے میں ہزار روپیہ خیرات کرنے سے بھی زیادہ ثواب مل جاتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ۔ (التحریم آیت ۶) اس کی تفسیر

میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو بھلائی (یعنی دین) کی باتیں سکھلاؤ۔ (حاکم) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے بیوی بچوں کو دین کی باتیں سکھلانا فرض ہے۔ نہیں تو انجام دوزخ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والے کے عمل اور نیکیوں میں سے جو چیز اس کے مرنے کے بعد بھی اس کو پہنچتی رہتی ہے ان میں یہ چیزیں بھی ہیں ایک علم (دین) جو سکھلایا ہو (یعنی کسی کو پڑھایا ہو یا مسئلہ بتلایا ہو) اور اس (علم) کو پھیلایا ہو (مثلاً دین کی کتابیں تصنیف کی ہوں یا ایسی کتابیں خرید کر وقف کی ہوں یا طالب علموں کو دی ہوں یا طالب علموں کو کھانے، کپڑے کی مدد دی ہو جن سے علم دین پھیلے گا اور یہ بھی مدد دے کہ اُس پھیلانے میں ساجھی ہو گیا) دوسرے نیک اولاد جس کو چھوڑ مرا ہو (اور بھی کئی چیزیں فرمائیں)۔ (ابن ماجہ وبیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمایا نے کسی اولاد والے نے اپنی اولاد کو کوئی دینے کی چیز ایسی نہیں دی جو اچھے ادب (یعنی علم سے بڑھ کر ہو۔ (ترمذی وبیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص تین بیٹیوں کی یا اسی طرح تین بہنوں کی عیالداری (یعنی ان کی پرورش کی ذمہ داری کرے پھر ان کو ادب (یعنی علم) سکھلا دے اور ان پر مہربانی کرے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بے فکر کر دے (یعنی اُن کی شادی ہو جاوے جس سے وہ پرورش سے بے فکر ہو جاویں) اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے جنت کو واجب کر دے گا۔ ایک شخص نے دو کی نسبت پوچھا آپ نے فرمایا دو میں بھی یہی فضیلت ہے۔ ایک شخص نے ایک کی نسبت پوچھا آپ نے فرمایا ایک میں بھی یہی فضیلت ہے۔ (شرح السنہ)

حصول علم کا دستور العمل

عن ابی هريرة رضى الله عنه ان النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قال افضل الصدقة ان يتعلم المرا المسلم علما ثم يعلمه اخاه المسلم.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان آدمی کوئی علم (دین کی بات) سیکھے پھر اپنے بھائی مسلمان کو سکھلا دے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: ان حدیثوں میں اور اسی طرح اور بہت سی حدیثوں میں علم دین اور تعلیم دین یعنی دین کے سیکھنے اور سکھلانے کا ثواب اور اس کا فرض ہونا مذکور ہے اصل سیکھنا اور سکھلانا تو وہی ہے جس سے آدمی عالم یعنی مولوی بن جاوے مگر ہر شخص کو نہ اتنی ہمت، نہ اتنی فرصت۔ اس لیے میں دین سیکھنے اور سکھلانے کے ایسے آسان طریقے بتلاتا ہوں جس سے عام لوگ بھی اس فرض کو ادا کر کے ثواب حاصل کر سکیں، تفصیل ان طریقوں کی یہ ہے۔

ا۔ جو لوگ اُردو حروف پہچان سکتے اور پڑھ سکتے ہیں یا آسانی سے اُردو پڑھنا سیکھ سکتے ہیں وہ تو ایسا کریں کہ اُردو زبان میں جو معتبر کتابیں دین کی ہیں جیسے بہشتی زیور اور بہشتی گوہر اور تعلیم الدین اور قصد السبیل اور تبلیغ دین اور تسہیل المواعظ کے

سلسلہ کے وعظ جتنے مل جاویں ان کتابوں کو کسی اچھے جاننے والے سے سبق کے طور پر پڑھ لے اور جب تک کوئی ایسا پڑھانے والا نہ ملے ان کتابوں کو خود دیکھتا رہے اور جہاں سمجھ میں نہ آوے یا کچھ شبہ رہے وہاں پنسل وغیرہ سے کچھ نشان کر دے، پھر جب کوئی اچھا جاننے والا مل جاوے اس سے پوچھ لے اور سمجھ لے اور اس طرح جو حاصل ہو وہ مسجد میں یا بیٹھک میں دوسروں کو بھی پڑھ کر سُنا دیا کرے اور گھر میں آ کر اپنی عورتوں اور بچوں کو سُنا دیا کرے اسی طرح جنہوں نے مسجد یا بیٹھک میں سُنا ہے وہ بھی اس کو اپنے دھیان میں چڑھا کر جتنا یاد رہے اپنے گھر والوں میں آ کر گھر والوں کو سنا دیا کریں۔

۲۔اور جو لوگ اُردو نہیں پڑھ سکتے وہ کسی اچھے لکھے پڑھے سمجھ دار آدمی کو اپنے یہاں بلا کر اس سے اسی طرح وہی کتابیں سن لیا کریں اور دین کی باتیں پوچھ لیا کریں، اگر ایسا آدمی ہمیشہ رہنے کے لیے تجویز ہو جاوے تو بہت ہی اچھا ہے اگر اس کو کچھ تنخواہ بھی دینا پڑے تو سب آدمی تھوڑا تھوڑا چندہ کے طور پر جمع کر کے ایسے شخص کو تنخواہ بھی دے دیا کریں۔ دنیا کے بے ضرورت کاموں میں سینکڑوں ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں اگر دین کی ضروری بات میں تھوڑا سا خرچ کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مگر ایسا آدمی جو تم کو دین کی باتیں بتلاوے اور ایسی کتابیں اپنی عقل سے تجویز مت کرنا بلکہ کسی اچھے اللہ والے عالم سے صلاح لے کر تجویز کرنا۔

۳۔ایک کام یہ پابندی سے کریں کہ جب کوئی کام دنیا کا یا دین کا کرنا ہو جس کا اچھا یا بُرا ہونا شروع سے نہ معلوم ہو اس کو دھیان کر کے کسی اللہ والے عالم سے ضرور پوچھ لیا کریں اور وہ جو بتلاوے اس کو خوب یاد رکھیں اور دوسرے مردوں اور عورتوں کو بھی بتلا دیا کریں اور اگر ایسے عالم کے پاس جانے کی فرصت نہ ہو تو اس کے پاس خط بھیج کر پوچھ لیا کریں اور جواب کے واسطے ایک لفافہ پر اپنا پتہ لکھ کر یا لکھوا کر اپنے خط کے اندر رکھ دیا کریں کہ اس طرح سے جواب دینا اس عالم کو آسان ہوگا اور جلدی آوے گا۔

۴۔ایک اس بات کی پابندی رکھیں کہ کبھی کبھی اللہ والے عالموں سے ملتے رہیں، اگر ارادہ کر کے جاویں تو بہت ہی اچھی بات ہے اور اگر اتنی فرصت نہ ہو اور ایسا عالم پاس بھی نہ ہو جیسے گاؤں والے ایک طرف پڑے رہتے ہیں تو جب کبھی شہروں میں کسی کام کو جانا ہو اور وہاں ایسا عالم موجود ہو تو تھوڑی دیر کے لیے اس کے پاس جا کر بیٹھ جایا کریں اور کوئی بات یاد آ جائے تو پوچھ لیا کریں۔

۵۔ایک کام ضروری سمجھ کر یہ کیا کریں کہ کبھی کبھی مہینہ دو مہینہ میں کسی عالم کی صلاح سے کسی وعظ کہنے والے کو گاؤں یا اپنے محلّہ میں بلا کر اس کا وعظ سنا کریں جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف دل میں پیدا ہو کہ اس سے دین پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ مختصر بیان ہے دین سیکھنے کے طریقوں کا اور طریقے بھی کیسے! بہت آسان، اگر پابندی سے ان طریقوں کو جاری رکھیں گے تو دین کی ضروری باتیں بے محنت حاصل ہو جاویں گی اور اس کے ساتھ ہی دو باتوں کا اور خیال رکھیں کہ وہ بطور پرہیز کے ہے۔ ایک یہ کہ کافروں کے اور گمراہوں کے جلسوں میں ہرگز نہ جاویں۔ اول تو کفر کی اور گمراہی کی باتیں کان میں پڑنے سے دل میں اندھیرا پیدا ہوتا ہے دوسرے بعض دفعہ ایمان کے جوش میں ایسی باتوں پر غصہ آ جاتا ہے۔ پھر اگر غصہ ظاہر کیا تو بعض دفعہ فساد ہو جاتا ہے، بعض دفعہ اس فساد سے دنیا کا بھی نقصان ہو جاتا ہے، بعض دفعہ مقدمہ کا جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے، سب میں وقت بھی خرچ ہوتا ہے اور روپیہ بھی، یہ سب باتیں پریشانی کی ہیں اور اگر غصہ ظاہر نہ کر سکے تو دل ہی دل میں گھٹن اور رنج پیدا ہوتا ہے خواہ مخواہ بیٹھے بٹھلائے غم خریدنا کیا فائدہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی سے بحث مباحثہ نہ کریں کہ اس میں

بھی اکثر ویسی ہی خرابیاں ہو جاتی ہیں جن کا ابھی بیان ہوا اور ایک بڑی خرابی ان دونوں باتوں میں اور ہے جو سب خرابیوں سے بڑھ کر ہے۔ وہ یہ کہ ایسے جلسوں میں جانے سے یا بحث کرنے سے کوئی بات کفر کی اور گمراہی کی ایسی کان میں پڑ جاتی ہے جس سے خود بھی شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے پاس اتنا علم نہیں جو اس شبہ کو دل سے دُور کر سکے تو ایسا کام کیوں کرے جس سے اتنا بڑا نقصان ہونے کا ڈر ہو اور اگر کوئی خواہ مخواہ بحث چھیڑنے لگے تو سختی سے کہہ دو کہ ہم سے ایسی باتیں مت کرو، اگر تم کو پوچھنا ہی ضروری ہو تو عالموں کے پاس جاؤ اگر ان سب باتوں کا خیال رکھو گے تو دوا اور پرہیز کو جمع کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ دین کے تندرست رہو گے کبھی دین کی بیماری نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

قرآنِ مجید کا پڑھنا اور پڑھانا

عن عثمان قال قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ خيركم من تعلم القران و علمه.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سب میں اچھا وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلا دے۔ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص مسجد میں جا کر کلام اللہ شریف کی دو آیتیں کیوں نہ سیکھ لے یہ اس کے لیے دو اونٹنیوں (کے ملنے) سے زیادہ بہتر ہے اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے زیادہ بہتر ہیں اور ان کی گنتی کے جتنے اونٹ ہوں ان سب سے وہ آیتیں بہتر ہیں۔ (مسلم)

فائدہ: جس کی وجہ ظاہر ہے کہ اونٹ تو دنیا ہی میں کام آتے ہیں اور آیتیں دونوں جہان میں کام آتی ہیں اور اونٹ کا نام مثال کے طور پر لیا گیا کیونکہ عرب اونٹوں کو بہت چاہتے تھے ورنہ ایک آیت کے مقابلہ میں بھی ساری دنیا کی کوئی حقیقت نہیں (مرقاۃ) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے پورا قرآن بھی نہ پڑھا ہو تھوڑا ہی پڑھا ہو اس کو بھی بڑی نعمت حاصل ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا قرآن خوب صاف ہو وہ (درجہ میں) فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو بندوں کے اعمال نامے لکھنے والے اور عزت والے اور پاکی والے ہیں اور جو شخص قرآن پڑھتا ہو اور اس میں اٹکتا ہو اور وہ اس کو مشکل لگتا اس کو دو ثواب ملیں گے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: دو ثواب اس طرح سے کہ ایک ثواب پڑھنے کا اور ایک ثواب اس محنت کا کہ اچھی طرح چلتا نہیں مگر تکلیف اُٹھا کر پڑھتا ہے۔ اس حدیث میں کتنی بڑی تسلی ہے اس شخص کے لیے جس کو قرآن اچھی طرح یاد نہیں ہوتا وہ تنگ ہو کر اور نا اُمید ہو کر یہ سمجھ کر چھوڑ نہ دے کہ جب یاد ہی نہیں ہوتا تو پڑھنے ہی سے کیا فائدہ؟ آپ نے خوشخبری دے دی کہ ایسے شخص کو دو ثواب ملیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے سینہ میں کچھ بھی قرآن نہ ہو وہ ایسا ہے جیسے اُجاڑ گھر۔ (ترمذی و دارمی)

فائدہ: اس میں تاکید ہے کہ کوئی مسلمان قرآن سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کلام اللہ میں سے ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی دس نیکی کے برابر ہوتی ہے (تو اس حساب سے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں) اور میں یوں نہیں کہتا الم ایک

حرف ہے بلکہ اس میں الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے۔ (ترمذی و دارمی)

فائدہ: یہ ایک مثال ہے اسی طرح جب پڑھنے والے نے الحمد کہا تو اس میں پانچ حرف ہیں تو اس پر پچاس نیکیاں ملیں گی۔ اللہ اکبر کتنی بڑی فضیلت ہے۔ پس ایسے شخص کی حالت پر افسوس ہے کہ ذرا سی کم ہمتی کر کے اتنی بڑی دولت حاصل نہ کرے۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور اس کے حکموں پر عمل کیا اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جاوے گا جس کی روشنی آفتاب کی اس روشنی سے بھی زیادہ خوب صورت ہوگی جو دنیا کے گھروں میں اس حالت میں ہو کہ آفتاب تم لوگوں میں آجاوے (یعنی اگر آفتاب تمہارے پاس آجاوے تو اس وقت گھروں میں کتنی روشنی ہو جاوے۔ اس روشنی سے بھی زیادہ روشنی اس تاج کی ہوگی) سو اس شخص کی نسبت تمہارا کیا خیال ہوگا جس نے خود یہ کام کیا ہے (یعنی قرآن پڑھا ہے اور اس پر عمل کیا ہے اس کا کیا کچھ مرتبہ ہوگا!)۔ (احمد و ابوداؤد)

فائدہ: اس حدیث میں اولاد کے قرآن پڑھنے کی کتنی بڑی فضیلت ہے سو سب مسلمانوں کو چاہیے کہ اولاد کو ضرور قرآن پڑھائیں اور لڑکوں کو بھی اگر کاروبار میں پورا پڑھانے کی فرصت نہ ہو تو جتنا پڑھا سکو جیسا حدیث نمبر۲ میں معلوم ہوا اور اگر حفظ نہ کرا سکو تو ناظرہ ہی پڑھاؤ اور اگر حفظ کرانے کی توفیق ہو تو سبحان اللہ اس کی اور بھی فضیلت ہے جیسا ابھی اس کی حدیث لکھتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص قرآن پڑھے اور اس کو حفظ کرے اور اس کے حلال کو حلال جانے اور اس کے حرام کو حرام جانے (یعنی عقیدہ اس کے خلاف نہ رکھے جیسے اوپر والی حدیث پر عمل کرنے کو فرمایا تھا اس میں اس پر عقیدہ رکھنے کو فرمایا) تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کی سفارش (بخشش کے لیے) اس کے گھر والوں میں ایسے دس شخصوں کے حق میں قبول فرماوے گا کہ ان سب کے لیے دوزخ لازم ہو چکی تھی۔ (احمد و ترمذی و ابن ماجہ و دارمی)

فائدہ: اس حدیث میں حفظ کرنے کی فضیلت پہلے سے بھی زیادہ ہے، اور ظاہر ہے کہ گھر والوں میں سب سے زیادہ قریب کے علاقہ والے ماں باپ ہیں تو یہ سفارش بخشش کی ماں باپ کیلئے یقینی ہے، تو اس سے اپنی اولاد کو حافظ بنانے کی فضیلت کس درجہ کی ثابت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دلوں کو بھی (کبھی) زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے جب اس کو پانی پہنچ جاتا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون چیز ہے جس سے دلوں کی صفائی ہو جاوے؟ آپ نے فرمایا موت کا دھیان رکھنا اور قرآن مجید کا پڑھنا۔ (بیہقی شعب الایمان)

تلاوت قرآن کا اجر وثواب

عن جابر رضی اللہ عنہ قال خرج علینا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ونحن نقرا القرآن وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرء وا فکل حسن

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم میں دیہاتی لوگ بھی تھے اور ایسے بھی تھے جو عرب نہ تھے (مطلب یہ کہ ایسے لوگ بھی تھے جو

بہت اچھا قرآن نہ پڑھ سکتے تھے، کیونکہ دیہاتیوں کی تعلیم کم ہوتی ہے، اور جو عرب نہیں ان کی زبان عربی پڑھنے میں زیادہ صاف نہیں ہوتی) آپ نے فرمایا پڑھتے رہو سب اچھے ہیں (یعنی اگر بہت اچھا نہ پڑھ سکو تو دل تھوڑا نہ کرو اور اچھا پڑھنے والے ان کو حقیر نہ سمجھیں اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے) (ابوداؤد و بیہقی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ خیال نہ کرے کہ ہماری زبان صاف نہیں یا ہماری عمر زیادہ ہوگئی اب اچھا نہ پڑھا جاوے گا تو ہم کو ثواب کیا ملے گا یا شاید گناہ ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب کی کیسی تسلی فرمادی اور سب کو پڑھنے کا حکم دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص قرآن کی ایک آیت سننے کے لیے بھی کان لگاوے اس کے لیے ایسی نیکی لکھی جاتی ہے جو بڑھتی چلی جاتی ہے (اس بڑھنے کی کوئی حد نہیں بتلائی، اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ بڑھنے کی کوئی حد نہ ہوگی، بے انتہائی بڑھتی چلی جاوے گی) اور جو شخص اس آیت کو پڑھے وہ آیت اس شخص کے لیے قیامت کے دن ایک نور ہوگا (جو اس نیکی کے بڑھنے سے بھی زیادہ ہے) (احمد)

فائدہ: اللہ اکبر قرآن مجید کیسی بڑی چیز ہے کہ جب تک قرآن پڑھنا نہ آوے کسی پڑھنے والے کی طرف کان لگا کر سن ہی لیا کرے وہ بھی ثواب سے مالا مال ہو جاوے گا، اللہ کے بندو یہ تو کچھ بھی مشکل نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آوے گا اور ان کو بخشواوے گا۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کا پڑھنے والا قیامت کے روز آوے گا۔ قرآن یوں کہے گا کہ اے پروردگار! اس کو جوڑا پہنا دیجئے۔ پس اس کو عزت کا تاج پہنا دیا جاوے گا۔ پھر کہے گا اے پروردگار اور زیادہ پہنا دیجئے۔ پس اس کو عزت کا جوڑا پہنا دیا جاوے گا۔ پھر کہے گا اے پروردگار اس سے خوش ہو جایئے، پس اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جاوے گا۔ پھر اس سے کہا جاوے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور درجوں پر چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلے ایک ایک نیکی بڑھتی جاوے گی۔ (ترمذی و ابن ماجہ و خزیمہ و حاکم)

فائدہ: اس پڑھنے اور چڑھنے کی تفصیل ایک اور حدیث میں آئی ہے کہ جس طرح سنبھال سنبھال کر دنیا میں پڑھتا تھا اس طرح پڑھتا ہوا اور چڑھتا ہوا چلا جا جو آیت پڑھنے میں اخیر ہوگی وہاں ہی تیرے رہنے کا گھر ہے۔ (ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و ابن حبان)

فائدہ: مسلمانو! ان حدیثوں میں غور کرو اور قرآن مجید حاصل کرنے میں اور اولاد کو پڑھانے میں کوشش کرو۔ اگر پورا قرآن پڑھنے یا پڑھانے کی فرصت نہ ہو تو جتنا ہو سکے اُسی کی ہمت کرو۔ اگر اچھی طرح یاد نہ ہوتا ہو یا صاف اور صحیح نہ ہوتا ہو گھبراؤ مت، اس میں لگے رہو۔ اس طرح سے پڑھنے میں بھی ثواب ملتا ہے، اگر حفظ نہ کرسکو ناظرہ ہی پڑھو پڑھاؤ اس کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ اگر پورا قرآن حاصل کرنے کی فرصت نہیں یا ہمت نہیں کسی پورا قرآن پڑھنے والے کے پاس بیٹھ کر سن ہی لیا کرو۔ ان سب باتوں کا ثواب اوپر حدیثوں میں پڑھ چکے ہو اور موٹی بات ہے کہ جو کام ضروری ہوتا ہے اور ثواب کا ہوتا ہے اُس کا سامان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور اس میں بھی ثواب ملتا ہے پس اس قاعدہ سے قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا سامان کرنا بھی ضروری ہوگا اور اس میں ثواب بھی ملے گا اور سامان اس کا یہی ہے کہ ہر ہر جگہ کے مسلمان مل کر قرآن کے مکتب قائم کریں اور

بچوں کو قرآن پڑھوائیں اور بڑی عمر کے آدمی بھی اپنے کاموں میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر تھوڑا تھوڑا قرآن سیکھا کریں اور جو پڑھانے والا مفت نہ ملے سب مل کر اس کو گذارہ کے موافق کچھ تنخواہ دیا کریں۔ اسی طرح جو بچے اپنے گھر سے غریب ہوں اور اس لیے زیادہ قرآن نہ پڑھ سکیں ان کے کھانے کپڑے کا بندوبست کر دیا کریں کہ وہ اطمینان سے قرآن مجید ختم کر سکیں اور جو لڑکے جتنا قرآن پڑھتے جائیں اپنے گھر جا کر عورتوں اور لڑکیوں کو بھی پڑھا دیا کریں۔ اس طرح سے گھر کے سب مرد اور عورت قرآن پڑھ لیں گے۔ اگر کوئی سیپارہ میں نہ پڑھ سکے وہ زبانی ہی کچھ سورتیں یاد کر لے اور قرآن کے کچھ اور حقوق بھی ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص جتنا پڑھ لے خواہ پورا خواہ تھوڑا وہ اس کو ہمیشہ پڑھتا رہا کرے تا کہ یاد رہے۔ اگر یاد نہ رکھا تو پڑھا بے پڑھا سب یکساں ہو گیا۔ دوسرا یہ کہ اگر کسی کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کا بھی شوق ہو تو بطور خود ترجمہ نہ دیکھے کہ اس میں غلط سمجھ جانے کا قوی اندیشہ ہے، کسی عالم سے سبق کے طور پر پڑھ لے اور تیسرا یہ کہ قرآن مجید کا بہت ادب کرنا چاہیے۔ اس کی طرف پاؤں نہ کرو۔ اُدھر پیٹھ نہ کرو۔ اس سے اونچی جگہ پر مت بیٹھو۔ اس کو زمین یا فرش پر مت رکھو بلکہ رحل یا تکیہ پر رکھو۔ چوتھا یہ کہ اگر وہ پھٹ جائے کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر پاک جگہ جہاں پاؤں نہ پڑے۔ دفن کر دو۔ پانچواں یہ کہ جب قرآن پڑھا کرو یہ دھیان رکھا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہیں پھر دیکھنا دل پر کیسی روشنی ہوتی ہے؟ (حیات المسلمین)

حسن نیت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ اَقْوَامًا مَا قَطَعْنَا وَادِيًا وَلَا وَطِئْنَا مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا اَنْفَقْنَا نَفَقَةً وَّلَا اَصَابَتْنَا مَخْمَصَةٌ اِلَّا شَرَكُوْنَا فِيْ ذَالِكَ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ فَقِيْلَ لَهٗ كَيْفَ ذَالِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ حَسَبَهُمُ الْعُذْرُ فَشَرَكُوْا بِحُسْنِ النِّيَّةِ .

مدینہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں (کہ اس غزوۂ تبوک کے موقع پر) ہم نے جو وادی بھی سفر میں طے کی یا جس ایسے مقام سے گزرے جہاں سے ہمارا گزر جانا جو کافروں کو مشتعل کر دیتا ہو اور ہم نے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا یا جب کبھی ہم فاقہ اور بھوک میں مبتلا ہوئے، ان میں سے ہر بات میں وہ لوگ مدینہ میں رہتے ہوئے ہمارے شریک رہے ہیں۔ اس بات کو سن کر آپ سے کہا گیا کہ اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھلا یہ کیسے ہوا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ انہیں عذر نے ہمارے ساتھ سفر نہ کرنے دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے انکی حسن نیت پر انہیں ہمارے ساتھ اجر و ثواب میں شریک کر دیا۔ (بخاری و ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چیستاں اور پہیلی کے انداز میں ان بے سروسامان اور معذور مگر مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے اپنے مختلف اعذار کی وجہ سے دلی خواہش رکھنے کے باوجود غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور مدینہ ہی میں رہ گئے تھے اور دوسرے حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موسم کی گرمی و شدت، راستے کی تکلیف وصعوبت، بھوک اور فاقہ برداشت کرتے ہوئے غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ مدینہ میں رہ جانے والے یہ معذور صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے حسن نیت اور دلی خواہش کی بدولت ہمارے ساتھ اجر و ثواب میں

شریک مانے گئے ہیں۔ انہیں بھی ہمارے ساتھ اجر وثواب ملے گا۔ کیونکہ یہ معذور تھے۔ کسی کے پاس سواری نہ تھی، کسی کے پاس زادراہ نہ تھا، کوئی مریض تھا۔ مگر دل میں سب کے خواہش جہاد موجود تھی اجر وثواب کے حقدار ہوگئے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کا یہ ارشاد سن کر تعجب ہوا تو آپ نے پوری بات سمجھا دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلی ارادے اور حسن نیت سے واقف ہیں، ان کی نیت کو دیکھتے ہوئے اجر وثواب میں شریک کردیا۔

علم حاصل کرنے کا مقصد

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .

جس شخص نے ایسا کوئی علم حاصل کیا جو اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے حاصل کیا جاتا ہے مگر اس شخص کی غرض تعلیم یہ ہے کہ اس کے ذریعہ صرف دنیا ہی کمائے گا تو یہ شخص روز قیامت جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ (ابوداؤد وابن ماجہ)

تشریح: اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی والا علم صرف قرآن وسنت کا علم ہے کیونکہ کتاب وسنت ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اسی علم سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ومطلوب باتوں اور کاموں کا علم ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کے نزدیک ناپسند، مکروہ وحرام باتوں سے واقفیت وباخبری ہوتی ہے۔

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ان باتوں سے واقفیت کیلئے جس طرح کتاب وسنت کا علم ضروری ہے اسی طرح ان علوم کی طلب وتحصیل بھی ضروری ہوگی جو کتاب وسنت کا علم حاصل کرنے کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ مثلاً عربی زبان اور اس کی لغات کا علم اور اس سے متعلق دوسرے علوم وفنون (صرف ونحو، معانی وبیان اور بدیع وغیرہ) اور دین وشریعت میں آئی ہوئی تمام تفصیلات اور مختلف متعارض احکام میں طریقۂ تطبیق سے واقفیت بھی ضروری قرار پائے گی۔

حدیث زیردرس کی رو سے یہ جملہ علوم وفنون اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے حاصل کئے جانے چاہئیں۔

اب اگر کوئی شخص ان خالص دینی علوم کو تحصیل دنیا اور کسب مال وزر کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ قیامت میں جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ اسی وجہ سے دینی علوم کے طالب کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ ان علوم کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لئے حاصل کرے یہ دینی علوم تحصیل دنیا کے لئے ہرگز حاصل نہ کرے۔ ہاں اگر کوئی شخص دنیاوی علوم (مثلاً علوم ہندسہ (جامیٹری) علم طب (ڈاکٹری) علم کیمیا (کیمسٹری) اور کسی قسم کی صنعت وحرفت کو بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت سے اور مخلوق خدا کو نفع پہنچانے کی نیت سے حاصل کرتا ہے (جو اس وقت جبکہ مادیت کا غلبہ ہے بہت ہی نادر ہے) تو یہ شخص بھی ان دنیاوی علوم کی طلب میں مستحق اجر وثواب ٹھہرے گا۔

عمر، جوانی، مال اور علم کا سوال

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ تَزُوْلَ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ اَرْبَعِ خِصَالٍ

عَنْ عُمُرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ وَ عَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَ اَبْلَاہُ وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہُ وَفِیْمَ اَنْفَقَہُ وَعَنْ عِلْمِہٖ مَاذَا عَمِلَ فِیْہِ.

قیامت کے دن کسی بھی بندے کے قدم اپنی جگہ سے نہ اٹھیں گے جب تک کہ اس سے ان چار باتوں کا سوال نہ ہو جائے۔ اس کی عمر سے متعلق سوال ہوگا کہ عمر کن کاموں میں صرف کی؟ اس کی جوانی سے متعلق سوال ہوگا کہ جوانی کن باتوں میں گزاری؟ اس کے مال سے متعلق سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اس کے علم کے بارے میں سوال ہوگا کہ اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ (بزار وطبرانی)

تشریح: حدیث شریف کے پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جب تک ان سوالوں کے جوابات نہ دے گا وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر جنت یا دوزخ میں نہ جائے گا۔ بندے سے یہ سوالات اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اس موقع پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ انسان کی عمر سے متعلق سوال ہو جانے کے بعد اس کی جوانی سے متعلق سوال کیوں ہوگا؟ جبکہ جوانی بھی عمر ہی کا ایک حصہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بطور ذکر الخاص بعد العام لایا گیا ہے۔ جوانی چونکہ قوت و طاقت اور جد و جہد کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص زمانۂ شباب میں سدھرا اور سنبھلا رہا تو غالب گمان یہی کیا جائے گا کہ وہ اسی صلاح پر مستقیم بھی رہا ہوگا۔ اور اگر کوئی جوانی ہی میں بگڑ گیا تو عام طور پر اس کا سدھار مشکل ہو جاتا ہے۔

مال سے متعلق صرف اس کی آمد و خرچ کا سوال نہ ہوگا بلکہ یہ بھی پوچھا جائے گا کہ مال کس ذریعہ سے آیا تھا؟ وہ ذریعہ جائز اور مشروع تھا یا ناجائز ذریعہ تھا؟ پھر خرچ کا سوال ہوگا کہ وہ مال کن مصارف میں خرچ کیا۔ اگر آمدنی بھی جائز تھی اور خرچ بھی شریعت کی حدود میں کیا تو نجات پا گیا ورنہ ہلاک ہو گیا۔

آخری سوال علم پر عمل سے متعلق ہوگا کہ جو علم حاصل کیا تھا اس پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں؟ اگر علم پر عمل کیا تھا تو کامیاب ہو جائے گا ورنہ ناکام ہوگا۔ علم پر عمل کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علم دوسروں تک پہنچائے بھی اور کوشش کرے کہ وہ بھی عمل کریں۔



كِتَابُ الْإِيْمَانِ

ایمان کی تعریف پر اجمالی نظر

کامل ایمان کی تعریف

شریعت میں ایمان واسلام صفت انقیاد واطاعت کی اس آخری منزل کا نام ہے جس کے بعد اوامر الٰہیہ اور منہیات شرعیہ کے قبول کرنے سے قلب میں کوئی انحراف باقی نہ رہے۔ مخبر صادق پر وہ اعتماد حاصل ہو جائے کہ پھر دل کی تمام خوش حالی اور روح کا کامل سرور اس کی تصدیق میں منحصر نظر آنے لگے۔ گویا جذبہ وفاداری طلب دلائل کی مہلت نہ لینے دے۔ راہ حق میں ہر نئی قربانی ایک نئی لذت ہو اور ایک ادنیٰ نافرمانی وہ تلخ گھونٹ ہو جائے جو گلے سے اتارے نہ اترے۔

ایمان بالغیب ایمان کی سب سے بڑی صفت ہے

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ. (بقرہ: ۲، ۳)

(یہ کتاب) راہ دکھانے والی ہے (اللہ) سے ڈرنے والوں کو جو یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا۔

اس آیت میں ان ہی سرفروشوں کی سرمستی کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ وہ جماعت ہے جو محض جذبہ انقیاد میں دیکھی اور ان دیکھی باتوں کی یکساں تصدیق کر چکی ہے۔ آنکھ اگر دیکھتی اور تصدیق کرتی ہے، کان اگر سنتے اور مان لیتے ہیں تو یہ ان کا فطری اقتضاء ہونا چاہیے لیکن آنکھیں اگر نہیں دیکھتیں، کان اگر نہیں سنتے پھر ان آنکھوں اور کانوں کے اعتماد پر جن کی صداقت پر سارا جہان قربان اعتماد کر لیتے ہیں تو پھر بلاشبہ یہ ان کے ایثار وانقیاد کی آخری دلیل ہوگی، یہی وثوق اور اعتماد ایمان کی روح ہے۔

دلائل کی حقیقت اور اس کا وزن

دلائل کی روشنی بھی کوئی روشنی ہے جو ایک قدم پر اگر چمکتی ہے تو دوسرے ہی قدم پر گل ہو جاتی ہے۔ اگر نبی صاحب وحی ہے اور جو کہتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے کہتا ہے تو اس کے اعتماد پر اس کے تمام دین کو تسلیم کر لینا ایک اقتضاء طبعی ہونا چاہیے۔ کسی حقیقت کے مسلم ہو جانے کے بعد بھی دلائل کی تلاش، روشن خیالی نہیں بلکہ ایک مختصر راہ کو اور طویل کر دینا ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لانے کے بعد دعوت مناظرہ کے بجائے شروع سے عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر مدار صرف دلائل پر ہو تو دلائل کبھی کبھی ہر دو طرف پیدا ہو جاتے ہیں ماسوا اس کے مطالب کی نزاکت کبھی دلائل کی رسائی سے بالاتر ہوتی ہے۔ پھر

مذاق کا تفاوت سمجھ اور فہم کا اختلاف، اس پر وہم انسانی کی مزاحمت، یہ سب وہ موانع ہیں جو اگر نفس تصدیق کے لیے نہ سہی مگر کم از کم عمل کے لیے تو یقیناً سدراہ بن جاتے ہیں اسی لیے قرآن کریم نے صرف اطاعت وانقیاد ہی کی ایک راہ بتلائی ہے۔

مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (الحشر:۷)

جو کچھ رسول تمہارے پاس لے کر آئے اس کو اختیار کرلو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

دلائل کا وسیع دائرہ بھی کچھ دور جا کر آخر اسی صفت انقیاد پر ختم ہو جاتا ہے ورنہ ایک مقصد کے حصول کے لیے مقدمات کی اتنی بے شمار کڑیاں درکار ہوں گی کہ اگر سب کا طے کرنا ضروری ٹھہرے تو پھر تمام عمر میں ایک مقصد کا حصول بھی خواب وخیال سمجھ لینا چاہئے۔ بہ نظر انصاف ایک تجربہ کار محقق کا قول خود ایسی محکم دلیل ہوتی ہے جو تنہا ہزار دلائل کا وزن اپنے اندر رکھتی ہے۔ آج بھی ہم اپنے دلائل وبراہین کا سلسلہ آخر میں یورپ کے فلاسفروں کی تھیوریوں پر جا کر ختم کر دیتے ہیں اور صرف ان کے اسماء کا حوالہ دے دینا دلائل کی وہ معراج تصور کرتے ہیں جس کے بعد تمام دلائل سے بے نیازی ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ یہ تھیوریاں بے دلیل مسلم ہونے کے قابل ہیں بلکہ اس کی تہ میں یہ علم یقین پہلے حاصل ہوتا ہے کہ یہ تھیوریاں ان فلاسفروں کے نزدیک چونکہ اپنے دلائل سے ثابت شدہ ہیں لہٰذا ان دلائل کا تلاش کرنا اور پھر ان کا دوہرانا محض ایک مسافت کا طویل کرنا ہو جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے علوم کا مرتبہ

ٹھیک اسی پر علوم انبیاء کو قیاس کر لینا چاہیے۔ اگرچہ ''چہ نسبت خاک را با عالم پاک'' ان کے علوم بھی اپنی جگہ ایسے دلائل سے ثابت شدہ ہوتے ہیں جہاں باطل کو کہیں سے راہ نہیں ملتی بلکہ وہ علم یقین کے اس مقام پر جا پہنچتے ہیں جس کے بعد ان کا لقب برہان مجسم ہو جاتا ہے۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا. (النساء:۱۷۴)

اے لوگو! پہنچ چکی ہے تمہارے پاس ایک سند تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے تم پر واضح روشنی اتاری۔

بندہ کا کمال تفویض وتسلیم ہے

اس لیے انبیاء علیہم السلام کے علوم ان کے اعتماد پر تسلیم کر لینا صرف تقلید ہی نہیں بلکہ مجسم ایک برہان اور حجت بینہ کی تقلید ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایمان کی تمام قیمت بندہ کی صرف یہ اداء ہے کہ وہ رسول وقت کے سامنے اپنی ساری لن ترانیاں ختم کر دیتا ہے۔ درحقیقت یہ اس کی ایک زبردست قربانی ہے جسے وہ اپنے ضعیف وناتواں ہاتھوں سے اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ انسان کی بے صبر فطرت اپنی جیسی مخلوق کو ایسے مقام پر کبھی دیکھنا پسند نہیں کرتی، جہاں بے دلیل سرنگوں ہو جانا تمام انسانوں کے لیے وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہو جائے (یعنی رسول) وہ خدائے تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اسی کی اطاعت اپنا فرض تصور کر سکتا ہے۔ اسی لیے مشرکین عرب میں بھی تمام جہالتوں کے باوجود ایک جماعت خدا پرست تھی اور بزعم خود توحید کا انکار نہ کرتی تھی۔

اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ. (الصّٰفّٰت:۳۵)

(اور) جب کہا جائے ان سے کہ سوائے اللہ کے کوئی (اور) معبود نہیں تو غرور کرنے لگتے ہیں۔

یہاں لفظ یجحدون اسی لیے ارشاد نہیں فرمایا گیا کہ اس دعوت سے انہیں انکار نہ تھا البتہ مسلمانوں کی آواز پر ان کا ہم آہنگ ہو جانا ان کے نزدیک اپنی بڑائی کے خلاف تھا۔

آدم علیہ السلام کو سجدہ کا امر فرمانے کا فلسفہ

عالم کا سب سے پہلا شقی یعنی ابلیس خالق السموات والارضین کی عبادت سے کبھی منکر نہیں ہوا لیکن مشیت ایزدی نے اس کے دعوائے انقیاد کا جب امتحان لیا تو اپنی عبادت کا امر فرما کر نہیں لیا بلکہ ایک مشت خاک کے سامنے سر جھکانے کا امر فرمایا۔ ظاہر ہے کہ سر جھکا دینا کوئی بڑی بات نہ تھی مگر ہاں دشواری تھی تو یہ تھی کہ ایک ضعیف ہستی کے سامنے سر جھکانا جو مخلوق ہونے میں اس کی برابر کی شریک ہو، اس کی آواز فطرت کے برخلاف اور بظاہر ایک بے دلیل بات تھی۔ اس سے رہا نہ گیا اور:

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ. (الاعراف: ۱۲)

میں بہتر ہوں اس سے (کیونکہ) مجھ کو بنایا ہے تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے۔

شیطان کے معارضہ کی حقیقت

کا نعرہ لگا بیٹھا دلائل کی پیروی کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ ہوا، اس کا پوشیدہ کبر اور طبعی انحراف پھوٹا اور آخر وہ تسلیم و رضا کی اس منزل میں چل کرنا کام رہ گیا۔ جہاں خیر وشر کا سوال ہی باقی نہیں رہتا اور چون و چرا کا میدان تنگ ہو جاتا ہے ؂

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب — کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

طبعی انحراف وعلوم کا خاصہ

طبیعت کے انحراف کا یہ خاصہ ہے کہ وہ تلاش حق کی تمام توفیق سلب کر دیتا ہے اور وہ نشہ پیدا کر دیتا ہے جس کے بعد اپنی ہوا، نفس کے سامنے دلائل و براہین کی کچھ پار نہیں بستی۔ اطراف و جوانب سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور اس بے شعوری کے عالم میں جو فیصلہ اپنے خیال میں آ جاتا ہے وہ آخری فیصلہ نظر آنے لگتا ہے۔

فضیلت کے لیے صرف مادہ کا شرف کافی نہیں ہے

ابلیس نے صرف عنصر آتش کے شرف پر نظر کی یہ اس کا قصور نظر تھا۔ عنصر خاک گو ضعیف ترین عنصر سہی مگر کیا ہو نہیں سکتا تھا کہ اس میں بھی کوئی جہت ایسی پیدا ہو جائے جو اسے قوی و برتر عنصر سے بھی افضل بنا دے، اگر ابلیس انسان کی صورت کی طرف بھی نظر کر لیتا تو اپنے مادہ کا شرف اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا۔ عنصر آتش ہزار اشرف سہی مگر یہاں صورت ایک حرف کن ((۱)) نے عطا کی تھی۔ عنصر خاک پر جو نقش و نگار نظر آئے وہ نقاش ازل کے خود اپنے دست قدرت کا بلا واسطہ کمال تھا۔

(عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لما خلق اللہ ادم و ذریتہ قالت الملائکۃ یا رب خلقهم

یاکلون ویشربون وینکحون ویرکبون فاجعل لهم الدنیا ولنا الاخرة قال الله تعالی لا اجعل من خلقته بیدی ونفخت فیه من روحی کمن قلت له کن فکان. (شعب الایمان مشکوٰۃ شریف) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اوران کی ذریت کو پیدا فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگارتو نے ان کوایسا بنایا ہے کہ یہ کھاتے پیتے، نکاح کرتے اورسوار ہوتے ہیں (ہم ان باتوں سے محروم ہیں) اس لیے دنیا ان کے حصہ میں لگا دے اورآخرت ہمارے حق تعالیٰ نے ارشادفرمایا کہ جس مخلوق کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اوراپنی طرف سے اس میں روح ڈالی ہے اس کوان کے برابرنہیں کروں گا جن کو میں نے حرف کن سے بنایا ہے)

لما خلقت بیدی کی لطیف تفسیراورشیطان کے معارضہ کا جواب

قَالَ يَا اِبْلِيْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَیَّ اسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ. (ص :۷۵)

فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ سجدہ کرتا اس کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا یہ تو نے غرور کیا یا تو درجہ میں بڑا تھا۔

مناظرۂ ابلیس میں نسل انسانی کے لئے ایک عظیم موعظۃ

نصب خلافت سے پہلے ہی یہ سب تمام نسل انسانی کو دے دیا گیا تھا کہ اسے بھی اپنی اطاعت وانقیاد کا امتحان دینا ہوگا اورکامیابی صرف اس صورت میں متصورہوگی جب کہ خدائے رب العزت کی رضاء جوئی میں اس کے رسولوں کے لیے بھی بے دلیل وہی جذبہ اطاعت پیدا ہوجائے جوخود اس کے لیے موجزن ہوسکتا ہے۔ اب یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ رسولوں کی باتوں پر بے دلیل یقین کرلینا کیوں رکن ایمان قرار دیا گیا ہے۔

انصار کی محبت علامت ایمان کیوں ہے؟

حدیث شریف میں انصار کی محبت کو علامات ایمان میں اسی لیے شمار کیا ہے کہ رسول اوراس کے کنبہ وقبیلہ یا ہم وطن کی محبت ہر مسلمان میں طبعی طور پر بھی ہوسکتی ہے اور ہونی چاہیے مگر انصار کی محبت جو نہ اس کا ہم قبیلہ تھے، نہ ہم وطن، اگر ہوسکتی ہے تو صرف اس لیے کہ انہوں نے رسول کی ایسے آڑے وقت اعانت کی تھی جب کہ اس کے قبیلہ تک نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور بلاشبہ یہ محبت کمال ایمان ہی کا ثمرہ ہوسکتی ہے۔ محبوب تو نظر عاشق میں سرتا سر محبوب ہوتا ہے مگر اس میں کمال کیا ہے کہ اس کی ہر ہر ادا عشاق کی دلربائی کا مستقل ایک ایک افسوں ہوتا ہے۔

کمال محبت، محبوب کی رضا میں فنا ہوجانا ہے

کمال محبت تو یہ ہے کہ اس کی رضاء میں وہ فنا میسر ہوجائے کہ پھر یگانہ، وبیگانہ مکروہ ومحبوب کا امتیاز جاتا رہے بلکہ تمام محبت و شفقت، ہمدردی وسلوک تعاون وسازگاری کا وہی ایک محور ومرکز بن جائے۔ مال واولاد کا تو ذکر کیا ہے اپنے نفس سے اگر محبت رہ جائے تو وہ بھی اسی کی خاطر ہو۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

اس کی راہ میں تمام قربانیاں شیریں بن جائیں اور اس کے خلاف میں ساری خوش حالیاں کانٹے نظر آئیں، اس کے نام پر گردنیں اتروادینا حیوۃ ابدی معلوم ہو اور اپنی قربان گاہ سے ایک قدم پیچھے ہٹانا موت ابدی نظر آئے اور یہ سب کچھ اس تصور میں ہو کہ یہ ساری جاں نثاریاں گو اس قابل نہ سہی کہ محبوب کے لیے قابل نظر ہوں مگر ایک عاشق کی یہ حسرت ہونا چاہیے کہ راہ عشق میں جو قربانی وہ کرسکتا ہے کر گذرے، حضرت بلالؓ وعمارؓ کے سرفروشانہ جذبات پر سیرت نگاروں کو حیرت ہے، مگر خود ان کی زبانی اگر دریافت کیا جاتا تو ساقی کوثر کے ہاتھ سے ان جام پینے والوں سے شاید انہیں شکایت ہوتی جنہیں اس کے ہاتھ سے جام پی کر تکلیف وراحت کا احساس باقی تھا۔

ایمان میں اسی منزل کا نام مقام یقین ہے۔ حجۃ اللہ صفحہ۹۱ پر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عقل انسانی جب نشہ یقین سے مخمور ہو جاتی ہے تو قلب ونفس بھی اس سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ پھر عالم غیب پر ان کو محسوسات کی طرح یقین نصیب ہو جاتا ہے، فقر وغناء حیوٰۃ وموت کے خرخشہ سے انسان بے نیاز ہو جاتا ہے اسباب کی قید وبند سے رستگاری میسر آجاتی ہے۔

ایمان مذہب کی روح اور بنیاد ہے

یہ ہے وہ ایمان جس پر مذہب کی تمام بنیاد قائم ہے کوئی عقیدہ اپنے دامن میں خواہ کتنی ہی نزاہت اور رفعتیں کیوں نہ رکھتا ہو مگر اس نور ایمانی کے بغیر نظر شریعت میں وہ صرف ایک ظلمت کدہ اور سرتاسر تاریکی ہے۔ کوئی عمل مجاہدات وریاضات کے خواہ کتنے ہی مراحل کیوں نہ طے کر چکا ہو مگر بدون اس روح ایمانی کے ایک تن مردہ اور میزان آخرت میں قطعاً بے وزن ہے۔ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا (الکھف: ۱۰۵) (پس ہم ان کے لیے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے) عقائد واعمال کا تو ذکر کیا ہے کوئی معمولی سی معمولی نیت بھی خواہ کتنی ہی صاف وستھری کیوں نہ ہو اس سرمایہ ایمان کے بغیر بارگاہ بے نیاز میں کوئی اعتبار نہیں رکھتی، یہ ایمان، عقائد واعمال اور نیتوں کی وہ واحد روح ہے جس کے بعد کفر کی تو برتو تاریکیاں چشم زدن میں کافور ہو سکتی ہیں۔ آتش کدۂ جہنم اس کے روبرو سرد ہو سکتا ہے اور گلزار عدن اس کا ایک طے شدہ معاوضہ بن جاتا ہے۔ ایک معمولی سجدہ طاعات صد سالہ کے لیے مایہ رشک اور مٹھی بھر جو کا صدقہ بے شمار تضاعیف (زیادتیاں) کا مستحق نظر آنے لگتا ہے۔ غرض سعادت ابدیہ اسی مبدأ کی خبر ہے اور شقاوت ازلیہ اس سے محرومی کا نشان ہے۔ یہ سب کچھ اس سچی کتاب میں موعود ہے جو غلط گوئی سے بالکل منزہ اور مبالغہ آمیزی سے یکسر مبرا ہے۔

ایمان کی تعریف پر تفصیلی نظر

اشیاء کے وجود کی تین صورتیں

کسی چیز کے وجود کی عالم میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) لفظی (۲) ذہنی (۳) عینی۔

وجودِ لفظی ایک ناتمام وجود ہے

ان ہر سہ اصناف میں لفظی وجود سب سے ضعیف اور کمزور وجود ہے، جو مقاصد و اغراض کسی شئے کے وجود میں ملحوظ ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس وجود پر مرتب نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر اس وجود کو عدم کے برابر کہہ دیا جائے تو بے جا نہیں ہے۔ پانی کا لفظی وجود کسی تشنہ کی پیاس نہیں بجھاتا اور نہ روٹی کا صرف زبانی تذکرہ کسی بھوکے کا پیٹ بھرتا ہے۔

وجود ذہنی لفظی وجود سے قوی ہے

(۲) وجود ذہنی گو لفظی وجود سے قوی تر ہے مگر شئے کے تمام آثار و احکام مرتب ہونے کے لیے یہ بھی ناکافی ہے۔

کسی چیز کا وجود عینی ہی اس کا مکمل وجود ہوتا ہے

(۳) وجودِ عینی وہ وجود ہے جو خارج میں کسی کے اعتبار کیے بغیر موجود ہوتا ہے اسی وجود کو درحقیقت وجود کہا جا سکتا ہے بقیہ اصناف اس کے توابع اور فروع ہیں۔ یہی مبدء آثار ہے اور اسی پر شئے کے سب احکام مرتب ہوتے ہیں۔ آنکھوں کی تروتازگی، قلب وجگر کی سیرابی، اشجار وثمار کی سرسبزی یہ سب پانی کے وجود عینی ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں، اسی لیے جب کوئی پیاسا پانی مانگتا ہے تو اس کا مقصد پانی کا یہی عینی وجود سمجھا جاتا ہے اور اس کا لفظی یا ذہنی وجود کسی کے خواب وخیال میں نہیں آتا۔ اسی طرح ایمان کے وجود کی بھی تین صورتیں ہیں (۱) لفظی (۲) ذہنی (۳) عینی۔

سابق تمہید کی بناء پر ایمان کا لفظی وجود بیکار محض ہونا چاہیے۔ جب کسی تشنہ کے لیے پانی کا صرف لفظی وجود کارآمد نہیں ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے جواب میں ایمان کا صرف لفظی وجود کیا مفید ہوسکتا ہے۔ مگر یہاں ایک سخت مشکل یہ درپیش ہے کہ عالم بشریت کی سرتاسر محتاجی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو الفاظ وحروف کا جامہ پہنائے بغیر ادا کر سکے۔ اس کی قلبی ترجمانی کا یہی ایک ناتمام آلہ ہے اگر وہ بھی ناقابل اعتبار ٹھہرے تو عالم انسانی کا تمام کاروبار معطل اور بیکار محض ہو جائے۔ اس لیے چاروناچار ایمان کا لفظی وجود بھی شریعت میں ایک حد تک قابل اعتبار سمجھا گیا ہے۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ. میں اس بات پر مامور ہوں کہ جب تک کفار **لا الہ الا اللہ** نہ کہیں ان سے جنگ جاری رکھوں۔

اب اسے ایمان کی رفعت اور بلندی کہئے یا اس کی فیاضی سے تعبیر کیجئے کہ محض زبانی کلمہ توحید پر اس نے جان بخشی کا اعلان کر دیا ہے اور کسی کے سرائر اور مکنونات صدر (دل کے راز) سے کوئی بحث نہیں کی۔

(حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کے ثبوت کا دارومدار کسی ایسی ہی چیز پر ہونا چاہیے جس کا علم یکساں طور پر سب کو ہو سکے اگر خدا کے رسول کے علم پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً منافقین کا گروہ، کفار میں شمار ہوتا۔ اب اگر ان کو قتل کیا جاتا تو انہیں ناحق یہ بدنام کرنے کا موقعہ ہاتھ آجاتا کہ آپ اپنے اصحاب ورفقاء کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ اس لیے کلمہ توحید کا زبانی اقرار ہی اسلام قبول کرنے کا معیار قرار دے دیا گیا اور اسی ایک کلمہ پر جنگ کے آغاز وخاتمہ کا دارومدار رکھ دیا گیا۔ (کتاب الایمان ص ۱۷۲)

اس جگہ یہ دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ اسلام میں تصدیق قلبی کے بغیر صرف زبانی اقرار کرلینا بھی کوئی وزن رکھتا ہے کیونکہ قلبی تصدیق ایمان کا وہ اہم رکن ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی کسی حالت میں قطع نظر کے قابل نہیں سمجھا گیا حتیٰ کہ بحالت اکراہ جب کہ اپنی جان پر بن رہی ہو زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی صرف اسی شرط سے اجازت دے دی گئی ہے کہ قلب کی گہرائیاں اذعان وایقان سے لبریز اور معمور ہیں۔

اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ. (النحل: ۱۰۶) مگر وہ شخص جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے۔

جو صورت حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ اگر زبان اقرار کرلیتی ہے اور دوسری کوئی دلیل جو قلبی انحراف پر دلالت کرسکے ہمارے سامنے موجود نہیں ہوتی تو اس وقت ہم اس بات کے مامور ہیں کہ اس اقرار ہی کو قلبی تصدیق کی دلیل سمجھیں۔

اسلام جو اخلاق عالیہ کا سب سے اول معلم ہے کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے جیسے ایک انسان کی زبان کو بلا وجہ جھوٹا قرار دے یا اس کے متعلق کسی اندرونی کمزوری کی بناء پر اپنے ضمیر کے خلاف بولنے کا تصور لائے۔ دنیا میں ایک بڑے سے بڑا انسان خواہ اخلاق کے کتنے ہی بلند مقام تک کیوں نہ پہنچ چکا ہو کبھی اپنے حریف پر وہ بھی بحالت جنگ اعتماد کا خیال نہیں کرسکتا، یہ اسلام ہے جو یہ دعوت دیتا ہے کہ تم اپنے حریفوں کی زبان پر بھی اعتماد کرلو اور اس تشویش میں نہ پڑو کہ ان کے دلوں میں کیا ہے، اگر ان میں کوئی سعید روح ہوگی تو ایک دن وہ خود بخود اپنے اس صدق نما کذب پر نادم ہوگی اور دل بھی زبان کی طرح اسلام کا کلمہ پڑھ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے ایک کافر کو بکریاں چراتے دیکھا۔ دوران جنگ میں ایک فریق دوسرے فریق کی گھات میں لگا ہی رہتا ہے۔ صحابہؓ نے ارادہ کیا کہ اس کی بکریاں چھین لیں، اس نے اپنا پانسا کمزور دیکھا اور وہ وقت آ گیا کہ جو اسلام مدت سے اس کے سینہ میں گھوم رہا تھا اب دل میں اتر آئے وہ اسلام لے آیا، مگر اس حال میں دشمن کا اقرار وفاداری، انسان کی کمزور فطرت کب قبول کرتی۔ اس لیے صحابہ کرامؓ نے اس اسلام کو صرف مال کے بچاؤ کا ایک ذریعہ سمجھا اور اس کی بکریاں غنیمت کا مال بنالی گئیں۔ لیکن اسلام جو اخلاق کے آخری منازل صرف زبانی سکھانے نہیں آیا تھا بلکہ طے کرانے آیا تھا اس کمزوری کو کب برداشت کرتا، اس واقعہ کی اہمیت محسوس کی گئی اور اتنی کی گئی کہ وحی الٰہی کو دخل دینا پڑا اور نہایت تنبیہ آمیز لہجہ میں ارشاد ہوا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا. (نساء: ۹۴)

اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے ''سلام علیک'' کرے کہ تو مسلمان نہیں۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا۔

کتب احادیث میں اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں، جہاں اسلام کے لفظی وجود یعنی صرف اقرار باللسان کو دنیوی احکام کے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔

حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ اگر دوران جنگ میں دشمن میرا ایک بازو کاٹ دے اور جب میرا موقعہ لگے تو وہ جان بچا کر درخت کی آڑ میں آ جائے اور کلمہ شہادت پڑھ لے تو کیا میں اس کے اس مجرمانہ اقدام کے بعد بھی اس کا یہ مہتم اسلام قبول کرلوں؟ ارشاد ہوا ضرور اور اگر اس کے بعد بھی تم نے اسے قتل کردیا تو یاد رکھنا تم اب اسی طرح مباح الدم سمجھے جاؤ گے جیسا وہ اپنے اسلام لانے سے قبل مباح الدم تھا۔ (مسلم شریف)

دیکھو! یہاں بھی انسان کی کمزور فطرت کس طرح اپنے حریف کا اسلام مہتم کررہی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کے انتقام میں یہ لفظی اسلام

حائل نہ ہونے پائے مگر یہ اسلام ہے جو اپنے ہمنواؤں کے سینکڑوں باز و حریفوں کی ایک زبان پر نثار کر رہا ہے۔ انتقام گو فطری حق سہی مگر اسلام اس نازک ماحول میں یہ ثابت کر دینا چاہتا ہے کہ ایک کلمہ حق کے احیاء میں وہ اپنے فطری اور ذاتی حق سے بھی دست بردار ہو سکتا ہے۔

احادیث میں کچھ واقعات ایسے بھی نظر سے گذرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دشمنوں کی جان و مال کا تکفل، ان کی عزت و احترام کا تحفظ کچھ خاص اس کلمہ کے ادا کرنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ صرف اقرار و فاداری کی ضرورت ہے خواہ کسی زبان سے ہو اور کسی عمل سے۔

حضرت خالدؓ مسلمانوں کا ایک دستہ لیے ہوئے مصروف جہاد ہیں، دشمن چاہتا تھا کہ اسلام قبول کر لے مگر ناواقفی اور جہالت کی وجہ سے اسلمنا (ہم نے اسلام قبول کیا) کا لفظ نہ کہہ سکا اور اس کے بجائے صبأنا صبأنا کی صدا بلند کرنے لگا (یہ لفظ عربی زبان میں بد دین ہونے کے لئے مستعمل ہے) اسی کمزوری فطرت کی وجہ سے یہاں بھی یہ نازک اسلام قبول نہ ہوا اور آخر اسی حالت میں سب کو موت کا جام پی لینا پڑا۔ رحمۃ للعالمین کو جب اطلاع ملی تو انتہاء درجہ مضطرب ہوئے اور اسی اضطراب کے عالم میں دونوں ہاتھ اس تصور میں آسمان کی طرف اٹھ گئے کہ مبادا خدائے تعالیٰ کا قہر ان معصوموں کا انتقام لینے کے لئے کھڑا ہو جائے اور میں بھی اس میں شامل سمجھا جاؤں اس لیے فرمایا اے پروردگار! جو غلطی خالد سے سرزد ہوئی میں اس سے بری ہوں۔ (بخاری شریف)

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لفظی وجود گو ضعیف تر بلکہ مرادف عدم ہے پھر اسلام نے اس کا کیوں اعتبار کر لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اقرار سے مراد یہاں وہی اقرار ہے جسے ضمیر کی صحیح آواز کہا جا سکے ورنہ اسے اقرار ہی کہا جائے گا بلکہ وہ انکار کی صرف ایک اقرار نما صورت ہو گی۔ اسلام کے اس لفظی وجود کو فقہاء کی اصطلاح میں اقرار باللسان کہا جاتا ہے

اقرار باللسان

فقہاء کو اس میں اختلاف ہے کہ اسلام میں اقرار کی حیثیت کیا رکھنا چاہیے، ایک جماعت رکن کی حیثیت تجویز کرتی ہے اور دوسری جماعت شرط قرار دیتی ہے۔ پہلی جماعت کا خیال ہے کہ اقرار بھی ایک نوع کی تصدیق ہی کا نام ہے فرق ہے تو یہ کہ ایک تصدیق قلب سے ہوتی ہے اور اقرار زبان کی تصدیق ہے، اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ تصدیق کی ایک نوع رکن اور دوسری شرط قرار دے دی جائے۔ یہ اور بات ہے کہ تصدیق قلبی رکن اصلی ہے یعنی کسی حالت میں یہاں تساہل برداشت نہیں کیا جا سکتا اور اقرار رکن زائد یعنی بعض صورتوں میں یہاں اغماض یعنی چشم پوشی کر لینا بھی ممکن ہے جیسا کہ اکراہ یعنی زبردستی میں۔

شیخ ابو منصور ماتریدی شیخ ابو الحسن اشعری، اور امام نسفی کا میلان خاطر اقرار کی شرطیت کی طرف ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ثبوت اسلام سے قبل ہی احکام اسلام کا نافذ کر دینا تو غیر معقول ہے اور زبانی اقرار کیے بغیر ہمارے پاس اسلام پر کوئی شہادت نہیں اس لیے اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ نفاذ احکام اسلامیہ کے لیے اقرار باللسان کو شرط کہا جائے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ اگر اس اقرار کا صرف یہ مقصد ہے تو تنہائی کا اقرار کافی نہ ہونا چاہیے بلکہ کم از کم مسلمانوں کے امیر کے سامنے ہونا چاہیے تاکہ اجراء احکام کا اصل مقصد حاصل ہو سکے۔ اس امر پر فریقین کا اتفاق ہے کہ مطالبہ کے بعد زبان سے اقرار کرنا بہر کیف ضروری ہے کیونکہ اب اقرار نہ کرنے کے معنی گویا انکار کرنا ہیں، یہ کفر جحود کہلاتا ہے۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ. (نمل: ۱۴)

اور انکار کیا ان (آیات) کا حالانکہ اپنے دل میں اس کا یقین کر چکے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کبھی دل اندر سے یقین کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے مگر زبان پھر بھی انکار سے باز نہیں آتی، اس کا نام اصطلاح میں کفر عناد ہے۔ حضرت استاذ (مولانا انور شاہ کشمیری) قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ہمارے فقہاء نے ایمان کی تعریف میں اسی لیے اقرار کا اضافہ کر دیا ہے کہ جو تصدیق قلبی زبانی انکار کے ساتھ ہو وہ ایمان کی تعریف میں داخل نہ رہے اور یہ سمجھا ہے کہ جب زبان کے لیے اقرار کرنا لازم ہو جائے گا تو اب انکار کی گنجائش ہی نہیں ہوگی۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کو دوسری طرح ادا کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب تک اقرار نہ ہو، ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس کے قلب میں حقیقۃً تصدیق موجود ہے، لہٰذا اگر ایک شخص مطالبہ کے بعد بھی اقرار نہیں کرتا تو ہم اسی پر محمول کریں گے کہ اس کو تصدیق قلبی حاصل نہیں ہے اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اقرار باللسان ایمان کا جزء قرار دیا جائے۔ (کتاب الایمان ص ۸۸)

ہم کہتے ہیں کہ اگر اقرار کرنا اسی مقصد کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے جو حضرت استاذ (مولانا انور شاہ کشمیری) مرحوم کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر رکنیت اور شرطیت کا اختلاف بہت بڑھانا نہ چاہیے۔ بلکہ اب مناسب یہ ہے کہ اختلاف کی تنقیح یوں کر دی جائے کہ اقرار کرنا بالاتفاق ضروری ہے مگر ایک فریق نے اس کی اہمیت زیادہ محسوس کر کے رکنیت کا لفظ کہہ دیا ہے اور دوسری جماعت نے گو اہمیت کو تسلیم کیا ہے مگر رکنیت کا لفظ نہیں کہا، پھر اگر پہلے فریق نے رکن کہا ہے تو لفظ زائد کہہ کر اسے ذرا پھیکا بھی کر دیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ یہاں ایک اور مفید تحقیق فرما گئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اقرار کے دو معنی آتے ہیں۔ (۱) زبان سے تصدیق کرنا (۲) التزام طاعت اور عہد عمل و فرمان برداری، آیت ذیل میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔ (ایضاً ص ۱۶۱)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا. (آل عمران: ۸۱)

اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے کہ سچا بتائے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا، وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔

اس آیت میں اقرار کا لفظ عہد عمل اور التزام طاعت ہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے کیونکہ یہاں انبیاءؑ سے کسی امر کی صرف تصدیق مطلوب نہیں بلکہ اس کا عہد لیا جا رہا ہے کہ جو رسول تمہارے پاس آئے گا تمہیں اس کی اطاعت کرنا ہوگی اس پر ایمان لانا ہوگا، اس کی نصرت کرنی پڑے گی، التزام طاعت کا بھی یہی مفہوم ہے اب اگر اقرار سے یہ معنی مراد لے لیے جائیں تو ایمان کی تعریف میں صرف اقرار کی قید کافی ہوگی، ورنہ التزام طاعت کے تیسرے رکن کا اور اضافہ کرنا ضروری ہوگا۔

ایمان اور غائبات سے اس کی خصوصیت

چونکہ علماء نے ایمان کی تعریف میں عموماً تصدیق کا ہی لفظ ذکر کیا ہے اس لیے عام طور پر ایک غلط فہمی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ایمان گویا تصدیق کے مرادف ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن و سنت میں جہاں جہاں یہ لفظ مستعمل تھا اس کی تشریح کے لیے بس تصدیق

کا لفظ کافی سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ ان ہر دو لفظوں میں بہت بڑا فرق ہے اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو ان احادیث و آیات کی اصل مراد ہی ہاتھ نہیں آ سکتی۔ حافظ ابن تیمیہؒ کا خدا بھلا کرے جنہوں نے اس ضروری فرق کو بیان فرما کر ان بے شمار آیات و احادیث کے معانی سے حجاب غفلت اٹھا دیا ہے اور ان کی صحیح مرادیں ہمارے سامنے واضح کر دی ہیں۔ ضروری ہے کہ پورے اعتناء کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا لفظ امن سے مشتق ہے اس لیے امانت و اعتماد کے معنی اس میں ہمیشہ ملحوظ رہتے ہیں۔ لفظ تصدیق کے مادہ میں چونکہ یہ خصوصیت نہیں ہے اس لیے ہر خبر میں خواہ وہاں مخبر کی امانت داری کی ضرورت ہو یا نہ ہو تصدیق کا لفظ یکساں مستعمل ہو سکتا ہے، ایمان کے معنی بھی گو تصدیق کے ہیں مگر اس کا استعمال صرف ان خبروں تک محدود رہے گا جو اپنی چشم دید نہ ہوں بلکہ عدم موجودگی کی ہوں کیونکہ یہاں اگر تصدیق کی جائے گی تو وہ صرف مخبر کی امانت و دیانت، اس کے اعتماد و وثوق کی بناء پر کی جائے گی۔ اسی لیے اگر ایک شخص طلوع آفتاب یا فوقیت آسمان کی خبر دیتا ہے تو اس کے جواب میں "آمنت" نہیں کہہ سکتے، یا دو شخص اگر ایک چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو لغۃً ایک دوسرے کی تصدیق کے لیے **"صدق احدھما صاحبه"** کہا جاتا ہے **"امن له"** نہیں کہا جا سکتا، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں تصدیق کے لیے دوسرے پر اعتماد و وثوق کی کیا ضرورت ہے، یہ خود اپنے مشاہدہ کی خبر ہے۔ اس لیے یہاں ایمان کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں۔

اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے واپس آ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں جب اپنے بھائی کے قتل کا غلط افسانہ عرض کیا تو **"وما انت بمومن لنا"** کہا **"وما أنت بمصدق لنا"** نہیں کہا۔ چونکہ یہ واقعہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی عدم موجودگی میں تیار کیا گیا تھا، اس لیے اگر وہ اس کی تصدیق کر سکتے تو صرف ان کے اعتماد و وثوق کی بناء پر کر سکتے تھے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر چونکہ ان کو اعتماد نہیں تھا اس لیے اس بے اطمینانی و بے اعتمادی کے موقعہ پر **"وما انت بمومن لنا"** سے زیادہ خوب صورت لفظ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو ہمارے بیان کی تصدیق ہو تو کیونکر خود آپ تشریف فرما نہ تھے اور ہم پر آپ کو اطمینان و اعتماد نہیں، لیکن بات یہ ہے کہ ہیں ہم سچے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں حضرت لوط علیہ السلام کی تصدیق کو قرآن کریم نے اسی لفظ ایمان سے ادا کیا ہے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی تصدیق صرف ان کے اعتماد پر کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **"فامن له لوط"** یہاں بھی **"فصدق له لوط"** نہیں فرمایا۔

غائبات اور ایمان کی اسی خصوصیت کو سورۂ بقرہ میں **"یؤمنون بالغیب"** کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے یہاں غیب کا لفظ صرف بطور بیان واقع نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ ایمان کا تعلق صرف غائبات کے ساتھ ہے۔ مشاہدات کے ساتھ ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر یہ حقیقت پورے طور پر سمجھ لی جاتی تو اخبار غائبہ میں بحث و تمحیص کا ایک مرحلہ بڑی حد تک ختم ہو جاتا۔ ناواقف صاحبان ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ایمان کا تعلق ہے تو کس چیز سے ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دین کے جملہ غائبات پہلے اس طرح معقول بنائے جائیں کہ پھر ان کی تصدیق کے لیے اعتماد رسول کا واسطہ ہی نہ رہے اور یہ نہیں جانتے کہ دلائل کی بحث سے گذر کر صرف رسول کے اعتماد پر اس کے اقوال و افعال کے تسلیم کر لینے کا نام ہی تو ایمان ہے۔ اسی تسلیم و رضا میں انسانی عقول کی

آزمائش ہے۔ پختہ کار جانتا ہے کہ ایک صادق القول پر اعتماد کرنے سے بڑھ کر کوئی اور دلیل اطمینان بخش نہیں ہوسکتی مگر ایک خام کار اپنی نارسائی اور بے شعوری کے باوجود دلائل کے بغیر شفاء حاصل نہیں کرتا۔

حالانکہ دلائل کا راستہ سرتا سر تردد وشبہ کا راستہ ہے، عقل انسانی اگر غائبات پر ایک طرف کوئی دلیل قائم کر بھی لے تو دوسری عقل اس کے خلاف پر دلائل قائم کرنے سے عاجز نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عقلاء میدان بحث میں کبھی کسی امر پر متفق نظر نہیں آتے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف دلائل کا دروازہ کھٹکھٹاتے نظر آتے ہیں۔ آئے دن ان کی تحقیقات کی دنیا بدلتی رہتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اسی ایک عالم جہالت سے دوسرے عالم جہالت کی طرف منتقل ہونے کا نام (ریسرچ) اور تحقیق رکھ لیا جاتا ہے کاش کہ صاحب وحی کی ریسرچ پر اعتماد و وثوق کر لیتے تو یہ عمر عزیز ساحل کی تلاش میں یوں مفت برباد نہ ہوتی حقیقت کا راستہ شریعت نے ٹھیک ٹھیک بتادیا ہے۔ اب جو کام ہمارا رہ جاتا ہے وہ اس پر چل کر منزل مقصود کو پہنچ جانا ہے اور بس۔

ایمان بالغیب کا راستہ بس یہی ایک راستہ ہے جس میں روح کو حقیقی اطمینان حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کے ماسواء جس قدر راہیں ہیں وہ تذبذب کی راہیں ہیں، تردد کی راہیں ہیں، نہ روح کے لیے ان میں کچھ تسلی ہے نہ نفس کو کچھ تشفی۔

اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ. (الانعام: ۱۵۳)

یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس پر چلو، دوسرے اور منحرف راستوں پر مت چلو، کہ وہ تمہیں اس بڑی شاہراہ سے جدا کردیں گے۔

مذکورہ بالا بیان کا مقصد غور وفکر کی راہ بند کرنا نہیں ہے بلکہ صرف اس کا ایک دائرہ بتلانا ہے اس کا نام عقل کا تعطل نہیں بلکہ طریق استعمال کی صحیح تعلیم ہے، آیات آفاقی وانفسی کا دائرہ کیا کم ہے کہ اسے چھوڑ کر عالم غائبات پر اٹکل کے تیر چلائے جائیں جو دارالعمل ہے اس میں خوب غور کرو اور جو دارالجزاء ہے اسے احکم الحاکمین کے حوالہ کردو۔

عالم غیب اور دلائل

جب تک ایمان کا مقام انقیاد میسر نہیں آتا۔ آپ کو حجت بازی کا موقعہ رہتا ہے۔ لیکن جب رسالت کی تصدیق دلیل یا بے دلیل حاصل ہوگئی تو اب انقیاد باطن کا یہ نازک مقام زیادہ لن ترانیوں کا متحمل نہیں رہتا اور آپ کا صرف ایک یہی فرض رہ جاتا ہے کہ رسول کہے اور آپ خاموش سنیں، وہ حکم دے اور آپ مانیں اور کیوں نہ مانیں اگر قلب طوق غلامی پہن چکا ہے تو زبان کو سرتابی کا حق کیا ہے۔ بقول غالب ؎

نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو

رسول کی تصدیق کا بھی دعویٰ ہے پھر بات بات پر شبہات اور حجت بازی کی خلش بھی جاری ہے کیا بیک وقت یہ دو متضاد باتیں نہیں؟ کیا وثوق اور اعتماد اسی کا نام ہے کہ رسول جو کہتا ہے اس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا تاوقتیکہ دلائل و براہین سے وہ ہمارا منہ بند نہ کردے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَا اُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ. وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ. وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ. اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ

بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (نور: ۴۷۔ ۵۱)

اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو اور رسول کو مانا اور ہم ان کے فرمان بردار بن گئے۔ اس کے بعد پھر ان میں سے ایک جماعت پھر جاتی ہے، اور وہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔ جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ اور رسول کی طرف تاکہ ان میں فیصلہ کرے تب ہی ایک فرقہ ان میں منہ موڑ لیتا ہے اگر ان کو کچھ ملتا تو اس کی طرف (فوراً) چلے آئیں قبول کر کے، کیا ان کے دلوں میں (کوئی) روگ ہے یا دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول بے انصافی کرے گا۔ کچھ نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں۔ ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب اللہ اور رسول کی طرف ان میں فیصلہ کے لیے بلائے جائیں تو کہیں ہم نے سنا اور حکم مان لیا اور کامیاب یہی لوگ ہیں۔

اشاعرہ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ تصریح فرماتے ہیں کہ ایمان اسی بے دلیل انقیاد واطاعت کا نام ہے۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۴۰)

اب آپ یہ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ ایمان کا وجود ذہنی یا شرعی تصدیق کوئی معمولی تصور نہیں ہے جس کی حیثیت صرف ایک خواب وخیال کی سی ہو بلکہ قلب انسانی پر یہ وہ نقش ہے جو ایک لمحہ میں آبائی عقائد کے سب نقوش محو کر دیتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے مفاخر آنکھوں میں معائب نظر آنے لگتے ہیں حتیٰ کہ طعام وشراب، وضع وقطع، رفتار وگفتار سب میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو جاتی ہے بلکہ سمع وبصر، ذوق وشم یعنی حواس خمسہ کی دنیا کی دنیا منقلب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جو نغمہ پہلے دلکش تھا جو صورت پہلے دل فریب تھی، جو کھانا لذیذ معلوم ہوتا تھا، جو خوشبو بھلی لگا کرتی تھی، اب اسی نغمہ میں وہ دلکشی، اسی صورت میں وہ دلبری، اسی کھانے میں وہ لذت، اسی خوشبو میں وہ کشش باقی نہیں رہتی مدتوں کی صحبت سے طبیعت اگر کبھی مچلتی بھی ہے تو دل اندر ہی اندر سمجھانے لگتا ہے اور آخر تصدیق قلبی کی مضبوط کڑیاں آئین اسلام سے ادھر ادھر جانے نہیں دیتیں۔ نفس چاہتا ہے کہ قدیم لذائذ کا پھر مزہ لوٹے مگر صفت انقیاد کا ذائقہ انہیں بے مزہ بنائے دیتا ہے۔ اسی لیے ہمارے فقہاء نے کفر کے بعد اسلام کو ایک حیوٰۃ نو سمجھا ہے اور کفر واسلام پر بہت سے ایسے احکام متفرع کر دیئے ہیں جو حقیقی موت وحیات پر ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے کفر واسلام کی معمولی تبدیلی انسان کے آخرت کی تبدیلی بن جاتی ہے اگر کسی کو تمنا ہے کہ وہ عالم نقمت کو عالم نعمت سے اور عالم عذاب کو عالم ثواب سے بدل دے تو اس کو چاہیے کہ آج عالم کفر کو عالم اسلام سے بدل لے۔ قدرت کے اس دست فیاض پر قربان جس نے عالم فانی کی اس ترمیم سے عالم جاودانی کی ترمیم کا وعدہ فرما لیا ہے بلکہ اس ابدی مقام کو اس عارضی ترمیم کا تابع بنا دیا ہے کیا اب بھی آپ سمجھ گئے کہ تصدیق قلبی کسے کہتے ہیں اور ایمان کا وجود ذہنی کیا ہے؟

ایمان کا وجودِ عینی

ایمان کا لفظی اور ذہنی وجود آپ سن چکے یہ وجود جب اور رسوخ وپختگی اختیار کر لیتا ہے تو پھر یہی ایمان جو اس منزل تک صرف ایک معنی تھا اب رفتہ رفتہ شکل وصورت اختیار کرنے لگتا ہے۔

ارباب حقائق کے نزدیک تو معانی کا تجسد ثابت شدہ حقیقت ہے اور موجودہ تحقیقات کے مطابق بھی آج وزن جو درحقیقت مادہ کی صفت تھی حرارت کے لیے ثابت ہو چکی ہے بلکہ اس کے وزن کے لیے ایک مقیاس الحرارت بھی تیار کر لیا گیا

ہے اور اب بآسانی ہر شخص اپنی حرارت کا وزن کر سکتا ہے۔ اسی طرح آواز کو مدت تک محض ایک معنی تصور کیا گیا تھا جو ہوا میں آتی اور فناء ہو جاتی ہے مگر حال کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عالم کی پیدائش سے لے کر آج تک جتنی اصوات اس (فضاء) میں نکلیں ہیں وہ سب کی سب محفوظ موجود ہیں اور ان سے استفادہ کی سعی ہنوز جاری ہے۔ ریڈیو کی محیر العقول ایجاد کی بنیاد یہی جدید اکتشاف ہے۔ یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ تحقیقات عصریہ باوجود اس تمام جدوجہد کے اب تک اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں جہاں ہمارے ارباب حقائق کی نظریں آج سے سینکڑوں سال پیشتر پہنچ چکی تھیں۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں اصوات کے صرف وجود کی تصریح نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی صورتوں کے بھی قائل ہیں اور یہ بھی کسی دلیل سے نہیں بلکہ اپنے چشم دید مشاہدہ سے دیکھئے کہ سائنس اپنی اس برق رفتاری کے باوجود کب اس مقام تک پہنچتی ہے۔

اسی طرح ایمان بھی ابتداءً گو تصدیق قلبی کا نام ہے مگر یہ تصدیق اعمال صالحہ کے آبیاری سے نشو و نما پا کر ایک نور کی سی شکل اختیار کر لیتی ہے اور یہی نور ایمان کا وجود عینی کہلاتا ہے۔ حضرت لقمان کی وصیت میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا اے بیٹے جس طرح کھیتی بلا آبیاری کے سرسبز نہیں ہو سکتی اسی طرح ایمان بلا علم و عمل کے پختہ نہیں ہو سکتا۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۳۸)

امام ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی اور امام ابو عبید اور امام اصبہانی نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ پہلے ایمان ایک سفید نقطہ کی شکل پر قلب میں نمودار ہوتا ہے اور جتنا ایمان بڑھتا جاتا ہے اسی قدر یہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ایمان مکمل ہو جاتا ہے تو سارا قلب سفید ہو جاتا ہے یہی حال نفاق کا ہے کہ پہلے سیاہ نقطہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور بالآخر تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم ایک مؤمن کا قلب نکال کر دیکھو تو بالکل سفید پاؤ گے اور ایک منافق کا قلب دیکھو تو بالکل سیاہ دیکھو گے۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۵۹) لیکن معانی کے اس تجسد کے مشاہدہ کے لیے وہی تیز آنکھیں درکار ہیں جن کا ذکر اس آیت میں موجود ہے۔ **فبصرک الیوم حدید.**

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک شق کیا گیا تھا ایک سنہری طشت ایمان و حکمت سے لبریز لایا گیا اور اسے آپؐ کے صدر مبارک میں لوٹ دیا گیا تھا۔ عجب نہیں کہ اس سے مراد ایمان کا یہی وجود عینی ہو۔ انبیاء کے کمالات اکتساب کا ثمرہ نہیں ہوتے بلکہ قدرت اسی طرح ان کے منازل کمالات خود طے کرا دیتی ہے۔

یہ نور تصدیق جس قدر رسوخ پیدا کرتا جاتا ہے اتنا ہی خواہشات نفسانیہ کے حجابات اٹھتے جاتے ہیں اور جیسے جیسے یہ حجابات اٹھتے جاتے ہیں اسی قدر یہ نور اور منبسط ہوتا جاتا اور پھیلتا جاتا ہے شدہ شدہ یہاں تک پھیل جاتا ہے کہ انسان کے تمام جوارح کا احاطہ کر لیتا ہے اور یہ مؤمن گویا خود ایمان مجسم بن جاتا ہے جسے دیکھ کر بے ساختہ خدا یاد آنے لگتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم (بفتح غین وسکون نون) اور اسماء بنت یزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بہتر بندے وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر نظر پڑے تو خدا یاد آ جائے۔ (مسند احمد و شعب الایمان مشکوٰۃ شریف باب حفظ اللسان والغیبۃ)

اس نور کی وسعت کی بقدر اوامر الٰہیہ کے امتثال اور محظورات شرعیہ سے اجتناب کا جذبہ عمل پیدا ہو جاتا ہے۔ اخلاق رذیلہ زائل ہو جاتے ہیں اور اخلاق فاضلہ اس کی جگہ لے لیتے ہیں اور قلب کو وہ وسعت میسر آ جاتی ہے کہ سارا عالم اس کے پہلو میں مثل ایک نقطہ

کے نظر آنے لگتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ مؤمن کا یہ وہ قلب ہے جو اس کے پروردگار کی تجلی گاہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ. (الزمر: ۲۲)

بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے لیے کھول دیا سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے۔

پھر دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ. (الانعام: ۱۲۵)

جس کسی کی ہدایت کا اللہ ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

یہ شرح صدر بھی گو ایک معنی ہیں جس کا مطلب صرف اسلام کا فراخدلی سے بلا پس و پیش قبول کر لینا سمجھا جا سکتا ہے مگر اس معنی کا بھی ایک وجود عینی ہے وہ صرف یہ معنوی فراخی نہیں بلکہ وہ وسعت ہے جو مؤمن کامل اپنے قلب میں حساً بھی مشاہدہ کرتا ہے (علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے اس شرح صدر کی تفصیل میں سفر السعادۃ میں مستقل ایک فصل لکھی ہے مراجعت کی جائے)

اب حضرت رسالت کے حق میں شرح صدر کا جو مصداق ہو سکتا ہے اس کا خود اندازہ کر لو۔ قرآن امتنان کے لہجہ میں فرماتا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. (الشرح: ۱) کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جب نور یقین قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس میں ایک فراخی اور کشادگی نمودار ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اس کی کچھ علامت بیان فرمائیے۔ ارشاد ہوا اس کی تین علامتیں ہیں:

(۱) آخرت کی طرف میلان۔ (۲) دنیا سے نفرت اور یکسوئی۔ (۳) موت سے پیشتر اس کی تیاری۔ (شعب الایمان للبیہقی۔ مشکوٰۃ شریف)

یہ ہے ایمان کا وجود عینی۔ یہی دعوت انبیاء علیہم السلام کا مقصد ہے اور اسی پر نجات مطلقہ (یعنی بلا عذاب) اور فلاح ابدی کا مدار ہے۔ اس ایمان کے بعد مؤمن کے کان "رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ" کی پر کیف صدا سننے لگتے ہیں۔ اس مؤمن کو اگر جلا کر خاک بھی کر دیا جائے، اس کے جسم و جان کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے تو بھی اس کے ذرہ ذرہ سے اسی ایمان کی صدا بلند ہوگی۔

یہ ایمان صرف ذہنی اور عقلی نہیں رہتا بلکہ دیگر محسوسات کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے اس کا نور آنکھیں دیکھتی ہیں۔

سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ. (الفتح: ۱۱۹) سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی علامت (ظاہر) ہے۔

قلب اس کی حلاوت اور شیرینی اس طرح محسوس کرنے لگتا ہے جیسا کہ زبان مٹھائی کی۔ یہ ایمان فطرت انسانی کا ایک مقتضا بن جاتا ہے اور جس طرح فطری خصائل زوال پذیر نہیں ہوتے اسی طرح یہ ایمان بھی زوال کے خطرہ سے بڑی حد تک مامون رہتا ہے۔

ہرقل جو بہت بڑا عالم کتاب تھا اسی وجود عینی کی طرف اشارہ کرتا ہے اس نے اپنے دوران مکالمہ میں ایک سوال ابوسفیان سے یہ بھی کیا تھا کہ اس پر ایمان لا کر کیا کوئی شخص مرتد ہوتا ہے، اس پر ہزار عداوت کے باوجود جو جواب ابوسفیان کی زبان سے نکلا وہ صرف نفی محض میں تھا۔ یہ سن کر ہرقل نے جو کلمات کہے اس کی علمی گہرائی کا خوب پتہ دیتے ہیں۔

وکذلک الایمان اذا خالطت بشاشۃ القلوب.

یعنی ایمان ایسی ہی چیز ہے کہ جب اس کی بشاشت اور تراوٹ دلوں میں رچ جاتی ہے تو پھر نکلا نہیں کرتا۔

یہ ایمان کے وجود عینی ہی کی طرف اشارہ ہے اسی کا نام ایمان کامل ہے اسی کو معرفت بھی کہا جاتا ہے علوم ابتداء میں صرف

علوم رہتے ہیں مگر کچھ رسوخ کے بعد قلب میں اپنا ایک رنگ پیدا کر دیتے ہیں جس کے بعد قلب میں لطف اندوزی یا انقباض کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے اس وقت ان کا نام حال ہو جاتا ہے پھر اگر ترقی کر کے یہ لون اور رسوخ اور پختگی اختیار کر لیتا ہے تو اسی کا نام معرفت بن جاتا ہے اور اسی کو مرتبہ احسان سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ علوم کی انتہائی معراج ہے۔ پھر اس معرفت میں بے نہایت مراتب و مدارج ہیں اور ان ہی مراتب کے لحاظ سے مؤمنین کا تفاضل ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ (الحجرات:۱۳) عزت اللہ کے یہاں اسی کو ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

عمل و ایمان کا توازن

ایک ظاہر بیں صرف عمل پر نظر رکھتا ہے اور اسی پر فضیلت و مفضولیت کا فیصلہ کر ڈالتا ہے، مگر حقیقت شناس جانتا ہے کہ اصلی روح انقیاد باطن ہے اور عمل اس کا صرف ایک قالب اور ڈھانچا ہے اس لیے اس کی نظر قوت ایمانیہ پر ہوتی ہے اور یہی اس کا معیار فضیلت رہتا ہے صحیح احادیث میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب مذکور ہے کہ گویا کنویں پر ایک ڈول پڑا ہے۔ پہلے میں نے (جب تک خدا نے چاہا) اسے کھینچا میرے بعد پھر اسے ابوبکرؓ نے لے لیا اور ایک دو ڈول نکالے مگر کچھ ضعف کے ساتھ پھر ان سے عمر فاروقؓ نے لیا تو اس قوت سے ڈول کھینچے کہ اونٹ والوں نے اپنے اونٹوں کے پانی پی کر بیٹھنے کی جگہ وہاں تیار کر لی۔ بعض علماء نے یہاں ضعف سے ابوبکرؓ کی مدت خلافت مراد لی ہے اور بلاشبہ یہ مدت بہ نسبت خلافت عمرؓ کے نہایت قلیل تھی مگر کسی نے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ جو عملی شدت و شوکت عہد فاروقی میں نظر آئی، وہ عہد صدیقی میں ظہور پذیر نہیں ہوئی۔ شاید اسی خصوصیت کے پیش نظر حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ کے اسلام کے بعد ہم ہمیشہ معزز رہے اور کبھی ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

اب اگر تسلیم کر لو کہ عملی قوت کے لحاظ سے عمر فاروقؓ حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ تھے تو یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قوت ایمانی کے اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے کہیں فائق تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثہ انتقال پر عمر فاروقؓ کی بے صبری و اضطراب اور حضرت ابوبکرؓ کا صبر و استقلال تاریخی واقعہ ہے۔ جب قوائے عملیہ جواب دے دیتے ہیں تو ایسے ہی وقت قوت ایمانیہ کا امتحان ہوتا ہے اگر کہیں حضرت صدیق اکبرؓ کی قوت ایمانیہ نے فاروق اعظمؓ کو نہ سنبھالا ہوتا تو معلوم نہیں کہ اس جاں گداز واقعہ نے ان کو کتنا اور مدہوش بنا دیا ہوتا۔ خدا ہی جانے کہ اس ہنگامہ بے صبری میں ابوبکرؓ کی زبانی وہ چند کلمات کیا تھے جن کے بعد جلتے ہوئے سینوں کی آگ بجھ گئی۔ مدہوش عقول کو ہوش آ گیا اور (جو موت کا لفظ سننے پر قادر نہ تھے تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے، اگر ابوبکرؓ کی قوت ایمانیہ اس طرح قلوب کی کایا نہ پلٹ دیتی تو نہیں معلوم واقعات کہاں تک نزاکت اختیار کر لیتے، ایسے نازک دور میں صحابہؓ کی جماعت میں بجلی کی طرح یہ انقلاب پیدا کر دینا صدیق اکبرؓ کی فضیلت کی وہ بروقت دلیل تھی جس کے بعد بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دینا ہر مسلمان کا ایک اضطراری فرض ہو گیا تھا اور یہ وہ وقت تھا جب عمل و ایمان کا توازن عالم میں آشکارا ہو رہا تھا۔

صحیح احادیث میں وارد ہے کہ ساری دنیا گویا ایک دن ہے جس میں امت محمدیہ کا وقت صرف عصر سے غروب تک ہے اور دوسری امتوں کا فجر سے ظہر تک، مگر قدرت کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ مزدوری امت محمدیہ کو دوسری امتوں سے دوگنی ملتی ہے۔

بات وہی ہے کہ مدار قوت عمل پر نہیں بلکہ قوت ایمان پر ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ. (آل عمران: ۱۱۰)

تم سب امتوں میں اس لیے افضل ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہارا شیوہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم اپنے خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

آیت مذکورہ نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا کہ کچھ افراد کا نہیں بلکہ جماعات و امم میں بھی فضیلت کا قانون وہی ایک ہے اس کے بعد اگر انبیاء کی سوانح پر غور کرو تو جو مدت عمل خاتم النبیین کو مرحمت ہوئی وہ صرف چند سال ہیں اور جو زمانہ حضرت نوح علیہ السلام کو ملا وہ بنص قرآن ہزار سال تھے پھر کون نہیں جانتا کہ فضیلت کا تاج کس کے سر پر ہے۔ الغرض افراد و امم اور انبیاء علیہم السلام میں افضلیت کا ایک ہی قانون ہے یعنی ایمانی روح اور الٰہی معرفت بلکہ جہاں یہ روح نہیں وہاں عمل کی کوئی قیمت نہیں۔

فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا. (الکهف: ۱۰۵)

قیامت میں ہم کفار کے اعمال کیلئے کوئی ترازو قائم نہیں کریں گے۔ کیونکہ ترازو وزن کیلئے ہوتی ہے اور کافر کا عمل بے وزن ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے خواب میں دیکھتے ہیں کہ مجھے ساری امت کے بالمقابل تولا گیا تو میرا پلا بھاری رہا پھر اس میں ابوبکرؓ کو رکھا گیا تو اسی طرح ساری امت سے وہ بھاری رہے۔ اس کے بعد پھر عمرؓ کو تولا گیا تو وہ سب سے وزنی رہے۔ یہ وزن نبی کی اسی قوت ایمانی کا تھا جس کے مقابل ساری امت ہیچ نظر آئی۔ پھر اسی مناسبت سے ابوبکر و عمر کو قیاس کرلو۔

بہر حال احادیث کا بے شمار ذخیرہ اسی طرف رہبری کرتا ہے کہ اصل قیمت انقیاد باطن کی ہے اور پھر اسی کے بقدر عمل کا وزن اور انسان کا فضل ہے۔ (کتاب الایمان ص ۱۳۷ و ۱۳۸)

ایمان اور معرفت

جہم بن صفوان امام اعظم کا ہمعصر صفات باری تعالیٰ کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ ایمان صرف معرفت قلبیہ کا نام ہے زبان سے اقرار کرنا کچھ ضروری نہیں بلکہ اس کے نزدیک اگر ایک شخص زبان سے انکار بھی کر گذرے مگر اس کو معرفت قلبی حاصل ہو تو مؤمن کامل رہ سکتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ تصریح فرماتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۶۴) کہ اس مسئلہ میں امام اعظمؒ نے اس کی تردید فرمائی ہے اور یہی ایک مسئلہ نہیں بلکہ اور مسائل میں بھی اس کے ساتھ آپ کے مناظرے تصانیف میں کھلے طور پر موجود ہیں۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۴۲) مگر اس پر بھی بعض نا منصف قلم حنفیہ کے سر جہمیہ کی تہمت تھوپنے سے باز نہ آئے۔

تاریخ میں حنفیہ پر یہ پہلا ظلم نہیں بلکہ وہ اس قسم کے مظالم کے ہمیشہ تختہ مشق بنے رہے ہیں۔ اگر ان بے محل انتسابات کے وجوہ واسباب پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے تو ایک مستقل تصنیف بن سکتی ہے ہمارا مقصد اس وقت صرف یہ ہے کہ اگر تاریخ حنفیہ پر یہ جو روستم روا رکھتی ہے تو رکھے مگر ہمارا ابھی فرض ہے کہ ہم اس کی یہ ناانصافی برابر دہراتے رہیں کان اگر دلچسپی سے نہیں سن سکتے تو نہ سنیں۔

کتب کلام کی ورق گردانی کرو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہمیہ کے ساتھ حنفیہ کو مرجئہ بھی کہا گیا ہے لیکن اگر ذرا تحقیق سے کام لو گے تو روشن ہو جائے گا کہ حنفیہ کا دامن اس تہمت سے بھی قطعاً پاک وصاف تھا۔ فروعی اور اجتہادی مسائل میں اگر اختلاف ہو تو ہونا

چاہیے مگر غم اس کا ہے کہ دین کے وہ اصولی مسائل جن میں کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیے اور نہ درحقیقت کوئی اختلاف تھا پھر عجلت پسند طبائع نے کیوں ان کا ایک غلط افسانہ تیار کر دیا۔ خدا بھلا کرے حافظ ابن تیمیہؒ کا کہ اپنی کتاب الایمان میں وہ ایک سطر یہ لکھ گئے ہیں۔

ومما ینبغی ان یعرف ان اکثر التنازع بین اھل السنة فی ھذہ المسئلة ھو نزاع لفظی. (ص ۱۱۹ و ۸۸)

یعنی یہ بات ضروری طور پر پیش نظر رہنی چاہیے کہ اہل سنت والجماعت میں ایمان کے مسئلہ کے متعلق جتنے بھی اختلافات نظر آتے ہیں درحقیقت وہ صرف نزاعِ لفظی ہیں۔

ایک غریب عالم کی محنت اور جانفشانی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اپنی پرسکون راتوں کو دن بنا بنا کر ہزاروں صفحات کا مطالعہ کر لیتا ہے اور جب کسی نتیجہ کے لیے اس کا قلب مضطر ہونے لگتا ہے تو کسی مصنف کی ایک سطر اس کے سارے منصوبے یہ کہہ کر خاک میں ملا دیتی ہے۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ حافظ ابن تیمیہؒ ۱۱۹ صفحات میں تحقیقات کے دریا بہا دیتے ہیں اختلافات اور جانبین کے پرزور ردوقدح سے عقل متحیر رہ جاتی ہے وہ چاہتی ہے کہ کوئی راستہ تلاش کرے مگر اختلافات کے اس برق ورعد میں اسے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، اور جب آخر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اکثر حصہ صرف نزاع لفظی تھا تو تھک کر بیٹھ جاتی ہے اور اپنی اس دردسری کی فریاد کا موقعہ بھی نہیں دیکھتی۔ خوب کہا ہے کہ علم کیا ہے؟ کوہ کندن وکاہ برآوردن۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جنگ کچھ نہ تھی تو پھر بیکار یہ قلعے کیوں بنائے گئے۔ غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ محدثین کو سارا غصہ اس پر ہے کہ جو لفظ سلف سے منقول ہوتے چلے آ رہے تھے فقہاء نے ان کو کیوں ترک کیا، بالخصوص جب کہ ان کے ترک سے فرق باطل کو کچھ اعانت بھی مل گئی۔ حافظ ابن تیمیہؒ تصریح فرماتے ہیں (کتاب الایمان ص ۱۶۰) کہ جس کسی نے فقہاء کو مرجئہ میں شامل کیا ہے اس نے عقائد کے لحاظ سے نہیں کیا بلکہ صرف ان الفاظ کی وجہ سے کیا ہے جن سے مرجئہ کی موافقت کی بو آتی ہے۔

مرجئہ ایک فرقہ ہے جس کا یہ خیال تھا کہ ایمان کے لیے صرف زبانی اقرار کافی ہے اور عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جہمیہ نے ان سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھا کر یہ کہہ دیا کہ اقرار کی بھی کوئی ضرورت نہیں، صرف معرفت قلبیہ کافی ہے۔

ان فرق باطلہ کے مقابلہ میں محدثین کو ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی عنوان ایسا اختیار کر لیا جائے کہ وہ عنوان ہی خود ان کی تردید کا ایک اعلان بن جائے اس لیے ایمان کی تفسیر میں ہی اقرار وعمل دونوں شامل کر لیے گئے اور الایمان قول وعمل مشہور ہو گیا یعنی ایمان اقرار وعمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ حتیٰ کہ شدہ شدہ جو عبارت اس مصلحت سے اختیار کی گئی تھی کچھ زمانہ کے بعد اہل سنت کے شعائر میں شمار ہونے لگی۔ اب جو شخص ایمان کی تعریف میں قول وعمل کہتا اہل سنت تھا اور جو شخص اس تعبیر کو ترک کرتا وہ صرف اس جرم میں ارجاء وجہمیہ کے القاب سے متہم ہوتا۔ (کتاب الایمان ص ۱۲۳ و ۷۷)

آج بھی اگر جماعتوں کے اختلافات پر نظر کرو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی بناء یہی چند الفاظ تھے جن کو نا اہلوں نے اصولی اختلاف بنا ڈالا ہے۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

ہماری بعض کتب میں امام اعظمؒ سے بھی ایمان کی تعریف میں معرفت کا لفظ منقول ہے۔ بس اتنی بات حنفیہ کی

طرف جہمیت کے انتساب کے لیے بہانہ بن گئی۔

الایمان هو الاقرار و المعرفة بالله عزوجل والتسليم والهيبة منه وترک الاستخفاف بحقه. (اتحاف)

یعنی ایمان کیا ہے؟ (۱) توحید و رسالت کا اقرار (۲) خدائے تعالیٰ کی معرفت (۳) اس کے سامنے سرتا سر نیاز ہو جانا۔ (۴) اس کا خوف۔ (۵) اس کے کسی حق کو معمولی نہ سمجھنا۔

پہلے تو ہمیں امام صاحب کی طرف اس تعریف کے انتساب میں ہی کلام ہے اور اگر تسلیم کرلیا جائے تو صرف اس بات سے یہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے کہ معرفت سے امام صاحب کی وہی مراد ہے جو جہم بن صفوان کے نزدیک ہے۔ جہم کے نزدیک ایمان کے لیے نہ عمل کی ضرورت ہے نہ اقرار کی بلکہ انکار کے بعد بھی ایمان کامل رہ سکتا ہے اور یہاں اقرار کی رکنیت وشرطیت کی بحث ہورہی ہے۔ رہ گیا انکار تو بلا اختلاف ایک بدترین کفر ہے۔ پھر جہم اور امام صاحب کے مذہب میں کیا اشتراک رہ سکتا ہے۔ بعض مصنفین نے یہاں معرفت کی تفسیر تصدیق کردی ہے تاکہ یہ تعریف بھی مشہور کے موافق ہوجائے مگر ہمارے نزدیک اس جگہ معرفت سے وہ عام تصدیق مراد نہیں بلکہ تصدیق کا وجود عینی مراد ہے جسے ایمان کامل کہا جاتا ہے اور بلاشبہ ایمان کامل بلا معرفت تامہ حاصل نہیں ہوتا۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے ایمان میں بھی تقسیم پیدا کردی ہے۔ (کتاب الایمان ص ۶ ۷ و ۹ ۷) (۱) ایمان واجب (۲) ایمان مستحب۔ ایمان واجب ہر شخص پر فرض ہے اور اس مؤمن کا شمار زمرۂ ابرار اور اصحاب الیمین میں ہے۔ ایمان کی دوسری قسم مقربین وسابقین کا حصہ ہے۔ مذکورہ بالا تعریف اسی قسم ثانی کی ہے۔ جیسا کہ تعریف مذکورہ کے بقیہ الفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ عبدالقادر بغدادی نے جمہور ائمہ ومحدثین کا مذہب نقل کرکے اس کی تصریح کی ہے کہ ان کے نزدیک بھی ایمان کے مراتب ہیں اور اعلیٰ مرتبہ یہی معرفت ہے۔

اعلى الايمان معرفة بالقلب و اقرار باللسان وعمل بالا ركان يزيد بالطاعة وينقص بالمعصية. (اتحاف ج ۲ ص ۲۵۴)

یعنی ایمان کا اعلیٰ مرتبہ۔ معرفت قلبیہ۔ زبان سے اقرار اور اعضاء کا عمل پیرا ہونا۔ یہ ایمان طاعات سے ترقی پذیر ہوتا ہے اور معاصی سے ناقص بھی ہوتا ہے۔

اس کے سوا حافظ ابن تیمیہؒ نے خود محدثین سے ایمان کی تعریف میں معرفت کا لفظ نقل کیا ہے بلکہ جمہور ائمہ کے یہی لفظ پیش کیے ہیں۔ (کتاب الایمان ص ۱۶۰ و ۴۷ و ۵۹ و ۵۸)

اب ذرا انصاف کرو کہ اگر ایمان کی تعریف میں ایک لفظ معرفت استعمال کرلینا ہی کوئی جرم تھا تو کیا امام صاحب ہی اکیلے اس جرم کے مرتکب تھے۔ پھر ایک حنفیہ کو کیوں ہدف ملامت بنالیا گیا۔

اسی طرح اگر حنفیہ نے ایمان میں عمل کو داخل نہیں کہا تو اس کے لیے بھی ان کے پاس دلائل ہیں مگر کیا اتنی سی بات سے ان کو مرجئہ کہنا صحیح ہوسکتا ہے؟ حالانکہ مرجئہ کے نزدیک ایمان کے لیے معاصی کچھ مضرت رساں نہیں اور حنفیہ کے نزدیک اعمال مکمل ایمان ہیں اور اگر صرف لفظی گرفت ہی کوئی چیز ہے تو کیا عمل کو جزء ایمان بنانے سے معتزلہ وخوارج کو تقویت نہیں ہوتی (معتزلہ وخوارج محدثین سے بھی ایک قدم آگے ہیں اور عمل کو ایسا جزء کہتے ہیں کہ ایک عاصی ان کے نزدیک مؤمن کی فہرست سے خارج ہو

جاتا ہے) اب اگر ایمان میں عمل داخل نہ کرنے سے مرجئہ اور جہمیہ کو تقویت ہوتی ہے تو عمل کو جزء بنانے سے معتزلہ وخوارج کوشہ ہوتی ہے پھر محدثین کے غیظ وغضب کا نزلہ حنفیہ ہی پر کیوں گرتا ہے۔ **فصبر جمیل و اللہ المستعان علی ما تصفون.**

اعمال کی حیثیت ایمان میں

یہ بحث نہایت دلچسپ ہے کہ عمل کی، ایمان میں کیا حیثیت رہنی چاہیے۔ محدثین وفقہاء کا یہاں بھی خوب نزاع ہے فریقین کے دلائل ذکر کرنے کا یہ محل نہیں۔ ہمارے نزدیک یہاں حقیقت حال امام غزالیؒ کی ایک تحقیق ہے اور بس وہی فیصلہ کن ہے اس کے بعد الفاظ خواہ وہ رہیں جو محدثین استعمال کرتے ہیں یا وہ جو فقہاء نے استعمال کیے ہیں (یعنی اعمال کو جزء کہو جو کہ محدثین کا مذہب ہے یا ایمان سے خارج قرار دو جیسا کہ فقہاء کا مسلک ہے) ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

کہ باطن وظاہر بالکل دو جداگانہ عالم نہیں کہ ایک دوسرے سے متاثر نہ ہوں بلکہ ہر دو کا باہمی ایسا گہرا تعلق ہے کہ ہمیشہ ایک کا دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے اگر اعتقاد باطن، اعمال ظاہرہ کا مقتضی ہوتا ہے تو اعمال ظاہرہ اعتقاد باطن کے ممد ومعاون رہتے ہیں۔ دیکھو اگر ایک شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یتیم پر رحم کرنا انسانیت کا اولین فرض ہے تو اس کے اس عقیدہ کا یہ اقتضاء ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے لیے مجسم رحمت ودل سوزی بن جائے۔ پھر جب اس کے اعضاء وجوارح اس دل سوزی کے لیے حرکت کرنے لگتے ہیں تو وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے اعتقاد میں ایک نئی روح داخل ہو رہی ہے اور جتنا جتنا اس کا یہ عمل تلطف وترحم ترقی کرتا ہے اسی قدر اس کے باطن میں شفقت ورحمت کا جوش اور پیدا ہوتا ہے یا اگر ایک شخص تواضع کو نیک خصلت سمجھتا ہے تو اس کا مخلوق سے تواضع کا معاملہ یقیناً اس کے اس اعتقاد میں اور پختگی کا باعث بنتا ہے۔ غرض صفات قلبیہ جس قدر بھی ہیں سب کا حال یہی ہے پہلے وہ اعضاء انسانیہ کو جنبش عمل کے لیے مضطر کرتی ہیں اور جب جوارح مصروف عمل ہو جاتے ہیں تو ان کے آثار لوٹ کر پھر ان صفات کو اور روشن کرتے رہتے ہیں۔ ایمان واعمال کا حال بھی اسی پر قیاس کر لو۔ ایمان ایک عقیدہ ہے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ جوارح توحید خالص اور تصدیق رسالت کی اپنے عمل سے گواہی دیں اور جب اعضاء اس اقتضاء کو پورا کرنا شروع کرتے ہیں تو یہ عقیدہ اور راسخ اور تروتازہ وسرسبز ہونے لگتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ حسن بصری سے نقل کرتے ہیں۔

لیس الایمان بالتحلی ولا بالتمنی ولکنہ ماوقر بالقلب وصدقتہ الاعمال. (کتاب الایمان ص ۱۱۷)

یعنی ایمان صرف ظاہرداری کا نام نہیں بلکہ ایمان اسے کہتے ہیں جو دل میں سرایت کر جائے اور اعمال اس کی تصدیق بھی کریں۔

اس کلام سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اعمال انسان کی کیفیات قلبیہ کا آئینہ ہیں۔ اب اگر وہ نیک عمل کرتا ہے تو یہ اس کے قلبی تصدیق کی دلیل ہوگی ورنہ اس کی بدعملی خود اس کے بے ایمانی کی شاہد بن جائے گی۔

محمد بن نصر مروزی نقل فرماتے ہیں کہ عبدالملک نے سعید بن جبیرؒ سے چند سوالات کئے منجملہ ان کے ایمان اور تصدیق کے متعلق بھی ایک سوال تھا انہوں نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ ایمان اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور رسولوں اور قیامت کی تصدیق کا نام ہے مگر تصدیق کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کے حرف حرف پر عمل ہو اور جتنی کوتاہی رہ جائے اور گناہ نظر آئے اس پر استغفار کرے اور آئندہ اصرار نہ ہو۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اقرار کا نام ہے اور ایمان عمل کا۔ یہ ہر دو آپس میں قرین ہیں۔ ہر شخص کا قول وعمل تولا جائے گا

اگر اس کا عمل وزنی ہے تو مقبول ہوگا اور آسمان کی طرف صعود کرے گا اور اگر قول وزنی ہے تو اس کا عمل نامقبول رہے گا۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان بلا اقرار صحیح نہیں ہوتا اور ایمان و اقرار بلا عمل درست نہیں ہوتے اور ان تینوں کا اعتبار بلانیت حسنہ کے نہیں ہوتا۔

ان سب ائمہ کے اقوال سے ظاہر ہے کہ اعمال جوارح تصدیق قلبی کے لیے بڑی حد تک ضروری ہیں گویا اس کے لوازم ہیں۔ حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں کہ ابوذر غفاریؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان زبان سے اقرار کرنا اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرنے کا نام ہے اس کے بعد آپ نے اس بیان کی شہادت میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ...... الخ (البقرة:۷۷)

پوری نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق و مغرب کو منہ کرلو (یعنی نماز میں) بلکہ اصل مدار ایمان پر ہے۔

ایمان و عمل کے اس نازک ارتباط کو صرف ایک اہل سنت نے سمجھا ہے۔ مرجئہ و جہمیہ نے ان ہر دو کو ایسا علیحدہ کردیا کہ تصدیق قلبی کے لیے عمل کی کوئی ضرورت نہ سمجھی اور معتزلہ و خوارج نے ان کو ایسا مدغم بنادیا کہ عملی کوتاہی کو تصدیق قلبی کا ضعف قرار دے دیا۔ اسی اختلاف پر یہ بحث قائم ہوگئی کہ مرتکب کبیرہ کا کیا حکم ہونا چاہیے۔

تصدیق قلبی پر معصیت کا اثر

قدرت جو فطرت انسانی کی سب سے بڑی رازداں ہے خوب جانتی ہے کہ یہ مجموعہ عناصر اتنا پابند عہد نہیں رہ سکتا کہ عالم امکان کی نقاشی اس کی نظریں کبھی خیرہ نہ کرسکیں خواہشات نفسانی کی باد صرصر اس کی شمع تصدیق کو کبھی حرکت نہ دے سکے، وہ کمزور ہے اور بہت کمزور ہے اس لیے معمولی خلاف ورزی پر اس کا نام وفاداروں کی فہرست سے نہیں کاٹتی اور اس حد تک اسے معذور سمجھے جاتی ہے کہ وہ خود ہی نقض عہد کا اعلان کرگذرے۔ ارباب ارجاء و اعتزال اگر تصدیق کے شرعی مفہوم اور ضعف انسانی کے دونوں پہلوؤں کی رعایت کرلیتے تو نہ ارباب ارجاء کو صرف تصدیق عمل کے بغیر کافی نظر آتی اور نہ رؤساء اعتزال صرف ایک عاصی کے لیے وہ سزا تجویز کرتے جو ایک باغی کے مناسب تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

ولیس من الحکمة ان یفعل بصاحب الکبیرة مثل ما یفعل بالکافر. (حجة اللہ البالغہ ج ۱ ص ۷۹)

یہ حکمت سے بعید ہے کہ مرتکب کبیرہ کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو کافر سے ہونا چاہئے۔

یہ سعادت صرف اہل سنت والجماعت کا حصہ تھا کہ ہر پہلو کی رعایت کی توفیق ان کو میسر آگئی اور ایمان و عمل کے پورے ارتباط کو انہوں نے ملحوظ رکھا۔ نہ اتنی سخت گیری کی کہ عمل کی کوتاہی کفر کے برابر ہوجائے اور نہ اتنا تساہل کیا کہ اتنا بڑا قصور تصدیق قلبی پر ذرا داغ بھی نہ لگائے اور یہ اعلان کردیا کہ انسان کی بدعملی اس کے دامن پر فسق کا ایک بدنما دھبہ ہے۔

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ. (الحجرات: ۱۱) (کتاب الایمان ص ۱۰۵)

برا نام ہے گنہگاری ایمان کے بعد۔

حافظ ابن تیمیہؒ آیت مذکورہ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال نقل فرماکر لکھتے ہیں کہ اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ ایمان کے

بعد پھر تمہارا فاسق ہوجانا بہت بری بات ہے۔ (کتاب الایمان ص ۹۸) قرآن کریم جگہ جگہ مرتکب کبیرہ کو فاسق کہتا ہے۔

اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا. (الحجرات:۶)

اگر ایک فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلو۔

وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ. (النور:۴)

یعنی جولوگ زناء کی تہمت لگاتے ہیں آئندہ انکی شہادت قبول نہ کی جائے کیونکہ اس جرم کے بعد وہ شریعت کی نظر میں فاسق ٹھہر چکے ہیں۔

یہ وہ بدترین لقب ہے جسے قرآن نے ایمان کے بعد بہت ہی ناپسند کیا ہے۔ اس علو و برتری کے بعد یہ خفیف الحرکاتی نہایت نازیبا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے۔

سباب المسلم فسوق. یعنی کسی مسلمان کو برا کہنا فسق کی بات ہے۔

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ قبیح حرکت اس کو اس کا مستحق بنادیتی ہے کہ اس کو فاسق کہہ دیا جائے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا. (السجدۃ:۱۸) یہ نہیں ہوسکتا کہ مؤمن اور ایک فاسق برابر ہوجائیں۔

ان آیات واحادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ معصیت کا ارتکاب مسلمان کو نہ تو کافر بنادیتا ہے اور نہ اس کے دعویٰ اتقیاد کو بے داغ رہنے دیتا ہے۔ وہ مؤمن ہے مگر فسق سے اس کا دامن ملوث ہوچکا ہے۔ اس مجسم طہارت و پاکیزگی کے لیے لازم ہے کہ نجاست فسق سے اپنا دامن ہمیشہ بچائے رکھے اور جو لقب اس کے مولیٰ نے اس کیلئے پسند نہیں فرمایا خود بھی اس سے متنفر رہے۔ **بئس الاسم الفسوق بعد الایمان.** (کتاب الایمان ص ۱۰۵)

اسلام وایمان میں کیا فرق ہے

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ پر بہت طویل بحث کی ہے مگر اس قدر منتشر ہے کہ اس کا خلاصہ نکالنا مشکل ہے۔ جہاں تک ہم نے ان کے کلام کا ملخص سمجھا ہے یہ ہے کہ لغت میں اسلام کے معنی اپنے نفس کو کسی کے سامنے جھکا دینا اور ذلیل بنادینا ہے۔ اس لحاظ سے اسلام یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے سامنے اس طرح جھک جائے کہ پھر اس کے سوا کسی کی عبادت کا رخ نہ کر سکے۔ یہ جھکنا اور ذلیل ہونا ایک عمل ہے۔ اس لیے اسلام دراصل ایک عمل ہی کا نام ہے اور ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں۔ یہ تصدیق قلب کا اسی طرح ایک کلام ہے جیسا کہ اقرار زبان کا۔ یہ ضرور ہے کہ جب دل اپنی گہرائیوں سے کسی کے لیے بول اٹھے گا تو اس کے سامنے جھکنا اور ذلیل بن جانا بھی اس کا اقتضاء طبعی ہوگا مگر فرق یہ ہے کہ اسلام دراصل عمل ہی عمل ہے۔ (ایضاً ص ۱۴۹) اور ایمان ایک علم ہے۔ عمل یہاں تابع ہے۔ اس کے بعد اب اگر احادیث پر ایک اجمالی نظر ڈالو تو تم کو معلوم ہوگا کہ یہاں بھی اس فرق کی رعایت کی گئی ہے یعنی اسلام کا تعلق ظاہر عمل اور تصدیق کا باطن سے قرار دیا گیا ہے۔

(۱) حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے۔ (مسند احمد)

حدیث مذکورہ میں اسلام کو علانیہ اسی بناء پر فرمایا ہے کہ اعمال ظاہرہ کا ہر شخص مشاہدہ کرسکتا ہے۔ لیکن معرفت الٰہیہ اس کی محبت، اس کا خوف، یہ سب اوصاف قلبیہ ہیں یہ باطنی چیزیں ہیں اس لیے ایمان کو علانیہ نہیں فرمایا بلکہ قلب میں کہا گیا ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو ایذاء نہ پہنچے اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے لوگ اپنے جان و مال کی طرف سے خطرہ میں نہ رہیں۔

یہاں بھی اسلام کی علامت ایک ظاہری چیز قرار دی گئی ہے یعنی لوگوں کو ایذاء نہ دینا اور ایمان کی علامت ایک باطنی چیز یعنی دلوں میں اس کی طرف سے خطرہ باقی نہ رہنا یہ دوسری صفت پہلی صفت سے اعلیٰ ہے ظاہر ہے کہ جو شخص ایسا مجسم پیغام امن بن جائے کہ قلوب میں اس کی طرف سے کوئی برا خطرہ تک باقی نہ رہے وہ کب کسی کو ایذاء دے سکتا ہے مگر یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کسی کمزوری کی بناء پر یا کسی لالچ سے ایذاء دہی ترک کر دے اس لیے حدیث مذکور میں جو صفت ایمان کی بیان ہوئی ہے وہ اسلام کی صفت سے بالاتر ہے۔

(۳) عمرو بن عبسہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا، اس نے کہا کہ اچھا ایمان کیا چیز ہے فرمایا سخاوت اور صبر۔ ((سماحت وصبر فطرت انسانی کی ضد ہیں قرآن کریم کہتا ہے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا. اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا. وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ (المعارج: ۱۹، ۲۱) یعنی ہلوع وہ ہے جسے نعمت میں سماحت نصیب نہ ہو اور مصیبت میں صبر کی توفیق میسر نہ آئے ان ہی دو خامیوں کی اصلاح کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ (البلد: ۱۷)

پہلی دو باتیں ظاہری عمل ہیں اور آخری دونوں باتیں نفس انسانی کی ایک صفت ہیں اس لیے ان کو اسلام سے اور ان کو ایمان سے زیادہ تعلق ہے۔ اسی طرح اکثر احادیث میں اسلام کی تفسیر میں اعمال ظاہرہ کا تذکرہ برابر ہوتا چلا جاتا ہے اور ایمان کا بیشتر تعلق باطن سے معلوم ہوتا ہے۔ حدیث جبریل جو اس باب کی نہایت اہم حدیث ہے اسی فرق پر مبنی ہے اس کی تفصیل عنقریب آپ کے سامنے آنے والی ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے اسلام ایمان کا باہمی ربط بھی حل ہو گیا یعنی کیا اسلام بلا ایمان کے یا ایمان بلا اسلام کے پایا جا سکتا ہے۔ اختلافات کی کثرت نے یہاں بھی حیرت میں مبتلا کر دیا ہے مگر ہمارے نزدیک امام سبکی کی رائے بہت وزنی ہے۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۳۵) وہ فرماتے ہیں کہ اسلام گو انقیاد ظاہری کا نام ہے مگر ایمان باطن اس کے لیے شرط ہے۔ اسی طرح ایمان گو انقیاد باطن کو کہتے ہیں مگر انقیاد ظاہری بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام بلا ایمان کے اور ایمان بغیر اسلام کے شرعاً معتبر نہیں ہوتا۔ علامہ زبیدیؒ (اتحاف ج ۲ ص ۲۴۸) نے اس تلازم پر اشاعرہ اور حنفیہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ حدیث کے عام نظریہ میں ایمان و اسلام یا تو ایک ہی چیز کے دو نام ہیں صرف خصوصیات کا کچھ فرق ہے ورنہ کم از کم متلازم ضرور ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے یہاں (کتاب الایمان ص ۱۰۴) قرآن کریم سے ایک لطیف استنباط فرمایا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ. (بقرہ: ۱۱۲) (**لاخوف علیهم** میں جملہ اسمیہ اور **ولاهم یحزنون** میں جملہ فعلیہ استعمال کرنے کا نکتہ حافظ ابن تیمیہؒ نے نہایت لطیف لکھا ہے (کتاب الایمان ص ۱۰۴)

کیوں نہیں؟ جس نے تابع کر دیا اپنی ذات کو اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اسی کے لیے ہے اس کا ثواب اس کے رب کے پاس اور نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (بقرہ ۶۲)

بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین۔ جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک کام کیے تو ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا ثواب ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں اسلام اور عمل صالح پر جو وعدہ فرمایا گیا ہے دوسری آیت میں وہی وعدہ ایمان اور عمل صالح پر مذکور ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام دونوں متلازم چیزیں ہیں۔

ابو طالب مکی نے اس مضمون پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے اور اس کی خوب ایضاح کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایمان و اسلام کی مثال ایسی ہے جیسی شہادتین کی کہنے کو تو شہادۃ وحدانیت اور شہادۃ رسالت دو الگ الگ چیزیں ہیں مگر پھر ان میں ایسا ارتباط ہے کہ بلحاظ حکم گویا ایک ہی ہیں۔ رسالت کے بغیر شہادت وحدانیت کار آمد نہیں ہوتی اور شہادت وحدانیت بلا شہادت رسالت کے بیکار رہتی ہے۔ ایک انسان کے لیے جس طرح قلب کی ضرورت ہے اسی طرح جسم کی ضرورت بھی ہے نہ کوئی قالب بلا قلب کے زندہ رہ سکتا ہے نہ قلب بلا قالب کے بسر کر سکتا ہے۔ خیمے کے دو حصے ہوتے ہیں ایک اوپر کا کپڑا دوسرا اندرونی چوب، نہ یہ کپڑا بلا چوب کے تنہا رہ سکتا ہے اور نہ صرف چوب بلا کپڑے کے خیمہ کہلائی جا سکتی ہے کلام کی حقیقت دو ہونٹ اور ایک زبان سے قائم ہے دونوں ہونٹ حروف جمع کر دیتے ہیں اور زبان ان کو بشکل کلام ادا کر دیتی ہے اگر ایک ہونٹ نہ رہے تو کلام کی حقیقت باطل ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح اعمال ظاہرہ اور اعتقاد باطن یعنی اسلام و ایمان کا ارتباط ہے۔ صرف اعمال ظاہرہ بلا اعتقاد باطن کھلا ہوا نفاق ہیں اور محض اعتقاد باطن بدون اعمال ظاہرہ کے کفر کی ایک صورت ہے۔ اسلام یا ایمان کو اسی وقت معتبر کہا جا سکتا ہے جب کہ اعمال ظاہرہ کے ساتھ تصدیق باطن ہو اور تصدیق باطن کے ساتھ اعمال ظاہرہ بھی ہوں۔ قرآن کریم نے کفر کو ایمان و اسلام ہر دو کا مقابل قرار دے کر اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ. (آل عمران: ۸۶)

خدائے تعالیٰ بھلا اس قوم کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان جیسی نعمت کے بعد پھر کفر اختیار کیا ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ اَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. (آل عمران: ۸۰)

یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مسلمان ہو پھر رسول تم کو کفر کا حکم کرے۔

پہلی آیت میں کفر کو ایمان کے بالمقابل اور دوسری آیت میں اسلام کے بالمقابل رکھا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام و ایمان ایک دوسرے سے جدا چیزیں نہیں ہیں، اسلام کا ترک کرنا، ایمان کا ترک کرنا ہے اور ایمان کا ترک کرنا اسلام کا ترک کر دینا ہے اور نتیجہ ہر دو کا وہی ایک کفر ہے۔ (قوت القلوب ج ۲ ص ۱۲۹)

غرض اعمال ظاہرہ بلا انقیاد باطن صحیح نہیں ہو سکتے اور نہ انقیاد باطن بلا اعمال ظاہرہ کی شہادت کے ثابت ہو سکتا ہے۔ اس

لیے ہر مسلم کے لیے ایمان اور ہر مؤمن کے لیے اسلام ضروری اور ناگزیر ہے۔

حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب کشمیری) قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح پر نمودار ہو جائے تو اس کا نام اسلام ہو جاتا ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو ایمان کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ ایک ہی حقیقت ہے اختلاف مواطن سے اس کے نام مختلف ہو گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک استاد مرحوم کا یہ بیان اسلام کامل اور ایمان کامل سے متعلق ہے اور غالباً اس کا منشاء امام غزالیؒ کی وہ تحقیق ہے جس کا بیان آپ گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہمارے فقہاء کے اختلافات بھی اپنی جگہ صحیح وجوہ و اسباب پر مبنی ہیں مگر ہمیں تو یہاں وہ لکھنا تھا جو امت کے حق میں زیادہ نافع ہو تفصیل کے لیے علم کلام ہے۔

ایمان میں زیادت و نقصان کی بحث

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایمان قلب میں مختلف راستوں سے داخل ہو جاتا ہے کبھی اپنی جان و مال کا تحفظ التزام طاعت کا داعی ہوتا ہے جیسا کہ طلقاء مکہ کا اسلام کبھی چند دراہم مغشوشہ کی طمع التزام طاعت پر مجبور کر دیتی ہے جیسا کہ مؤلفہ قلوب کا اسلام کبھی محض قومی تقلید اور جمہور کا اتباع اس کا محرک بن جاتا ہے جیسا کہ اکثر اعراب کا اسلام ان سب صورتوں میں اگر سینہ رسولؐ کی عداوتوں سے خالی ہو چکا ہے اور نفس نے دین الٰہی میں داخل ہو جانے کی تیاری کر لی ہے تو وہ یقیناً مسلمان ہے مگر یہ ایسا اسلام ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ شبہات اس کے یقین کو متزلزل کر سکتے ہیں، ذرا ذرا سی تکلیفیں اس کو اپنے مذہب سے پھیر سکتی ہیں۔ مذہب کے لیے قربانی کا اس میں کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ جہاد کی دعوت اس کے لیے پیام موت ہوتی ہے۔ آیات ربانیہ کا پیہم نزول اس کے ایمان میں کچھ افزونی نہیں بخشتا اور اسی امن و عافیت کی زندگی میں وہ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک اسلام ہے اور آیت ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ (الحجرات:۱۴)

یعنی اعراب کہتے ہیں کہ ایمان ہمارے دلوں میں سرایت کر گیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ ایسا دعویٰ ابھی مت کرو ابھی اسلام صرف تمہارے ظاہر تک ہے۔ ہاں امید ہے کہ آئندہ دلوں تک اتر جائے۔

یہ اسلام کے وجود لفظی کے ابتدائی حالات ہیں لیکن جب یہ ایمان اور ترقی کرتا ہے تو اس کی صورت کبھی تو یہ ہوتی ہے کہ اہل ایمان کی صحبت اسے اپنا ہم رنگ بنا لیتی ہے کبھی آیات قرآنی پر غور و تفکر ایمان کی تر و تازگی کا باعث بن جاتا ہے کبھی محض موہبت الٰہیہ کشاں کشاں ایمان حقیقی تک لے آتی ہے۔ اچانک وہ دیکھتا ہے کہ پہلے جو قلب ظلمت کدہ تھا اب نور ایمانی سے وادی ایمان بن گیا ہے حقائق ایمانیہ آناً فاناً منکشف ہوتی چلی جاتی ہے۔ راہ اسلام میں ہر ضرب ایک نئی تازگی بخشتی ہے۔ طبل جنگ کی آواز صدائے سرود سے زیادہ سہانی اور مستانی معلوم ہوتی ہے۔ آیات قرآنیہ کی تلاوت وہ کام کرتی ہے جو ابر رحمت کے قطرے کھیتوں میں۔ قدرت اس کو طرح طرح آزماتی ہے مگر ہر امتحان اس کے لیے ایک نیا یقین بخشتا ہے۔ عبادت میں دلچسپی کا سوال درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔ فتح و ظفر اور شکست و انہزام سب برابر نظر آتے ہیں اور اس طرح انقیاد باطن کی ایک ایک منزل تمام طے ہو جاتی ہے۔ آپس کے تعلقات نظر سے گر جاتے ہیں اور صرف ایک تعلق رہ جاتا ہے اور وہ خدا کا تعلق ہے اب جس سے محبت ہے اسی کی خاطر ہے اور جس سے جنگ ہے اسی کے نام پر ہے ایک وہ مؤمن تھا اور اب یہ ایک مؤمن ہے اسی کا نام ایمان کی زیادتی ہے۔ اب آیات ذیل کو بغور پڑھ لو۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا الخ...... اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا. (الانفال: ۲. ۴)

مؤمن صرف وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام آئے تو خوف زدہ ہو جائیں اور جب اس کی آیات ان پر تلاوت کی جائیں تو ان کے ایمان اور روشن ہوں۔ نمازیں نہایت خوبی کے ساتھ پڑھیں اور ہمارے بخشے ہوئے مال میں سے کچھ مصارف خیر میں بھی صرف کرتے رہیں۔ پس ٹھیک مؤمن تو یہ ہیں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس زیادتی سے مراد صرف تصدیق ہے ہرگز نہیں بلکہ جب کبھی ایک مؤمن گوش انقیاد و اطاعت سے کلام پاک کو سنتا ہے تو ہر بار معانی پر غور و تفکر اس کے قلب میں جنت کی نئی رغبت اور آخرت کا نیا خوف خدائے تعالیٰ کی ایک نئی محبت اس کی طاعت کا ایک نیا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور اسی کا نام قرآن کریم نے ایمان کی زیادتی رکھا ہے۔

عمر بن حبیب صحابیؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم خدا کی تسبیح و حمد میں مشغول ہوں تو یہی ایمان کی زیادتی ہے اور جب غفلت و نسیان میں مبتلا ہو جائیں تو اسی کا نام ایمان کا نقصان ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے لیے سمجھ کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی نگرانی کرتا رہے کہ کچھ بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا چونکہ دن رات کا یہی ایک مشغلہ تھا کہ وہ اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرتے جب کوئی آیت اترتی تو اپنی روح میں ایک نئی ایمانی تازگی محسوس کرتے۔ ادھر کفار کا یہ مشغلہ تھا کہ وہ اس جذبہ کا تمسخر اڑاتے اور مذاق بنایا کرتے۔

وَإِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖ إِيْمَانًا مَّع فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ. وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ. (التوبة: ۱۲۴. ۱۲۵)

جب کوئی سورت اترتی تو ان میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو یہ پوچھتی بھلا تم میں سے کسی کا ایمان بڑھا جی ہاں جو ایمان لا چکے ہیں ان کے ایمان میں تو ترقی ہوئی اور انہوں نے بڑی بشارت حاصل کی لیکن جن کے دلوں میں روگ تھا ان کی نجاست میں اور اضافہ ہو گیا۔

آیات قرآنی کا ادب و یقین سے سننا یقیناً ایمان میں ترقی بخشتا ہے۔ یہ زیادتی کبھی جدید جدید علوم حاصل ہونے سے پیدا ہوتی ہے کبھی سکینت و فرحت کی صورت میں میسر آتی ہے، کبھی ہدایت کے نام سے موسوم ہوتی ہے پہلی آیت میں اسی کا نام استبشار ہے۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ. (الروم: ۴)

اس روز مؤمنین خدا کی نصرت پر مسرور ہوں گے۔ یہاں اس زیادتی کو فرح و سرور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا إِيْمَانًا مَّعَ إِيْمَانِهِمْ. (الفتح: ۴)

خدا ہی کی وہ ذات تھی جس نے مؤمنین کے دلوں پر سکینت و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی تا کہ ان کے پہلے ایمان میں اور ترقی ہو۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا. (التوبة: ۲۶)

اللہ تعالیٰ نے اپنا سکینہ اپنے رسول اور مؤمنین پر نازل فرمایا اور ایسا لشکر بھیج دیا جس کو تمہاری آنکھوں نے نہ دیکھا۔ (یعنی فرشتے)

اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا. (التوبة: ۴۰)

جب کہ وہ دونوں غار میں پوشیدہ تھے اور خدا کا رسول اپنے رفیق کو سمجھا رہا تھا کہ غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکر کے ذریعہ سے قوت پہنچائی جس کو تم نے نہیں دیکھا۔

وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی. (محمد:١٧) جو لوگ ہدایت یافتہ تھے خدا نے ان کو اور ہدایت میسر فرمائی۔

آیات بالا میں یہ سکینہ ویقین وہدی سب صفات قلبیہ ہیں مصائب میں یہ یقین کر لینا کہ یہ سب مقدرات ہیں جو ضرور پیش آمدنی ہیں، تقدیر پر ایمان کا ثمرہ ہے اور اسی کا نتیجہ سکینہ واطمینان وتسلیم ہے۔

یہ ایمان جب اور عروج کرتا ہے تو اب ایک ذات وحدہ لا شریک له پر وہ توکل واعتماد میسر آجاتا ہے کہ دشمن کی دھمکی اور دلیری کا باعث بن جاتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ. (آل عمران: ١٧٣)

یہ وہ جماعت ہے جن کو کفار نے دھمکی دی کہ تمہارے لیے بڑی فوج تیار کی گئی ہے تو ذرا ڈرنا اس پر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور بولے کہ ہمیں خدا کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین کارساز ہے۔

اس قسم کا ایک امتحان نہیں بلکہ سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کر کے ان کا بار بار امتحان لیا جاتا ہے۔ ھنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالا شدیدا. مگر شک وتردد کا ایک کانٹا بھی ان کے دامن یقین میں نہیں چبھتا۔ وہ کوہ استقامت اور یقین کی ایک چٹان بن جاتے ہیں کہ مصائب کے لشکر اگر ان سے ٹکراتے ہیں تو خود پاش پاش ہو جاتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ سے ذرا حرکت نہیں دے سکتے، جان ومال کی قربانی ان کے نزدیک ایک معمولی بات ہوتی ہے۔ ان امتحان کے بعد اب ایک مؤمن اپنے دعویٰ میں سچا مان لیا جاتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ. (الحجرات:١٥)

مؤمن صرف وہ لوگ ہیں جو ایک مرتبہ جب خدا اور رسول پر ایمان لا چکے تو پھر شک وتردد کے پاس نہ پھٹکے بلکہ جان سے مال سے اللہ کے راستہ میں قربان ہو گئے بس یہی لوگ سچے کہے جانے کے مستحق ہیں۔

اگر بناء بر بشریت کبھی ان سے ذرا کمزوری ظاہر بھی ہو جاتی تو قرآن فوراً تنبیہ کر دیتا ہے اور تفہیم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا کہ ایمان جو صرف عشق کی راہ ہے کمزوری اور بزدلی سے طے ہونے والی نہیں ہے ؂

ایں شربت عاشقیست خسرو بے خون جگر چشید نتواں

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ. (آل عمران:١٤٢)

تم نے کیا یہ خیال کر لیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ جان ومال کی قربانی کیلئے تم میں کون کون تیار ہے۔

خدا کی راہ میں ایک بڑی قربانی یہ بھی ہے کہ اس کے سامنے باپ، بیٹا، بھائی، قبیلہ سب کو ایک طرف رکھ دیا جائے

بس ساری محبتوں اور عداوتوں کا محور ایک خدا کی ذات رہ جائے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّاللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْا اٰبَائَھُمْ اَوْاَبْنَاءَ ھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ. (المجادلہ: ۲۲)

یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کا برتاؤ کرتا دیکھیں خواہ وہ ان کے والد یا اولاد یا بھائی یا قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں بس یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان نہایت مضبوط قائم ہو چکا ہے۔

اسی لیے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَااتَّخَذُوْھُمْ اَوْلِیَآءَ وَلٰکِنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ فَاسِقُوْنَ. (مائدہ: ۸۱)

بھلا اگر کہیں یہ لوگ اللہ نبی اور اس پر نازل شدہ وحی کا یقین رکھتے تو ان کو دوست بناتے مگر بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ حکم عدولی کرنے والے ہیں۔ تیسری جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَاءُ کُمْ وَاَبْنَاءُ کُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَھَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ. (توبہ: ۲۴)

اے پیغمبر مسلمانوں سے کہہ دیجئے اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا کنبہ، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے۔ تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں۔ یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے، اس کے رسول سے، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے۔

اسکے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو ایمان کے زیادت ونقصان پر برہان قاطع ہیں مگر آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ اسکا تعلق ایمان کے وجود عینی سے ہے وجود ذہنی یعنی نفس تصدیق سے نہیں۔ (حافظ ابن تیمیہ نفس تصدیق میں بھی تشکیک کے قائل ہیں کتاب الایمان ص ۹۲ و ۱۶۵ و ۱۶۶)

ایمان اور اعمال صالح کا توسل

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ ثَلَاثَۃَ نَفَرٍ اَصَابَھُمْ مَطَرٌ فَاَوَوْا اِلٰی فَارٍ فِیْ جَبَلٍ فَانْطَبَقَتْ عَلَیْھِمْ صَخْرَۃٌ فَتَوَسَّلَ اَحَدُھُمْ بِبِرِّ وَالِدَیْہِ وَالثَّانِی بِتَرْکِ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَالثَّالِثُ بِرَدِّ حَقِّ اِلٰی مُسْتَحِقِّہٖ " بَعْدَ اَنْ قَالَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ اُنْظُرُوْا اَعْمَالًا صَالِحَۃً عَمِلْتُمُوْھَا لِلّٰہِ فَادْعُوا اللّٰہَ بِھَا لَعَلَّہٗ یُفَرِّجُھَا عَنْکُمْ فَدَعَوْا وَتَوَسَّلُوْا فَفَرَّجَ عَنْھُمُ الصَّخْرَۃَ وَخَرَجُوما مِنَ الْغَارِ سَالِمِیْنَ .

تشریح آمیز ترجمہ

”تین آدمی کہیں جا رہے تھے کہ بارش آ گئی انہوں نے قریب ہی ایک پہاڑ کے ایک غار میں بارش سے پناہ لے لی کہ

اچانک پہاڑ پر سے ایک چٹان گر گئی اور غار کا دہانہ اس چٹان سے بند ہو گیا (جس کی وجہ سے ان کے لئے اب اس غار سے باہر نکلنے کی کوئی امید اور کوئی صورت ہی نہیں رہ گئی تھی۔ اس پریشانی کے عالم میں انہوں نے آپس میں کہا کہ ساتھیو! اب ہم لوگ اپنی پچھلی زندگی کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی رضا و خوشنودی کے لئے کوئی کام کیا ہو تو اس وقت اُس کے واسطے اور توسّل سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس مصیبت و پریشانی سے نجات دیدیں) چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا۔ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں بال بچوں والا ایک غریب آدمی ہوں، میرے بوڑھے ماں باپ بھی ہیں، میں روزانہ شام کو جنگل سے اپنی بکریاں چرا کر جب گھر لوٹتا تو ان بکریوں کا دودھ پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا اس کے بعد اپنے بچوں کو پلاتا تھا۔ ایک روز مجھے جنگل سے آنے میں دیر ہوگئی اور میرے ماں باپ سو گئے۔ گھر آنے پر میں نے بکریوں کا دودھ دوہا اور ماں باپ کے لئے لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا کہ وہ اٹھیں تو انہیں پلا دوں، اِدھر میرے بچے بھوک کی وجہ سے میرے پاؤں پر پڑے لوٹتے اور مچلتے رہے۔ لیکن میں نے انہیں نہیں پلایا کہ پہلے ماں باپ کو پلاؤں۔ میں ساری رات اسی طرح ان کے سرہانے کھڑا رہا اور بچے روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور ماں باپ جاگ گئے۔ تو اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ میرا یہ طرز عمل صرف تیری خوشی کے لئے تھا تو اس چٹان کو غار کے دہانے سے ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ چٹان تھوڑی سی کھسکا دی کہ وہ لوگ آسمان دیکھنے لگے۔ اس کے بعد دوسرے شخص نے یوں دعا کی کہ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میری ایک چچا زاد بہن تھی جسے میں بہت زیادہ چاہتا تھا کہ شاید ہی کوئی مرد کسی عورت کو اتنا چاہتا ہو ایک بار میں نے اس سے اپنے جنسی خواہش پوری کرنے کی بات کہی، اس نے انکار کر دیا اور کچھ روپے مانگے کہ اگر اتنی رقم دیدو تو خواہش پوری کر سکتے ہو، میں نے اسے وہ رقم دیدی اور اس کی رانوں کے درمیان بیٹھ گیا کہ اپنی خواہش پوری کرلوں۔ عین وقت پر اس لڑکی نے کہا کہ دیکھو، خدا سے ڈرو اور ناحق و ناجائز طور پر یہ کام نہ کرو۔ اتنا سنتے ہی میں وہاں سے ہٹ گیا اور حرام کام نہیں کیا۔ اگر حرام سے یہ پرہیز تیرے خوف ہی سے کیا گیا تھا تو اس کے توسل سے ہمیں نجات دیدے۔ اب دوبارہ وہ چٹان ذرا اور کھسک گئی۔ پھر تیسرے نے کہا کہ میرے کھیت پر ایک مزدور نے کام کیا تھا اور مزدوری کا غلہ میرے پاس امانت رکھ گیا تھا میں نے فصل پر اسے بو دیا تھا اس کی آمدنی ہوئی، پھر یہ سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا، جس کی آمدنی سے بہت سے جانور بھی ہو گئے تھے۔ مدتوں بعد وہ آدمی آیا اور اپنی مزدوری مانگی۔ میں نے اس کی مزدوری سے حاصل ہونے والا غلہ اور مویشی اس کے سپرد کر دیئے۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ یہ صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا، اس کی وجہ سے یہ چٹان ہم پر سے ہٹا دے۔ اور اب یہ چٹان اتنی کھسک گئی کہ یہ تینوں باہر نکل آئے۔

خدا کے یہاں مقبولیت کی پہچان ایمان ہے سرمایہ و دولت نہیں

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ اَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ يُعْطِى الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ وَلَا يُعْطِى الْاِيْمَانَ اِلَّا مَنْ يُحِبُّ۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزی کی تقسیم کی ہے اسی طرح تمہارے اخلاق کی بھی تقسیم کر دی ہے (جیسے رزق تنگ و فراخ رکھا ہے ایسے ہی اخلاق بھی کسی کے تنگ اور کسی

کے وسیع رکھے ہیں) وہ دنیا تو (سب ہی کو دیتا ہے) اس کو بھی جس سے محبت کرتا ہے اور اس کو بھی جس سے محبت نہیں کرتا لیکن دولت ایمان صرف اسی کو دیتا ہے جس کو محبوب رکھتا ہے۔

تشریح۔ انسان کی تمام شرافت وکمال اس کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ کے کمال پر موقوف ہے ان ہی کے سنور جانے کا دوسرا نام ایمان اور عمل صالح ہے کفر وایمان کی تقسیم ان ہی کے بگڑنے اور سنورنے پر دائر ہے جس کی یہ دونوں قوتیں سنور گئیں وہ سنور گیا اور جس کی بگڑ گئیں وہ بگڑ گیا۔ اسی لیے سورہ والتین اور سورۂ والعصر میں انسانی شرافت کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے لیے اسفل السافلین اور ابدی خسارہ سے نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ حریت انسان کی سب سے بڑی شرافت ہے اور عبدیت اس کے لیے بدترین داغ۔ لیکن اگر حریت کیساتھ ایمان اور عمل صالح نہ ہو اور عبدیت کیساتھ ایمان میسر آ جائے تو حریت کی شرافت، شرافت نہیں رہتی اور عبدیت کا عیب، عیب نہیں رہتا۔ ولعبد مؤمن خیر من مشرک. ایک مؤمن غلام ایک آزاد مشرک سے بدرجہا افضل ہے۔ پس اسلام میں خدا کے دوست ودشمن کی تقسیم کا مدار سرمایہ ودولت پر نہیں بلکہ ایمان وکفر پر ہے۔ دنیا کی دولت دوست ودشمن سب میں مشترک رکھی گئی ہے لیکن ایمان کی دولت صرف دوستوں کے حصہ میں لگا دی گئی ہے۔

جنت میں صرف مؤمن جائیں گے

عَنْ عُمَرَ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ قُتِلَ بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ حَتّٰى مَرُّوْا عَلٰى رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا فَاِنِّىْ رَاَيْتُهٗ فِى النَّارِ فِىْ بُرْدَةٍ اَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْهَبْ فَنَادِ فِى النَّاسِ اَنَّهٗ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ. فَنَادَيْتُ اَلَا اِنَّهٗ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ. (اخرجه ابن ابی شیبة)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر کی جنگ ہوئی تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شہید ہو گئے۔ لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ فلاں فلاں شہید ہو گئے یہاں تک کہ وہ ایک اور مقتول پر گذرے، تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں صحابی شہید ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ میں نے اس کو ایک چادر یا عباء (چرانے کی) سزا میں دوزخ میں دیکھا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کردو کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے "المؤمن" یعنی پورے پورے ایمان دار ہیں، میں گیا اور میں نے یہ اعلان کر دیا۔

تشریح۔ یہ حدیث جہاں ایک طرف یہ بتاتی ہے کہ جنت صرف مؤمنوں کا حصہ ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ "المؤمن" کا خطاب حاصل کرنے میں ایک بے قیمت چادر اور ایک معمولی سے عباء کی چوری بھی حائل ہو سکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ جنت کوئی معمولی متاع نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں "المؤمن" کا خطاب بھی معمولی خطاب نہیں۔ دنیا اپنے اندازۂ خیال پر ایک شخص کو شہید کہہ دیتی ہے لیکن اسلام اب بھی اس کو "المؤمن" کا خطاب نہیں دیتا کوئی شخص صرف ایک بار کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے خواہ وہ عذاب الٰہی کی دائمی گرفت سے نجات پانے کا مستحق ہو جائے لیکن "المؤمن" کے معزز خطاب کا اس وقت تک مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی نظری اور عملی دونوں قوتیں کامل نہ ہو جائیں یعنی وہ اسلام کے عقائد اور اعمال کا پورے طور پر پابند نہ ہو جائے اور اس پابندی میں وہی

کیف آزادی محسوس کرنے نہ لگ جائے اس کے بعد پہلے جنت کا مشاق وہ تھا اور اب جنت اس کی مشتاق ہو جائے گی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں نہیں جاؤ گے اور جب تک باہمی محبت نہ کرو گے پورے مؤمن نہیں بنو گے تو کیا میں تم کو وہ بات نہ بتا دوں کہ جب اس کے خوگر ہو جاؤ تو باہمی محبت کرنے لگو (وہ یہ ہے) کہ آپس میں ہر شخص کو سلام کیا کرو خواہ وہ تمہارا آشنا ہو یا نا آشنا۔

تشریح۔ اس حدیث میں ایمان کو محبت پر اور محبت کو سلام پر معلق کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اعمال بادی النظر میں گو معمولی نظر آتے ہیں مگر دوسرے اہم مقصد کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ سلام بظاہر ایک معمولی درجہ کا خلق ہے لیکن اس کا نتیجہ باہمی الفت ومحبت ہے محبت صرف ایک جاذبیت وتاثر ہی کا نام ہے مگر اس کے باوجود وہ ایمان کا ایک مستقل سبب بن جاتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔ خدا کی محبت کی یہ راہ رسول کی محبت میں پھر رسول سے صحابہ کی محبت میں اور اسی طرح درجہ بدرجہ عامہ مؤمنین کی محبت میں سے ہو کر گذری ہے اس لیے خدا کی محبت تک رسائی کے لیے ان محبتوں کو بھی عبور کرنا ناگزیر ہے اور اس طرح مسلمانوں کی محبت کا نتیجہ ایمان باللہ اور ایمان باللہ کا نتیجہ مؤمنین کی محبت ہو کر رہتا ہے۔ اسی لیے مؤمنین سے بغض وکینہ کی زد براہ راست آدمی کے اسلام پر پڑتی ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں یہ دعاء تعلیم کی گئی ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا. (اور ہمارے دلوں میں اس جماعت سے کینہ نہ رکھ جو ایمان لا چکی ہے) اس کینہ کو دور کرنے کا سب سے سہل اور فطری نسخہ یہی سلام ہے اسی لیے ذرا سی شکر رنجی میں مراسم محبت میں جو چیز پہلے ختم ہوتی ہے وہ یہی سلام ہے۔ اس بیان کا اقتضاء تو یہ تھا کہ اسلام میں باہمی سلام کی حیثیت ایک رکن کی حیثیت ہوتی لیکن جن امور کو پورے ضبط میں لایا نہیں جا سکتا ان کی اہمیت کے باوجود شریعت ان کو رکن کا درجہ نہیں دیتی بلکہ ایمان کا ایک شعبہ قرار دے دیتی ہے۔ اسی لیے حیاء بھی ایمان کا صرف ایک شعبہ قرار دی گئی ہے، یہاں بھی پورا پورا انضباط مشکل ہے۔ پس اس حقیقت سے کسی موقعہ پر بے خبر نہ رہنا چاہیے کہ جن امور کو شریعت شعبہ قرار دیتی ہے وہ ہمیشہ معمولی اور غیر اہم نہیں ہوتے کبھی کبھی ارکان کے درجہ کی چیزیں ان کے غیر منضبط ہونے یا قانون یسر کے تقاضہ سے شعبہ قرار دے دی جاتی ہیں۔

کمالِ دین کی بشارت اس امت کے سوا کسی کو نہیں دی گئی

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْیَهُوْدِ قَالَ لَهٗ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اٰیَةٌ فِیْ كِتَابِكُمْ تَقْرَؤُنَهَا لَوْ عَلَیْنَا مَعْشَرَ الْیَهُوْدِ نَزَلَتْ لَا تَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْیَوْمَ عِیْدًا قَالَ اَیُّ اٰیَةٍ قَالَ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ:۳) قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذٰلِكَ الْیَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِیْ نَزَلَتْ فِیْهِ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ. (رواہ البخاری ومسلم والترمذی عن ابن عباسؓ)

عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے کہا اے امیر المؤمنین آپ کے قرآن میں ایک آیت ہے جسے آپ لوگ پڑھتے ہیں اگر کہیں وہ ہم یہودیوں کے لیے نازل ہوتی تو ہم اس دن عید منایا کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ کونسی آیت ہے، اس نے کہا یہ آیت (آج ہم تمہارا دین کامل کر چکے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے حق میں دین صرف اسلام کو پسند کرلیا) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم وہ دن بھی جانتے ہیں اور وہ جگہ بھی جانتے ہیں جہاں یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تھی، جمعہ کا دن تھا اور عرفات کا میدان تھا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے رکن وقوف ادا فرما رہے تھے (یعنی اس دن ہماری دو عیدیں تھیں)

تشریح۔ یہود و نصاریٰ اسلام کے ساتھ ہمیشہ رقابت کا تعلق رکھتے تھے اور ہر موقعہ پر اس گھات میں رہا کرتے تھے کہ اپنے دین کی برتری یا اسلام کی کمتری ثابت کر دیں لیکن جب عین حج کے موسم میں آیت مذکورہ نازل ہوگئی تو ان کی حسرت کی حد باقی نہ رہی کہ ان کے پاس شریعت تورات جیسی بسیط شریعت موجود ہونے کے باوجود اکمال دین کی بشارت ان کے حصہ میں نہ آئی اور آئی تو کن کے حصہ میں جو ہمیشہ ان کے رقیب اور مدمقابل رہا کرتے تھے اس لیے جب ان سے کچھ اور بن نہ پڑا تو کھسیا کر ایک یہی اعتراض جڑ دیا کہ اگر یہ آیت ہمارے حق میں اترتی تو ہم اتنے خوش ہوتے کہ اس دن عید منایا کرتے ان کے علی الرغم حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ نادانو تمہیں یہ خبر نہیں کہ اس دن تو قدرتی طور پر ہماری دو عیدیں جمع تھیں۔ قرآن کریم کی یہ ایک ہی بشارت درحقیقت تین بشارتوں پر مشتمل ہے۔ اگر ان کی جدا جدا تفصیل کی جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی اس لیے ہم یہاں ابن عباسؓ کے صرف وہی کلمات نقل کرنے پر کفایت کرتے ہیں جو انہوں نے اس بشارت کی تشریح میں بہت مختصر مگر بہت جامع ارشاد فرمائے تھے۔

آج ہم تمہارا دین کامل کر چکے تو اب اس میں کبھی کسی زیادتی کی ضرورت نہ پڑے گی اور اپنی نعمت پوری کر چکے تو اب یہ دین کبھی ناقص نہ ہوگا اور تمہارے حق میں ہمیشہ کے لیے یہی دین پسند کر چکے تو اب کبھی اس سے ناراض نہ ہوں گے (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۹) شریعت موسویہ اپنے زمانہ میں گو کامل ہی شریعت تھی مگر کچھ زمانہ بعد اس میں پھر زیادتی کمی کی ضرورت پیش آگئی۔ مزید برآں یہ کہ وہ اس طرح مسخ ہوگئی کہ پھر اسی کی اتباع مغضوب علیہم اور ضالین کی شان بن گئی۔ اس آیت میں اہل اسلام کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ انقلابات کی آندھیاں یہاں بھی آئیں گی مگر ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اس دین میں زیادتی و نقصان کی ضرورت محسوس ہونے لگے۔ یا یہ دین بھی ایسا محرف ہو جائے کہ اس کی اتباع کرنا اللہ تعالیٰ کی رضاء کی بجائے اس کی ناراضگی کا موجب بن جائے۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ دین آخری دین ہے اس لیے تحریف اور نسخ دونوں سے محفوظ رہے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی موجودگی میں کوئی دوسرا دین مقبول نہ ہوگا۔

مؤمن عاصی کے حق میں مغفرت کی بشارت

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ الغفاریؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَبَشَّرَنِیْ اَنَّہٗ مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِکَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ

سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ ثُمَّ قَالَ فِي الرَّابِعَةِ عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ اَبِيْ ذَرٍّ. (رواه الشيخان والترمذی)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور یہ خوش خبری لائے کہ آپ کی امت میں جو شخص اس حال پر مرجائے کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھیرایا ہو تو وہ جنت میں جائے گا میں نے عرض کیا اگر چہ اس نے چوری اور زناء (جیسے کبائر کا) ارتکاب کیا ہو آپ نے فرمایا اگر چہ چوری وزناء کا ارتکاب کیا ہو، میں نے پھر عرض کیا اگر چہ اس نے چوری اور زناء کا ارتکاب کیا ہو۔ آپ نے پھر وہی فرمایا چوتھی مرتبہ میرے اصرار پر فرمایا ہاں اگر چہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتنا ہی ناگوار گذرے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ جب وہ اس حدیث کو نقل کرتے تو آپ کے اس فقرہ کو بھی نقل کردیتے تھے۔

تشریح۔ آدمی بے چارے کی پرواز ہی کیا، یہ غریب رحمت کی وسعت کا اندازہ لگائے بھی تو کیا لگائے ایک کلمہ سے عمر بھر کے جرم بغاوت کی معافی کا اعلان سنتا ہے تو حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ ادھر دیکھتا ہے کہ جو زبان اس کا اعلان کر رہی ہے وہ مبالغہ آمیزی کی عادی نہیں اس لیے مسرت وحیرت کے مابین وہ اس سوال کو بار بار دہرانے کے لیے مضطر ہو جاتا ہے جو حضرت ابوذرؓ کی زبانی ابھی آپ نے پڑھا۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے کانوں کے نارسائی اور قصور فہم کے جتنے موانع بھی ہو سکتے ہیں سب کو صاف کرے اور یقین کرے کہ ان کے کانوں نے سننے میں غلطی نہیں کی، عقل نے سمجھنے میں ٹھوکر نہیں کھائی اور بات درحقیقت یونہی تھی جو اس نے پہلی مرتبہ سنی۔ ابوذرؓ کے اس عالم حیرت کو ختم کرنے کے لیے یہی ایک تدبیر کارگر ہو سکتی تھی کہ ان سے ایسا محبت بھرا کلمہ سرزنش کہہ دیا جائے جو ان کی اس حیرت کو ختم کردے اور اپنی لذت کو ان کے سینہ میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ جائے۔ اسی لیے حضرت ابوذرؓ جب اس روایت کو بیان فرماتے تو ساتھ ہی اس عتاب آمیز تلطف کو بھی ذکر کردیتے خود محظوظ ہوتے اور ذوق محبت رکھنے والوں کو بھی محبت کی ان تلخیوں کی یاد دلا دلا کر محظوظ کرتے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ زناء وسرقہ کے بعد اگر زندگی کے آخری لمحات میں بھی اسلام نصیب ہو جائے یا ان گناہوں سے توبہ کرلے تو اس کے یہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور وہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا۔ (ص ۸۶۷)

عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ نُعَيْمٍ قَالَ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللهَ لَايُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ. (رواہ احمد والطبرانی)

سالم بن ابی الجعد سلمہ بن نعیم سے روایت کرتے ہیں (یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو مر جائے کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ عزوجل کا شریک نہ ٹھیرایا ہو وہ جنت میں جائے گا اگر چہ چوری اور زناء کا مرتکب ہوا ہو۔ (اس حدیث کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے)

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ خَرَجْتُ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِيْ فَاِذَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ وَحْدَهٗ لَيْسَ مَعَهٗ اِنْسَانٌ قَالَ فَظَنَنْتُ اَنَّهٗ يَكْرَهُ اَنْ يَمْشِيَ مَعَهٗ اَحَدٌ فَجَعَلْتُ اَمْشِيْ فِيْ ظِلِّ الْقَمَرِ فَالْتَفَتَ فَرَاٰنِيْ فَقَالَ

مَنْ هٰذَا قُلْتُ اَبُوْ ذَرٍّ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاکَ قَالَ یَااَبَا ذَرٍّ تَعَالَهْ فَمَشَیْتُ مَعَهٗ سَاعَةً فَقَالَ اِنَّ الْمُکْثِرِیْنَ هُمُ الْمُقِلُّوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا مَنْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ خَیْرًا وَنَفَحَ فِیْهِ یَمِیْنَهٗ وَشِمَالَهٗ وَبَیْنَ یَدَیْهِ وَوَرَاءَهٗ وَعَمِلَ فِیْهِ خَیْرًا قَالَ فَمَشَیْتُ مَعَهٗ سَاعَةً فَقَالَ لِیْ اِجْلِسْ هٰهُنَا قَالَ فَاَجْلَسَنِیْ فِیْ قَاعٍ حَوْلَهٗ حِجَارَةٌ فَقَالَ لِیْ اِجْلِسْ هٰهُنَا حَتّٰی اَرْجِعَ اِلَیْکَ قَالَ فَانْطَلَقَ فِی الْحَرَّةِ حَتّٰی لَا اَرَاهُ فَلَبِثَ عَنِّیْ فَاَطَالَ اللَّبْثَ (وفی باب من اجاب بلبیک وسعدیک فسمعت فتخوفت ان یکون عرض لرسول الله صلی الله علیه وسلم فاردت ان اذهب ثم ذکرت قول رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتبرح فمکثت قلت یا رسول الله سمعت صوتًا خشیت ان یکون عرض لک الخ) ثُمَّ اِنِّیْ سَمِعْتُهٗ وَهُوَ مُقْبِلٌ وَهُوَ یَقُوْلُ وَاِنْ سَرَقَ وَاِنْ زَنٰی قَالَ فَلَمَّا جَاءَ لَمْ اَصْبِرْ حَتّٰی قُلْتُ یَانَبِیَّ اللّٰهِ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاءَکَ مَنْ تُکَلِّمُ فِیْ جَانِبِ الْحَرَّةِ مَاسَمِعْتُ اَحَدًا یَرْجِعُ اِلَیْکَ شَیْئًا قَالَ ذَاکَ جِبْرَئِیْلُ عَرَضَ لِیْ فِیْ جَانِبِ الْحَرَّةِ قَالَ بَشِّرْ اُمَّتَکَ اَنَّهٗ مَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ یَاجِبْرَئِیْلُ وَاِنْ سَرَقَ وَاِنْ زَنٰی قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَاِنْ سَرَقَ وَاِنْ زَنٰی قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَاِنْ سَرَقَ وَاِنْ زَنٰی قَالَ نَعَمْ وَاِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ. (رواہ البخاری فی الرقاق)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رات کو باہر نکلا کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا جا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی اور شخص نہیں ہے میں نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ کسی کو لینا مناسب نہ سمجھا ہوگا لہٰذا میں چاندنی سے ہٹ کر اندھیرے اندھیرے میں چلتا رہا آپ نے رخ پھیرا تو مجھے دیکھا فرمایا کون؟ میں بولا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان میں ہوں ابوذر۔ فرمایا اے ابوذر یہاں آؤ، میں کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جولوگ یہاں بہت مال دار ہیں قیامت میں وہی سب سے زیادہ نادار ہوں گے مگر صرف وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو اس نے دائیں بائیں آگے پیچھے چاروں طرف (فقیروں کو خوب) دیا اور خوب اچھے اچھے کام کیے۔ پھر میں تھوڑی دیر ساتھ چلا تو مجھ سے فرمایا یہاں بیٹھ جاؤ اور مجھے ایک صاف میدان میں بٹھا دیا جس کے اردگرد پتھر ہی پتھر تھے اور فرمایا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں یہیں بیٹھے رہنا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سنگستان کی طرف تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ میری نظروں سے غائب ہوگئے، آپ کو گئے ہوئے بہت دیر ہوگئی (واپس آئے) تو میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے آ رہے تھے اگرچہ چوری کی ہو اگرچہ زنا کیا ہو جب میرے پاس تشریف لے آئے تو مجھ سے نہ رہا گیا آخر میں نے پوچھ ہی لیا یا نبی اللہ آپ پر قربان ہوں اس سنگستان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس سے بات چیت کرتے آ رہے تھے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے ہوئے کسی کی آواز نہیں سنی فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ سنگستان میں میرے پاس آئے تھے یہ کہہ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جو شرک سے پاک وصاف مرگیا وہ ضرور جنتی ہے۔ میں نے کہا اے جبریل علیہ السلام اگرچہ اس نے چوری اور زناء کیا ہو انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے پھر کہا اگرچہ اس نے چوری اور زنا کیا ہو۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے پھر کہا اگرچہ اس نے چوری اور زناء کیا ہو، انہوں نے فرمایا جی ہاں اگرچہ شراب بھی کیوں نہ پی ہو۔ (بخاری شریف)

اسلام زمانہ کفر کے سب گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَمَّا اَلْقَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِیْ قَلْبِیْ الْاِسْلَامَ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیُبَایِعَنِیْ فَبَسَطَ یَدَهُ اِلَیَّ فَقُلْتُ لَا اُبَایِعُکَ حَتّٰی یُغْفَرلِیْ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِیْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَمْرُو اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْهِجْرَةَ تَجُبُّ مَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ یَا عَمْرُو اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاِسْلَامَ یَجُبُّ مَا قَبْلَهُ مِنَ الذُّنُوْبِ. (رواه احمد وسعيد بن منصور فی سننه)

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی حقانیت ڈال دی تو میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا تا کہ آپؐ مجھے بیعت فرمالیں آپؐ نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا میں نے کہا میں اس وقت تک آپؐ سے بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ میرے سب پچھلے گناہ معاف نہ ہوں، آپؐ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تمہیں یہ خبر نہیں کہ ہجرت پہلے سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اے عمرو! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اسلام پہلے گناہوں کا تمام قصہ پاک کر دیتا ہے۔ (سنن احمد)

تشریح۔ قرآن کریم نے رحمت کے اس عفو کرم کے قانون کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (الانفال: ۳۸) ''آپ! کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ (اپنی حرکتوں سے) اب بھی باز آجائیں تو ان کے پچھلے قصور سب معاف کر دیئے جائیں گے'' جو دین تمام ادیان کو ایک دین اور سب ملتوں کو ایک ملت بنانے آیا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ تمام اہل ملل کی سب سے زیادہ مشترک خواہش کو پورا کرنے کی ضمانت دے یہ ظاہر ہے کہ مذہب کی تلاش صرف اس لیے ہے کہ بندہ کو اپنے خالق کے قہر سے نجات حاصل ہو جائے اور فطرۃً یہی ایک گنہگار کی سب سے بڑی خواہش ہونا بھی چاہیے اس لیے اسلام اس کا اعلان کرتا ہے کہ ہر ملک وملت ہر نسل ورنگ کا جو گنہگار بھی اس کی آغوش میں آجائے گا وہ اسکے گناہوں کی مغفرت اور نجات ابدی کے لیے ضامن ہوگا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ مغفرت کا تعلق ذنوب اور گناہوں کے ساتھ ہے ان حقوق کے ساتھ نہیں جو قرض، عاریت، امانت اور خرید وفروخت کے سلسلہ میں اس کے ذمہ ابھی موجود ہیں۔ اسلام ان سب حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں کرتا بلکہ اس کی ذمہ داری اور بڑھا دیتا ہے۔ قرض خواہ کا قرض ادا کرنا ہوگا۔ صاحب عاریت کی عاریت ضرور واپس کرنا ہوگی اور امانت دار کو اس کی امانت یقیناً سپرد کرنا پڑے گی۔ آیت مذکورہ اور عمرو بن العاص کی حدیث کا تعلق زناء وسرقہ، قتل وغارت جیسے جرائم اور صرف ان حقوق العباد کے ساتھ ہے جو کفر کے زمانہ میں ناحق تلف کر دیئے گئے تھے۔ اسلام کے بعد اب وہ سب محو ہو جائیں گے اور کیسے محو نہ ہوں جب کہ اسلام اس کے کفر وشرک کی اصل تاریکی ہی محو کر چکا ہے۔ کفر ایک موت ہے اور اسلام اس کے بعد ایک حیاتِ نو۔

لیکن جس طرح ایک تندرست آدمی بیمار پڑ سکتا ہے اسی طرح ایک مسلمان سے بھی گناہ سرزد ہو سکتے ہیں اس لیے اس کو ایسے اعمال کی ضرورت پھر باقی رہتی ہے جو اس کے جدید زندگی کے فروگذاشتوں کا کفارہ بن جائیں۔ حدیث مذکور نے اس کے لیے یہاں دو عمل بتائے ہیں ہجرت اور حج۔ یہ دونوں افعال اگر پورے شرائط کے ساتھ ادا کیے جائیں تو یہ حقوق اللہ کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں اور خاص حج کے متعلق یہ بھی امید ہے کہ وہ حقوق العباد کا کفارہ بھی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ صاحب حقوق

کو اپنے خزانہ غیب سے ان کے حقوق کا عوض دے کر ان سے دست برداری دلا دے اور اسے معاف کر دے۔ مشہور ہجرت تو ختم ہو چکی، حج روز ادا نہیں ہوتا اس لیے ایک کمزور انسان کو جو سرتاپا قصور ہی قصور ہے قدم قدم پر ایسے اعمال کی ضرورت ہے جو اس کی کوتاہیوں کا کفارہ بنتے رہیں اس لیے اسلام میں اور بھی بہت سے اعمال ہیں جو اس کی اس درمیانی فروگذاشتوں کا کفارہ بنتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ سب اعمال کفارہ کے باب میں فروعی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہجرت اسلامی زندگی کا ایک تاریخی عمل ہے اور حج جملہ ادیان میں اہمیت رکھتا چلا آیا ہے اس لیے ان دونوں کی حیثیت اصل کی ہے اور ان سب کے لیے اسلام کی حیثیت اصل الاصل کی۔

عَنِ ابْنِ شُمَاسَةَ الْمَهْرِیْ قَالَ حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ وَهُوَ فِیْ سِیَاقَةِ الْمَوْتِ یَبْکِیْ طَوِیْلًا حَوَّلَ وَجْهَهٗ اِلَی الْجِدَارِ فَجَعَلَ ابْنُهٗ یَقُوْلُ یَا اَبَتَاهُ اَمَا بَشَّرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰکَذَا اَمَا بَشَّرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِکَذَا قَالَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ اِلَی الْجِدَارِ وَقَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا نُعِدُّ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اِنِّیْ قَدْ کُنْتُ عَلٰی اَطْبَاقٍ ثَلَاثٍ لَقَدْ رَاَیْتُنِیْ وَمَا اَحَدٌ اَشَدُّ بُغْضًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنِّیْ وَلَا اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ قَدِ اسْتَمْکَنْتُ مِنْهُ فَقَتَلْتُهٗ فَلَوْ مُتُّ عَلٰی تِلْکَ الْحَالِ لَکُنْتُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ فِیْ قَلْبِیْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اُبْسُطْ یَمِیْنَکَ فَلِاُبَایِعْکَ فَبَسَطَ یَمِیْنَهٗ قَالَ فَقَبَضْتُ یَدِیْ قَالَ مَالَکَ یَا عَمْرُو قَالَ قُلْتُ اَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ بِمَا ذَا قُلْتُ اَنْ یُغْفَرَلِیْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ یَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ وَمَا کَانَ اَحَدٌ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا اَجَلَّ فِیْ عَیْنَیَّ مِنْهُ وَمَا کُنْتُ اُطِیْقُ اَنْ اَمْلَأَ عَیْنَیَّ مِنْهُ اِجْلَالًا لَهٗ وَلَوْ سُئِلْتُ اَنْ اَصِفَهٗ مَا اَطَقْتُ لِاَنِّیْ لَمْ اَکُنْ اَمْلَأُ عَیْنَیَّ مِنْهُ وَلَوْ مُتُّ عَلٰی تِلْکَ الْحَالِ لَرَجَوْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ وَلِیْنَا اَشْیَاءَ مَا اَدْرِیْ مَا حَالِیْ فِیْهَا فَاِذَا اَنَامُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِیْ نَائِحَةٌ وَلَا نَارٌ فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِیْ فَشُنُّوْا عَلَیَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ اَقِیْمُوْا حَوْلَ قَبْرِیْ قَدْرَمَا تُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَیُقَسَّمُ لَحْمُهَا حَتّٰی اَسْتَاْنِسَ بِکُمْ وَاَنْظُرَ مَاذَا اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّیْ (رواہ مسلم)

ابن شماسہ مہری سے روایت ہے کہ ہم عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کے دم واپسیں کے وقت حاضر تھے وہ زار وقطار رو رہے تھے اور دیوار کی طرف اپنا رخ کیے ہوئے تھے، ان کے صاحبزادہ ان کو سمجھانے لگے۔ اے والد ماجد! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تو بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں یہ سن کر انھوں نے دیوار کی طرف سے اپنا رخ بدلا اور فرمایا بھئی سب سے افضل چیز جو ہم نے آخرت کے لیے تیار کی ہے وہ توحید و رسالت کی شہادت ہے۔ میری زندگی کے تین دور گذرے ہیں ایک دور تو وہ تھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والا مجھ سے زیادہ کوئی اور شخص نہ تھا اور جب کہ میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا قابو چل جائے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالوں یہ تو میری زندگی کا سب سے بدتر دور تھا۔ اگر (خدانخواستہ) میں اسی حال پر مرجاتا تو یقیناً دوزخی ہوتا اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی حقانیت

ڈالی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے کہا لائیے ہاتھ بڑھائیے میں آپ سے بیعت کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ کیا: میں نے عرض کیا میں کچھ شرط لگانا چاہتا ہوں۔ فرمایا کیا شرط لگانا چاہتے ہو، میں نے کہا یہ کہ میرے سب گناہوں کی مغفرت ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! کیا تمہیں خبر نہیں کہ اسلام تو کفر کی زندگی کے گناہوں کا تمام قصہ ہی پاک کر دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے تمام گناہ ساقط کر دیتی ہے اور حج بھی پہلے سب گناہ ختم کر دیتا ہے۔ یہ دور وہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ و برتر میری نظروں میں کوئی اور باقی نہ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی وجہ سے میری یہ تاب نہ تھی کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر بھر کر دیکھ سکتا اگر مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پوچھی جائے تو میں کچھ نہیں بتا سکتا کیونکہ میں نے کبھی پوری طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں۔ کاش! اگر میں اس حال پر مر جاتا تو امید ہے کہ جنتی ہوتا۔ اس کے بعد ہم کچھ چیزوں کے متولی بنے اور نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا حال ان میں کیا رہا (یہ تیسرا دورِ زندگی تھا) اچھا دیکھو جب میری وفات ہو جائے تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی عورت نہ جانے پائے اور نہ زمانہ جاہلیت کی طرح آگ میرے جنازہ کے ساتھ ہو اور جب مجھے دفن کر چکو تو میری قبر میں اچھی طرح مٹی ڈالنا اور (جب فارغ ہو جاؤ) تو میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر کہ اونٹ نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم ہو سکتا ہے تا کہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگا رہے اور میں یہ معلوم کر لوں کہ اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتوں کے سوالات کے جوابات کیا دیتا ہوں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ نَاسًا مِنْ اَھْلِ الشِّرْکِ قَتَلُوْا فَاَکْثَرُوْا وَزَنُوْا فَاَکْثَرُوْا ثُمَّ اَتَوْا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّ الَّذِیْ تَقُوْلُ وَتَدْعُوْ لَحَسَنٌ وَلَوْ تُخْبِرُنَا اَنَّ لِمَا عَمِلْنَا کَفَّارَۃٌ فَنَزَلَ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا (الفرقان:۶۸) وَنَزَلَ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ (الزمر:۵۳)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ مشرکوں نے خوب قتل اور خوب زناء کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور بولے جو باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور جن کی دعوت دیتے ہیں وہ تو سب ٹھیک۔ کاش آپ ہمیں اس کا بھی اطمینان دلا دیتے کہ جو بدکاریاں ہم پہلے کر چکے ہیں ان کے بخشش کی بھی کوئی صورت ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو خدا نہیں مانتے اور جس کا خون اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر ضابطہ میں اور زنا نہیں کرتے اور جو یہ باتیں کریں وہ بڑے گناہ میں جا پڑے) اور یہ آیت بھی اتری (اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو)۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْخٌ کَبِیْرٌ یُدَعِّمُ عَلٰی عَصَالَہٗ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اِنَّ لِیَ غَدَرَاتٍ وَفَجَرَاتٍ فَھَلْ یُغْفَرُلِیْ

قَالَ اَلَسْتَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ بَلٰی وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ قَدْ غُفِرَلَکَ غَدَرَاتُکَ وَفَجَرَاتُکَ. (رواه احمد والطبرانی وسنده جید)

عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بوڑھا اپنی لکڑی کا سہارا لیے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے کفر کے زمانہ میں بہت سی خیانتیں اور قسم قسم کی بیہودگیاں کر چکا ہوں کیا (اسلام کے بعد) وہ سب معاف کر دی جائیں گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو یہ گواہی نہیں دیتا کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ؟ اس نے کہا کیوں نہیں میں تو یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جا تیری سب خیانتیں اور بیہودگیاں معاف ہوگئیں۔

تشریح ہر عاصی فطرۃً اس کا متلاشی ہوتا ہے کہ اس کے گناہوں کی بخشش ہو جائے۔ اگر تبدیلی مذہب کے بعد بھی گناہوں کا بوجھ سر سے ہلکا نہیں ہوتا۔ تو پھر تبدیلی مذہب کا فائدہ؟ اس لیے اسلام یہ اطمینان دلاتا ہے کہ گنہگاروں کو مایوسی کا موقع نہیں ہے اگر دوسرے مذاہب یہ گارنٹی نہیں کرتے تو اسلام خوشی سے اس گارنٹی کے لیے تیار ہے ؎

میرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفو بندہ نواز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَّفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذٰلِکَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِاَةِ ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ يَّتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا. (رواه البخاری فی الایمان)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب آدمی مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کا اسلام خوبصورت اسلام بن جاتا ہے تو جتنی برائیاں وہ پہلے کر گذرا تھا اللہ تعالیٰ سب معاف کر دیتا ہے اور اس کے بعد حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی کے عوض میں دس نیکیوں سے سات سو گنا تک نیکیاں مل سکتی ہیں اور برائی کے بدلہ میں صرف ایک برائی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگذر فرمائے (تو اب برائی کے بدلہ ایک برائی بھی نہیں لکھی جاتی)۔

تشریح۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اسلام کی خوبصورتی یہ ہے کہ عقائد درست ہوں۔ ظاہر و باطن سے اسلام قبول کر لیا جائے اور ہر عمل کے وقت یہ تصور قائم رکھنے کی کوشش رہے کہ قادر مطلق کی نظر اس کو برابر دیکھ رہی ہے وہ اس سے دور نہیں بہت قریب ہے اور اتنا قریب ہے کہ رگ جان بھی اتنی قریب نہیں۔ جو نقل و حرکت وہ کرتا ہے اس کو خوب جانتا ہے۔ اس طرح اسلام قبول کرنے کا خاصہ یہ ہے کہ جو بدکاریاں وہ کفر کی زندگی میں کر چکا ہے وہ ایک قلم معاف ہو جاتی ہیں اور اس کو ایک ایسی نئی اور پاک زندگی میسر آجاتی ہے جیسا آج وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ شیخ محی الدین نووی فرماتے ہیں۔ کہ اسلام کی خوبصورتی یہ ہے کہ دل سے اسلام لائے محض نمائشی اسلام نہ ہو کہ یہ نفاق ہے۔ پس جو دل سے مسلمان ہو گیا اس کے زمانہ کفر کے سب گناہ معاف ہو گئے اور جس کے دل میں نفاق رہا وہ اس بشارت کا مستحق نہیں۔

ایمان کے بغیر اعمال خوشنما قالب ہیں جن میں روح نہیں

عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الشُّهَدَاءُ اَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِمْ اَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هٰكَذَا وَرَفَعَ رَأْسَهٗ حَتّٰى سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهٗ فَمَا اَدْرِيْ اَقَلَنْسُوَةَ عُمَرَ اَرَادَاَمْ قَلَنْسُوَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَكَاَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهٗ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِنَ الْجُبْنِ اَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهٗ فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَاٰخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذَاكَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ اَسْرَفَ عَلٰى نَفْسِهٖ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذَاكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ. (رواه الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

فضالہ بن عبید روایت فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطابؓ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شہید چار قسم کے ہیں ایک وہ کھرے ایمان والا جو دشمن کے مقابل ہوا اور اس بہادری سے لڑا کہ ثابت قدمی کی جو شان اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی بیان فرمائی تھی وہ اس نے اپنے عمل سے سچی کر دکھائی (اور نہایت دلیری سے لڑتا رہا) یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ تو وہ مؤمن ہے جس کے مرتبے اتنے بلند ہوں گے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف اپنی آنکھیں اٹھا کر اس طرح دیکھیں گے یہ کہہ کر انہوں نے اپنا سر اٹھایا یہاں تک کہ ان کی ٹوپی سر سے گر گئی۔ راوی کہتا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے استاد کی مراد کس کی ٹوپی تھی حضرت عمرؓ کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد فرمایا دوسرا وہ شخص ہے جس کا ایمان تو کھرا تھا لیکن وہ (بہادر نہ تھا) جب دشمن کے آمنے سامنے ہوا تو مارے بزدلی کے اس کا حال یہ ہو گیا کہ گویا اس کے جسم میں طلح درخت کے کانٹے چبھو دیئے گئے۔ پھر کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آ کر اس کے لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ یہ دوسرے درجہ کا شہید ہے۔ تیسرا وہ معمولی درجہ کا مؤمن ہے جس نے پہلے عمل کے ساتھ کچھ برے عمل بھی کیے تھے جب دشمن سے لڑا تو ایسی جانبازی سے لڑا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی جو شان بیان فرمائی تھی اس کو سچا کر دکھایا یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ تیسرے نمبر کا شہید ہے۔ چوتھا وہ شخص ہے جس نے گناہ کرنے کی حد باقی نہ رکھی تھی (مگر بہادر تھا) جب لڑا تو اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کو سچا ثابت کر دیا اور خوب بہادری سے لڑا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ یہ چوتھے نمبر کا شہید ہے۔

تشریح۔ اس تقسیم کا خلاصہ یہ ہے کہ مجاہد کبھی تو بہادر ہونے کے ساتھ متقی بھی ہوتا ہے کبھی صرف متقی ہوتا ہے بہادر نہیں ہوتا اس کے برخلاف کبھی ایک شخص بہادر تو ہوتا ہے مگر متقی نہیں ہوتا۔ پھر یہ غیر متقی یا تو معمولی طور پر گنہگار رہتا ہے اور کبھی کھلا ہوا فاسق ہوتا ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس تقسیم سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اعمال کی تمام قیمت ایمان ہی کے بعد ہے اسی لیے چوتھا شخص اگرچہ بہادر تھا اور دوسرا اگرچہ بزدل مگر ایمان ہی کے ضعف و قوت کے تفاوت سے یہ بہادر چوتھے نمبر میں اور وہ بزدل دوسرے نمبر میں پہنچ گیا ہاں اگر خوش قسمتی سے ایمان کے ساتھ بہادری بھی جمع ہو جائے تو اس کے کیا کہنے۔

عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ یَقُوْلُ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ بِالْحَدِیْدِ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُقَاتِلُ اَوْ اُسْلِمُ قَالَ اَسْلِمْ ثُمَّ قَاتِلْ فَاَسْلَمَ ثُمَّ قَاتَلَ فَقُتِلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَمِلَ قَلِیْلًا وَاُجِرَ کَثِیْرًا۔ (بخاری)

ابو اسحاق سے مروی ہے کہ میں نے براء کو یہ کہتے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص (زرہ پہنے) سرتا پا لوہے میں ڈھکا ہوا آیا اس نے کہا یا رسول اللہؐ میں پہلے جہاد میں شریک ہو جاؤں یا پہلے اسلام لے آؤں پھر جہاد کروں آپ نے فرمایا پہلے اسلام قبول کر اس کے بعد جہاد کرنا۔ چنانچہ وہ پہلے مسلمان ہوا اور اس کے بعد جہاد کیا اور شہید ہو گیا آپ نے فرمایا اس نے کام تو کم کیا مگر ثواب بہت پائے گا۔

تشریح۔ یعنی زمانہ کفر کا بڑا عمل بھی بے وزن ہے اور ایمان کا تھوڑا سا عمل بھی بہت بھاری ہے۔ جاں نثاری کی تمام قیمت اس وقت ہے جب کہ وفاداری کا طوق گلے میں پڑا ہو ورنہ صرف وہ ایک غدار کی موت ہے جس صورت سے بھی آ جائے، خس کم جہاں پاک۔ اس لیے آپ نے اس شخص کو پہلے اسلام لانے کا مشورہ دیا۔ اس خوش نصیب کے گذشتہ گناہ تو اسلام سے معاف ہو گئے تھے پھر اس معصومی کی حالت میں جو پہلا عمل اس نے کیا وہ شہادت تھا اس لیے اس کے عمل کی مدت گو بہت قلیل رہی مگر ثواب کی بہت بڑی بازی جیت لے گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے ایک اور لطیف استنباط کیا ہے یعنی جہاد سے پہلے کوئی اچھا عمل کرنا مطلوب ہے تاکہ عمل خیر کی برکت ثبات قدمی میں معین ہو۔

اس کی مثال جو ایمان نہیں رکھتا اور قرآن پڑھتا ہے

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَیَعْمَلُ بِہٖ کَالْاُتْرُجَّۃِ طَعْمُھَا طَیِّبٌ وَرِیْحُھَا طَیِّبٌ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَیَعْمَلُ بِہٖ کَالتَّمْرَۃِ طَعْمُھَا طَیِّبٌ وَلَا رِیْحَ لَھَا وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ کَالرَّیْحَانَۃِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَطَعْمُھَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ کَالْحَنْظَلَۃِ طَعْمُھَا مُرٌّ اَوْ خَبِیْثٌ وَرِیْحُھَا مُرٌّ۔ (بخاری)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مؤمن قرآن پڑھتا اور اس پر عمل بھی کرتا ہے وہ سنگترے کی طرح ہے جس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی اور جو قرآن نہیں پڑھتا مگر اس کے احکام پر عمل کرتا ہے وہ کھجور کی طرح ہے جس کا ذائقہ تو اچھا مگر خوشبو کچھ نہیں اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ریحان (نازبو) کی سی ہے جس کی خوشبو تو بہت اچھی مگر ذائقہ تلخ اور جو قرآن بھی نہیں پڑھتا اس کی مثال درخت حنظل کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی تلخ اور بو بھی ناگوار۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ یعنی جس طرح پھل کی صرف خوشبو سے اس کے ذائقہ کا حال معلوم نہیں ہوتا اسی طرح صرف قرآن پڑھنے سے کسی کے ایمان کا حال نہیں کھلتا اور جس طرح کہ پھل کی اصل خوبی اس کا خوش ذائقہ ہونا ہے صرف اس کی خوشبو نہیں وہ ایک سامان تفریح ہے اسی طرح انسان کی اصل خوبی ایمان ہے صرف تلاوت قرآن نہیں یہ مؤمن کے

ایمان کی زینت ہے نہ کہ منافق کے نفاق کی مگر مشک جس کے پاس ہوگا خوشبو ہی دے گا اسی طرح قرآن جو تلاوت کرے گا اس کی خوشبو ضرور مہکے گی مگر صرف اتنی بات پر دھوکا نہ کھانا چاہیے عمل کی اصل روح ایمان ہے۔

جو اسلام لے آئے اس کے لیے ایک نیکی پر دس نیکیوں کی بشارت

حَدَّثَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِىْ بِاَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً فَاَنَا اَكْتُبُهَا لَهٗ حَسَنَةً مَالَمْ يَعْمَلْ فَاِذَا عَمِلَهَا فَاَنَا اَكْتُبُهَا بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَاِذَا تَحَدَّثَ بِاَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَاَنَا اَغْفِرُهَا لَهٗ مَالَمْ يَعْمَلْهَا فَاِذَا عَمِلَهَا فَاَنَا اَكْتُبُهَا لَهٗ بِمِثْلِهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ رَبِّ ذَاكَ عَبْدُكَ يُرِيْدُ اَنْ يَّعْمَلَ سَيِّئَةً وَهُوَ اَبْصَرُ بِهٖ فَقَالَ ارْقُبُوْهُ فَاِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ بِمِثْلِهَا وَاِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ حَسَنَةً اِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّائِىْ. (رواہ مسلم والبخاری نحوہ)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی میں روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرا بندہ جب اپنے دل میں کوئی نیک کام کرنے کا خیال کرتا ہے تو صرف اس خیال پر میں ایک نیکی لکھ دیتا ہوں، یہ تو اس وقت تک ہے جب تک وہ اسے کرتا نہیں اور اگر یہ نیکی کر لیتا ہے تو اب اس کا دس گنا لکھتا ہے اور جب دل میں کسی برائی کا خیال کرتا ہے تو اسے معاف کر دیتا ہے اگر کر لیتا ہے تو اسے صرف ایک برائی لکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ فرشتے عرض کرتے ہیں اے پروردگار یہ تیرا بندہ برائی کرنے کا قصد کر رہا ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ان سے زیادہ ہوتا ہے) ارشاد ہوتا ہے ابھی اسے دیکھتے رہو اگر کر لے تو اس کی صرف ایک برائی لکھ لو اور اگر چھوڑ دے تو اب اس کے حق میں اسے بھی ایک نیکی لکھ لو۔ کہ اس نے میرے ہی خوف سے اس برائی کو چھوڑا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عزم معصیت کے بعد اس پر عمل نہ کرنے پر نیکی صرف اس صورت میں لکھی جاتی ہے جب کہ اس معصیت کا نہ کرنا خدا کے خوف پر مبنی ہو، اگر نا سازگاری حالات کی وجہ سے یہ معصیت وجود میں نہ آ سکی یا کسی سہو ونسیان کی بناء پر ذہن سے نکل گئی تو اس قسم کی صورتوں میں صرف ترک معصیت سے وہ نیکی کا حق دار نہیں ہوتا۔ صحیح مسلم میں اسراء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی پر دس گنا ملنے کا ضابطہ ان خصوصی انعامات میں داخل ہے جو معراج کی پراسرار شب میں آپ پر کئے گئے تھے۔ بہر حال جس امت کو قلیل مدت میں تمام امتوں پر فائق بنانا منظور تھا اس کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ اس کے قلیل عمل کے لیے تضعیف کا ضابطہ وضع کر دیا جائے تا کہ اس جدید قانون کے ماتحت اس کے تھوڑے عمل بھی دوسری امتوں کے طویل مدتوں کے عمل سے بڑھ جائیں اور اس پیرایہ سے عمل کی بازی جس امت کو جتانی منظور تھی وہ جیت بھی جائے اور قانون عدل وفضل دونوں کا اقتضاء بھی پورا ہو جائے۔ اس حدیث میں کسی نیک یا بد کام کے عملی جامہ پہنانے یا ارادہ کرنے کی چار صورتیں مذکور ہیں۔

(۱) نیکی کا ارادہ کر کے اس پر عمل بھی کر لینا۔ (۲) نیکی کا صرف ارادہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا۔ عمل و ارادہ کے اعتبار سے بدی کی بھی یہی دو صورتیں ہیں۔ اس طرح یہ چار صورتیں بن جاتی ہیں۔ پہلی صورت میں ایک نیکی دس گنا،

6

سات سوگنا اور کبھی مراتب اخلاص کے اعتبار سے شمار کی حد بندی سے بھی بے نیاز ہو جاتی ہے۔ دوسری صورت میں صرف ارادہ پر پوری ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے لیکن بدی کا حکم یہ نہیں ہے۔ یہاں عمل کی صورت میں صرف ایک بدی لکھی جاتی ہے اور ارادہ کے بعد نہ کرنے پر بدی کے بجائے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

صحیح مسلم میں اسی روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث النفس کی بجائے ھَمَّ کا لفظ مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صرف خطرہ کا درجہ مراد نہیں بلکہ ارادہ کا وہ مرتبہ مراد ہے جس کے بعد عمل کے لیے دل میں فکر پیدا ہو جائے۔ اسی کا نام ھَمَّ ہے۔ خریم بن فاتک کے الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عزم مراد ہے صرف وسوسہ وخیال مراد نہیں۔

من هم بحسنة فلم يعملها فيعلم الله منه انه قد اشعر قلبه وحرص عليها كتبت له حسنة.

"جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر یہ بات ثابت کر دی کہ وہ اس کا برابر احساس کر رہا ہے اور اس کو عمل میں لانے کے لیے حریص ہے پھر ان مراحل کے بعد بھی اگر اس کو نہ کیا تو بے شک اب اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے گی۔"

صرف حسنہ کے ارادہ پر ایک نیکی لکھے جانے میں تو کوئی تفصیل نہیں ہے لیکن سیئہ کے ارادہ کر لینے کے بعد نہ کرنے پر ایک حسنہ ملنے پر قدرے تفصیل کی حاجت ہے۔

عزم علی المعصیة کی وہ صورت جس سے مقصود شریعت کا استخفاف واستہزاء ہو یہاں زیر بحث ہی نہیں یہ تو کھلا ہوا کفر ہے۔ اسی طرح وہ صورت بھی زیر بحث نہیں ہے جہاں ایک شخص صرف اپنی خواہش نفس کی بناء پر کسی معصیت کا عزم کر لیتا ہے لیکن اس کے بعد خدا کے خوف سے وہ اس معصیت کا ارتکاب نہیں کرتا۔ یہاں بھی بلا شبہ اس کے خوف وخشیت کی وجہ سے ایک حسنہ کا ثواب ملنا چاہیے جیسا کہ صورت مذکورہ میں اگر ترک معصیت کا داعیہ مخلوق کا خوف یا محض ریا کاری ہو تو اس سے مواخذہ ہونا چاہیے غور طلب صورت صرف یہ ہے کہ ایک شخص عزم کر لینے کے بعد خود بخود اپنے ارادہ میں سست پڑ جاتا ہے اور اس لیے عمل کرنے کی اُسے نوبت ہی نہیں آتی۔ کیا اس کا صرف یہ عزم بھی معصیت شمار ہو گا یا جب کہ عمل کی حد تک پہنچا ہی نہیں تو معاف ہو جائے گا۔ فقہاء ومتکلمین ومحدثین کا مختار تو یہ ہے کہ چونکہ اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا اس لیے اس سے مواخذہ ہو گا گو یہ مواخذہ خود اس معصیت کے مواخذہ سے ہلکا رہے۔

ابن المبارکؒ نے سفیان ثوریؒ سے دریافت کیا کیا آدمی کے ارادہ پر بھی مواخذہ ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں جب پختہ ہو جائے امام شافعیؒ اور ابن حامد اس طرف ہیں کہ صرف عزم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے جب تک کہ اس کو منہ سے نہ نکالے یا اس پر عمل نہ کرے۔ یہ تمام تفصیل ان معاصی کے ارادہ میں ہے جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہو مثلاً چوری، زناء، شراب خوری وغیرہ۔ رہ گئے وہ اعمال جن کو اعمال قلبیہ کہا جاتا ہے جیسے کفر، حسد، جذبہ ایذاء رسانی وغیرہ جہاں عمل جوارح کا سوال ہی نہیں تو یہاں بلا تردد صرف عزم بلکہ ہم پر بھی مواخذہ ہوگا۔

فقہاء ومتکلمین اور امام شافعیؒ کے درمیان زیر اختلاف شق اب بھی تشنہ ہے۔ ہمارے نزدیک حافظ ابن رجب کی تفصیل یہاں بہت دل پذیر ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی معصیت کا پہلی ہی مرتبہ ارادہ کرتا ہے یعنی ابھی اس نافرمانی کی اپنی عمر بھر میں اسے نوبت ہی نہیں آئی تھی تو پہلی مرتبہ عزم پر اس سے مؤاخذہ نہ ہو گا لیکن اگر وہ اس معصیت کا

ذائقہ کبھی پہلے چکھ چکا ہے اور اب پھر اس کا عزم کر رہا ہے تو اس کے اس عزم پر بھی مواخذہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس سے صرف عزم نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ اصرار کی تعریف میں آ جاتا ہے یہ قابل اغماض نہیں جیسا کہ وہ شخص جو عزم کے بعد اپنی جانب سے تو اس عمل کے تمام مقدمات پورے کر چکا ہو پھر کچھ آسمانی اسباب ایسے رونما ہو جائیں جو اس کو عملی جامہ پہنانے میں حائل ہو جائیں وہ بھی اس قدرتی معذوری کی بناء پر معذور نہیں کہا جا سکتا اب وہ بھی قابل درگذر نہیں ہے۔ اسی لیے جب آپ نے قاتل و مقتول کے متعلق جہنم کی وعید بیان فرمائی تو سامعین نے پوچھا کہ بے چارا مقتول دوزخ میں کیوں گیا۔ آپ نے فرمایا کہ انه كان حريصا على قتل صاحبه. وہ بھی تو اپنے بھائی کے قتل کرنے کی فکر میں لگ رہا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی سبب سے وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قاتل و مقتول گناہ میں دونوں برابر ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ قاتل کا جرم شدید ہے اس کو سزا بھی شدید ملے گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو پورے عزم کے بعد عمل کے لیے قدم بھی اٹھا چکا ہے اگر چہ کسی سبب سے کامیاب نہ ہو سکا لیکن وہ اپنی اس غیر اختیاری ناکامی سے اپنے اس اختیاری عزم اور اس کو پورا کرنے کے اختیاری سعی کے جرم سے بری نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح عزم کے بعد عمل کے لیے سعی کرنا قابل مواخذہ ہو سکتا ہے اسی طرح کسی معصیت کے ارتکاب کے بعد اس کا پھر ارادہ کرنا بھی قابل مواخذہ ہونا چاہیے کیونکہ اب یہ محض عزم باقی نہیں رہا بلکہ عمل کی ابتدائی کڑی سمجھا جائے گا اگر چہ وہ کتنی ہی بعید ہو صرف عزم پر مواخذہ گونا مناسب معلوم ہوتا ہے مگر یہ واضح رہنا چاہیے کہ عمل کی تمام روح انسان کی قوت ارادی ہے۔ اگر انسان کی اس قوت کو پورے طور پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس کے عزم پر کسی قسم کا کنٹرول قائم نہ رکھا جائے تو اس کے بعد معاصی و فواحش سے اس کو روکنا بہت مشکل بلکہ بے نتیجہ ہو گا لہٰذا اگر آپ صرف عزم پر مواخذہ کی مشکل پر غور کر رہے ہیں تو اس مشکل پر بھی ذرا غور کیجیے کہ اگر یہ اعلان کر دیا جائے کہ کسی بدتر سے بدتر گناہ جیسے قتل، چوری، زناء، شراب خوری کا پورا پورا عزم کرنے کے بعد بھی انسان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوتا تو کیا بالفاظ دیگر یہ ان افعال کی اجازت دینے کے مرادف نہ ہو گا۔ ارادہ کا یہ درجہ عمل سے بہت ہی قریب ہے۔ کیا اس مرتبہ سے اغماض اور دوسرے بالکل متصل نقطہ پر مواخذہ کرنا انسانی ضعف کے مناسب ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسلام میں خوبی پیدا کرنے پر سات سو گنا نیکیوں کی بشارت

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ بِاِسْلَامِهٖ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِاَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهٗ بِمِثْلِهَا وَفِىْ رِوَايَةٍ اِلَّا اَنْ يَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا. (رواه الشيخان)

ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تم میں کوئی سچا اور پکا مسلمان بن جاتا ہے تو پھر جو نیکی کرتا ہے وہ اس کے نامہ اعمال میں دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جاتی ہے اور جو برائی کرتا ہے وہ صرف اتنی ہی لکھی جاتی ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ احتمال یہ بھی رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگذر فرمائے (تو اب ایک بھی نہیں لکھی جاتی) (بخاری ومسلم)

تشریح۔ حسنات کی اس تضعیف کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب ایمان و اسلام سے گذر کر صفت احسان میں قدم رکھا

جائے۔ حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ ایک نیکی پر اس کا دس گنا ملنا تو اس امت کے حق میں عام ضابطہ ہے لیکن خدا کی رحمت اپنا دروازہ اس حد پر پہنچ کر بند نہیں کرتی بلکہ سات سو اور اس سے بھی زیادہ دینے کے لیے کھلا رکھتی ہے جیسے جیسے یہ صفت احسان کامل ہوتی جائے گی یعنی عبادت میں جتنا خلوص اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا جتنا تصور غالب ہوتا جائے گا اتنا ہی ایک نیکی کا ثواب بڑھتا جائے گا۔ اسی طرح بعض وقت خود عمل کی برتری و فضیلت اور کبھی ضرورت کا بروقت احساس کرنا بھی ایک نیکی کو بے شمار نیکیاں بنا دیتا ہے۔ ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ حسب ذیل آیت تو عام مسلمانوں کے بارے میں ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام: ۱۶۰) جو ایک نیکی کرے گا اس کو اس کا دس گنا ملے گا۔

کہئے مہاجرین کے لیے کیا ضابطہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے اور زیادہ ثواب اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: ۴۰) اگر نیکی ہو تو اس کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اور بڑا ثواب دیتا ہے۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر بیس لاکھ نیکیاں بھی لکھ دیتا ہے جیسا کہ آیت بالا میں ہے کہ وہ اپنے پاس سے بڑا ثواب اور بھی دیتا ہے۔ تو اب سوچو کہ اس ثواب کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۲۵۵)

بہر حال نیکیوں کی تضعیف اور زیادتی کا ضابطہ سات سو گنا پر جا کر ہی ختم نہیں ہوتا اس سے بھی کہیں اوپر پہنچتا ہے بے شک جس کی رحمت غیر متناہی ہو اس کے انعامات کی انتہا بھی نہ ہونا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ علی الحساب داد و دہش اسلام کے اس اعلیٰ مرتبہ سے شروع ہوتی ہے جس کا نام احسان رکھا گیا ہے۔ اسلام و ایمان اور احسان کے ہر سہ ارتقائی مراتب کی تفصیل چند عنوانات کے بعد عنقریب آپ کے سامنے آنے والی ہے۔

اچھے اسلام کے بعد زمانہ کفر کی نیکیاں بھی نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْكَافِرَ اِذَا اَحْسَنَ اِسْلَامُهٗ يُكْتَبُ لَهٗ فِی الْاِسْلَامِ كُلُّ حَسَنَةٍ عَمِلَهَا فِی الشِّرْكِ. (ذکر الدارقطنی)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی کے اسلام میں خوب صورتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی تمام وہ نیکیاں جو اس نے شرک کے زمانہ میں کی تھیں اسلام کے بعد سب لکھ دی جاتی ہیں۔ (دارقطنی)

تشریح۔ اس حدیث میں ایک بڑی اہم بحث یہ ہے کہ کیا زمانہ شرک و کفر کی نیکیاں بھی معتبر ہوسکتی ہیں۔ حافظ ابن حجر کا رجحان بظاہر نفی کی طرف معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کفر انسان کی اتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ اس کے بعد اس کا کوئی نیک کام بھی نیک نہیں رہتا اور ابن منیر سے حدیث کی یہ توجیہ نقل کرتے ہیں کہ بحالت کفر کافر کے حسنات کا معتبر نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اسلام کے بعد بھی ان کو لکھا نہ جائے۔ اگر خدا تعالیٰ انسانی عجز و مرض کے زمانہ میں اس کی صحت و قدرت کے زمانہ کے اعمال کا ثواب دے سکتا ہے تو اسلام کے بعد زمانہ کفر کی نیکیوں کا ثواب کیوں نہیں دے سکتا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام لائے بغیر بھی کافر کی حسنات قابل ثواب شمار ہوں یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ وہ اس کے ضائع شدہ اعمال کو بھی بیش قیمت بنا دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام جہاں ایک طرف اس کے خرمن معاصی کو خاک کر دیتا

ہے دوسری طرف اس کی خاک شدہ نیکیوں میں پھر از سر نو جان بھی ڈال دیتا ہے۔ (فتح الباری ج اص ۴۸)
شیخ محی الدین نووی کا رجحان اس طرف ہے کہ زمانہ کفر کے اچھے کام بلکہ عبادتیں بھی معتبر ہو سکتی ہیں۔ وہ یہاں حدیث کی بجائے فقہاء کے قول کی تاویل کی طرف جا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ کافر کی کوئی عبادت صحیح نہیں ہوتی اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ دنیا میں ان پر صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا، رہ گیا ثواب کا معاملہ تو فقہاء نے اس کی نفی نہیں کی، یہ تو خدا کی دین کی بات ہے وہ چاہے تو عمل کے بغیر بھی نامہ اعمال میں نیکیاں درج کر دے تو اگر کافر کی کی کرائی عبادت پر ثواب بخش دے تو اس سے کیا بعید ہے۔ (نووی مصری ج اص ۱۴۲)

اسلام کو بدنما بنانے پر شدید مواخذہ کی وعید

عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ قَالَ اُنَاسٌ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ اَمَّا مَنْ اَحْسَنَ مِنْكُمْ فِي الْاِسْلَامِ فَلَا يُؤَاخَذُ بِهَا وَمَنْ اَسَاءَ اُخِذَ بِعَمَلِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْاِسْلَامِ. (رواه الشيخان)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم سے ان افعال کی بھی باز پرس ہوگی جو ہم نے اپنے کفر کے زمانہ میں کیے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا جس نے اسلام میں اچھے کام کیے اس سے تو کچھ باز پرس نہ ہوگی لیکن جس نے اپنے اسلام میں بدنمائی پیدا کی اور برے کام کیے اس سے کفر و اسلام دونوں زمانوں کے افعال کی باز پرس کی جائیگی۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ حضرت ابن مسعودؓ کی یہ حدیث بظاہر عمرو بن العاص کی گذشتہ حدیث کے مخالف معلوم ہوتا ہے اس سے ثابت ہو رہا تھا کہ اسلام کسی تفصیل کے بغیر دور جاہلیت کی بداعمالیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور اس حدیث سے کچھ تفصیل بھی ثابت ہو رہی ہے۔ شیخ محی الدین نووی وغیرہ کے مختار پر تو جواب ظاہر ہے، ان کے نزدیک اسلام کی خوبی یہ ہے کہ دل سے اسلام قبول کرے اور اس کی بدنمائی یہ ہے کہ محض زبان پر کلمہ اسلام ہو، دل ایمان و یقین سے یکسر خالی ہو، درحقیقت یہ اسلام ہی نہیں اس بناء پر اس حدیث کا خلاصہ یہ ہوگا کہ مذکورہ بالا بشارت اس اسلام پر ہے جس میں نفاق نہ ہو، منافقانہ اسلام سے صرف جان و مال کی عصمت تو حاصل ہو جاتی ہے مگر گناہوں کی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ ان کا بوجھ اور بڑھتا چلا جاتا ہے، حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب کشمیری) قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ اسلام جو اس کا مدعی ہے کہ وہ دنیا میں تہذیب اخلاق کے لیے برائیاں مٹانے اور بھلائیاں پھیلانے کے لیے آیا ہے وہ روز اول ہی سے اپنے حلقہ بگوشوں سے یہ تقاضہ کرنے لگتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے اس کے دعوے کا ثبوت پیش کریں جو لوگ اس کے اس تقاضہ کو پورا کرتے ہیں ان کا اسلام سچا اور خوب صورت اسلام شمار ہوتا ہے۔ پس اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جب اسلام لائے تو دنیا کے سامنے عملاً اعلیٰ سے اعلیٰ تہذیب کا نمونہ پیش کرے، اپنے دل میں دور کفر کی بدکرداریوں اور بداخلاقیوں کی برائی محسوس کرے ان پر شرمندہ بھی ہو اور آئندہ اس کا عزم کر لے کہ اب اسلام کی حلقہ بگوشی کے بعد ان کا اعادہ پھر کبھی نہیں کرے گا، یہ ہے وہ مسلمان جو اپنے تمام گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسا اپنی ماں کے پیٹ سے آج پیدا ہوا ہے لیکن ایک وہ ہے جو مسلمان تو ہو جاتا ہے مگر لاابالی طور پر مسلمان ہوتا ہے اور اب بھی شتر بے مہار

کی طرح آزاد ہی پھرتا ہے اس کی بداخلاقی بدستور قائم ہے۔ طبیعت کی درشتی، نفس کی خست، مزاج میں خودغرضی وطمع کا وہی حال باقی ہے، غرض کہ اس کی عملی زندگی میں کوئی نمایاں انقلاب پیدا نہیں ہوتا، یہ بھی ایک مسلمان ہے لیکن اس کا اسلام خوب صورت اسلام نہیں اس میں معاصی کی بدنمائی بدستور موجود ہے اس نے اسلام کی صداقت کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا، وہ اس عظیم الشان بشارت کا حق دار نہیں۔ جو کل تک خدا کی نافرمانی سے شرمندہ نہیں تھا اور آج بھی اس پر نادم نہیں ہوا۔ اس کی نافرمانیوں کا بھی کھاتہ کیونکر پاک وصاف ہوسکتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تفصیل نہایت منصفانہ اور معقول ہے۔ ملاعلی قاری نے فقہ اکبر کی شرح میں اس کو شارح عقیدہ طحاوی سے توبہ کی بحث میں نقل کیا ہے۔ وہ محققین کا قول یہی نقل کرتے ہیں کہ اگر اسلام کے ساتھ گذشتہ گناہوں پر توبہ بھی کی جائے تو ایسا اسلام تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور اگر ان معاصی سے توبہ نہ کرے اور اسلام کے بعد اسی طرح گناہ کرتا رہے تو اس سے تمام گناہوں کا مواخذہ ہوگا۔ (شرح فقہ اکبر ص۱۴۳)

اسلام کی ایک اہم خوبی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ. (رواه الترمذی وغیره وحسنه الحافظ ابن رجب الحنبلی فی جامع العلوم والحکم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے آدمی کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار باتوں کا مشغلہ چھوڑ دے۔ (اس حدیث کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا آپ کو یہ رتبہ عالی کیسے ملا؟ آپ نے فرمایا تین باتوں سے (۱) راست گوئی۔ (۲) اداء امانت۔ (۳) اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی عادت سے۔ (موطا)

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ بیکار باتوں سے مراد مباحات کا غیر ضروری سلسلہ ہے۔

یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ مستحبات اور محرمات کے درمیان شریعت نے ایک درجہ مباحات کا بھی رکھا ہے اسے خدا کے محرمات کی سرحد کہنا چاہیے۔ یہاں پہنچ کر محرمات کی ظاہری دل فریبی کا نظارہ ہونے لگتا ہے اس لیے آپ مباحات کو اپنی نظر میں ہلکا نہ سمجھیں، عمل کے مسافر کے لیے یہ منزل بہت نازک منزل ہے جو اس منزل پر جا پہنچا اس کے لیے ہر وقت خطرہ ہے کہ اس کا دوسرا قدم اب محرمات ہی میں جائے گا۔ ان کی مشروعیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ مباحات کو خدا کی طاعات وعبادات کے لیے ذریعہ ووسیلہ بنائیں۔ اس کے احکام کی بجا آوری میں ان سے کام لیں۔ اب یہ مباحات بھی آپ کے لیے مستحبات کا حکم اختیار کر لیں گے لیکن اگر خدانہ کردہ آپ نے ان کو خدا کی معصیت کا ذریعہ بنالیا تو اب یہ مباح نہیں رہے ممنوعات ومحظورات کی فہرست میں شمار ہوں گے۔ اگر آپ نے یہ نکتہ سمجھ لیا ہے تو ان تمام احادیث کی مرادیں آپ پر روشن ہوجائیں گی جن میں مباحات پر بھی ثواب اور عقاب کا ذکر آجاتا ہے۔ مثلاً کھانا کھانا۔ پانی پینا، شب میں سو رہنا حتیٰ کہ باہمی خوش طبعی کرنا بہت سے بہت مباح ہی کا درجہ رکھتے ہیں لیکن اگر یہ تمام کام آپ اس لیے کرتے ہیں کہ ان مباحات سے آپ کو خدا کی عبادت میں تقویت حاصل ہو۔ آپ کھائیں گے نہیں تو خدا کے فرائض بھی ادا نہیں کرسکیں گے۔ رات کو آرام نہیں کرسکے تو صبح کی نماز میں شریک بھی نہیں ہوسکیں گے،

اگر اپنے بھائی سے خوش طبعی کریں گے تو باہمی محبت والفت پیدا ہوگی۔ اس کا دل خوش ہوگا آپ کا کچھ بگڑے گا نہیں۔ تو اب یہی سب مباحات موجب اجر بن جائیں گے۔ اسی طرح انگور کا عرق نکالنا مباح ہی ہے کچھ حرام نہیں لیکن اگر یہ فعل آپ نے اس لیے کیا ہے کہ اس کی شراب تیار کریں گے تو اب یہی فعل حرام کہلائے گا اسی لیے حدیث میں ''عاصر'' یعنی انگور کا عرق نکالنے والے پر لعنت آئی ہے۔ مباحات صرف اسی وقت تک مباحات ہیں جب تک ان میں نہ وہ نیت ہو نہ یہ، اگر آپ اسی عالم غفلت میں مباحات میں قدم رکھتے ہیں تو رکھ لیجئے مگر حدیث یہ کہتی ہے کہ یہ بھی فعل عبث ہے اور آپ کے حسن اسلامی پر ایک بدنما داغ ہے۔ شادی کی بہت سی رسمیں اباحت کا درجہ رکھتی ہیں اگر اعتدال کے ساتھ ادا کی جائیں اور شریعت کے حدود سے باہر نہ ہوں اور خوشی میں خوشی منانا مقصود ہے تو ان پر ثواب مل سکتا ہے لیکن ایسے انسان بہت کم ہیں جو مسرت اور غم میں اعتدال کی حالت قائم رکھ سکیں اس لیے وہ خدا کی اس وسعت سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور مباحات کو محرمات بنا کر چھوڑتے ہیں اس پر طرہ یہ کہ وہ اسی خیال میں سرشار رہتے ہیں کہ ہم نے مباحات کے حدود سے قدم باہر نہیں نکالا حالانکہ ان کو یہ خبر نہیں ہے کہ حدود شرعیہ سے ذرا تجاوز کرنے سے وہی مباحات محرمات کا حکم اختیار کر لیتے ہیں۔ (کتاب الایمان ص ۱۹ او ۳۰ و حجۃ اللہ ج ۳ ص ۱۰۱)

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ عنایت لغت میں کسی چیز کے خاص طور پر اہتمام کرنے کا نام ہے اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی شان یہ ہونا چاہیے کہ جو قول وفعل بھی اسلام کی نظر میں قابل اعتنا اور لائق اہتمام نہ ہو اس سے یک لخت کنارہ کش ہو جائے۔ پس جب تک ایک مسلمان محرمات ومشتبہات تو درکنار بے حاجت مباحات میں بھی قدم رکھنا ترک نہیں کرتا، اسلام کی صفت احسان سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر کسی خوش نصیب کو یہ مقام نصیب ہو جائے، خدا کا تصور اس پر اس درجہ غالب آ جائے کہ ہر حال میں اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ذات پاک گویا حاضر و ناظر ہو تو پھر بیکار باتوں کی طرف اس کا قدم خود بخود نہیں اٹھ سکتا اور اگر غفلت یا سہو ونسیان کی بناء پر کبھی اس سے کوئی لغزش واقع بھی ہوگی تو اس کو ایسی ہی ندامت وشرمساری لاحق ہوگی جیسی کہ حقیقۃً خدا کے حضور میں یہ غلطی کر کے ہوتی اسی کو حدیث میں **استحیاء من اللہ** کہا گیا ہے یہ استحیاء اسی صفت احسان کا نتیجہ ہے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۸۰ و ۸۴)

اس حدیث کی اہمیت کے پیش نظر مالا یعنی کے لفظ کی کچھ اور توضیح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ حافظ ابن رجبؒ فرماتے ہیں کہ لفظی وسعت کے لحاظ سے تو ''لایعنی'' کا لفظ اقوال وافعال سب کو شامل ہے لیکن محاورہ واستعمال کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کا زیادہ تر اطلاق لغو باتوں پر ہوتا ہے اسی کی طرف حسب ذیل آیت واحادیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ. (ق:۱۸) ''کوئی بات اپنے منہ سے نہیں نکالتا مگر ایک نگران اس کے پاس لکھنے کو تیار رہتا ہے''۔

لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ. (النساء: ۱۱۴)

''ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بہتری اور خیر کا نام نہیں مگر ہاں جو خیرات یا کسی اور نیک کام یا لوگوں میں میل ملاپ کی صلاح دے۔''

(۱) آدمی کے اسلام کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ بیکار باتیں نہ کرے۔ (مسند امام احمد)

(۲) جو آدمی اپنے عمل اور باتوں کا موازنہ کرتا رہے گا وہ خود بخود صرف حاجت کی بات کرنے کا عادی بن جائے گا۔ (ابن حبان)

(۳) اسی حقیقت کے مخفی رہنے کی وجہ سے حضرت معاذؓ نے یہ سوال فرمایا تھا یا رسول اللہ جو باتیں ہم کرتے ہیں کیا ان پر بھی ہم سے گرفت کی جائے گی آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ زیادہ تر تو لوگ اسی جا و بیجا زبان چلانے کی بدولت ہی دوزخ میں منہ کے بل گرائے جائیں گے۔

(۴) حضرت ام حبیبہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ ابن آدم کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ اس کے نقصان ہی نقصان کی ہوتی ہے نفع کی نہیں ہوتی بجز ان صورتوں کے بھلی بات کا حکم دینا، بری بات سے روکنا اور اللہ کی یاد کرنا۔ (ترمذی)

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک صحابی کا انتقال ہو گیا تو کسی نے کہا تجھے جنت کی بشارت ہو آپ نے فرمایا تمہیں کیا خبر ہے شاید کبھی اس نے بیکار بات منہ سے نکالی ہو یا اپنی حاجت سے زیادہ چیز پر بخل کیا ہو۔ (ترمذی)

(۶) ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا یا رسول اللہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں جو کہتا ہوں میری مانتے ہیں ان سے کیا کہوں آپ نے فرمایا کہ ہر کس و ناکس کو سلام کیا کریں اور غیر ضروری باتیں کرنا چھوڑ دیں۔ (ابن ابی الدنیا)

(۷) ایک صحابی کی بیماری میں (عیادت کے لیے) کچھ لوگ گئے دیکھا تو وہ بہت ہشاش بشاش تھے۔ سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا دو عمل میرے پاس ایسے ہیں کہ ان سے زیادہ بخشش کی امید مجھے کسی عمل پر نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ میں غیر ضروری باتیں نہ کرتا تھا۔ دوم یہ کہ تمام مسلمانوں کی طرف سے میرا سینہ صاف اور ٹھنڈا رہا کرتا تھا۔ (ابن ابی الدنیا)

(۸) حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ کسی آدمی سے اللہ تعالیٰ کے اعراض کرنے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اس کو بیکار باتوں کے مشغلہ میں الجھا دے۔

(۹) سہل تستریؒ فرماتے ہیں جو بے ضرورت باتیں کرے گا وہ راست گوئی سے محروم ہو جائے گا۔

(۱۰) معروف کرخیؒ فرماتے ہیں آدمی کی بیکار باتوں کا مشغلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو رسوا کرنے کی ایک علامت ہے۔

اس قسم کی احادیث اور بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا زیادہ تر تعلق اقوال ہی کے ساتھ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان بیکار اور بے حاجت قول و فعل چھوڑنے اور ضرورت کے مطابق بات اور اسی کے موافق کام کرنے کا عادی بن جائے تو اسے بشارت ہو کہ اب اس نے صفت احسان میں قدم رکھ دیا ہے اور اب اس کی ایک نیکی صرف دس یا سات سو نیکیوں ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ اس کے لیے رحمت کا وہ وسیع دروازہ کھل گیا ہے جس کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا نازک حسن بیکار باتوں کی ذرا سی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتا پھر آپ یہ کیا سمجھے بیٹھے ہیں کہ آپ کی غفلت اور من مانی آزادی کے بعد بھی اس کا بال بیکا نہیں ہوتا۔

دل کے خطرات اور بشری بھول چوک پر درگذر کی بشارت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسَهَا مَالَمْ یَتَکَلَّمُوْا اَوْ یَعْمَلُوْا بِهٖ. (رواه مسلم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے خاص میری امت کے حق میں وہ وساوس جو صرف ان کے دلوں میں گذریں معاف کر دیئے ہیں جب تک کہ وہ اپنی زبان سے ان کو ادا نہ کریں یا عملی جامہ نہ پہنائیں۔ (مسلم)

تشریح۔ جو وساوس کہ اپنے اختیار کے بغیر پیدا ہوں اور بلا توقف دل سے نکل جائیں یا کچھ ٹھہریں مگر اس کو عملی جامہ پہنانے کی دل میں کوئی فکر نہ ہو یا کچھ فکر تو پیدا ہو مگر کسی ایک جانب میلان خاطر نہ ہو، یہ سب اقسام اس امت کے حق میں معاف کر دیئے گئے ہیں۔ ہاں اگر کسی جانب رجحان پیدا ہو گیا ہے تو اگر یہ رجحان خیر اور نیک عمل کی طرف ہے تو اس پر اجر ہے اور اگر برائی کی جانب ہے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور اگر یہ خیال پختہ ہو کر عزم کی صورت اختیار کر گیا ہے تو پھر نیکی میں اجر یقینی ہے اور بدی کی صورت میں مواخذہ کا امکان ہے۔ حدیث مذکور میں جس مرتبہ کی معافی کا اعلان کیا گیا ہے وہ حدیث النفس ہے عزم نہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں وساوس وخطرات کی وہی قسم مراد ہے جو کسی قول یا عمل کے ابتدائی مراحل میں پیش آتی ہے۔ عقائد فاسدہ یا اخلاق رذیلہ جن کا تعلق صرف قلب سے ہے جوارح سے نہیں وہ یہاں مراد نہیں ہیں پس اگر خدا کی وحدانیت یا رسولؐ کی رسالت میں وساوس داخل ہو کر تردد کی حد تک پہنچ گئے ہیں تو قابل مواخذہ ہیں عقائد کے باب میں عزم ہی عزم درکار ہے۔ اسی طرح حسد، کینہ، کبر، فریب، مسلمان پر ناحق بدگمانی، یہ سب کے سب اعمال قلبیہ ہیں۔ حدیث مذکور سے ان کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس حدیث میں صرف ان وساوس کا ذکر ہے جو زناء وسرقہ جیسے افعال یا غیبت وغیرہ جیسے اقوال سے پہلے انسان کے دل میں گذرتے ہیں۔ پس اگر غیبت، زناء وسرقہ وغیرہ کرنے کی نوبت نہیں آتی اور یہ خیالات صرف دل میں گذر کر رہ جاتے ہیں تو شان رحمت ان کی معافی کا اعلان کرتی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قِيلَ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَیُّ الْاَدْيَانِ اَحَبُّ اِلَى اللهِ قَالَ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ. (رواہ احمد)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا سب دینوں میں اللہ تعالیٰ کو کون سا دین پیارا ہے؟ فرمایا ابراہیم علیہ السلام کا جو نہایت سہل اور آسان ہے۔ (مسند احمد، بزار، ادب المفرد، طبرانی)

تشریح۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ "الحنیفیة" وہ دین ہے جو ملت ابراہیمی کی طرح شعائر اللہ کے استحکام اور شعائر شرک کے استیصال اور رسوم فاسدہ عقائد باطلہ کے ابطال پر مبنی ہے اور "السمحة" وہ ہے جس کی تعلیم میں رہبانیت اور ناقابل برداشت مجاہدات نہ ہوں اور اس میں ایسی رخصتیں بھی موجود ہوں جو بوقت ضرورت بشری ضعف کو نبھالیں اور "البیضا" کا مطلب یہ ہے کہ اس دین کی علتیں اور حکمتیں ایسی واضح اور صاف ہوں کہ ہر ذی فہم کی سمجھ میں بآسانی آ سکیں (حجۃ اللہ ص ۱۲۸ مصری) حنیف دراصل وہ ہے جو ہر باطل سے بیزار ہو کر ایک مولیٰ حقیقی کا رخ کر چکا ہو۔ حضرت خلیلؑ کی زندگی طفولیت سے لے کر آخر تک اس خصوصیت کا مرقعہ تھی اس لیے انبیاء علیہم السلام میں یہ لقب ان ہی کا مشہور ہو گیا ہے ورنہ انبیاء علیہم السلام کا سب گروہ حنفاء تھا اب اصطلاح میں صرف ملت ابراہیمی ملت حنیفیہ کہلاتی ہے۔ دین محمدی چونکہ جملہ ادیان کی خوبیوں کا مجموعہ ہے اور ملت ابراہیمی کی بڑی خصوصیت یعنی یسر وسہولت تو اس کا سب سے نمایاں عنصر ہے اس لیے اور ملتوں کی نسبت ملت محمدیہ اس کے قریب تر ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تو اپنی تفسیر میں چالیس احکام شمار کر کے ایسے تحریر فرمائے ہیں جو ان ہر دو ملتوں میں تقریباً مشترک ہیں گویا دین محمدی کی زمین ملت ابراہیمی ہے اس لیے اس لقب پانے کی سب سے زیادہ مستحق یہی ملت ہے۔ ناظرین کے سامنے ان احکام کی مختصر فہرست پیش کرنا خالی از بصیرت نہ ہوگا۔

(۱) دشمنانِ خدا سے جہاد کرنا۔ (۲) بت شکنی۔
(۳) غیر اللہ کی منت نہ ماننا۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح نہ کرنا۔
(۵) رزق، شفا اور موت کو صرف مسبب الاسباب کے قبضہ قدرت میں تصور کرنا۔
(۶) اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا۔ (۷) کہانت باطل سمجھنا۔
(۸) بدفالی کا قائل نہ ہونا۔ (۹) کسی ساعت کو منحوس نہ سمجھنا۔
(۱۰) کواکب پرستی کا انکار کرنا۔ (۱۱) نجومیوں سے مستقبل کے واقعات دریافت نہ کرنا۔
(۱۲) آدابِ قربانی۔ (۱۳) خصالِ فطرت۔
(۱۴) جملہ افعالِ حج۔ (۱۵) کعبہ کا قبلہ ہونا۔
(۱۶) مصیبت پر صبر کرنا۔ (۱۷) نوحہ وغیرہ نہ کرنا۔
(۱۸) تصویر کی حفاظت اور مصوری سے اجتناب کرنا۔
(۱۹) ترک نکاح، ترک لذائذ، ترک لباس ونفائس اور گوشہ نشینی جیسے افعال اختیار نہ کرنا۔
(۲۰) عبادت میں اتنی افراط سے اجتناب کرنا جس سے حقوق العباد تلف ہوں۔
(۲۱) کسب معاش۔ (۲۲) بلا ضرورت سوال نہ کرنا۔
(۲۳) لباس صاف، ستھرا رکھنا۔ (۲۴) لہو ولعب سے احتراز کرنا۔
(۲۵) والد کو اولاد اور اولاد کو والد کے جرم میں گرفتار نہ کرنا۔ (۲۶) حرمت زناء وغیرہ۔
(۲۷) ستر عورت۔ (۲۸) ختنہ کرنا۔
(۲۹) عقیقہ کرنا۔ (۳۰) آدابِ ضیافت۔
(۳۱) پوشش ولباس کے احکام (۳۲) عبادت کے وقت اچھی ہیئت کا خیال رکھنا۔
(۳۳) اشہر حرام کا احترام کرنا۔ (۳۴) محرماتِ نکاح۔
(۳۵) نکاح میں شاہدوں کا ہونا۔ (۳۶) زکوٰۃ۔
(۳۷) چاشت کی چار رکعتیں۔ (۳۸) تحریمہ میں رفع یدین کرنا۔
(۳۹) رکوع کا سجدہ پر مقدم ہونا۔ (۴۰) نماز کی ہر نقل وحرکت میں تکبیر کہنا۔ (فتح العزیز ص ۴۹۶ و ۴۹۷)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام ہیں جو دونوں ملتوں میں مشترک ہیں یہاں سب کے استقصاء کا ارادہ نہیں کیا گیا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ. (رواه ابن ماجة)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کی بھول،

چوک اور وہ تمام باتیں معاف کردی ہیں جو ان سے بہ جبر کرائی جائیں۔

تشریح۔ خطاء ونسیان کی دو کمزوریاں انسان کے خمیر میں داخل ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہے۔ بنی ادم فنسیت ذریته خطاء ادم فخطاء ت ذریته. حضرت آدم علیہ السلام بھولے تو بھولنے کی سرشت ان کی اولاد میں بھی نمایاں ہوگئی، وہ چوکے تو اس قصور کا اثر ان میں بھی ظاہر ہو کر رہا اس لیے رحمت بھی ان پر مواخذہ نہیں کرتی اور ان کے عفو کا اعلان کرتی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں بندہ کے ارادہ واختیار کو دخل نہیں ہوتا اور جبر واکراہ کی حالت میں گو شعور، ارادہ اور اختیار موجود ہوتا ہے مگر جبر کی وجہ سے معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی ان تینوں حالتوں کا ذکر کیا ہے خطاء ونسیان کا حسب ذیل آیت میں:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا. (البقرة: ٢٨٦) "اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہ فرما۔"

خطاء ونسیان گو انسان کے ایک فطری ضعف کا اثر ہے لیکن پھر ان میں کچھ نہ کچھ اس کے تساہل اور لاپرواہی کا دخل ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نسیان اسی جگہ پیش آتا ہے جہاں آدمی کو زیادہ اہمیت نہیں ہوتی۔ اسی طرح خطاء بھی ضرور کسی نہ کسی بے احتیاطی ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ پس دعاء کے ان الفاظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ کی شان عبدیت کے یہ نامناسب ہے کہ وہ اپنے تساہل کو کوئی جرم ہی تصور نہ کرے۔ اس تصور سے اس میں تساہل اور بے احتیاطی کی سرشت اور پختہ ہوگی۔ اس کو یہ احساس کرنا چاہیے کہ معصیت گو نسیان وخطاء کی بناء پر سرزد ہوا اور گو شان رحمت اسے عفو بھی کردے مگر ہے قابل گرفت و مواخذہ۔ اس لیے پہلے اسے اپنے اس تساہل اور لاپرواہی کے جرم کا اعتراف کر لینا چاہیے پھر بارگاہ رحمت کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس کے عفو کے لیے دعا کرنا چاہیے۔ لفظ اِنْ جو شرط کے لیے آتا ہے یہاں اسی لیے استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری سعی وکوشش تو یہی تھی اور یہی آئندہ بھی رہے گی کہ ہم سے بھول چوک سے بھی تیری معصیت نہ ہو۔ لیکن اگر ضعف بشری کی بناء پر ہو جائے تو پھر تو اپنی شان ربوبیت کے صدقہ کے میں اس پر مواخذہ نہ کرنا۔

اکراہ کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل: ۱۰۶)
"جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو (اس سے مواخذہ نہیں)۔"

بندہ کی شان عبدیت تو یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں اس کی نظر اپنی کوتاہی کی طرف لگی رہے اور رب العزت کی شان رحمت یہ ہے کہ وہ ان مجرموں سے عفو ودرگذر کا اعلان کرتی رہے ؎

وہ بازی خطا کی جتاتے رہیں میں ان کے بھروسہ پہ ہارا کروں

اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث کا تعلق صرف اس بے نیاز کے حق سے ہے جس کا معصیت سے کچھ بگڑتا نہیں اور عفو سے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ بندوں کے حقوق کے ساتھ نہیں جو بہت بخیل اور کمزور ہیں اس لیے اگر ان صورتوں میں ان کے حقوق تلف ہوں گے تو ان کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔ ہاں ان کے تساہل کا جو گناہ تھا وہ معاف ہو جائے گا۔

دین محمدی کے سرتاسر سہل اور آسان ہونے کی بشارت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدِّيْنُ يُسْرٌ. (اخرجه احمد والبخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ دین بہت آسان ہے اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے تمہارے سب دینوں میں بہتر وہ ہے جو سب میں آسان ہو۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَلَنْ یُشَاءَ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَیْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ. (رواہ البخاری فی الایمان)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دین بہت آسان ہے جو شخص دین میں سختی کرے گا وہ اس پر غالب آجائے گا لہٰذا سیدھے رہو اور زیادہ بلند پروازیاں مت کرو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں ایسا آسان دین ملا ہے) صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کر کے (دین پر مداومت کے ساتھ عمل کرنے کی) قوت حاصل کرو۔

تشریح۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسی کے ہم معنی ایک اور روایت مجن بن اورع سے نقل کی ہے "**انکم لن تنالوا هذا الامر بالمغالبة وخير دينكم اليسرة**"۔ (تم دین کو زورآزمائی کر کے ہرگز نہیں پا سکتے تمہارا سب سے بہتر دین وہ ہے جو آسان ہو) ابن منیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عبادت میں جدوجہد کرنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اس افراط کی ممانعت ہے جس کا نتیجہ فرائض وواجبات کا ترک بن جائے۔ عزیمت پر عمل کرنا بے شک افضل ہے مگر خدا کی رخصتوں کو دائمی طور پر ترک کر بیٹھنا بھی سمجھ کی بات نہیں جو شخص تیمّم کے موقعہ پر ہمیشہ وضو کرنا ضروری تصور کرے گا اسے آخر ایک دن جھک مار کر خدا کی رخصتوں کے دامن میں پناہ لینا پڑے گی۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے زمانہ شباب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کردہ رخصتوں پر عمل نہ کیا آخر ضعف کے زمانہ میں انہیں پچھتانا پڑا اور یہ حسرت ہوئی کہ کاش انہوں نے آپ کی رخصت کو قبول کر لیا ہوتا۔

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا الدِّیْنَ مَتِیْنٌ فَاَوْغِلُوْا فِیْهِ بِرِفْقٍ وَلَا تُبَغِّضُوْا اِلٰی اَنْفُسِکُمْ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا اَبْقٰی (قَالَ الْعراقی فی تخريج الاحياء. (رواہ احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ دین نہایت موزوں اور مضبوط ہے اس کو نرمی کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کرو (اور زیادہ سختیاں اٹھا اٹھا کر) خدا کی عبادت سے اپنے دل میں نفرت نہ پیدا کرو کیونکہ زیادہ تیز رو مسافر اپنی سواری ہلاک کر دیتا ہے اور منزل مقصود طے کرنے سے بھی رہ جاتا ہے (یہی مثال عبادت میں حد سے زیادہ جدوجہد کرنے والے کی ہے)

تشریح۔ یہ نرمی اور سہولت ملت ابراہیمیہ کی بنیاد اور اساس ہے اور اس کی اسی بنیاد پر شریعت محمدیہ کی تعمیر اٹھائی گئی ہے۔ اگر اس پر تفصیلی بحث کی جائے تو ہمیں تمام شریعت پر ایک اجمالی نظر ڈالنا ہوگی۔ اور اس اجمال میں پھر اتنی تفصیل پیدا ہو جائے گی جس کی ہمارے ان مختصر نوٹوں میں جگہ نہیں ہے اس لیے ہم یہاں صرف وہ اصول تیسیر پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تحریر فرمائے ہیں ان کی روشنی میں آپ تمام شریعت کا جائزہ لے کر بآسانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ اس شریعت میں دوسرے ادیان کی نسبت سے کتنی سہولت کی رعایت رکھی گئی ہے۔ شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یسر وسہولت کے لیے حسب ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱) کسی عبادت کے لیے ایسی چیز کو رکن وشرط کی حیثیت نہ دی جائے جس کی ادائیگی میں دشواری ہو۔ شریعت محمدیہ میں ہر نماز کے

ساتھ مسواک کرنا اسی لیے لازم قرار نہیں دیا گیا۔ لولا ان اشق علی امتی لا مرتھم بالسواک عند کل صلوۃ کا مفہوم یہی ہے۔ یعنی اگر اپنی امت کے مشقت میں مبتلا ہو جانے کا مجھے خطرہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے ساتھ انہیں مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔

(۲) اگر کسی دشوار چیز کا حکم دیا جائے تو اس میں تدریج کا خیال رکھا جائے تا کہ اس دشواری میں پھر ایک سہولت پیدا ہو جائے شراب کی حرمت کا مسئلہ بالخصوص عرب کے لیے جتنی دشواری کا موجب ہوسکتا تھا ظاہر ہے لیکن اسی اصل کے پیش نظر اس کی صاف وصریح حرمت پہلے پہل نازل نہیں کی گئی بلکہ رفتہ رفتہ اس کی مذمت اور برائیاں اس انداز سے بیان کی گئیں کہ ان سے آئندہ صریح حرمت کے لیے قلب میں جگہ پیدا ہوتی چلی گئی۔ آخر کار تیسری بار صاف ممانعت نازل ہو گئی، اس طرح وہ حکم جو پہلے نا قابل عمل تھا اب خوشی خوشی قابل عمل بن گیا۔

(۳) طبعی میلان اور طبعی تنفر کا لحاظ بھی رکھا جائے اسی بناء پر اسلام میں غلام، نابینا، مجہول النسب شخص کی امامت کو پسند نہیں کیا گیا کہ بہت سے حالات میں ان کی امامت تنفر کا موجب بن سکتی ہے اسی طرح امام یا کسی مقتدیٰ و بزرگ کی موجودگی میں ان کی امامت کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے اسی لیے ان کی موجودگی میں دوسروں کی امامت ناپسندیدہ قرار دی گئی۔

(۴) انسان کی فطرت میں مسرت وغم کے موقعہ پر کچھ رسوم منانا بھی داخل ہے جن کی ادائیگی وہ اپنی زندگی کا ایک ثبوت سمجھتا ہے اس کے اس اقتضاء کی بھی رعایت کی جائے۔ عیدین اور جمعہ کی مشروعیت اسی اقتضاء کے پورا کرنے کے لیے ہے۔

(۵) اس دین کا ایک حصہ ایسا بھی ہونا چاہیے جس کی طرف رغبت کرنے میں طبیعت کے ساتھ عقل بھی شریک ہو تا کہ طبیعت وعقل ہر دو کی اجتماعی رغبت سے دین میں سہولت در سہولت پیدا ہو جائے۔ مسجد کی صفائی، جمعہ وعیدین کا غسل، خوش الحان مؤذن وامام وغیرہ کا حکم اسی نظریہ کے ماتحت ہے۔

(۶) عوام کے جذبات کی تاامکان رعایت کی جائے۔ خانہ کعبہ میں آمد ورفت کے لیے دو دروازہ قائم کرنے کا ارادہ آپ نے اسی لیے فسخ فرما دیا تھا کہ اس میں قریش کے جذبات کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ تھا مبادا وہ یہ خیال کر گذریں کہ آپ نے ان کے بزرگوں کی یادگار کی بھی کوئی پرواہ نہ کی اور ان کی قدیم بناء کو توڑ کر نئی تعمیر کر ڈالی۔ یہاں اسی مفسدہ کی خاطر اس مصلحت کو ترک کر دیا گیا مگر اس کے حدود کہاں تک ہوں گے یہ بہت طویل الذیل مسئلہ ہے۔

(۷) ارکان وشرائط کی تحدید وتعیین کی جائے مگر نہ اتنی کہ بجائے سہولت کے اور مصیبت بن جائے، ایک حد تک ان کو متعین بھی کر دیا جائے اور اس کے بعد ان کے عقلوں کے سپرد کر دیا جائے مثلاً قراءۃ فاتحہ نماز کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے مگر مخارج، حروف کی ادائیگی اور طرز قراءت کو معروف طریقہ پر چھوڑ دیا گیا ہے نماز کے لیے استقبال قبلہ ضرور شرط کیا گیا ہے مگر تعیین سمت قبلہ کے لیے براہین ہندسیہ، طول وعرض بلدہ کا علم شرط نہیں کیا گیا۔ رمضان کے روزوں کے لیے ماہ رمضان شرط کیا گیا ہے مگر یہاں بھی جنتری کا مکلّف نہیں بنایا گیا بلکہ صرف چاند کے طلوع پر مدار رکھ دیا گیا ہے اور ابر وغبار کی صورت میں تیس دن پورے کر لینا کافی سمجھ لیا گیا ہے۔

(۸) جو شخص دوسروں کے حقوق تلف کر دے اسکے حقوق بھی تلف کر دیئے جائیں۔ اسی قاعدہ کے ماتحت قاتل کو وراثت سے محروم کیا گیا ہے۔

(۹) علم کی اہمیت، وعظ ونصیحت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اتنا اہتمام کیا جائے کہ قانون الٰہی پر عمل کرنے کی تازہ روح پیدا ہو جائے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعائیں کرنا چاہیے کہ وہ اس قوم کو مہذب اور کامل بنا دے اور سکینہ واطمینان ان کے قلوب میں نازل فرمائے۔ اسلام میں کتاب الاذکار اور کتاب الدعوات اسی مقصد کے پیش نظر ہے۔

اگر مذاہب عالم کو ان دس اصول پر پرکھا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان اصول کی جتنی رعایت مذہب اسلام نے کی ہے اتنی اور ادیان نے نہیں کی اسی لیے مجموعی لحاظ سے جتنی سہولت اسلام میں ملتی ہے اور ادیان میں نہیں ملتی۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (آل عمران: ۸۵)

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا خواہش مند ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے ایسا کیوں ہوگا؟ جواب معلوم کرنے سے پیشتر عالم کے تمام مذاہب پر ایک نظر ڈال جایئے بہت سے مذاہب تو وہ ہیں جو الٰہی قانون ہونے کا اپنے پاس کوئی ثبوت نہیں رکھتے ان کے لیے تو معتبر مذہبوں کی صف میں کوئی جگہ ہی نہیں ہے اور اس لیے ان کے ساتھ دین حق کے تقابل وتوازن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ وہ مذاہب جو اپنے آسمانی دین ہونے کا ثبوت رکھتے ہیں ان کو اس سوال کا حق ہے اور ان ہی کے غور وفکر کے لیے یہ اعلان کیا گیا ہے۔ اپنے اپنے زمانے میں تمام مذاہب حق اور کامل ہی تھے لیکن ان کی صداقت اور کمال کی حیثیت ٹھیک وہی تھی جو اپنے اپنے دور میں سلسلہ ارتقاء کی ہر کڑی کی ہوا کرتی ہے کوئی کڑی اپنے دور کے لحاظ سے ناقص شمار نہیں ہوتی لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر بعد والی کڑی پہلی کڑی کے لحاظ سے کامل تر ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو ارتقاء کا مفہوم ہی بے معنی ہو کر رہ جائے اس لیے اگر کوئی پہلی کڑی بعد والی کڑی کی جگہ رکھ دی جائے تو اس ارتقائی دور کے لحاظ سے اس کو ناقص کہنا بھی غلط نہ ہوگا۔

پھر اگر ذرا اور غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں ناقص وکامل سوال کرنا ہی بے محل ہے۔ کیونکہ تقابل وتوازن کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دو چیزیں علیحدہ علیحدہ ہوں ایک ہی حقیقت کے مختلف مراتب ومدارج میں نقص وکمال کا سوال ہی بے حقیقت ہے جیسا کہ ایک شخص کے مختلف ادوار طفولیت وشباب میں۔ جب ایک چیز اپنے غیر ضروری اجزاء چھوڑتی اور اس سے کامل تر اجزاء اختیار کرتی چلی جاتی ہے تو اسی کو ارتقاء کہا جاتا ہے اس لحاظ سے ہر پہلی کڑی دوسری کے لیے بنیاد ہوتی ہے اور ہر دوسری کڑی پہلی کڑی کی نسبت سے کامل ہوتی ہے۔ اس کمال کے باوجود اس کی حقیقت پہلی کڑی کی حقیقت سے مختلف نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے تمام ضروری اجزاء اس کی حقیقت میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو صداقت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوئی اس کی حقیقت کبھی نہیں بدلی اس کے ضروری اجزاء ہر دور اور ہر زمانہ میں محفوظ ہی رہے پھر کچھ دور آئے جن میں دین حق کی شریعتوں کی گرفت قدرے سخت ہوگئی لیکن دور ارتقائی کی طبعی رفتار کے پیش نظر تھوڑے سے وقفے کے بعد گرفت کی وہ سختی ڈھیلی کر دی گئی اور اوامر ونواہی کے بوجھ ہلکے کر دیئے گئے اور جو پھندے کس دیئے گئے تھے ان کو کاٹ دیا گیا۔ یہاں تک کہ سچائی کی ایسی آسان راہ دکھا دی گئی جس میں نہ تو عمل کے لیے کوئی سختی تھی نہ عقل کے لیے کوئی بوجھ۔ اسی کا نام اسلام ہے اور اب یہ پیغام محمدی کا لقب مخصوص ہو گیا ہے ارتقاء کے ان ہی منازل کی جانب ذیل کی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائد:۱۳)

آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔ الخ

یعنی یہ کوئی نیا دین نہیں ہے بلکہ وہی دین ارتقاء کی منزلیں طے کرتے کرتے آج اپنے اوجِ کمال تک پہنچ گیا ہے۔ لفظ کمال میں دین کی اسی ارتقائی حرکت کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن کریم کی سب سے بڑی خصوصیت ”مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ“ کا حاصل بھی یہی ہے اور ”لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ“ کا عقیدہ بھی اس لیے سکھایا گیا ہے یعنی یہ سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں تھیں جو یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی رہیں اور اپنے اپنے دور میں سب ہی کامل تھیں، صورتیں بے شک مختلف رہیں مگر حقیقت ایک ہی تھی اس لیے یہاں تسلیم و انکار کی تفریق برداشت نہیں کی جا سکتی۔ ایک کا ماننے والا اس کا مکلّف ہے کہ وہ دوسرے کو بھی مانے اسی طرح ایک کا انکار کرنے والا اس جرم کا مرتکب ہے کہ اس نے دوسرے کا بھی انکار کر دیا ہے ”لاتخیروا بین الانبیاء“ کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام میں افضل و مفضول ہونے کے باوجود تخییر کی بحث اس لیے ناموزوں ہے کہ یہ سب ایک ہی پیغام اور ایک ہی صداقت کے حامل تھے ”لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی“ میں بھی یہی اشارہ ہے کہ دورِ کمال میں غیر کامل دور کی کسی کڑی کو لاکر رکھنے کے کوئی معنی نہیں وہ اپنے دور میں ہزار کامل سہی مگر اس دور میں ہرگز قابل عمل نہیں ہو سکتی، طلوع آفتاب کے بعد بجلی کے قمقموں سے روشنی حاصل کرنا دانائی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ آج اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بقید حیات ہوتے تو ان کے لیے بھی خدا کا یہی مذہب (اسلام) جو اب اپنی مکمل اور آخری صورت میں جلوہ گر ہو چکا ہے قابل اتباع ہوتا۔ پس اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ان کی تمام عظمتوں کے باوجود سوائے دین کامل کے اتباع کے کوئی راہ نہیں تو اب دنیا میں کس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسری راہ پر عمل پیرا ہونے کا مجاز ہو۔ اب نہ دو ہزار پہلے کا انسان موجودہ ترقی یافتہ انسان کے ساتھ ساتھ چل سکتا ہے اور نہ ہزاروں سال پہلا آئین موجودہ ضروریات کا حل کر سکتا ہے۔ فوز و فلاح، نجات اور کامیابی کی اب صرف یہی ایک راہ ہے اور اگر اس فطری ارتقاء کے بعد بھی کوئی شخص قدرت کی بخشائش سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا اور ان ہی راہوں پر چلنا چاہتا ہے جن کے صحیح نقوش اب مٹ چکے ہیں تو اس کو اختیار ہے لیکن اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اب اس کا یہ اتباع اسلام اور اس کی صداقتوں کا اتباع نہیں ہوگا بلکہ خواہشات کا اتباع ہوگا، جسے فلاح و نجاح کی راہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

اسلام کیا ہے؟ خدا کی رضامندی کی ایک زبردست دستاویز، اعتقادیات و عملیات کا مکمل نقشہ، انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے غیر فانی دستور العمل، زمانہ کفر کی ہر گمراہی کے عفو کا ضامن اور آئندہ اس کے ہر ضعف و نسیان پر تسامح کرنے کا روادار، اپنے حلقہ بگوشوں کی معمولی جدوجہد کا بڑا قدر دان اور انتہائی شکر گذار۔ غور فرمایئے اس کے بعد آپ چاہتے کیا ہیں کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی زمین پر آپ کی عقل کا بنایا ہوا یا آپ کی پسند کے موافق قانون نافذ ہو تو کیا آپ کے نزدیک ایک انسانی دماغ تمام عالم کی مختلف ضروریات کا احاطہ کر بھی سکتا ہے یا پورے طور پر ان کا ادراک بھی کر سکتا ہے اور اگر اس ناممکن مرحلہ سے گذر بھی جائے تو کیا ان کی ضروریات کے احساس کے بعد ان کے لیے مناسب آئین وضع بھی کر سکتا ہے اور اگر یہ مشکل بھی آسان ہو جائے تو اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ تمام عالم اس پر متفق بھی ہو سکتا ہے اور اگر فرد واحد کے ساتھ اس آئین سازی میں کچھ اور افراد بھی شامل کر لیے جائیں تو

یقیناً وہ بھی انسانوں کی غیر محدود کثرت کے مقابلہ میں ایک ہی فرد کا حکم رکھیں گے تو اگر درحقیقت ان سب مشکلات کا حل مشکل ہی مشکل ہے تو مذہب سازی کی دردسری اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ اسی مذہب کو کیوں قبول نہیں کر لیتے جسے قدرت کے رمز شناس ہاتھ نے تمام مزاجوں اور ضرورتوں کو سامنے رکھ کر بنایا ہے۔ جس میں گذشتہ مذاہب کے محاسن خود چن چن کر اٹھا لیے گئے ہیں پھر اس مجموعہ میں اور بہت سے محاسن شامل کر کے اس کو بہت مکمل اور انتہائی دلپذیر صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا ہے دنیا اس پر عمل کر کے زمین کی مالک اور آخرت کی وارث بن چکی جنہوں نے اس کو چھوڑا انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اب اگر اس کے بعد بھی آپ کے تلاش مذہب کی تشنگی نہیں بجھتی تو یقین کیجئے کہ آئندہ تا قیامت بجھے گی بھی نہیں۔ **فبأی حدیث بعده یومنون.**

اس مرحلہ پر آپ کے دل میں یہ شبہ گذر سکتا ہے کہ جس طرح دیگر مذاہب کے ارتقاء کے بعد اسلام وجود میں آیا اسی طرح تیرہ سو سال گذرنے کے بعد اب کوئی اور نیا دین آنا چاہیے، لیکن اکمال دین کی بشارت کے ساتھ اگر دنیا کے خاتمہ کا اعلان بھی نہ کر دیا جاتا تو عالم پر ایک غیر معلوم مدت گذرنے کے بعد حرکت ارتقائی شاید کوئی اور قانون منصۂ شہود پر لے آتی یا اس آخری قانون ہی کو کچھ مدت کے لیے ابھی اور مؤخر کر دیا جاتا مگر محفل عالم کی برخاستگی کے نوٹس نے یہ اُمید منقطع کر دی ہے اور یہ یقین کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اب آخری قانون یہی ہے اور اس کے بعد کسی دوسرے قانون کا انتظار عبث ہے۔

دنیا انصاف کے ساتھ غور کرے گی تو آسمانی ادیان میں آج روئے زمین پر اسے اسلام کے سوا کوئی دین قابل قبول نظر نہیں آئے گا۔ اسلام کا پہلا اعلان یہ ہے کہ ادیان سماویہ کی بنیاد فرقہ بندی اور تعصب پر نہیں ہے، ہر دین پہلے دین کا مصدق اور آئندہ کا مبشر بن کر آیا ہے۔ یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت یہ پیغام حق دنیا میں آیا تو اس نے خدا کے سب دینوں کی عظمت از سر نو زندہ کر دی۔ سب رسولوں کا احترام کرنا فرض ولازم قرار دے دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر کو اسی طرح کافر ٹھہرایا جیسا خدا کے سب سے بڑے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر کو۔ پہلے نبیوں کے سر جو تہمتیں لگا دی گئی تھیں تحقیق وتنقید کی روشنی میں ان کو غلط ثابت کیا۔ خدا کی مقدس کتابوں میں خفیہ سازشوں کا انکشاف کیا اور اس طرح ان کی عظمت رفتہ کو پھر قائم کیا اس نے پہلے رسولوں سے کٹ کر، اور پہلے دینوں کو جھوٹا کہہ کر، کسی نئے دین کی دعوت نہیں دی بلکہ اسی حقیقت کی طرف بلایا جس کی ان کے پیغمبر انہیں وصیت کر گئے تھے۔ تورات یہ نہیں کہتی کہ انجیل کو مت مانو اور انجیل یہ نہیں بتاتی کہ تورات غلط ہے اسی طرح قرآن یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تورات وانجیل خدا کی نازل کی ہوئی کتابیں نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے ماننے والوں پر یہ بھی حق لازم قرار دیتا ہے کہ تم ان کتابوں کو بھی خدا ہی کی کتابیں تصور کرو رسول عربیؐ یہ نہیں فرماتے کہ میرے سوا کسی پر ایمان نہ لاؤ بلکہ سب سے پہلے وہ خدا کے مقدس رسولوں کی عظمت کا سکہ دلوں میں قائم کرتے ہیں۔ اگر کسی مسلمان کی زبان سے جذبات محبت میں کوئی کلمہ ایسا نکل بھی جاتا ہے جس میں خدا کے دوسرے رسولوں کے ساتھ رقابت کی بو بھی پائی جاتی ہو تو آپ نہایت سختی کے ساتھ اسی حد پر اسے روک دیتے ہیں اور اس کے بعد اپنے متعلق عاجزی وانکساری سے ایسے بھرے ہوئے کلمات ارشاد فرما دیتے ہیں جن کے بعد جذبات رقابت یک لخت سرد ہو کر رہ جاتے ہیں۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ جو دین اپنے عالمگیر ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے اسے ایسی ہی تعلیمات کا مجموعہ بن کر آنا چاہیے جن میں

تمام عالم کے لیے یکساں جاذبیت موجود ہو وہ زمانہ ماضی میں کسی صداقت پر عمل کرنے والے کی تغلیط نہ کرتا ہو اور آج جب اپنی طرف دعوت دے تو یہ کہہ کر دعوت دے کہ تم میری دعوت کی اپنی کتاب سے تصدیق کرلو خدا چاہتا ہے کہ اب بکھرے ہوئے ادیان وملل کو ایک دین اور ملت بنا دیا جائے۔ دنیا کی ابتداء میں ایک ہی دین تھا اس کے خاتمہ پر پھر ایک ہی دین، ایک ہی ملت رہ جائے صراط مستقیم میں عقلی طور پر بھی تعدد کی گنجائش نہیں اس لیے فرقے اور پارٹیاں جو کچھ بنائیں پیروانِ مذہب نے بنائیں، باہمی رقابت اور عصبیت کے جراثیم جو کچھ پھیلائے انہوں نے ہی پھیلائے۔ فروعی اختلاف کو دین کی اساس سمجھ لیا اور اساسی مسائل کی اہمیت کو پس پشت ڈال دیا۔ اگر یہود ونصاریٰ غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اسلام ان سے ایسی کسی ایک بات کا بھی مطالبہ نہیں کرتا جو ان کی کتابوں کے خلاف ہو وہ مطالبہ کرتا ہے تو یہ کہ تم نے صحیح طور پر عیسیٰ علیہ السلام کا مقام نہیں پہچانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو ٹھیک نہیں سمجھا۔ تورات وانجیل کی صحیح تعلیمات تم نے حاصل نہیں کیں، تم ایک فرضی عیسیٰ (علیہ السلام) ایک موہوم موسیٰ (علیہ السلام) ایک خود تراشیدہ تورات وانجیل پر ایمان رکھتے ہو اس لیے تم کو حقیقت کا سراغ نہیں لگتا۔ بس تم اتنا ہی کرلو کہ اپنے نبیوں کو صحیح طور پر پہچان لو اور ان کی تعلیمات پر صحیح طور سے عمل پیرا ہو جاؤ تو جو رسول تمہارے سامنے آیا ہے وہی تمہیں اپنا رسول نظر آنے لگے گا۔ خدا کی کتاب جو تمہارے لیے بھیجی جارہی ہے وہی اپنی کتاب معلوم ہونے لگے گی۔ وہی شعلہ طور، وہی ید بیضاء، وہی دم عیسیٰ دیکھنا ہو تو اب یہاں آ کر دیکھو۔ تورات کے وہی پرشوکت احکام۔ انجیل کی وہی سادہ اور رقت انگیز تعلیمات، زبور کی حمد وثناء کے وہی ترانے پھر سننے ہوں تو یہاں آ کر سنو، یہ اس لیے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے تمام برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کی شانوں کا مجموعہ بن کر آ گئے ہیں۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

قرآن کریم خدا کی تمام متفرق صداقتوں کو اپنے دامن میں جمع کیے ہوئے نازل ہوا ہے، کیا وہی صداقت، وہی سچائی اگر تورات میں ہو، انجیل میں ہو تو قابل تسلیم ہو، اور اگر وہی قرآن میں ہو تو قابل انکار ہو سکتی ہے کیا وہی رسول اگر اس کی بشارت موسیٰ علیہ السلام اور عیسی علیہ السلام دیں تو قابل انتظار ہو اور جب وہی تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے تو لائق انکار ہو سکتا ہے۔ پھر صرف ان چند مسائل کی بناء پر جو تمہارے ہی لیے تخفیف، تمہارے ہی لیے سہولت کا موجب تھے یہ عداوت یہ ضد کیوں ہے ایسی عالمگیر تعلیم، جذبات سے اتنی خالی، فرقہ پرستی اور تعصب سے اتنی دور، گذشتہ اور موجودہ ادیان سماویہ کا اتنا احترام سکھانے والی، پھر ضروریات زمانہ کے لیے اتنی مناسب اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے ایک ایک شوشے کے ساتھ اتنی محفوظ۔ اگر دین اسلام کے سوا کسی اور دین میں موجود ہو تو بے شک اس کو اسلام کے مقابلہ میں آنے کا حق ہو سکتا ہے لیکن ان تمام صفات کے ساتھ موصوف تو کیا اگر کسی ایک صفت میں بھی اس کے ہم پلہ نہیں ہے تو یقیناً آج بھی اس کی پیروی نامنظور اور کل بھی خسارہ ونقصان کا موجب ہونا چاہیے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (آل عمران: ۸۵)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا

7

مِنِّیْ دِمَائَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللهِ. (رواه الخمسة)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں اس بات پر مامور ہوں کہ اس وقت تک برابر جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اس کے پیغمبر ہیں، نمازیں اچھی طرح پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں جب ان احکام کو مان لیں تو اب مجھ سے اپنی جان اور مال کو بچالیں گے ہاں بجز اس صورت کے جو اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہو اس کے بعد ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے (وہ جانے کہ ان کا اسلام محض نمائشی تھا یا دل سے)

تشریح۔ یعنی جب مشرکین کے ساتھ کسی سبب سے جنگ چھڑ جائے تو اب اس کے ختم کرنے کی قطعی صورت صرف ایک ہے کہ وہ خدا کی توحید اور تمام پیغمبروں کی تصدیق کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تسلیم کرلیں۔ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کریں اس کا نام اسلام ہے۔ اسلام کے سوا کسی بھی مذہب کی تبدیلی سے جنگ ختم نہیں کی جاسکتی بلکہ اگر اسلام کے کسی ایک رکن کے انکار پر بھی اصرار باقی ہے جب بھی اسلام کی تلوار برابر چمکتی رہے گی۔ ہاں دائرہ اسلام میں آجانے کے بعد یہ تحقیق بھی نہیں کی جائے گی کہ یہ اسلام حقیقی تھا یا محض نمائشی اور وقتی۔ اس آئین کے ماتحت جب عہد نبوت کا نقشہ جنگ دیکھا جاتا ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ٹھیک اس وقت جب کہ جنگ نہایت گرما گرمی سے ہو رہی تھی اگر دشمن نے ''صبأنا صبأنا'' (ہم اپنے دین سے نکل گئے) کے نامانوس الفاظ کے ساتھ بھی اپنے اسلام کا اظہار کر دیا ہے اور خالد بن ولید جیسے جرنیل نے اپنی تلوار نیام میں نہیں کی تو اس کی خبر پہنچنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط تأثر سے فوراً آسمان کی طرف یہ کہتے ہوئے ہاتھ اٹھا دیئے ہیں ''پروردگار! یہ جو کچھ کیا خالد نے کیا میں اس سے بری ہوں۔'' یا اگر کسی مشرک نے کسی مسلمان کا بازو کاٹ ڈالا ہے اور جب دست بریدہ مسلمان کا قابو چلتا دیکھا تو فوراً کلمہ اسلام پڑھ کر پناہ لینے کا ارادہ کیا ہے تو اس وقت بھی آپؐ نے اس مسلمان کی کوئی حجت نہیں سنی اور یہی حکم دیا کہ وہ اس کے بازو تک پہنچی ہوئی تلوار نیچی کرلے۔

اس حدیث میں قتل کی بجائے قتال کا لفظ چاہتا ہے کہ یہاں اس جنگ کا تذکرہ ہے جس کی ذمہ داری مسلمانوں پر نہیں ہے بلکہ اس میں مشرکین کا بھی بڑا ہاتھ ہے اس لیے اس کو اسلام پر جبر و اکراہ کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ عبارت یوں ہونا چاہیے تھی ''امرت ان اقتل الناس'' مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں مشرکین کو قتل کرتا رہوں، تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور یہی وجہ ہے کہ عہد نبوت میں ایک واقعہ بھی ایسا ثابت نہیں ہوتا جہاں محض اسلام پر مجبور کرنے کے لیے آپ نے کسی پر چڑھائی کی ہو۔ اگر اسلام جبر و اکراہ اور زبردستی کے تبدیل عقیدے کو جائز قرار دیتا تو دائرہ اسلام میں آجانے والوں کے لیے اتنا اغماض کیوں کرتا کہ امام یہ تحقیق بھی نہ کرے کہ ان کا یہ اسلام کہیں نمائشی تو نہیں ہے بلکہ حکم یہ ہوتا کہ جب تک ان کے اسلام کی طرف سے مکمل اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے۔

صلح اور جزیہ بھی اگرچہ جنگ ختم کرنے کا سبب بنتے ہیں مگر یہ دونوں صورتیں طرفین کی رضامندی پر موقوف ہیں۔ فریق محارب صلح کی درخواست کرے گا یا جزیہ دینا قبول کرے گا تو اس کی درخواست قبول کی جاسکتی ہے لیکن جنگ ختم کرنے کا وہ حتمی اور یقینی سبب جو صرف دشمن کے ہاتھ میں ہے اسلام ہے۔ اس مرحلے پر قبول اسلام کے لیے جبر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ

اسکے برعکس یہاں اس سبب کا بیان ہے جس کو اختیار کر کے مشرکین مسلمانوں کو جنگ ختم کرنے کے لئے مجبور کر سکتے ہیں۔

صحیح مسلم کے ایک طریقہ میں اتنا اور ہے کہ آپ نے حدیث مذکور بیان فرما کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ: ۲۱. ۲۲) آپ انہیں سمجھائے جائیے کیونکہ آپ کا کام سمجھانا ہی ہے آپ ان پر داروغہ مقرر نہیں کئے گئے ہیں۔

اب غور کیجئے اگر حدیث کے پہلے حصہ میں جبر واکراہ کا کوئی ہلکا سا مفہوم بھی موجود ہوتا تو پھر اس کے ساتھ اس آیت کو تلاوت کرنے کا کیا مطلب ہے، یہ تو کھلا ہوا اختلاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو دلوں میں ڈال دینا رسول کا منصب ہی نہیں یہ کام خدائے قدوس کا ہے اس کا کام صرف وعظ وتذکیر کے ذریعہ اسلام کی خوبیاں بیان کر دینا ہے، تلوار کے ذریعہ سے کسی چیز کی خوبی نہ تو دلوں میں بٹھائی جا سکتی ہے اور نہ اس کا منصب نبوت سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ جبر واکراہ کے مضمون کے ساتھ صحیح مسلم کے اس ٹکڑے کا کوئی جوڑ نہیں ملتا۔ جبر کے ہوتے ہوئے آپ **مصیطر** تو ہو سکتے ہیں۔ مذکر نہیں ہو سکتے اس لیے یہ بدیہی ہے کہ یہاں قبول اسلام پر مجبور کرنے کے لیے جنگ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مشرکین کی جو جنگ اسلام کے ساتھ جاری تھی اس کے ختم کر دینے کی یہ ایک قطعی شکل بیان کی گئی ہے اور شکل بھی ایسی جو ان کی مرضی پر موقوف ہو۔ جنگ انہوں نے شروع کی اس لیے اب ختم بھی انہیں ہی کو کرنی ہوگی۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِيْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا فَاَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَاُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً. (رواہ الخمسۃ الا ابا داؤد)

جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانچ باتیں مجھے خاص طور پر عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پیشتر کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر رعب وخوف ڈال کر میری مدد کی گئی ہے، تمام روئے زمین میرے لئے مسجد اور (پانی نہ ہونے کی حالت میں پاک کرنے کا آلہ بنا دی گئی ہے تو میری امت میں جس کو جہاں نماز کا وقت آ جائے وہیں پڑھ لے۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے، مجھ سے پیشتر کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا۔ شفاعت کبریٰ کا حق صرف مجھے بخشا گیا ہے۔ مجھ سے پہلے جو نبی تھے وہ خاص اپنی ہی قوم کے لیے ہوتے تھے میں تا قیامت تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کا ان پانچ ہی میں انحصار نہیں ہے ان کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبری میں جمع کیا ہے اس سلسلہ میں سب سے بڑی خصوصیت آپ کی بعثت عامہ ہے۔ یعنی یہ کہ آپ کائنات ارضی کی تمام آبادیوں کے لیے نبی ورسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اسی بعثت عامہ کا یہ قدرتی تقاضا ہے کہ اب روئے زمین پر شریعت محمدی کے علاوہ کسی شریعت کی پیروی کرنا نجات کے لیے کافی نہیں۔ حتیٰ کہ دین کامل کے اس دور میں اگر موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی تشریف لائیں تو ان کے لئے بھی اسی دین کی پیروی کرنا ناگزیر ہے کیونکہ اب یہی دین اور یہی شریعت ہے۔ جس میں تمام آسمانی صداقتوں کی روح اپنے تمام کمالات کے ساتھ سمو دی گئی ہے۔ حضرت نوح

علیہ السلام کی بعثت کے متعلق بھی عام ہونے کا شبہ کیا گیا ہے مگر وہ اس لیے صحیح نہیں کہ اول تو ان کے زمانہ تک معمورۂ عالم شاید اتنی وسعت کے ساتھ آباد بھی نہ ہوا ہوگا گمان غالب یہ ہے کہ اس نو آباد کرۂ زمین پر صرف ان ہی کی قوم ہوگی اس لیے عموم بعثت کا مفہوم قدرۃً ان ہی میں منحصر ہونا چاہیے اور اگر اس سے آگے بھی عموم تسلیم کرلیا جائے تو بہت سے بہت اس کا احاطہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ حیات تک ہوسکتا ہے۔ شیخ تقی الدینؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ توحید اور اصول دین کے لحاظ سے اگر چہ تمام انبیاء کی بعثت عام تھی، مشترکہ صداقتوں کی دعوت ہر نبی جسے چاہے دے سکتا تھا لیکن منہاجوں اور شریعتوں کی دعوت اپنی اپنی قوم کے ساتھ مخصوص تھی مگر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ اس میں نہ تو قوموں کی تخصیص ہے، نہ شریعت میں کسی قوم کی، نہ زمان ومکان کی بلکہ حیات ووفات کی قید بھی نہیں۔ یہاں تک کہ جن وانس کی بھی کوئی تخصیص نہیں اور اگر غیر مکلّف یا جمادات بھی انوار نبوت سے غیر شعوری طور پر مستفیض ہوسکتے ہوں تو وہ بھی بلاشبہ اس کے احاطہ میں داخل ہیں۔ غرض یہ عموم واطلاق یا خالق کی خالقیت وربوبیت کے لیے ہے اور یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے لیے۔ وہ رب العالمین ہے تو یہ رحمۃ للعالمین۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى ۔

(۲) ساز وسامان کے ساتھ دشمن کا مرعوب ہونا عام بات ہے لیکن بے سروسامانی میں اس کا لرزہ براندام ہوجانا آپ کی خصوصیات میں ہے۔ ایک ماہ کی مسافت کی تخصیص صرف اس بناء پر ہے کہ اس وقت آپ کی عداوت کا دائرہ زیادہ تر اسی مسافت کے اندر اندر تھا۔ (عمدۃ القاری)

(۳) پہلی امتوں پر نماز کے لیے گرجا وکنیسہ کی پابندی تھی اس امت کے لیے وقت کی پابندی زیادہ ضروری ہے مسجد کے بغیر بھی نماز ادا ہوسکتی ہے اس لیے مسجد کی تلاش میں وقت نہ جانا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مساجد کی تعمیر سے قبل مرابض غنم یعنی بکریوں کے بندھنے کی جگہ بھی نماز اداء کرلی گئی ہے۔

(۴) اس امت سے پیشتر بھی مال غنیمت خدا کی ملک سمجھا جاتا تھا اور اب بھی اسی کی ملک سمجھا جاتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے آگ آسمان سے آکر اسے جلا دیتی تھی اور یہی بنی اسرائیل جیسی حریص قوم کے لیے مناسب بھی تھا۔ اب اس ناتوان و نادار امت کے مناسب یہ سمجھا گیا کہ اس مال کو خدا کی مقرر کردہ تقسیم کے مطابق پھیلا دیا جائے۔ یہاں نادان تو ہر لوٹ کے مال کو مال غنیمت کہہ دیتا ہے اور دانا دشمن اسے لوٹ کھسوٹ کا ذریعہ سمجھتا ہے اصل بات نہ یہ ہے نہ وہ۔

(۵) محشر میں جب شان کبریائی کسی سے خطاب نہ کرے گی تو اس عقدہ کشائی کے لیے اہل محشر کسی شفیع کی تلاش کریں گے رب العزت نے اس کام کے لیے اپنے قہر وغضب کے سب سے بڑے مظاہرے کے دن اپنی سب سے بڑی رحمت کو منتخب کیا ہے تاکہ جب عین غیظ وغضب کے حال میں رحمۃ للعالمین سامنے آجائیں تو "سبقت رحمتی غضبی" کے قاعدہ کے مطابق اقتضاء رحمت غضب کے اقتضاء پر غالب آجائے اور بے یار ومددگار مخلوق سے حساب وکتاب شروع ہو جائے اسی کا نام شفاعت کبریٰ ہے اور یہ صرف آپؐ ہی کا حصہ ہے اس کے بعد بہت سی اور سفارشیں ہوں گی انہیں شفاعت صغریٰ کہتے ہیں، اس میں شفاعت اکبر کے بہت سے امتیوں کا بھی حصہ ہے۔

اہل کتاب میں جو شخص ایمان لائے گا اس کو دو اجر ملیں گے

حَدَّثَنِیْ اَبُوْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَّهُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِيِّهٖ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَةٌ يَطَاُهَا فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَاْدِيْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ اَعْطَيْنَا كَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ وَقَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيْمَا دُوْنَهَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ. (رواہ البخاری وغیرہ)

ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخصوں کو دو اجر ملیں گے ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ دوسرا وہ غلام جو خدا کا حق ادا کرے اور اپنے آقاؤں کا بھی، تیسرا وہ شخص جس کی باندی تھی وہ اس سے صحبت کرتا تھا پہلے اس کو خوب سلیقہ شعار بنایا، خوب تعلیم دی پھر آزاد کیا اور اس سے نکاح کرلیا اس کو بھی دو اجر ملیں گے عامر (راویٔ حدیث اپنے شاگرد سے کہتا ہے) ہم نے تو ایسی بیش بہا حدیث تمہیں کسی رنج وتعب کے بغیر سنادی پہلے اس سے معمولی حدیث کے لیے مدینہ تک سفر کیا جاتا تھا۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ ہر شخص کی فطرت ہے کہ اس کو اپنے دین سے ایک والہانہ محبت اور دوسرے دین سے رقابت کا تعلق ہوتا ہے اس لیے اپنا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرنا فطرۃً شاق گذرتا ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ ادیان سماویہ میں کوئی رقابت نہیں ہے، پارٹیاں نہیں ہیں اس لیے ان مذاہب کے پیروؤں کو بھی یہی جذبہ رکھنا چاہیے یہ ایک ہی صدقت کی کڑیاں ہیں، ایک دین کے مصدق کو دوسرے دین کی تصدیق لازم ہے اس لیے اگر کوئی اہل کتاب اسلام قبول کرے تو اس کو یہ وسوسہ نہ گذرنا چاہیے کہ اپنے نبی پر اس کا ایمان رائیگاں چلا گیا۔ بلکہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے تو دو اجر کا مستحق ہوگا ہاں یہ یقینی ہے کہ اگر آپ پر ایمان نہ لایا تو پہلے ایمان کا اجر بھی حبط ہوجائے گا۔ کیونکہ رسولوں کے درمیان ایمان کے بارے میں تفریق نہیں کی جاسکتی جو ایک کا منکر ہے وہ سب ہی کا منکر شمار ہوگا۔ اس بشارت میں دراصل اہل کتاب کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے ایمان کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہی ہے کہ آپ کی ذات ستودہ صفات پر بھی ایمان لے آئیں اور کیوں ایمان نہ لائیں جب کہ ان سب نبیوں پر ایمان لانا آپ کی دعوت کا جزء ہے۔ پس آپ پر ایمان لانا ان سب پر ایمان لانا اور آپ کا انکار، ان سب کا انکار ہے اس لیے اگر وہ خدا کے دین یا خدا کے رسولوں کے متعلق فرقہ پرستی کی اسپرٹ رکھیں گے تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام اس کو برداشت نہیں کرے گا اور الٹا ان کا حاصل کردہ اجر بھی برباد ہوجائے گا۔ خلاصہ یہ کہ ایمان لانا سب انبیاء علیہم السلام پر ضروری لیکن منہاج اطاعت صرف اسلام میں منحصر ہے۔

ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ جتنا گہرا ہوا تنا ہی فضیلت کا موجب ہے

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ بِیْ وَرَاٰنِیْ مَرَّةً وَطُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ بِیْ وَلَمْ يَرَنِیْ سَبْعَ مَرَّاتٍ. (رواہ احمد وذکرہ السیوطی)

انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو تو ایک بار مبارکباد اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور پھر ایمان لایا اس کو بار بار مبارکباد۔ احمد۔

تشریح:۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے اس کی ابتداء میں اتنا قصہ اور مذکور ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بڑی حسرت کے انداز میں عرض کیا کہ آپ لوگوں نے تو اپنی ان آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا جی ہاں۔ اس پر اس شخص نے کہا مبارک ہو اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تو لیجئے آپ بھی مجھ سے ایک ایسی حدیث سن لیجئے جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے اس کے بعد حضرت انسؓ کی اسی حدیث کا مضمون ذکر کیا صرف اتنا فرق ہے کہ اس کے آخر میں سبع مرات کی بجائے ثلاث مرات کا لفظ ہے۔ (درمنثور ج۱ص۲۷)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ جُلُوْسًا فَذُكِرَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا سَبَقُوْنَا بِهٖ فَقَالَ عَبْدُاللهِ اِنَّ اَمْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بَيِّنًا لِمَنْ رَاٰهُ وَالَّذِيْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ مَا اٰمَنَ اَحَدٌ قَطُّ اِيْمَانًا اَفْضَلَ مِنْ اِيْمَانٍ بِغَيْبٍ ثم قرأ (آلٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ الى قوله المفلحون) هكذا رواه ابن ابى حاتم وابن مردويه والحاكم فى مستدرك من طرق عن الاعمش به فى التفسير وقال صحيح على شرط الشيخين.

عبدالرحمٰن بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے فضائل کا تذکرہ چھڑ گیا اس پر عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ہر اس شخص کے سامنے جس نے آپ کو دیکھا تھا بالکل صاف اور عیاں تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا خدا کوئی نہیں۔ کوئی شخص ایمان نہیں لایا جس کا ایمان بن دیکھے ایمان سے افضل ہو، پھر اس کے ثبوت میں انہوں نے یہ آیت پڑھی (الم یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، متقیوں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں) (حاکم ابن کثیر)

تشریح:۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ صحابہ کرام اپنی سابقیت، دین کی بروقت نصرت اور مشاہدہ ومغازی میں صبر واستقامت کی وہ مثال دنیا میں قائم کر گئے ہیں کہ اب ان کے مقابلہ میں تمام امت میں سے کسی کا کوئی عمل بھی قابل ذکر نہیں ہوسکتا اس لیے ان کے فضائل کا تذکرہ بالکل برمحل اور بجا تھا لیکن حضرت ابن مسعودؓ چونکہ اس مقدس جماعت کے خود بھی ایک ممتاز فرد تھے ان کی شان تواضع نے اپنے منہ پر اپنی تعریف سننی گوارا نہ کی اور آئندہ امت کے لئے بھی ایک ایسی امتیازی فضیلت ذکر کر دی جس سے یہ شبہ گزرنے لگا کہ میدان فضیلت میں اگر وہ صحابہ سے پیش پیش نہیں تو ان سے بہت پیچھے بھی نہیں۔ ایمان بالغیب کی جو صفت یہاں ذکر کی گئی ہے صحابہ کرام اس میں بھی بقیہ امت سے پیشگام تھے لیکن رسول کی پر از صدق وصفا شخصیت چونکہ ان ضعفاء امت کے سامنے نہ ہوگی اس لئے اس بزرگ صحابی کو اُن کے دل بڑھانے کا ایک موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔

درمنثور میں بعینہ یہ مکالمہ حارث بن قیسؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان ذکر کیا ہے۔ ج۱ص۲۶۔

عَنْ اَبِیْ مُحَيْرِيْزٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ جُمْعَةَ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ حَدِّثْنَا حَدِيْثًا سَمِعْتَهٗ مِنْ رَسُوْلِ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ اُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا جَيِّدًا تَغَدَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ هَلْ اَحَدٌ خَيْرٌ مِنَّا؟ اَسْلَمْنَا مَعَكَ وَجَاهَدْنَا مَعَكَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُوْنَ بِيْ وَلَمْ يَرَوْنِيْ. (رواہ احمد)

ابومحیریز بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابو جمعہؓ سے کہا آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو۔ انہوں نے فرمایا بہت اچھا، لو میں تم سے ایک بہت عمدہ حدیث بیان کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا اس وقت ابوعبیدہ بن الجراح بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم سے بھی کوئی اور قوم بہتر ہوسکتی ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کئے۔ آپ نے فرمایا ہاں ایک قوم ہوگی جو تمہارے بعد میں آئے گی وہ بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لے آئے گی۔ احمد۔ حاکم۔ ابن کثیر۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْتُ اَنِّيْ لَقِيْتُ اِخْوَانِيْ قَالَ فَقَالَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ اِخْوَانُكَ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِيْ وَلٰكِنْ اِخْوَانِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِيْ وَلَمْ يَرَوْنِيْ. (رواہ احمد)

انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہم بھی تو آپ کے (خادم اور) اسلامی بھائی ہیں آپ نے فرمایا تم تو میرے صحابہ ہو اور بھائی وہ لوگ ہیں جو دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ یعنی تمہیں تو اخوت کے ساتھ میری صحبت کا شرف بھی حاصل ہے اور اس وقت بھائی سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو مجھ پر آئندہ ایمان لائیں گے انہیں رشتہ ایمانی کی وجہ سے صرف اخوت تو حاصل ہوگی مگر شرف صحبت نصیب نہ ہوگا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِيْ لِيْ حُبًّا نَاسٌ يَكُوْنُوْنَ بَعْدِيْ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْرَاٰنِيْ بِاَهْلِهٖ وَمَالِهٖ. (رواہ مسلم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مجھ سے زیادہ محبت رکھنے والے افراد تو وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ اپنا گھر بار، اور مال سب قربان کر کے کسی طرح مجھ کو دیکھ پاتے۔ (مسلم)

تشریح:۔ رحمۃ للعالمین کی یہ صرف ایک قدر دانی اور ہمت افزائی کی بات تھی کہ آپ نے آنے والی امت کے لئے بھی ایک سامان تسلی چھوڑ دیا ہے اور وہ یہ کہ اگر وہ آپ کے شرف دیدار سے محروم رہ گئی تو غم نہ کھائے اصل شرافت سے وہ بھی محروم نہیں ہے شرافت کا اصل رشتہ محبت و ایمان ہے۔ شرافت دیدار بھی اسی وقت شرافت شمار ہوتی ہے جبکہ اسی رشتہ ایمانی کے ساتھ ہو۔ اسی رشتہ سے صحابہ نے میدان فضائل جیتے اور اسی رشتہ سے آئندہ امت بھی فضائل و کمالات کے بڑے بڑے میدان جیت سکتی ہے۔ یہ رشتہ صحابہ کو تو دیکھ کر حاصل ہوا اور بیشک ان کا ایک بڑا کمال تھا لیکن ایک حیثیت سے یہ کمال بھی کچھ کم نہیں کہ دیکھے بغیر وہی جذبہ جاں نثاری، اسی نمونہ کے ایثار و قربانی کا ذوق ان کو حاصل ہو جائے جو دیکھنے والوں کو حاصل تھا۔ اگر اس قسم کی ہمت

افزائی کے کلمات احادیث میں نہ آتے تو آنیوالی امت کے لئے یہ بڑے اضطراب و بے چینی کا موجب بن جاتا۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْجُهَنِیْ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ رَاكِبَانِ فَلَمَّا رَاٰهُمَا قَالَ كِنْدِیَّانِ مَذْحِجِیَّانِ حَتّٰی اَتَیَاهُ فَاِذَا رِجَالٌ مِنْ مَذْحِجٍ قَالَ فَدَنَا اِلَیْهِ اَحَدُهُمَا لِیُبَایِعَهٗ قَالَ فَلَمَّا اَخَذَ بِیَدِهٖ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ مَنْ رَاٰكَ فَاٰمَنَ بِكَ وَصَدَّقَكَ وَاتَّبَعَكَ مَاذَا لَهٗ قَالَ طُوْبٰی لَهٗ قَالَ فَمَسَحَ عَلٰی یَدِهٖ فَانْصَرَفَ ثُمَّ اَقْبَلَ الْاٰخَرُ حَتّٰی اَخَذَ بِیَدِهٖ لِیُبَایِعَهٗ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ مَنْ اٰمَنَ بِكَ وَصَدَّقَكَ وَاتَّبَعَكَ وَلَمْ یَرَكَ قَالَ طُوْبٰی لَهٗ ثُمَّ طُوْبٰی لَهٗ ثُمَّ طُوْبٰی لَهٗ قَالَ فَمَسَحَ عَلٰی یَدِهٖ فَانْصَرَفَ. (رواہ احمد)

ابوعبدالرحمٰن جہنی روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ دوسوار (سامنے سے آتے) نظر آئے۔ جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ دونوں کندہ کے باشندے اور مذحج قبیلہ کے لوگ معلوم ہوتے ہیں جب وہ آ گئے تو اس قبیلہ کے کئی آدمی اور تھے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں ایک شخص بیعت کے لیے آپ کے قریب آیا جب اس نے آپ کا دست مبارک ہاتھ میں لیا تو بولا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آپ کی زیارت کی، آپ پر ایمان لے آیا اور آپ کا اتباع بھی کیا فرمایئے اس کو کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا اس کے لیے مبارک ہو۔ یہ سن کر تبرکاً اس نے آپ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا پھر دوسرا آگے بڑھا اس نے بھی بیعت کے لئے آپ کا ہاتھ میں ہاتھ لیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آپ کو نہیں دیکھا اور آپ پر ایمان لے آیا، آپ کی تصدیق کی اور آپ کا اتباع بھی کیا فرمایئے اس کو کیا ملے گا آپ نے فرمایا اس کو مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو (تین بار مبارکباد دی) اس نے بھی آپ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا۔ (احمد)

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَیْكُمْ اِیْمَانًا قَالُوْا الْمَلَائِكَةُ قَالَ وَمَالَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالُوْا فَالنَّبِیُّوْنَ قَالَ وَمَالَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْیُ یَنْزِلُ عَلَیْهِمْ قَالُوْا فَنَحْنُ قَالَ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَیْنَ اَظْهُرِكُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِیْمَانًا لَقَوْمٌ یَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ یَجِدُوْنَ صُحُفًا فِیْهَا كِتَابٌ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِیْهَا. قال ابوحاتم الرازی فیه المغیرة بن قیس البصری وهو منكر الحدیث قال الحافظ ابن كثیر ولكن قدروی ابویعلی فی مسنده وابن مردویه فی تفسیره والحاكم فی مستدركه من حدیث محمد بن ابی حمید وفیه ضعف عن زید بن اسلم عن ابیه عن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم وقال الحاكم صحیح الاسناد ولم یخرجاه وقدروی نحوه عن انس بن مالك مرفوعا والله تعالٰی اعلم قال الذهبی محمد بن ابی حمید ضعفوه.

عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے نزدیک ایمان کے لحاظ سے کس کا ایمان زیادہ قابل تعجب ہے انہوں نے عرض کیا فرشتوں کا آپ نے فرمایا کیوں انہیں کیا ہوا

کہ وہ ایمان نہ لائیں جبکہ وہ اپنے پروردگار کے حضور ہی میں ہمہ وقت حاضر ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا تو پھر خدا کے نبیوں کا۔ آپ نے فرمایا وہ کیوں ایمان نہ لائیں جبکہ خدا کی وحی ان پر اترتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اچھا تو پھر ہمارا۔ آپ نے فرمایا تم کیوں ایمان نہ لاؤ جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لو میرے نزدیک تو سب سے زیادہ قابل تعجب ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے ان کو صرف چند اوراق ملیں گے اس میں ایک مقدس کتاب ہوگی وہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا پائیں گے اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (ابن کثیر)

تشریح:۔ یہاں آئندہ امت کے ایمان کو قابل تعجب کہا گیا ہے افضل نہیں کہا گیا اور جہاں افضل کہد یا گیا ہے وہاں بھی اسی تعجب کا اظہار منظور ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے اور تم لوگ اگر ایمان رکھتے ہو تو اس کے اسباب بھی ان کے اور تمہارے سامنے موجود ہیں فرشتے تو براہ راست بارگاہ احدیت کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ایمان تو ایمان بالغیب ہی نہیں انبیاء علیہم السلام کا ایمان اگرچہ ایمان بالغیب ہے مگر ان کا متکفل ومربی خود قدرت ہوتی ہے۔ ان کا تعلق عالم غیب سے اگرچہ پس پردہ ہو مگر پھر براہ راست ہوتا ہے تمہارا معاملہ بھی صاف ہے یعنی عالم غیب اگرچہ بلاواسطہ تمہاری آنکھوں کے سامنے نہ ہو مگر میں عالم غیب کا بلاواسطہ ترجمان تو تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ مجھے دیکھ کر عالم غیب کا یقین اپنے عینی مشاہدات سے بڑھ کر حاصل کر سکتے ہو۔ اب رہ گئی صرف وہ امت جس کو نہ عالم غیب کا مشاہدہ حاصل ہوگا اور نہ ان کی آنکھوں کے سامنے میری بصیرت افروز ہستی ہوگی۔ ایک خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب ہوگی اور اس کے رسول کے کچھ محفوظ اقوال وآثار ہوں گے وہ ان ہی کو دیکھ کر ایمان لے آئیگی ان کا ایمان اگرچہ نامساعدت اسباب کی وجہ سے اس درجہ پر نہ ہو لیکن قابل تعجب ضرور ہوگا فضیلت کلی گو تمہیں حاصل ہو لیکن ایک جہت سے فضیلت جزئیہ کے حقدار وہ بھی رہیں گے اور اس پیرایہ سے رحمۃ للعالمین کی ساری کی ساری امت قابل غبطہ بن جائے گی۔ کوئی کسی جہت سے اور کوئی کسی جہت سے اس لئے حدیث میں ارشاد ہے، میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر تھا یا آخر۔

یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت کی ہے اس کے شروع میں یہ قصہ بھی منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پانی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں پھر آپ نے پوچھا، اچھا کوئی مشک ہے لوگ مشک لے آئے اور آپ کے سامنے رکھدی۔ آپ نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں۔ ان کے درمیان سے پانی اس طرح پھوٹ کر بہنے لگا جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ذریعہ سے بہہ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا بلال آواز دیدو کہ لوگ وضو کرلیں۔ اور لوگ تو وضو کرنے میں مصروف ہوگئے مگر حضرت ابن مسعودؓ تھے کہ ان کو اس پانی سے پینے کی فکر لگ رہی تھی جب سب لوگ وضو سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد اپنے صحابہؓ سے وہ سوال کیا جو یہاں مذکور ہے۔ (درمنثور ج ا ص ۲۶)

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نَفَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَلَسْنَا اِلَى الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِؓ يَوْمًا فَمَرَّ بِهٖ رَجُلٌ فَقَالَ طُوْبٰى لِهَاتَيْنِ الْعَيْنَيْنِ اللَّتَانِ رَاَتَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَوَدِدْنَا اَنَّا رَاَيْنَا مَا رَاَيْتَ وَشَهِدْنَا مَا شَهِدْتَ فَاسْتُغْضِبَ فَجَعَلْتُ اَعْجَبُ، مَا قَالَ اِلَّا خَيْرًا، ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا

يَحْمِلُ الرَّجُلَ عَلٰى اَنْ يَتَمَنّٰى مَحْضَرًا غَيَّبَهُ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَدْرِىْ لَوْ شَهِدَهُ كَيْفَ يَكُوْنُ فِيْهِ وَاللّٰهِ لَقَدْ حَضَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْوَامٌ اَكَبَّهُمُ اللّٰهُ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ فِىْ جَهَنَّمَ لَمْ يُجِيْبُوْهُ وَلَمْ يُصَدِّقُوْهُ اَوَلَا تَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ اِذْ اَخْرَجَكُمْ لَا تَعْرِفُوْنَ اِلَّا رَبَّكُمْ مُصَدِّقِيْنَ لِمَا جَاءَ بِهٖ نَبِيُّكُمْ قَدْ كُفِيْتُمُ الْبَلَاءَ بِغَيْرِكُمْ وَاللّٰهِ لَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَشَدِّ حَالٍ بَعَثَ عَلَيْهَا نَبِيًّا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فِىْ فَتْرَةٍ وَجَاهِلِيَّةٍ مَا يَرَوْنَ اَنَّ دِيْنًا اَفْضَلَ مِنْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ فَجَاءَ بِفُرْقَانٍ فَرَّقَ بِهٖ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَفَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى اِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيَرَى وَالِدَهُ وَوَلَدَهُ وَاَخَاهُ كَافِرًا وَقَدْ فَتَحَ اللّٰهُ قُفْلَ قَلْبِهٖ لِلْاِيْمَانِ يَعْلَمُ اَنَّهُ اِنْ هَلَكَ دَخَلَ النَّارَ فَلَا تَقَرُّ عَيْنُهُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّ حَبِيْبَهُ فِى النَّارِ وَاَنَّهَا الَّتِىْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ (اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ) (رواه احمد)

عبدالرحمٰن بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا ایک دن ہم مقداد بن الاسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص ان کے پاس سے گزرا اور (انہیں دیکھ کر) بولا یہ دو آنکھیں مبارک ہوں جنہوں نے خدا کے رسول کی زیارت کی ہے۔ خدا کی قسم ہمیں تمنا ہوتی ہے کہ جو نظارہ آپ نے دیکھا ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور جن مقامات میں آپ نے شرکت کی ہم بھی شرکت کرتے (یہ سن کر) مقداد غصہ میں بھر گئے مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس بیچارے نے کوئی بری بات تو کہی نہ تھی اچھی ہی بات کہی تھی (پھر انہیں غصہ کیوں آیا) اس کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے اس شخص کو کیا داعیہ پیش آیا کہ یہ ایسے زمانہ میں موجود ہونے کی تمنا کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا نہیں کیا۔ کیا خبر اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو اس کے صبر واستقلال کا حال کیا ہوتا۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے منہ کے بل دوزخ میں گرادیا ہے اس لئے کہ انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور آپ کی تصدیق نہیں کی تم ایسے زمانہ میں اپنے ہونے کی تمنائیں تو کرتے ہو اور اس پر خدا کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے تمہیں ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے جبکہ ہوش سنبھالتے ہی تم نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا اور جو دین تمہارا نبی لے کر آیا اس کی تصدیق کی (یعنی اسلام پر ہی پیدا ہوئے) اس راہ کی مصیبتیں دوسروں نے اٹھائیں اور تم ان سے محفوظ رہے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ فترت وکفر کے ان سخت سے سخت حالات میں بھیجا ہے جن میں آپ سے پیشتر اپنے نبیوں میں کسی نبی کو نہیں بھیجا وہ ایسا زمانہ تھا جبکہ لوگوں کے نزدیک بت پرستی سے بہتر کوئی دین نہ تھا (اس وقت آپ ایک ایسی کتاب لیکر آئے جس نے حق وباطل کو بھی جدا کر دیا مگر بیٹا اور اس کے باپ کے درمیان بھی جدائی کا باعث بھی وہی کتاب بنی۔ یہانتک کہ ایک شخص جس کے دل کا قفل اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کے لئے کھولدیا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا کہ (وہ خود تو مسلمان ہے اور) اس کا باپ بیٹا اور بھائی کافر ہیں۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ اسی حالت پر مر گئے تو دوزخ میں جائیں گے پھر اس یقین کے بعد کہ اس کے یہ پیارے پیارے عزیز دوزخ میں جائیں گے اس کی آنکھیں بھلا کیسے ٹھنڈی رہ سکتی تھیں۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں ارشاد فرمائی ہے۔ (جو لوگ یہ دعا مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی فرمادے۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کو صحابیت کی تمنا کرنا آداب دعا سے تجاوز کرنا ہے بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فضائل و کمالات کے بڑے سے بڑے خزانے لٹائے جا رہے تھے مگر ان کے لئے اتنی ہی بڑی قربانیاں بھی درکار تھیں۔ العطایا علی فتن البلایا۔ اگر وہ فضائل و کمالات ان کے حصہ میں آئے تو وہ ایثار و قربانیاں بھی ان ہی کو دینی پڑیں۔ اب بعد کی امت کے دلوں میں ان کمالات کی ہوس تو اٹھتی ہے مگر ان قربانیوں کے لئے آمادگی بھی ہے؟ وہ دور ایک ایسا نازک دور تھا کہ ایک شخص صحابیت کا فخر بھی حاصل کر سکتا تھا اور ذرا سی لغزش سے رسول کے دشمنوں کی فہرست میں بھی شمار ہو سکتا تھا۔ قرآن کریم کا دور نزول اپنی آنکھوں سے دیکھنا بیشک بڑی نعمت تھی لیکن دوسری طرف یہ بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ اس کے نزول کے بعد آپس کے رشتے ناتے ٹوٹ رہے ہیں باپ بیٹے سے خاوند بی بی سے جدا ہو رہا ہے اس نازک مرحلہ کی بجائے جس کو آسانی کے ساتھ ایمان نصیب ہو گیا اس کو شکر کرنا چاہئے اور اس دور کی تمنا نہ کرنی چاہئے جس میں فضائل کے ساتھ بہت سے خطرات بھی تھے۔ یہ رضا بقضاء کی منزل ہے جو پہنچ جائے وہی ان رموز کو جان سکتا ہے۔ ابتداء عشق کے سوز و گداز رکھنے والے بھلا اسے کب آشنا ہو سکتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَسُوْقُ بَقَرَةً اِذْ اَعْیٰی فَرَکِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا اِنَّمَا خُلِقْنَا بِحِرَاثَةِ الْاَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَکَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍؓ وَعُمَرُؓ وَمَا هُمَا ثَمَّ وَقَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ فِیْ غَنَمٍ لَهٗ اِذْ عَدَا الذِّئْبُ عَلٰی شَاةٍ مِنْهَا فَاَخَذَهَا فَاَدْرَکَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا یَوْمَ السَّبُعِ یَوْمَ لَا رَاعِیَ لَهَا غَیْرِیْ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ یَتَکَلَّمُ فَقَالَ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ. (متفق علیہ)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص بیل لئے جا رہا تھا جب تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا (قدرت نے اس بیل کو گویائی عطا کر دی) اور وہ بولا سواری کے لئے تو ہم پیدا نہیں کئے گئے ہم تو صرف زمین میں کھیتی کے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں لوگوں نے یہ قصہ سن کر از راہ تعجب کہا سبحان اللہ بیل باتیں کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی حالانکہ وہ اس وقت وہاں موجود بھی نہ تھے اس کے بعد ایک اور شخص کا قصہ بیان کیا جو اپنی بکریوں میں تھا کہ ان میں سے ایک بکری پر بھیڑیے نے حملہ کیا اور اس کو دبا لیا۔ مالک نے اس کا پیچھا کیا اور اپنی بکری کو اس سے چھڑا لیا۔ بھیڑیا بولا، اچھا دیکھوں گا بھلا اس دن اسے کون چھڑانے آتا ہے جس دن صرف درندوں ہی کا راج ہو گا اور سوائے میرے کوئی اور اس کا چرانے والا نہ ہو گا (یہ عالم کی ویرانی کے زمانہ کا قصہ ہے) اس پر لوگوں نے پھر تعجب سے کہا سبحان اللہ، بھیڑیا اور باتیں کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی حالانکہ اس وقت وہ مجلس میں موجود نہ تھے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حیوانات کا اپنی زبان میں کلام کرنا تو معروف و مشہور بات ہے لیکن ایسی زبان میں کلام کرنا جو انسانوں کے درمیان مستعمل ہو۔ سر دست ہمارے حواس کے ادراک سے باہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں خود بھی اس کی تصدیق فرمائی اور ابو بکرؓ و عمرؓ کی غیبت میں ان کی جانب سے بھی اس کی تصدیق فرما دی۔ گویا آپ کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ جس امر کی تصدیق آپ فرما لیں پھر وہ خواہ کتنا ہی بعید از عقل کیوں نہ ہو اس کی تصدیق میں یہ جاں نثار بھی کوئی چون و چرا نہیں کریں گے ایک بیل کا

کلام کر لینا عقل کے نزدیک کوئی محال امر نہیں صرف عام عادت کے خلاف بات ضرور ہے۔ قیامت کے قبل عالم غیب سے پردہ اٹھنے کا زمانہ جتنا قریب آتا جائے گا اسی قسم کی بہت سی اور خلاف عادت باتیں ظاہر ہوتی چلی جائینگی حتیٰ کہ حدیثوں میں موجود ہے کہ آدمی کے کوڑے کا پھندنا اس سے باتیں کرے گا اس نطق کی حقیقت کیا ہوگی ابھی اس پر بحث کرنا قبل از وقت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قدرت ان میں وقتی اور جزئی شعور پیدا کر دے اور ہوسکتا ہے کہ کسی شعور کے بغیر ان میں تکوینی طور پر نطق عطا فرما دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود انسان اتنی ترقی کر جائے کہ بہائم کی جس گفتگو کو آج وہ بے معنی سمجھتا ہے کل ان کے معانی سمجھنے پر قادر ہو جائے۔ نباتات بہت دنوں تک غیر ذی روح سمجھے گئے لیکن اب ان کا شمار ذی روح میں ہو گیا ہے۔ ان کی غذا اور صحت و مرض کے مفصل حالات بھی دریافت ہو چکے ہیں تم اپنی بہت محدود معلومات کی بناء پر حیوانات کے کلام سے ابھی سے انکار کرنے میں جلدی نہ کرو، شاید وہ زمانہ آ جائے کہ اس کا بھی تم کو اقرار کر لینا پڑے۔

سبحان اللہ شیخین کا ایمان اور عالم غیب پر ان کا یقین کتنا مستحکم و مضبوط تھا کہ جو بات ہم ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں خاتم الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کی طرف سے اس کے ماننے کی ضمانت کر لیتے ہیں۔ اندازہ کرو کہ جب ان معمولی غیوب پر ان کا ایمان یہ ہو تو اور عالم غیب پر ایمان کس درجہ قوی ہوگا۔

ایمان کی حقیقت اور اس کی قیمت یہی ہے کہ نبی کی زبان سے جو کلمہ بھی نکلے ابھی وہ پورا نہ ہو کہ ایک امتی کا قلب اور اس کی زبان دونوں اس کی تصدیق کرنے کے لئے مضطر ہو جائیں۔

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَ لَمَّا اُسْرِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی اَصْبَحَ یَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِذَالِکَ فَارْتَدَّ نَاسٌ مِمَّنْ کَانُوْا وَصَدَّقُوْہُ وَسَعُوْا بِذَالِکَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍؓ فَقَالُوْا ھَلْ لَکَ اِلٰی صَاحِبِکَ یَزْعُمُ اَنَّہٗ اُسْرِیَ بِہِ اللَّیْلَةَ اِلٰی بَیْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ لَوْ قَالَ ذَالِکَ لَقَدْ صَدَقَ قَالُوْا اَوَتُصَدِّقُہٗ اَنَّہٗ ذَھَبَ اللَّیْلَةَ اِلٰی بَیْتِ الْمَقْدِسِ وَجَاءَ قَبْلَ اَنْ یُّصْبِحَ قَالَ اِنِّیْ اُصَدِّقُہٗ فِیْمَا ھُوَ اَبْعَدُ مِنْ ذَالِکَ اُصَدِّقُہٗ فِیْ خَبْرِ السَّمَاءِ فِیْ غَدْوَةٍ اَوْرَوْحَةٍ فَلِذَالِکَ سُمِّیَ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ. (رواہ الحاکم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب شب میں آپ کے مسجد اقصیٰ تک سفر کا واقعہ پیش آیا (یعنی قصہ معراج) تو اس پر صبح کو لوگوں کے درمیان بڑی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور بعض ایمان کے کمزور لوگ جو پہلے آپ کی تصدیق کر چکے تھے مرتد بھی ہو گئے اور یہ قصہ لیکر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ نے اپنے نبی کی بات بھی سنی ان کا گمان ہے کہ وہ آج کی شب بیت المقدس کی سیر کر آئے ہیں۔ ابو بکرؓ نے جواب دیا اگر وہ یہ کہتے ہیں تو بلا شبہ ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کیا ان کی اس بات کی بھی آپ تصدیق کر لیں گے کہ وہ ایک ہی شب میں بیت المقدس جا کر صبح سے پہلے پہلے واپس بھی آ گئے۔ ابو بکرؓ نے فرمایا میں تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر بعید باتوں میں ان کی تصدیق کر چکا ہوں۔ میں آسمان کی خبروں کی بابت ان کی تصدیق کرتا ہوں کہ وہ صبح و شام ان کے پاس آتی ہیں (حالانکہ آسمانوں کی مسافت تو بیت المقدس کی مسافت سے کہیں زیادہ ہے) اسی بات پر ان کا لقب صدیق پڑ گیا تھا۔ (حاکم)

تشریح:۔قرآن کریم میں منعم علیہم کے چار گروہ قرار دیئے گئے ہیں سب سے پہلے نبیین پھر صدیقین اس کے بعد شہداء وصالحین۔صدیق کی فطرت کو نبی کی فطرت سے اتنی مناسبت ہوتی ہے کہ اس کو نبی کی خبروں کی تصدیق میں ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی تردد نہیں گذرتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب نبوت کی چمک اٹھنے کے بعد تو سب ہی نے آپ کی تصدیق کی لیکن ابوبکرؓ وہ تھے جن کو اس کی صداقت میں بوقت طلوع بھی کوئی ادنیٰ تردد نہ تھا۔حضرت مجدد صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی وجہ فضیلت ان کے کثرت مناقب نہیں بلکہ سبقیت ایمان اور دین کے لئے اقدمیت انفاقِ اموال اور اولیت بذل نفس ہے یہ قابل قدر تحقیق ہے۔(مکتوبات جلد سوم مکتوب ۱۷)

یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے

عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِیْقِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْنَا عَامَ اَوَّلَ عَلَی الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَکٰی وَقَالَ سَلُوْا الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُعْطَ بَعْدَ الْیَقِیْنِ خَیْرًا مِنَ الْعَافِیَۃِ. (رواہ احمد)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال بعد ایک تقریر فرماتے ہوئے) کہا کہ اس سے پہلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے یہ کہہ کر ابوبکرؓ زار و قطار رو پڑے (پھر کہا کہ) آپ نے ارشاد فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی اور اپنے لئے عافیت طلب کیا کرو کیونکہ ایمان و یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کسی کو کوئی نعمت نصیب نہیں ہوئی۔(احمد۔نسائی۔ترندی)

تشریح:۔یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے خدا تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اس دولت یقین سے کم تر ہیں۔صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقولہ مروی ہے "الیقین الایمان کلہ" یقین ہی ایمان کی روح ہے۔بیہقی نے کتاب الزہد میں ان الفاظ کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔مسند امام احمدؒ میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ دعا منقول ہے **اللھم زدنا ایمانا ویقینا وفقھا**۔اے اللہ ہمارے دل میں ایمان، یقین، اور ہم میں دین کی سمجھ بڑھا دے۔جامع ترمذی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات میں مذکور ہے۔**واقسم لنا من الیقین ماتھون بہ علینا مصائب الدنیا**۔اے اللہ ہمارے حصہ میں اتنا یقین لگا دے کہ اس کی وجہ سے ہمیں دنیا کی مصیبتیں جھیلنا آسان ہو جائے یہاں یقین جیسی نعمت کو بھی مقید کرنے کی حقیقت سفیان ثوری کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتی ہے۔وہ فرماتے ہیں **لو ان الیقین وقع فی القلب کما ینبغی لطار اشتیاقاً الی الجنۃ وھر بامن النار** (فتح الباری ج ۱ ص ۴۱) اگر یقین پوری حقیقت کے ساتھ دل میں سما جائے تو جنت کے اشتیاق اور دوزخ کے خوف کے مارے دل اڑنے لگے اسی کی طرف حضرت حنظلہؓ کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔مستدرک حاکم میں سورہ المدثر کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ زرارہ بن ابی اوفی نے ایک بار یہ آیت پڑھی **فاذا نقر فی الناقور** (جب صور پھونکا جائے گا تو یہ دن کافروں کے اوپر بڑا سخت ہوگا الخ) اور بیہوش ہو کر گر گئے اور وفات پا گئے بڑا رتبہ پایا لیکن اگر جیتے اور خدا کی عبادت اور کرتے تو اور مراتب طے کرتے آپ نے دیکھا کہ یقین جب حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اس کا نتیجہ اس شکل میں بھی نکل سکتا ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ صَلَاحِ ھٰذِہِ

اَلْاُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَالزُّهْدُ اَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس امت کی سب سے پہلی اصلاح دولت یقین کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس کی سب سے پہلی بربادی بخل اور دراز امیدوں کی بدولت ہوگی۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ مراتب احسان پر بحث کرتے ہوئے عقل و نفس اور قلب کی فناء کی تحقیق یہ لکھتے ہیں کہ جب انسان کے یہ جواہر لطیفہ اپنے اصل خواص سے مجرد ہو کر عالم غیب کی سیر میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو یہی ان کی فناء سمجھی جاتی ہے۔ (پس فناء ہونے والے درحقیقت یہ جواہر خود نہیں ہوتے بلکہ ان کے خصائل و خصائص ہوتے ہیں۔ یہی معنی ان کے فناء کے سمجھنے چاہئیں اور بس۔ عقل کا اصل خاصہ تصدیق، شک، توہم، اسباب کی تلاش اور جلب منافع، دفع مضار پر غور و خوض کرنا ہے۔ جب انسانی قلب و جوارح آداب الٰہیہ کی زیر تربیت مہذب ہوتے جاتے ہیں تو ان میں آثار عبودیۃ اس طرح پھوٹنے لگتے ہیں جس طرح لُو کے مارے درخت میں پتیاں اب اس کا رخ عالم مادیۃ کی بجائے عالم قدس کی طرف بدل جاتا ہے، اسباب بے حقیقت بن جاتے ہیں، منفعت و مضرت کا سوال نظروں سے ساقط ہونے لگتا ہے اور حقائق شرعیہ اور عالم غیب کا یقین اپنی آنکھوں کے مشاہدات سے بڑھ کر نصیب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے دریافت کیا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تم بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا مجھے عرش رحمٰن کا ایسا یقین حاصل ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (خلاصہ حجۃ اللہ)

امام شعرانی لکھتے ہیں المومن الكامل من صار الغيب عنده كالشهادة في علم الريب (الیواقیت ج۲ ص۲۵۷) مومن کامل وہ ہے جس کے نزدیک عالم غیب یقین میں عالم شہادت کی برابر ہو جائے۔ یہ دولت یقین جس کے ہاتھ آ گئی اس کی عقل کامل ہو گئی اور جس کی عقل کامل ہو گئی اس کے لئے نفس و قلب کے تکمیل کی منزل بھی دور نہیں رہی، اس کے تمام مراتب احسان طے ہونے کا وقت بھی قریب آ پہنچا وہ قریب ہے کہ اب انسان کامل کے لقب سے نواز دیا جائے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی صفت یقین کو ذیل کے شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے ؎

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دلائل کی بنیاد پر یقین کی تعمیر کرنا ایمان کی صفت نہیں۔ ایمان کی صفت یہ ہے کہ یقین کی بنیاد پر دلائل کی تعمیر کی جائے۔ جب کسی حقیقت تک یقین کے ساتھ رسائی ہو جاتی ہے تو پھر دلائل کا راستہ خود بخود مختصر ہو جاتا ہے کیونکہ یہی دلائل کا مقصد تھا اور جب یہ مقصد بلا تعب حاصل ہو گیا تو اب دلائل کا مشغلہ مفت ایک سرگردانی ہے لیکن اگر یقین تک رسائی حاصل نہیں ہے تو اب دلائل کے واسطہ سے یقین حاصل کرنا ایک امید موہوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں نظریات کا کوئی اختلاف نظر نہیں آتا انہیں حقیقت کا پورا علم ہوتا ہے اور کسی شے کی حقیقت ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے اور اہل نظر کے نظریات میں کہیں اتفاق نظر نہیں آتا۔

عین الیقین کا مرتبہ علم الیقین کے مرتبہ سے اونچا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ اِذْ قَالَ

رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ الحديث. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے مستحق ہیں (اگر یہ سوال وہ از راہِ شک کرتے) اے میرے پروردگار مجھے دکھلا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے ارشاد ہوا اچھا تو کیا تمہیں اس پر یقین نہیں، عرض کیا کیوں نہیں (یقین نہ ہوتا تو تجھ سے یہ سوال ہی کیوں کرتا) لیکن مقصد یہ ہے کہ (کیفیاتِ احیاء کا مشاہدہ کرکے) میرا دل اور مطمئن ہو جائے۔

تشریح:۔محبت وخلوص کی داستانوں کو پڑھنے اور سننے کے لئے رموزِ محبت سے کچھ آشنائی بھی درکار ہے۔لذت محبت سے یکسر بیگانہ انہیں کیا جانے اور کیا سمجھے۔یہاں کوئی بدذوق جب ''رب ارنی'' کے ایک انداز ناز کا سوال سنتا ہے تو اس کو اسرار خلت کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے عام انسانوں کے سوالات کی سطح پر سمجھ لیتا ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف شک وتردد کی نسبت کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے اگر وہ اس پُرخلت کی روشنی میں غور کرتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ یہاں شک وتردد کا کوئی موقعہ ومحل ہی نہ تھا بلکہ ادغان وایقان کے اس جبلِ عظیم پر جب محبت وخلت کی کیف آور ہوائیں چلنی شروع ہوئیں تو اس فضا میں ناز ونیاز کا ایک سما خود بخود پیدا ہو گیا اور اسی فضاء ناز میں حضرت خلیلؑ کی زبان اسرار احیاء کا مشاہدہ کرنے کیلئے بیساختہ متحرک ہوگئی قصہ بہت طویل ہو گیا مگر شاید درپردہ کسی خلیل کو اپنی خلت کی گہرائی معلوم کرنے کے سوا اور کچھ منظور نہ تھا ادھر قباء خلت پہنانے والے نے یہ قدرشناسی فرمائی کہ صرف ان کے اطمینان خاطر کے لئے اپنی صفت احیاء کا راز پنہاں ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ان ہی نزاکتوں اور کج فہمیوں کے پیش نظر قرآن کریم نے از خود ''اولم تومن'' کا سوال اٹھا دیا تھا اور خود حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی زبانی یہ بات صاف کردی تھی کہ ان کے سوال کا منشاء ضعفِ یقین نہ تھا بلکہ ربط خلت تھا جس کے بعد ایسے ایسے نازک سوالات کرنے کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔

خدا کے اس مقدس رسول کے دامن یقین کو شک وتردد سے پاک وصاف کرنے کا ایک طریقہ تو یہ تھا۔دوسرا طریقہ وہ ہے جو حدیث بالا میں اختیار کیا گیا ہے یعنی یہ کہ یہ فیصلہ خود ان صحابہ کی فہم پر چھوڑ دیا جائے جو آپ کی فیض صحبت سے یقین وایمان کی موجیں اٹھتی ہوئیں اپنے سینوں میں مشاہدہ کررہے تھے وہ سوچیں کہ جب ان کے قلب میں یقین وایمان کا عالم یہ ہے تو اس شمع فروزاں کے قلب میں ایمان وایقان کا عالم کیا ہونا چاہئے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلت کے رتبہ بلند سے نواز دیا تھا۔اور اپنے نفس کی کیفیات یقین کے اس عینی مشاہدہ کے بعد انہیں یہ سمجھنا بالکل بدیہی ہو جائے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال کو شک وتردد سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں ہوسکتا۔یہ دونوں طریقے اپنے اپنے انداز میں ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔مگر آپ کی نسبت ابنیت اور شان تواضع کے مناسب وہی طریقہ تھا جو از راہ ادب آپ نے یہاں اختیار فرمایا یعنی یہ کہ ہم ان کی ذریت اور ان کے متبع ہیں۔اگر بالفرض ان سے یہ سوال کسی شک کی بناء پر سرزد ہوتا تو ہم اس شک کے ان سے زیادہ حقدار ہوتے لیکن جب ہمیں کوئی شک وتردد نہیں تو بھلا اس موحد اعظم کو کیا شک وتردد ہوسکتا ہے۔علماء نے لکھا ہے کہ سوال مذکور کو ایمانیات سے کوئی تعلق ہی نہیں خدا تعالیٰ کی صفت احیاء پر ایمان لانا بیشک ضروری ہے مگر اس کی کیفیات پر ایمان لانا ہرگز ضروری نہیں۔قیامت آئیگی اس پر

ایمان لانا بے شک واجب ہے لیکن وہ کیسے آئے گی اس پر لانا کوئی ضروری امر نہیں۔ اس لحاظ سے جو سوال یہاں مذکور ہے وہ جواب و سوال کی دردسری کا محتاج ہی نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ بعض علماء نے اس اہم واقعہ کو صرف چند طیور کو مانوس کرنے اور متفرق کردینے پھر ان کو جمع کر لینے کی ایک سادی تمثیل قرار دیدیا ہے حالانکہ یہ کوئی ایسا عجیب کرشمہ نہیں ہوسکتا جسے دیکھنے کے لئے حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام درخواست کرتے یہ تو دنیا کے ان روزمرہ واقعات میں شامل ہے جنہیں دیکھنے کی نہ تو قلوب میں کوئی حرکت پیدا ہوسکتی ہے اور نہ ان سے صرف ایک طفل تسلی کے سوا کیفیات احیاء کا کوئی اطمینان بخش مشاہدہ نصیب ہوسکتا ہے اس لئے جمہور مفسرین کی یہی تفسیر صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ چند مختلف پرندے لیکر پہلے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں پھر ان کو باہم آمیز کر کے مختلف مقامات پر ڈالدیں اس کے بعد ایک مقام پر علیحدہ کھڑے ہو کر آواز دیں تو وہ ان کی آنکھوں کے سامنے اپنی اپنی شکل پر علیحدہ علیحدہ مرتب اور زندہ ہو کر چلے آئیں۔ تحلیل و ترکیب کا یہی وہ نقشہ ہوسکتا ہے۔ جس کے دیکھنے کی درخواست کی جاسکتی ہے اور یہی وہ حیرتناک نظارہ ہوسکتا ہے جس کے بعد علم الیقین سے عین الیقین تک رسائی بآسانی ممکن ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اذعان و یقین کی ساری منزلیں طے کرنے کے بعد بھی غیب کے ہر گوشہ میں اطمینان وسکون میسر آجانا ضروری امر نہیں ہوسکتا ہے کہ پورا پورا یقین حاصل ہونے کے بعد بھی غائبات کے کچھ گوشے ایسے تشنہ رہ جائیں جن کے بجھانے کی تلاش نفس انسانی میں باقی رہ جائے۔ چونکہ یہ گوشے ایمانیات کا جزء شمار نہیں ہوتے۔ اس لئے ان کے مشاہدہ کی تمنا تردد نہیں بلکہ مزید تحقیق کی طلب پر مبنی ہوتی ہے۔

یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ شوق کے سوال اور شک کے سوال میں زمین وآسمان کا فرق ہے ذوق وشوق عین تقاضائے یقین ہے اگر خدا تعالیٰ کے احیاء پر یقین نہ ہوتو کیفیت احیاء کے مشاہدہ کا شوق ہی کیسے پیدا ہو۔ اس کو ایک مثال سے یوں حل کر لیجئے کہ اس پر تو ہر شخص کو یقین حاصل ہے کہ ریڈیو کی جو آواز ہم سنتے ہیں یہ آواز ٹھیک وہی ہوتی ہے جو اس کے اصل مرکز پر نکل رہی ہے لیکن اس مکمل یقین کے باوجود اگر ہم یہ سوال کریں کہ یہ آواز اتنی سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ کیونکر منتقل ہو جاتی ہے تو یہ ہرگز اس کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ ہمیں ریڈیو کے اصل وجود ہی میں کوئی شبہ لاحق ہے بلکہ ہمارا یہ سوال ہی اس کی دلیل ہوگا کہ ہمیں اس کے وجود کا یقین حاصل ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ہر گوشہ ہمارے سامنے ایسا ہی یقینی ہو جائے جیسا خود ریڈیو کا وجود۔ یہ سوال تو صرف ایک احیاء موتی کے متعلق تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال تو اس سے کہیں بڑھ کر خود بارگاہ جمال کے بے حجابانہ دیدار کے لئے تھا "رب ارنی انظر الیک" کون کہہ سکتا ہے کہ محبت و عشق کے اس مضطربانہ سوال میں شک وتردد کی بو بھی آسکتی ہے بلکہ سرتاسر یقین ہی اس شوق کا محرک بن رہا تھا۔ ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہانتک ایمانیات کی حدود ہیں ان پر تو صرف خدا اور اس کے رسول کے بیان پر یقین لے آنا چاہیئے ہاں جو گوشے ایمانیات سے متعلق نہیں ان میں اطمینان کیلئے مشاہدہ کے سوال کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر آپ کو ایمانیات کا یقین بھی مشاہدہ کئے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو رسول کے بیان پر کوئی اعتماد ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس رنگ کے یقین کو ایمان کی صفت نہیں کہا جاسکتا۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَبَرَ

مُوْسٰی بِمَا صَنَعَ قَوْمُهٗ فِی الْعِجْلِ فَلَمْ یَلْقَ الْاَلْوَاحَ فَلَمَّا عَایَنَ مَا صَنَعُوْا اَلْقَی الْاَلْوَاحَ. (رواہ احمد)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بات کا سننا اور آنکھوں سے مشاہدہ کرنا برابر نہیں ہوتا (مشہور ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ) اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو ان کے قوم کی گوسالہ پرستی کی اطلاع دی تو انہوں نے تورات کی تختیاں (اپنے ہاتھوں سے) نہیں ڈالیں لیکن جب ان کی کرتوت بچشم خود دیکھ لی تو (صبر نہ کرسکے) اور (غصہ کے مارے) تختیاں (زمین پر) پٹخ دیں۔

تشریح:۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے گوسالہ پرستی کا پورا پورا یقین تو وحی الٰہی کے ذریعہ پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا لیکن وہ خاص تاثرات و کیفیات جو کسی واقعہ کے مشاہدہ سے متعلق ہوتی ہیں ابھی مشاہدہ سے قبل حاصل نہ تھیں۔ جب وہی خبر مشاہدہ میں آ گئی تو اب یہ کیفیات و تاثرات بھی یک لخت ابھر آئیں موسیٰ علیہ السلام غصہ میں بھر گئے اور غصہ کی حالت میں جو کچھ وہ کر سکتے تھے کر گزرے۔ اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاملہ کو قیاس کرنا چاہئے۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت احیاء پر پورے یقین واذعان کے باوجود اس کی خصوصی کیفیات کے مشاہدہ کی استدعا کرنی بالکل برمحل تھی۔ یہاں شک وتردد کا دخل سمجھنا روزمرہ کے معمولی حالات سے بھی ناواقفی ہے۔ مشاہدہ اور خبر کا فرق فطری ہے اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ (تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۱۱۷)

عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّارَ فَاَعْرَضَ وَاَشَاحَ ثُمَّ قَالَ اِتَّقُوْا النَّارَ ثُمَّ اَعْرَضَ وَاَشَاحَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ کَاَنَّمَا یَنْظُرُ اِلَیْهَا وفی روایة فَتَعَوَّذَ مِنْهَا وَاَشَاحَ بِوَجْهِهٖ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ اِتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ وفی روایة مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَتِرَ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ بِتَمْرَةٍ فَلْیَفْعَلْ. (رواہ مسلم)

عدی بن حاتم بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا ذکر کیا اور یہ کہہ کر فوراً ادھر سے اپنا رخ انور پھیر لیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو۔ پھر اپنا چہرہٴ مبارک اس طرح پھیرا جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ گویا آپ اُس وقت اپنی آنکھوں سے دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ (دوزخ کا ذکر کر کے) آپ نے اس سے پناہ مانگی اور اپنا چہرہٴ مبارک ادھر سے پھیر لیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی کیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہو۔ دوسری روایت میں یہ مضمون یوں ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کھجور کا ایک ٹکڑا دیکر دوزخ سے بچ سکے وہ ضرور بچ جائے۔ (مسلم)

تشریح:۔ یہاں تو دوزخ کے ایک خاص نظارہ کا تذکرہ تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کے عام حالات اور ان کے عام انداز بیان میں بھی جزم و یقین کی کیفیت اس درجہ نمایاں ہوتی ہے کہ ان کے مخاطبین بھی حسب استعداد اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ وہ عالم غیب کی کسی حقیقت کا جب ذکر کرتے ہیں تو اسی جزم کے ساتھ کرتے ہیں جیسا اپنے مشاہدات کا بلکہ بعض اوقات کسی داعیہ کے ماتحت اس کیفیت میں اس درجہ منصبغ نظر آتے ہیں گویا وہ عالم شہود کی مخلوق ہو کر خود عالم غیب کا جزء بن گئے ہیں اس لئے اس جہان کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں گویا وہ اس وقت اس میں خود موجود ہیں پھر ان کی اس محفل میں جو داخل ہو جاتا ہے وہ بھی علیٰ قدر النصیب اس نعمت سے بہرور ہو جاتا ہے **هم القوم لا یشقی جلیسهم** امتیوں کے حق میں اس قسم کی

کیفیات شاید احسان کی تعریف کے ذیل میں آجاتی ہوں اسی لئے ہم نے حدیث جبرئیل کی ذیل میں عرض کیا تھا کہ جس کو ایمان کا مرتبہ احسان نصیب ہو جاتا ہے اس کو حقائق غیبیہ کا یقین مثل مشاہدات کے حاصل ہو جاتا ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحٍ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ فَقَالَ كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ ذٰلِكَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَظْلَقْتُ نَفْسِيْ مِنَ الدُّنْيَا وَاَسْهَرْتُ لَيْلِيْ وَاَظْمَأْتُ هُوَاجِرِيْ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى عَرْشِ رَبِّيْ وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغَوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفْتَ اَوْلُقِنْتَ فَالْزَمْ. (رواه ابوبکر بن ابی شیبة)

محمد بن صالح انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عوف بن مالک سے ملاقات ہوئی، آپ نے فرمایا عوف بن مالک! کہو کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا بفضلہٖ تعالیٰ سچا اور پکا مومن ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قول کی کچھ حقیقت ہوا کرتی ہے تم اپنے اس قول کی حقیقت بتاؤ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے نفس کو دنیا سے آزاد بنالیا ہے۔ شب کو بیدار رہتا ہوں اور دوپہر کی گرمیوں میں پیاسا بسر کرتا ہوں (یعنی روزہ دار رہتا ہوں) مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کا عرش اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں (جنت و دوزخ کا اس درجہ یقین ہے) گویا جنتی میری آنکھوں کے سامنے ایک دوسرے سے ملاقات کررہے ہیں اور دوزخی (عذاب میں) چیختے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ٹھیک بات پہچان گئے یا یہ فرمایا کہ تم کو صحیح بات بتادی گئی تو اسی کیفیت کو قائم رکھنا۔ (ابوبکر بن ابی شیبہ)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کی اصل حقیقت صرف جزم و یقین ہے۔ یہی یقین جب تک الفاظ کے قالب میں رہتا ہے ایمان کا وجود لفظی کہلاتا ہے اور جب ترقی کرکے قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کا وجود ذہنی کہلاتا ہے اور جب رسوخ کے بعد اس میں کیفیت شہود پیدا کر لیتا ہے تو اس کا وجود خارجی کہلاتا ہے۔ مرتبہ احسان اسی کا نام ہے۔ ناواقفی اور کم ہمتی کی وجہ سے اس مرتبہ کو صرف صوفیاء کرام کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔ گویا علماء اور عام مومنین کو اس کی طلب کرنا اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ جس کو تم نے صوفیاء کے حصہ میں لگا دیا ہے وہ عین ایمان ہے اور ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس رنگ کے حاصل کرنے میں پوری جدوجہد کرے اگر وہ اس راہ میں قدم نہیں اٹھاتا تو وہ گویا اپنے ناقص ایمان پر راضی ہے۔

وقتی اضطراب یقین کے منافی نہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَمَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا فِيْهَا وَشَرِّمَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَاَقْبَلَ وَاَدْبَرَ فَاِذَا مَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفْتُ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَسَاَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا وفی روایته وَيَقُوْلُ اِذَا اَمْطَرَ رَحْمَةً. (متفق علیه)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہوا تیز چلتی تو آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اے اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی بہتری اور جو بہتری اس میں ہو اور جس بہتری و برکت کے لئے وہ چلائی گئی ہو ان سب کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر سے اور جو شر اس میں ہو اور جس کے لئے وہ چلائی گئی ہو، ان سب سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ اور جب آسمان پر بادل نظر آتے تو آپ کا رنگ فق پڑ جاتا کبھی باہر تشریف لاتے کبھی اندر جاتے کبھی اس طرف جاتے کبھی اس طرف جاتے، جب بارش ہونے لگتی تب کہیں جا کر آپ سے یہ اضطراب کی کیفیت دور ہوتی حضرت عائشہؓ آپ کے اس اضطراب کو پہچان گئیں اور آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا اے عائشہؓ ڈرتا ہوں کہیں یہ بادل ویسے نہ ہوں جیسے قوم عاد نے اپنی وادی کی طرف آتے دیکھے تھے اور کہا تھا کہ یہ بادل ہمارے لئے بارش لائے ہیں (پھر اس میں عذاب آیا تھا) دوسری روایت میں ہے کہ جب بارش برسنے لگتی تو فرماتے یہ خدا کی رحمت ہے۔ (متفق علیہ)

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَزِعًا یَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَۃُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَّرُکُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ مَا رَأَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَقَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰہُ لَا تَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیٰوتِہٖ وَلٰکِنْ یُّخَوِّفُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَہٗ فَاِذَا رَأَیْتُمْ شَیْئًا مِّنْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِہٖ وَدُعَائِہٖ وَاسْتِغْفَارِہٖ. (متفق علیہ)

ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سورج گہن پڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے ڈر رہے تھے کہیں قیامت نہ آ گئی ہو، مسجد میں تشریف لائے اور اتنے لمبے لمبے قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا کی کہ میں نے تو اتنے لمبے قیام اور رکوع کرتے کبھی آپ کو نہ دیکھا تھا، نماز سے فراغت کے بعد آپ نے فرمایا یہ انقلابات اللہ تعالیٰ کسی کی موت و حیٰوۃ کی وجہ سے پیدا نہیں کرتا بلکہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جب اس قسم کے کسی انقلاب کو دیکھا کرو تو اس کی یاد، اس کے سامنے عجز و نیاز اور اس سے استغفار کرنے کے لئے دوڑ پڑا کرو۔

تشریح:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قدسی جس طرح قیامت کی آمد سے مانع تھا اسی طرح کسی شبہ کے بغیر عذاب استیصال سے بھی مانع تھا۔ لیکن جب کبھی قدرت کی بے پناہ طاقت سے عالم کے کسی جزء میں آپ کو شکست و ریخت کے آثار نظر آنے لگتے تو عالم غیب کے اس مشاہدہ کرنے والے کی نظروں کے سامنے قدرت علی الاطلاق کی ہر آئین سے بالاتر ہونے کا یقین ایسا جلوہ گر ہو جاتا کہ جس کے بعد بشریت کی ضعیف فطرت کو ان دو متصادم یقینوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ایک مشکل ترین مسئلہ بن جاتا حتیٰ کہ جب بارش برس جاتی اور سورج صاف ہو جاتا تو یہ امر منکشف ہو جاتا کہ قدرت نے آپ کے وجود کے امن ہونے میں کسی قید و شرط کو ملحوظ نہیں رکھا تھا اور اس لئے امت کی تباہی کے خطرہ سے جو بے چینی آپ محسوس کرتے وہ بھی ساتھ ہی رفع ہو جاتی تھی یہ اضطراب کسی تردد کا ثمرہ نہیں تھا بلکہ ایک یقین کے دوسرے یقین کے ساتھ تصادم سے پیدا ہوتا تھا اور جب بصورت توفیق ظاہر ہو جاتی تھی تو یہ تردد بھی زائل ہو جاتا تھا۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمُشْرِکِیْنَ وَھُمْ اَلْفٌ وَّاَصْحَابُہٗ ثَلٰثُمِائَۃٍ وَّتِسْعَ عَشَرَ رَجُلاً فَاسْتَقْبَلَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

الْقِبْلَةَ ثُمَّ مَدَّيَدَيْهِ فَجَعَلَ يَهْتِفُ بِرَبِّهٖ مَادًّا يَدَيْهِ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اَنْجِزْلِيْ مَا وَعَدْتَنِيْ اللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِي الْاَرْضِ فَمَا زَالَ يَهْتِفُ بِرَبِّهٖ مَادًّا يَدَيْهِ حَتّٰى سَقَطَ رِدَاءُهٗ عَنْ مَنْكِبَيْهِ فَاَتَاهُ اَبُوْبَكْرٍ فَاَخَذَ رِدَاءَهٗ فَاَلْقَاهُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ الْتَزَمَهٗ مِنْ وَّرَائِهٖ وَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ كَفَاكَ مُنَاشَدَتَكَ رَبَّكَ فَاِنَّهٗ سَيُنْجِزُلَكَ مَا وَعَدَكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِنَ الْمَلَآئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ مامده اللّٰهُ بِالْمَلَآئِكَةِ. (رواہ مسلم)

حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو مشرکین کی تعداد ایک ہزار اور آپ کے صحابہ کی صرف تین سو انیس تھی یہ دیکھ کر اسی وقت آپ روبقبلہ ہوگئے اور آپ نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور چیخ چیخ کر ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگنی شروع کی اے اللہ تو نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا اب وہ پورا کر۔ اے اللہ اگر اسلام کی اس مختصر جماعت کو تو ہلاک کردے گا تو اس زمین پر تیری عبادت اور کون کرے گا۔ آپ برابر ہاتھ پھیلائے ہوئے اسی طرح چیخ چیخ کر دعا مانگتے رہے یہانتک کہ آپ کے شانوں سے آپ کی چادر نیچے گر پڑی۔ ادھر سے ابوبکرؓ تشریف لائے آپ کی چادر اٹھائی اور آپ کے شانوں پر ڈالدی اور پیچھے کی جانب سے آکر آپ کو چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس اب آپ اپنے رب سے بہت الحاح کے ساتھ دعا مانگ چکے یقین ہے کہ جو وعدہ اس نے آپ کے ساتھ کیا تھا وہ ضرور پورا کرے گا چنانچہ یہ آیت نازل ہوگئی۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ۔ الخ

تشریح:۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ تو امت کے غم میں آپ کی اس مشقت و بے چینی کو دیکھ دیکھ کر گھلے جارہے تھے، انہیں اس بار کا بھلا کیا اندازہ ہوسکتا تھا جو ایک کمزور جماعت کی فتح و نصرت کے ذمہ دارانہ وعدہ سے آپ محسوس فرما رہے تھے ان کے سامنے صرف آپ کے اضطراب و سکون کا ایک مسئلہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اپنی مشقت کے بعد اس مختصر جماعت کی فناء و بقاء کا مسئلہ تھا۔ اس لئے یہ امت کا غم کھانے والے کی موجودگی میں بے غم نظر آرہے تھے۔ اور امت کا غم کھانے والا نقشہ جنگ دیکھ کر مضطرب نظر آرہا تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ کی قدرت اور بے نیازی کا اس درجہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہر علم میں کسی نہ کسی کوتاہی کی تاویل کا تصور کرسکتے ہیں مگر قدرت علی الاطلاق کے متعلق کسی قید و عجز کا تصور نہیں کرسکتے۔ اس لئے ان کا تردد اسباب کی موافقت یا ناموافقت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ جو اضطراب و بے چینی ان کو لاحق ہوتی ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کی بے نیازی اور اس کے غیر متناہی شکون کے نظارہ سے لاحق ہوتی ہے۔ دیکھو جنگ حنین شروع ہوگئی تو اسباب کی ناموافقت سے آپ ذرا متاثر نہ ہوئے بلکہ نقشہ جنگ جتنا بدلتا گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم و ثبات اور آپ کو اپنی فتح و نصرت کا یقین اتنا ہی اور بڑھتا گیا حتیٰ کہ جب اسلامی فوج میں ایسا انتشار پڑ گیا کہ آپ کے ساتھ قدم جما کر لڑنے والوں کی تعداد بہت ہی مختصر رہ گئی تو خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اب سواری کے بجائے زمین پر اتر پڑا اور بڑے جزم و یقین کے ساتھ یہ اعلان کرنے لگا۔

انا النبی لا کذب. انا ابن عبدالمطلب.

میں سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ میں وہی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

پھر جنگ بدر کے شروع ہونے سے قبل آپ کا اضطراب اس بنیاد پر نہ تھا کہ آپ کے صحابہ کی تعداد قلیل تھی بلکہ اس بناء پر تھا کہ اگر قدرت نے ان کی فتح ونصرت میں کہیں کوئی قید وشرط ملحوظ رکھ لی ہو اور اس لئے آج اسلامی فوج کو شکست ہو جائے تو نبی کو غم یہ ہے کہ اس کا مشن تو ختم ہو ہی جائے گا لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ پھر عالم کی غایت وغرض پورا ہونے کی اور صورت کیا ہو گی۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ کے ان دعائیہ فقروں میں ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کیونکہ پہلی امتیں اگر ہلاک ہو گئیں تو بعد میں دوسرے انبیاء علیہم السلام نے آ کر خدائے تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی جماعت اور بنالی لیکن چونکہ اب وہ نبی آ چکے تھے جن کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں اس لئے اگر اب کی بار پہلی امتوں کی طرح یہ امت بھی ختم کر دی گئی تو پھر دوسری عبادت کرنے والی جماعت کا وجود کہاں سے ہوگا۔ اور چونکہ عالم کی غایت وغرض عبادت ہے اور اس کا پورا ہونا بلاشبہ ضروری ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز وزاری کے موقعہ پر الحاح کرنے کے جتنے پہلو ممکن تھے وہ سب کے سب سامنے رکھے یعنی یہ کہ اول تو فتح ونصرت کا تیرا وعدہ ہی ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ عالم کی غایت وغرض کی تکمیل بھی اس مختصر جماعت کی بقاء پر موقوف ہے۔ یہ ہر دو سبب تیری فتح ونصرت کے نزول کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر ہیں۔ جب آپ دعا سے فارغ ہو گئے اور اجابت دعاء کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے تو پھر آپ ہی تھے جن پر مسرت وخوشی کے آثار بھی سب سے زیادہ نمایاں تھے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آپ اس درجہ مسرور تھے کہ آپ کی مسرت کے آثار آپ کی رفتار میں بھی نمایاں ہو رہے تھے۔

ایمان کے نور کی برکات

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرِبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ قال ابن شهاب فاخبرنی عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمن ان ابابکر کان یحدثهم هولاء عن ابی هریرة ثم یقول وکان ابوهریرة یلحق بهن ولا یَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ یَرْفَعُ النَّاسُ اِلَیْهِ فِیْهَا اَبْصَارَهُمْ حِیْنَ یَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (رواه البخاری و مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زنا کرنے والا شخص بحالت زناء مومن نہیں ہوتا اور چور بھی بحالت چوری مومن نہیں ہوتا اور اسی طرح جب کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں ابو ہریرہؓ اتنا اور اضافہ کرتے ہیں اور نہ لٹیرا اس وقت مومن ہوتا ہے جبکہ وہ ایسی بڑی لوٹ میں مشغول ہوتا ہے کہ لوگ (بے بس ہو کر) اسے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا کریں (اور اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں) ایک اور طریقے میں ہے مگر توبہ کا دروازہ اس کے بعد بھی کھلا رہتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:۔ معصیت کی حالت میں ایمان کا نور باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ نور باقی رہتا تو وہ یہ معصیت ہی کیوں کرتا۔ یہ نور ایمان کا وجود عینی کہلاتا ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے یہاں غریب معتزلہ یہ سمجھے کہ اس حالت میں ایمان یعنی تصدیق ہی باقی نہیں رہتی اس لئے انہوں نے مرتکب کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج کر ڈالا۔ پھر معلوم نہیں کہ ان بیسیوں حدیثوں کا ان کے پاس جواب کیا ہو

گا جن میں امت کے عاصیوں کی بخشش تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ انسان جب صرف الفاظ کی شوکت اور اسالیب بیان سے مسائل بنانا شروع کر دیتا ہے تو غلط عقائد کا شکار بن کر رہتا ہے اسی لئے اصولیین نے لکھا ہے کہ جو الفاظ مدح وذم کے موقعہ پر مستعمل ہوں ان کو مسئلہ کا مدار نہ سمجھنا چاہئے۔ آیہ "انما المشرکون نجس" میں بھی مشرکین کے لئے نجاست کا لفظ بسلسلہ مذمت مستعمل ہے۔ اس لئے فقہاء نے صرف اس لفظ کی وجہ سے ان پر نجاست کے تمام مسائل جاری نہیں کئے۔ (ہدایۃ المجتہدین لابن رشد)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزْنِیْ الْعَبْدُ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ حِیْنَ یَشْرَبُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَقْتُلُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِکْرَمَۃُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ کَیْفَ یُنْزَعُ الْاِیْمَانُ مِنْہُ قَالَ ھٰکَذَا وَشَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ ثُمَّ اَخْرَجَھَا فَاِنْ تَابَ عَادَ اِلَیْہِ ھٰکَذَا وَشَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ وقال ابوعبداللہ لَایکون ھذا مؤمنا تاما ولا یکون لہ نور الایمان ھذا لفظ البخاری.

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا اور چور جب چوری میں مشغول ہوتا ہے اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ بھی اس حالت میں مومن نہیں ہوتے اور جب کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت بھی وہ مومن نہیں ہوتا۔ عکرمہ کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا۔ اس بندہ سے اس کا ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے انہوں نے اشارہ کر کے دکھایا کہ اس طرح پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالدیں پھر ان کو نکال کر علیحدہ کرلیا۔ اگر اس کے بعد توبہ کرلیتا ہے تو وہ پھر اس طرح واپس آجاتا ہے۔ (یہ کہکر) پھر انگلیاں ملالیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معصیت کی حالت میں بندہ مومن کامل نہیں رہتا اور اس کا نور ایمانی نکل جاتا ہے۔

تشریح:۔ امام بخاریؒ نے اپنی اس تحقیق کو باب الزناء وشرب الخمر میں خود ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ وعن ابن عباسؓ ینزع عنہ نور الایمان فی الدنیا۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں سے فرمایا کرتے تھے جسے شادی کی ضرورت ہو ہم اس کی شادی کردیں کیونکہ اگر تم میں کوئی زنا کا مرتکب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کا نور اس سے چھین لے گا۔ پھر یہ اس کی مرضی ہے خواہ واپس کرے یا نہ کرے۔ حضرت حسنؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ان معاصی کی حالت میں ایمان اس سے علیحدہ کرلیا جاتا ہے اگر توبہ کرے تو واپس کردیا جاتا ہے۔ طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ان حالات میں مومن کا ایمان زائل ہوجاتا ہے۔ حضرت ابوجعفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص دائرہ ایمانی سے نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک ایمان کا رتبہ اسلام سے بلند تر ہے۔ امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابونصر نے ایک بڑی جماعت کا یہی خیال نقل کیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص کامل مومن نہیں رہتا اس کا ایمان ناقص ہوجاتا ہے۔ ایک مرتبہ امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ جب ان حالات میں یہ شخص مومن نہیں تو فرمایئے اسے اور کیا کہیں۔ امام کو یہ سوال ناگوار گزرا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ اگر مومن کہتے اور حدیث کی کوئی تاویل کرتے تو مصلحت کے خلاف ہوتا اور اگر کافر کہتے تو مسئلہ کے خلاف ہوتا۔ سفیان ثوری سے منقول ہے کہ سلف

اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنا پسند نہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تاویل کرنے سے ان تعبیرات کا زور ختم ہو جاتا ہے اور ان معاصی کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ یکسر فوت ہوتا ہے۔ (کتاب الایمان والیواقیت ج ۲ ص ۲۶۰)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زَنَی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِیْمَانُ وَ کَانَ کَالظُّلَّةِ فَاِذَا انْقَلَعَ مِنْهَا رَجَعَ اِلَیْهِ الْاِیْمَانُ. (رواہ الحاکم فی المستدرک ص ۲۲ قال الذھبی علی شرط الشیخین)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب بندہ زناء کرتا ہے تو ایمان نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس معصیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر لوٹ آتا ہے۔ (مستدرک)

تشریح:۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے اس ٹکڑے کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ **انه کان یقول انما الایمان کثوب احدکم یلبسه مرة ویخلعه اخری**۔ ایمان کی مثال لباس کی سی ہے کبھی آدمی اسے اوڑھ لیتا ہے کبھی اتار دیتا ہے۔ (کتاب الایمان)

عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَنٰی وَشَرِبَ الْخَمْرَ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْهُ الْاِیْمَانَ کَمَا یَخْلَعُ الْاِنْسَانُ الْقَمِیْصَ مِنْ رَأْسِهٖ. (رواہ الحاکم فی المستدرک ص ۲۲)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے زنا کیا یا شراب پی، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان اس طرح نکال لیتا ہے جیسے انسان اپنی قمیص سر کی طرف سے اتار لیتا ہے۔ (مستدرک)

تشریح:۔ آپ نے دیکھا کہ حدیث مذکور جب تک صحابہ کے مابین دائر رہی انہوں نے اس کی تاویل میں بھی ایسا عنوان اختیار کیا جو لفظ حدیث کے زیادہ سے زیادہ قریب رہے اور جب وہ ائمہ کے درمیان آ گئی تو مسئلہ اگرچہ زیادہ صاف ہو گیا مگر الفاظ حدیث سے اتنا قرب باقی نہیں رہا۔ حضرت ابو ہریرہؓ چاہتے ہیں کہ اس قسم کے عاصی سے ایمان ہی کی نفی کر دیں اور اس لئے فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس کے قلب سے نکل کر اس کے اوپر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ جوان سے افقہ تھے انہوں نے عنوان اگرچہ وہی رکھا مگر بات ذرا اور صاف کر دی اور فرمایا کہ ان معاصی کے ارتکاب کے وقت مومن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قلب سے نور ایمان نکل جاتا ہے۔ جب آئمہ کا دور آیا تو انہوں نے اس تعبیر کو اور صاف کیا اور فرمایا کہ جس ایمان میں نورانیت نہ ہو وہ ایمان ایک ناقص ایمان ہے اس لئے حدیث میں نفی کمال مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ عاصی مومن کامل نہیں رہتا اصل بات وہی تھی جو حضرت ابو ہریرہؓ کی زبان سے نکلی مگر جتنا زمانہ نبوت کو بُعد ہوتا گیا اسی قدر حدیث کی مراد زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھانے کی اہمیت بڑھتی گئی۔ اس بیان سے اصولی طور پر آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ محدث اور فقیہ مزاج میں کیا فرق ہوتا ہے۔ محدث مزاج تا امکان تعبیر حدیث کے اردگرد رہنا چاہتا ہے۔ فقیہ کے پیش نظر یہ رہتا ہے کہ غرض شریعت تا امکان زیادہ سے زیادہ واضح ہو جائے۔ الفاظ سے اگر کچھ بُعد ہوتا ہے تو ہو جائے مزاجوں کا یہ تفاوت صحابہ کے درمیان بھی ملتا ہے۔ اگر اتنی سی بات صاف ہو جاتی ہے تو محدثین اور فقہاء کے درمیان جو اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہو گئی ہرگز حائل نہ ہوتی۔ امام اعظمؒ سے محدثین کو زیادہ تر رہنمائی اسی مزاجی فرق کی بناء پر پیش آئی ہے۔ امام صاحبؒ نے مسئلہ کی چھان بین کے لئے بحثوں میں بڑی

وسعت پیدا کردی اور یہ وسعت محدثین کے لئے ہر موقعہ پر ایک نئی ناگواری کا موجب بنتی رہی۔ نوبت بایں جارسید کہ ان ہی لفظی اختلافات نے آئندہ چل کر مذہبی تحریک کی شکل اختیار کر لی اور آخر کار اسی پر ذاتیات کی تعمیر ہونے لگی۔ والی اللہ المشتکی۔

یہ حدیث جب ساتویں صدی میں پہنچی تو حافظ ابن تیمیہؒ نے سلف کے اسی مضمون کو اٹھا کر ذرا اور افادی شکل میں ادا کیا وہ لکھتے ہیں کہ ایک عاصی کی مثال ایسی ہے جیسی آنکھیں بند کرنے کے بعد ایک بینا کی۔ اگر ایک بینا شخص اپنی آنکھیں بند کر لے تو اسے بھی کچھ نظر نہیں آتا اور اس لحاظ سے یہ بینا اور ایک نابینا برابر ہو جاتا ہے نہ یہ دیکھتا ہے نہ وہ۔ لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا نور بصر ہی نہیں رکھتا اور بینا اگرچہ نور تو رکھتا ہے مگر خلاف چشم کی وجہ سے وہ نور کام نہیں کرتا اس لئے نابینا کی برابر ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن کے نور بصیرت پر جب بہیمیت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت وطاعت کا فرق نہیں پہچانتا۔ اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مومن جس حالت میں زنا کرتا ہے اس کا نور تصدیق جوش بہیمیت سے ایسا مدھم پڑ جاتا ہے کہ اسے بھی معصیت کرنے میں کوئی باک نہیں رہتا اور اس تہور وجرأت کے عالم میں اس پر مومن کا اطلاق بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کر لے تو یہ حجاب بہیمیت پھر چاک ہو جاتا ہے اور نور ایمانی پھر جگمگانے لگتا ہے۔ (کتاب الایمان ص ۱۳، ۱۰۰، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۵۵) دراصل یہ وہی مختصر فقرے تھے جو عہد سلف سے مشروع ہوئے اور حافظ ابن تیمیہؒ کے دور میں آکر بہت پھیل گئے۔

جس کی موت یقین پر آجائے وہ یقیناً جنتی ہوتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَسِیْرٍ قَالَ فَنَفِدَتْ اَزْوَادُ الْقَوْمِ قَالَ حَتّٰی هَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ جَمَعْتَ مَا بَقِیَ مِنْ اَزْوَادِ الْقَوْمِ فَدَعَوْتَ اللّٰهَ عَلَیْهِ قَالَ فَفَعَلَ قَالَ فَجَاءَ ذُوالْبُرِّ بِبُرِّهٖ وَذُوالتَّمْرِ بِتَمْرِهٖ قَالَ وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَذُوالنَّوَاةِ بِنَوَاهُ قُلْتُ وَمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ بِالنَّوٰی قَالَ کَانُوْا یَمُصُّوْنَهٗ وَیَشْرَبُوْنَ عَلَیْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَا عَلَیْهَا قَالَ حَتّٰی مَلَأَ الْقَوْمُ اَزْوِدَتَهُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا یَلْقَی اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَیْرَ شَاکٍّ فِیْهِمَا اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک سفر (غزوۂ تبوک) میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگوں کا زاد راہ ختم ہو گیا تھا حتیٰ کہ نوبت اس کی آگئی تھی کہ ان میں کسی کسی نے تو اپنی اونٹنی ذبح کرنے کا بھی ارادہ کر لیا تھا حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کاش آپ لوگوں کا باقی ماندہ زادراہ منگا کر ایک جگہ جمع کر لیتے پھر اس میں دعاء برکت فرما دیتے (تو بہتر ہوتا) آپ نے ایسا ہی کیا۔ راوی کہتا ہے جس کے پاس گیہوں تھے وہ گیہوں لے آیا اور جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لے آیا، مجاہدؒ کہتے ہیں جس کے پاس کھجوروں کی گٹھلیاں تھیں وہ اپنی گٹھلیاں ہی لے آیا۔ میں نے پوچھا بھلا گٹھلیاں ان کے کس کام آتی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ انہیں ہم چوس لیتے اور اس پر پانی پی لیا کرتے تھے، آپ نے ان میں دعاء برکت فرمائی پھر اتنی برکت ہوئی کہ لوگوں نے اپنے اپنے ناشتہ دان بھر لئے اس کے بعد آپ نے فرمایا میں

گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا پیغمبر ہوں۔ جو شخص کسی شک و تردد کے بغیر ان دو باتوں کی گواہی دیتا ہوا، خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَامَ بِلَالٌ یُنَادِیْ فَلَمَّا سَکَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا یَقِیْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (اخرجه النسائی والحاکم وابن حبان)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بلال اذان دینے کھڑے ہوئے جب فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یقین کے ساتھ یہ کلمات کہے وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔ (نسائی۔حاکم۔ابن حبان)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حُبْشِیٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ لَا شَکَّ فِیْهِ وَجِهَادٌ لَا غُلُوْلَ فِیْهِ وَحَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ قِیْلَ فَاَیُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ. (الحدیث. رواه النسائی)

عبداللہ بن حبشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا عملوں میں کون کون سے عمل سب سے بہتر ہیں؟ آپ نے فرمایا ایسا ایمان جس میں ذرا شک نہ ہو، ایسا جہاد جس میں ذرہ برابر خیانت نہ ہو اور ایسا حج جس میں کوئی جنایت نہ کی جائے اس کے بعد اس نے پوچھا اور نماز کونسی افضل ہے فرمایا جس میں قیام لمبا ہو۔ (نسائی)

عَنْ عُثْمَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ یَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه مسلم)

عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس یقین کے ساتھ مر جائے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

تشریح:۔ یہاں علم کے معنی صرف دانستن نہیں صرف دانستن نہ تو شرعی نظر میں کوئی اہمیت رکھتا ہے اور نہ اس پر دخول جنت کی بشارت مرتب ہے بلکہ معرفت و یقین کے معنی مراد ہیں جیسا کہ اس باب کی دوسری احادیث سے ظاہر ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ جو اس عقیدۂ جازم اور یقین کامل کے ساتھ دنیا سے گذر جائے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہو کر رہے گا کیونکہ جنت اور دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے، اچھے برے اعمال پر نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے یقین کی چند مثالیں

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ هَلْ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَضْحَکُوْنَ قَالَ نَعَمْ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ وَقَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ اَدْرَکْتُهُمْ یَشْتَدُّوْنَ بَیْنَ الْاَغْرَاضِ وَیَضْحَکُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ فَاِذَا کَانَ اللَّیْلُ کَانُوْا رُهْبَانًا. (رواه فی شرح السنه)

قتادہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنسا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں لیکن ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ بھاری موجود ہوتا تھا۔ (یعنی ان کی ہنسی غفلت کی ہنسی نہ تھی) بلال بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کو (دن میں تو) نشانوں اور ہدفوں کے درمیان بھاگتے دوڑتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق بھی کرتے پایا ہے لیکن جب رات آتی تو وہ درویش صفت بن جاتے تھے (یعنی مصلوں پر کھڑے کھڑے راتیں کاٹ دیا کرتے تھے) (شرح السنہ)

تشریح:۔ حافظ ابن کثیرؒ نے آیت ولو انا کتبنا علیهم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوه الا قلیل منهم کی تفسیر کے ذیل میں اعمشؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بولے اگر ہمارا پروردگار ہمیں یہ حکم دیتا تو ہم بسر و چشم اس کا امتثال کرتے آپ کو اپنے صحابہؓ کے ان جاں نثارانہ کلمات کی جب اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا للایمان اثبت فی قلوب اهله من الجبال الرواسی۔ ایمان داروں کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے بھی زیادہ راسخ ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ مجھے یہ حکم دیں تو میں تو اسی وقت اس کی تعمیل کروں۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی کے قریب الفاظ منقول ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات مروی ہیں۔ ان من امتی لرجالاً ایمان اثبت فی قلوبهم من الجبال الرواسی میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے زیادہ مستحکم اور راسخ ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِيْنَ بَلَغَنَا اِقْبَالُ اَبِيْ سُفْيَانَ وَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَاَخَضْنَاهَا وَلَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَكْبَادَهَا اِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰى نَزَلُوْا بَدْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَيَضَعُ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ هٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ مسلم)

انسؓ کہتے ہیں کہ جب ہمیں ابوسفیان کے لشکر کشی کی خبر ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ سعد بن عبادہؓ کھڑے ہو کر بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں تو ہم ابھی ڈال دیں گے اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ ہم برک الغماد تک اپنے گھوڑے دوڑا کر ان کے پتے پانی کر ڈالیں تو ہم یہ بھی کر گزریں گے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کے لئے بلایا لوگ چل پڑے یہاں تک کہ بدر کے میدان میں آ کر مقیم ہو گئے آپ یہاں زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتاتے جاتے تھے کہ یہاں فلاں مشرک مقتول ہو کر گرے گا اور یہاں فلاں گرے گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (سب اسی اسی جگہ مقتول ہوئے اور) ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کی مقرر کردہ جگہ سے ذرا کہیں علیحدہ گرا ہو۔ (مسلم)

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ شَهِدْتُ مِنَ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ مَشْهَداً لَاَنْ اَكُوْنَ صَاحِبَهٗ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا عُدِلَ بِهٖ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَدْعُوْ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ لَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا وَلٰكِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ يَمِيْنِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ وَبَيْنَ يَدَيْكَ وَخَلْفَكَ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْرَقَ وَجْهُهٗ وَسَرَّهٗ. (رواہ البخاری)

ابن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے مقداد بن اسود کی ایک ایسی بات دیکھی ہے کہ تمام فضائل و کمالات کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا ہوتی ہے کاش وہ بات مجھے نصیب ہو جاتی (وہ بات یہ تھی) کہ ایک بار آپ لوگوں کو مشرکین کے مقابلہ کے لئے ترغیب

دے رہے تھے اس وقت یہ بھی آپہنچے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ بس تو اور تیرا پروردگار جا کر لڑ آ (ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) بلکہ ہم آپ کے دائیں، بائیں آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے رہ کر جنگ کریں گے۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر آپ کا روئے انور (مارے خوشی کے چمک اٹھا اور مقداد کے اس جواب نے آپ کو خوش کر دیا۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَۃِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْھَیْئَۃِ فَقَالَ یَا اَبَا مُوْسٰی اَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ھٰذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ اِلٰی اَصْحَابِہٖ فَقَالَ اَقْرَأُ عَلَیْکُمُ السَّلَامَ ثُمَّ کَسَرَ جَفْنَ سَیْفِہٖ فَاَلْقَاہُ ثُمَّ مَشٰی بِسَیْفِہٖ اِلَی الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِہٖ حَتّٰی قُتِلَ. (رواہ مسلم)

ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے یہ سن کر ایک شکستہ حال شخص کھڑا ہوا اور بولا اے ابو موسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے کیا تم نے خود سنا ہے انہوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد وہ اپنے رفقاء کے پاس آیا اور ان سے کہا لو میرا اسلام لو یہ کہکر اس نے اپنی تلوار کی میان توڑ کر ڈالدی اور (ننگی) تلوار لیکر دشمن پر حملہ آور ہوا اور لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (مسلم)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُہٗ حَتّٰی سَبَقُوْا الْمُشْرِکِیْنَ اِلٰی بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِکُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ قَالَ عُمَیْرُ بْنُ الْحُمَّامِ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکَ عَلٰی قَوْلِکَ بَخٍ بَخٍ قَالَ لَا وَاللّٰہِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِلَّا رِجَاءَ اَنْ اَکُوْنَ مِنْ اَھْلِھَا قَالَ فَاِنَّکَ مِنْ اَھْلِھَا قَالَ فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قِرَابِہٖ فَجَعَلَ یَاکُلُ مِنْھُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ اَنَا حَیِیْتُ حَتّٰی اٰکُلَ تَمَرَاتِیْ اِنَّھَا حَیٰوۃٌ طَوِیْلَۃٌ قَالَ فَرَمٰی بِمَا کَانَ مَعَہٗ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَھُمْ حَتّٰی قُتِلَ. (مسلم)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بدر کی جنگ کیلئے نکلے یہاں تک کہ (میدان جنگ میں) یہ مشرکین سے پہلے جا پہنچے جب مشرکین بھی آ گئے تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا لو اب اس جنت کیلئے کھڑے ہو جاؤ جس کا عرض زمین اور آسمانوں کے برابر ہے یہ سن کر عمیر بن حمام بولے واہ واہ۔ آپ نے فرمایا تم نے اتنی خوشی کا اظہار کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم صرف اس لئے کہ شاید جنت میرے نصیب میں آ جائے آپ نے فرمایا (جاؤ) تم جنتی ہو یہ سن کر انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کے کھانے میں مشغول ہو گئے پھر خود ہی بولے اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا...... کہ ان کھجوروں کو ختم کرلوں تو یہ زندگی تو بڑی لمبی زندگی ہوگی۔ راوی کہتا ہے کہ یہ کہہ کر جو کھجوریں ان کے پاس تھیں پھینک دیں اور مشرکین سے جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (مسلم)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ اُحُدٍ اَرَئَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَیْنَ اَنَا

قَالَ فِیْ الْجَنَّةِ فَاَلْقٰی تَمَرَاتٍ فِیْ یَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰی قُتِلَ. (متفق علیہ)
جابرؓ سے روایت ہے کہ احد کی جنگ میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمایئے اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا آپ نے فرمایا جنت میں۔ یہ سن کر اس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (متفق علیہ)

تمام مسلمان اصل اعتقادات کے لحاظ سے برابر ہیں

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِی الدُّنْیَا عَلٰی ثَلٰثَةِ اَجْزَاءٍ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْ یَاْمَنُهُ النَّاسُ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الَّذِیْ اَشْرَفَ عَلٰی طَمْعٍ تَرَكَهٗ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. (رواہ احمد)
ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن دنیا میں تین قسم کے ہیں ایک وہ مومن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا پھر اس میں اس نے ذرا شک وتردد نہ کیا اور اپنی جان ومال سے بے دریغ اس کی راہ میں جہاد کیا۔ دوسرا وہ جس کی طرف سے لوگ اپنی جان ومال کے بارے میں بے خطر رہے۔ تیسرا وہ (جو اپنی جاں بازی یا اتنی سلامت روی کا ثبوت تو نہ دے سکا لیکن کم از کم یہی کیا کہ جب اس کے سامنے کوئی لالچ کا موقعہ پیش آیا تو اس نے صرف اللہ کے نام پر اس کو چھوڑ دیا۔ (مسند احمد)
تشریح:۔ مومن میں سب سے بڑی صفت اس کا جزم ویقین ہے اور اسی صفت کے لحاظ سے مومنوں کے مراتب میں تفاوت ہے۔ یقین کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جانبازی کے موقعہ پر اپنا قدم پیچھے نہ ہٹائے جہاد میں کمزوری ایمانی ضعف کی علامت ہے اسی لئے **لم یرتابو** کے ساتھ **جاهدوا بأموالهم وانفسهم** کا لفظ رکھا گیا ہے۔ گویا جس نے جان ومال میں سے کسی میں بھی دریغ کیا۔ یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے ایمان ویقین ہی میں پوری پختگی نہیں ہے۔ بقیہ دو مراتب بھی اگرچہ بظاہر عمل سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان کا تعلق بھی انسان کے قلبی یقین ہی کے ساتھ ہے۔

عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ كَاَنَّ مِیْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَوُزِنْتَ اَنْتَ وَاَبُوْبَكْرٍ فَرَجَحْتَ اَنْتَ وَوُزِنَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَرَجَحَ اَبُوْبَكْرٍ وَوُزِنَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِیْزَانُ فَاسْتَاءَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْنِیْ فَسَاْءَهٗ ذٰلِكَ فَقَالَ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ یُؤْتِی اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ یَّشَاءُ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)
ابوبکرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اس میں آپ اور ابوبکرؓ تولے گئے تو آپ بھاری اترے اس کے بعد ابوبکرؓ وعمرؓ تولے گئے تو ابوبکرؓ بھاری اترے پھر عمرؓ وعثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ بھاری اترے اس کے بعد وہ ترازو اٹھالی گئی۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا کہ یہ ترازو خلافت نبوۃ کی ترازو تھی اس کے بعد (خلافت نبوت تو ختم ہو جائے گی اور ملک گیری شروع ہو جائے گی اور خدا تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک حوالہ کر دے گا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)
تشریح:۔ صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ دارمی حضرت ابوذرؓ سے اسی قسم کا ایک خواب خود صاحب نبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی نقل کیا

ہے۔آپ نے دیکھا کہ بطحاء مکہ میں دوفرشتے آپ کے پاس آئے ایک تو زمین پر اتر آیا اور دوسرا زمین وآسمان کے درمیان معلق کھڑا رہا پھران کے باہم یہ گفتگو شروع ہوگئی کیا یہ وہی نبی ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا ہاں وہی ہیں۔اس نے کہا اچھا تو پھران کو ایک شخص کے مقابلہ میں تول کر دیکھو چنانچہ تولا تو میں بھاری اترا۔پھراس نے کہا اچھا ان کو دس شخصوں کے مقابلہ میں تولو،تو بھی میں ہی بھاری اترا۔پھراس نے کہا اب سوآدمیوں کے مقابلہ میں تولو تو ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری رہا۔پھراس نے کہا اچھا اب ہزار کے مقابلہ میں تولو،ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری اترا (آپ نے فرمایا کہ) ان کے ہلکے ہونے کی وجہ سے ترازو سے ان کے بکھر بکھر جانے کا جونقشہ اس وقت نظر آرہا تھا وہ اب تک میری نظروں کے سامنے ہے۔اس پر ایک نے دوسرے سے کہا بھئی ان کے مقابلہ میں اگر ساری امت بھی تول ڈالو گے جب بھی یہی بھاری اتریں گے۔

عالم بالا کی اس میزان میں یہ وزن یقین وایمان ہی کا وزن تھا۔نبی اس میں سب سے بھاری اترا اس کے بعد پھر درجہ بدرجہ صدیقؓ وعمرؓ وعثمانؓ بھاری اترتے رہے۔رفع میزان کی تعبیر آپ نے خود بنفس نفیس یہ بیان فرمائی کہ خلفاء ثلاثہ کے بعد خلافت نبوۃ کا دور ختم ہو جائے گا اور صرف ملک گیری کا آغاز ہو جائے گا۔حضرت علیؓ کا زمانہ اول تو تھا ہی کتنا پھر جتنا کچھ تھا وہ بھی جنگ وجدل کی نذر ہو گیا اور خلفاء ثلاثہ کے دور کا سا وہ امن وانصاف پھر نہ لوٹ سکا۔حضرت علیؓ کے بعد تو پھر کھلی ہوئی ملک گیری رہ گئی۔صدق اللہ ورسولہ۔

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَرَأَ قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوٰى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلٰوةَ دَخَلْنَا جَمِيْعًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ هٰذَا قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ سِوٰى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَأَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ فَحَسَّنَ شَأْنَهُمَا فَسُقِطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَلَا اِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلَى اللّٰهِ فَرَقًا فَقَالَ لِيْ يَا اُبَيُّ اُرْسِلَ اِلَيَّ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ اِلَيْهِ اَنْ هَوِّنْ عَلٰى اُمَّتِيْ فَرُدَّ اِلَيَّ الثَّالِثَةَ اِقْرَأْهُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْئَلَةٌ تَسْأَلُنِيْهَا فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ وَاَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ اِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ حَتّٰى اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (رواه المسلم)

ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز کے لئے آیا اور اس نے کچھ نئے طرز سے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔پھر دوسرا شخص آیا اس نے بھی علیحدہ طرز سے قرأت کی جب ہم نماز سے فارغ ہو گئے تو سب مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا (یارسول اللہ) اس شخص نے قرآن شریف کچھ اس انداز میں پڑھا ہے جو مجھے نیا نیا معلوم ہوتا ہے دوسرے شخص نے اس سے بھی الگ طرز میں پڑھا ہے آپ نے ان دونوں کو پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا انہوں نے پھراسی طرح پڑھ پڑھ کر سنا دیا آپ نے دونوں کی تحسین فرمادی یہ سن کر میرے قلب میں آپ کی ایسی تکذیب پیدا ہونے لگی کہ کبھی کفر کے زمانہ میں بھی ایسی پیدا نہ ہوئی تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میرے شک وتردد کی اس کیفیت کو محسوس

کیا جو اس وقت مجھ پر چھا گئی تھی تو اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا اس کے اثر سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرے اذعان و یقین کا یہ عالم ہو گیا کہ مارے خوف کے گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس کے بعد آپ نے فرمایا اُبی؟ میرے پاس پہلے یہی وحی آئی تھی کہ قرآن کو صرف ایک ہی طرح پڑھے۔ میں نے (امی امت کے خیال سے) درخواست کی کہ میری امت کے لئے کچھ اور سہولت کر دی جائے۔ تیسری بار مجھے یہ جواب ملا کہ آپ کو سات طریقے تک پڑھنے کی اجازت دیدی گئی اور اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کی ہر درخواست کے بدلہ میں آپ کو ایک ایک دعاء کا حق اور دیا جاتا ہے جو چاہئے مانگ لیجئے۔ آپ نے دو بار تو یہی دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا اس دن کے لئے اٹھا رکھی ہے جس میں تمام مخلوق کو (شفاعت کے لئے) میری ہی تلاش ہوگی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی۔ (مسلم)

تشریح:۔ شبہات کی دنیا دلائل کے لشکروں سے کبھی شکست نہیں کھاتی اس لئے آپ نے اس کے شبہات کا علاج پہلے ہی دلائل سے نہیں کیا بلکہ اس کے سینہ پر ایک ایسی بصیرت افروز ضرب لگائی کہ اس کا قلب اذعان وایقان سے معمور ہو گیا اور نسبت احسان نے اس شدت سے ظہور کیا کہ اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا شبہات سب برطرف ہو گئے اور خدا کی ذات عظیم البرکات کا جلوہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ جب آپ نے دیکھ لیا کہ اب مریض کا تردد اچھی طرح شفایاب ہو گیا ہے اس کا ایمان پھر تازہ ہو گیا ہے اور نور یقین پھر از سر نو اس کے قلب میں بھڑک اٹھا ہے تو اب فہمائش کا موقعہ بھی نکل آیا آپ نے فرمایا کہ تمہارے شبہ کی بنیاد کچھ نہیں صرف حقیقت سے لاعلمی اور بے خبری ہے۔ دونوں قرأتوں کی تحسین کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی اپنی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی امی امت کی سہولت کے لئے خود یہ درخواست کی تھی کہ اس کے لئے قرأت میں کچھ توسیع کر دی جائے۔ میری یہ درخواست قبول ہو گئی اور قرآن کو مختلف صورتوں سے پڑھنے کی اجازت دیدی گئی۔ لہٰذا یہ دونوں قرأتیں منزل من اللہ ہیں اور میری تعلیم کردہ ہیں۔

عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرُّبَيِّعِ الْاُسَيِّدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَاحَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يذكرنا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَاْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْراً قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وَمَا ذَاكَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَاْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَ تْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (مسلم. مشكوة)

حنظلہ بن ربیعؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکرؓ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا حنظلہ! کہو کیا حال

ہے، میں نے عرض کیا (حال کیا ہے) میں تو نفاق کی علت میں گرفتار نظر آ رہا ہوں، ابو بکرؓ نے تعجب سے فرمایا سبحان اللہ یہ کیا بات کہہ رہے ہو، میں نے عرض کیا (درست کہہ رہا ہوں کیونکہ) جب ہم آپ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے جنت و دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں جب تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے گویا ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ کی خدمت سے علیحدہ ہو کر باہر آتے ہیں تو پھر وہی بیبیوں، بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ فراموش ہو جاتا ہے (اندرون و بیرون کا فرق یہی نفاق ہے) اس پر ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہ بات تو ہمیں بھی پیش آتی ہے اس کے بعد میں اور ابو بکرؓ دونوں آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ گئے تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کیا بات پیش آئی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جب آپ کے پاس سے باہر آ جاتے ہیں تو پھر وہی بیبیوں، بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ بھول جاتے ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ قائم رہو جو میری محفل میں ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بچھونوں پر اور راستوں میں کھلم کھلا تم سے مصافحہ کیا کریں لیکن اے حنظلہ گاہ چنیں گاہ چناں۔ تین بار فرمایا۔ (مسلم)

تشریح:۔ حضرت حنظلہ جس قلبی کیفیت کو یہاں ذکر فرما رہے ہیں شریعت اس کو احسان سے تعبیر کرتی ہے دراصل یہ یقین ہی کی ایک منزل ہے جس کے بعد کوئی اور منزل نہیں۔ اس کے بعد جتنی ترقیات نصیب ہوتی ہیں اسی مرتبہ احسان میں نصیب ہوتی ہیں۔ اسلام یعنی اعمال جوارح سے قلب میں ایمان و تصدیق ابھرتی ہے اور قلب میں جتنی تصدیق ابھرتی جاتی ہے اتنا ہی مرتبہ احسان نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ یہ اختیاری عمل نہیں بلکہ کیفیات نفسیہ میں ایک کیفیت ہے اس کے مقدمات بیشک اختیاری ہو سکتے ہیں یہ نعمت صرف ایک موہبت الٰہی ہے جو یقین کے عمل قلب ہے اور اختیاری ہے وہ صرف ایک اعتقاد جازم کا نام ہے جس میں کوئی تردد نہ ہو۔ پھر یہی اعتقاد جازم ترقی کر کے مقام احسان تک پہنچ جاتا ہے مگر یہ اختیاری امر نہیں صرف خدا کے دین کی بات ہے جسے چاہے مرحمت فرما دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں یہ مقام پہلے ہی قدم پر میسر آ جاتا تھا اسی کو حنظلہؓ صحابی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ جب ہم آپ کی صحبت میں آ جاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا عالم آخرت تمام کا تمام آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ اور جب آپ کی صحبت سے اٹھ آتے ہیں تو پھر قلب کی یہ کیفیت نہیں پاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری یہ کیفیت دائمی بن جائے تو تم اس کو برداشت نہیں کر سکتے نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری بشریت کی قباء تار تار ہو جائے گی اور تم فرشتوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ شریعت کا مقصد بشریت کی تکمیل ہے۔ قلب ماہیت نہیں۔ ہاں رفتہ رفتہ جب انسان کے جسم ناسوتی کے ضعیف تعمیر تجلیات ربانیہ کی عادی بن جاتی ہے تو پہلے جو شخص ایک گھونٹ کی تاب نہ لا سکتا تھا اب وہ خم کے خم چڑھا کر بھی مدہوش نہیں ہوتا۔ خواجہ حافظؒ نے ان ہی منازل کی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

در بزم دور یک دو قدح درکش و برد یعنی طمع مدار وصال دوام را

انسانی ترقی کا راز غیبت وحضور کے اسی غوطہ زنی میں مضمر ہے۔ اگر مسلسل غیبت ہو جائے تو بحرِ محبت کے شناوروں کی ہمت شکستہ ہو جائے اور اگر حضور بے غیبت دائمی بن جائے تو بھی وصل دوام کی وجہ سے حرارتِ عشق سرد پڑ جائے اسی کی طرف حدیث کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ولکن یا حنظلہ ساعۃ وساعۃ.

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ غَدَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ هَلَکْنَا وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ قَالَ وَمَا ذَاکَ قَالُوْا النِّفَاقَ النِّفَاقَ قَالَ اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ قَالُوْا بَلٰی قَالَ لَیْسَ ذَالِکَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوْا الثَّانِیَۃَ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ هَلَکْنَا وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ قَالَ وَمَا ذَاکَ قَالُوْا النِّفَاقَ النِّفَاقَ قَالَ اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ قَالُوْا بَلٰی قَالَ لَیْسَ ذٰلِکَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوْا الثَّالِثَۃَ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ هَلَکْنَا وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ قَالَ وَمَا ذَاکَ قَالُوْا النِّفَاقَ قَالُوْا اِمَّا اِذَا کُنَّا عِنْدَکَ کُنَّا عَلٰی حَالٍ وَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِکَ هَمَّتْنَا الدُّنْیَا وَاَهْلُوْنَا قَالَ لَوْ اَنَّکُمْ اِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِیْ تَکُوْنُوْنَ عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ بِطُرُقِ الْمَدِیْنَۃِ. (رواہ ابویعلی)

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کی خدمت میں صبح کے وقت حاضر ہوئے اور کہا رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم کلمہ توحید ورسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے۔ عرض کیا کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے دوبارہ عرض کیا یارسول اللہ رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا کیا تم توحید ورسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے۔ عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ تیسری بار انہوں نے پھر یہی کہا۔ یارسول اللہ رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ (اس مرتبہ انہوں نے زیادہ تفصیل سے) کہا کہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اور جب آپ کے پاس سے باہر چلے آتے ہیں تو پھر دنیا اور گھر بار کی فکر ہمیں گھیر لیتی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ رہتے جو میری صحبت میں ہوتی ہے تو مدینہ کی گلیوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگتے۔ (ابویعلیٰ)

عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ فَلَمَّا بَلَغَ هٰذِہِ الْاٰیَۃَ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوْا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا یُوْقِنُوْنَ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّکَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ کَادَ قَلْبِیْ اَنْ یَطِیْرَ. (رواہ البخاری ص ۷۲۲)

جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ والطور پڑھتے سنا جب آپ اس آیت پر پہنچے ام خلقو االخ کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود خالق ہیں کیا آسمان اور زمین کو انہیں لوگوں نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں کیا ان کے پاس خدا کے خزانے ہیں کیا یہی لوگ داروغہ بنائے گئے

ہیں تو مجھ کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اب اڑا، اب اڑا۔ (بخاری شریف)

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّ عِيْسٰى عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ وَاَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ وفی روایته اَدْخَلَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى الْجَنَّةَ مِنْ اَبْوَابِهَا الثَّمَانِيَةِ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ دَخَلَ. (متفق علیہ)

عبادہ بن صامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ جو تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلا شبہ اس کے بندہ اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندہ، اس کے رسول، اور اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے حضرت مریمؑ پر القا فرمایا تھا اور اس کی طرف سے بھیجی ہوئی ایک روح ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے تو (ان اصولی عقائد کے تسلیم کرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل کریگا خواہ اس کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریگا (اور اسے اختیار دے گا کہ وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں جس سے چاہے داخل ہو جائے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود ملعون قرار دیتے تھے۔ (والعیاذ باللہ) اور نصاریٰ خدا کا بیٹا۔ اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ دونوں عقیدے سراسر افراط و تفریط کی راہیں ہیں وہ عبدیت و رسالت کی صفت سے سر مو بھی متجاوز نہ تھے۔ روح اللہ ان کا صرف ایک لقب تھا۔ نصاریٰ کو یہاں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے جزئیت کی نسبت سمجھنے لگے۔ (والعیاذ باللہ) حالانکہ عرب میں اضافت کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں ایک قسم اضافت تشریف بھی ہے۔ جیسی بیت اللہ میں اس اضافت کا مطلب بھی یہ نہیں کہ اس بیت محترم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کو تمکن کا حقیقۃ کوئی علاقہ ہے بلکہ صرف اس کی شرافت کا اظہار مقصود ہے روح اللہ اور کلمۃ اللہ کی اضافت کا مفہوم بھی تشریف سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ یہاں شیخ اکبرؒ نے ایک اور لطیف تحقیق لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یوم میثاق میں تمام ارواح سے عہد لیکر سب کو تو پھر اصلاب آباء میں واپس کر دیا گیا تھا ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی جو واپس نہیں کی گئی تھی اس کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا تھا تاکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ آئے تو وہ اس امانت الٰہیہ کو براہ راست حضرت مریمؑ کے حوالہ کر دیں۔ چنانچہ جب ان کی ولادت کا زمانہ آیا تو وہ ایک خوبصورت انسان کی شکل میں متمثل ہوئے اور یہ امانت ان کے حوالہ کر گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روح اللہ اور روح منہ ہونے کی حقیقت یہ ہے (الیواقیت والجواہر ص ۱۱۸۔۱) اس تحقیق کا ابتدائی حصہ مسند امام احمد میں بھی مذکور ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی تقدیر کے باب میں اس کو نقل کیا ہے۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نجات ابدی کا تمام دارومدار ایمان وعقائد کی اصلاح پر ہے۔ اس میں کوئی ادنیٰ فروگذاشت بھی قابل درگذر نہیں ہوسکتی۔ ہاں اعمال کی ہر کمزوری قابل درگذر ہوسکتی ہے۔ اسلامی تمام عقائد کی روح توحید ورسالت ہے مگر وہ توحید نہیں جس کو عقیدۂ تثلیث کے ساتھ نبھایا جاسکے بلکہ وہ توحید جس میں مثال ونظیر کی شرکت کی گنجائش نہ ہو اس لئے نصاریٰ کو یہ اقرار کرنا ہوگا

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اس کے بندہ تھے اور یہود کو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ملعون (والعیاذ باللہ) نہیں تھے 9
بلکہ خدا کے مقدس رسول تھے، کلمۃ اللہ بھی تھے اور روح اللہ بھی راہ اعتدال بس یہی ہے اس کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں ہوسکتا۔

الف. عَنْ يُوْسُفَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ بَيْنَهُمَا نَحْنُ نَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ سَمِعَ الْقَوْمَ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ اَىُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيْمَانٌ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٌ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ وَحَجٌّ مَبْرُوْرٌ ثُمَّ سَمِعَ نِدَاءٌ فِى الْوَادِىْ يَقُوْلُ اَشْهَدُاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَشْهَدُ وَاَشْهَدُ اَنْ لَا يَشْهَدَ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا بَرِئَ مِنَ الشِّرْكِ. (رواه احمد)

عبداللہ بن سلام بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ دفعۃً صحابہ کو آپ سے یہ دریافت کرتے سنا، یا رسول اللہ کون سے عمل افضل ہیں آپ نے فرمایا اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا، اللہ کے لئے جہاد کرنا جنایت کے بغیر حج کرنا اتنے میں وادی سے ایک آواز سنائی دی کوئی کہنے والا کہتا ہے اشھدان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں اور اس کی بھی کہ جو شخص یہ گواہی دے اس نے شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کردیا۔ (احمد)

تشریح:۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ توحید کا اصل رکن شرک سے بیزاری ہے۔ جن عقائد میں شرک کی بو آتی ہے وہ اسلامی توحید کے منافی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ توحید و رسالت اسلام کے وہ بنیادی اصول ہیں جن کے ماننے سے انبیاء علیہم السلام خود بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ان کے لئے بھی یہ اسی طرح واجب التسلیم ہیں جس طرح ان کی امت کے لئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان صرف ایک علم نہیں بلکہ قلب کا اختیاری عمل ہے جیسا جہاد اور حج جوارح کے عمل ہیں۔

ب. يحيى عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّهٗ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِى الْمَوْتِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَهْلًا لِمَ تَبْكِىْ فَوَاللهِ لَئِنِ اسْتُشْهِدْتُّ لَاَشْهَدَنَّ لَكَ وَلَئِنْ شُفِّعْتُ لَاَشْفَعَنَّ لَكَ وَلَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَاَنْفَعَنَّكَ ثُمَّ قَالَ وَاللهِ مَا مِنْ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ خَيْرٌ اِلَّا حَدَّثْتُكُمُوْهُ اِلَّا حَدِيْثًا وَاحِدًا وَسَوْفَ اُحَدِّثُكُمُوْهُ الْيَوْمَ وَقَدْ اُحِيْطَ بِنَفْسِىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (اخرجه مسلم)

یحیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں عبادۃ بن الصامت کی خدمت میں ایسے وقت پہنچا جبکہ وہ نزع کی حالت میں تھے۔ ان کو دیکھ کر مجھ پر گریہ طاری ہوگیا۔ انہوں نے فرمایا ٹھہرو کیوں روتے ہو، اگر تمہارے حق میں مجھ سے شہادت طلب کی گئی تو میں تمہارے لئے شہادت دونگا اور اگر میری سفارش منظور کی گئی تو تمہارے لئے ضرور سفارش کروں گا اور اگر کوئی نفع رسانی میرے بس میں ہوگی تو میں ہرگز اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد فرمایا بخدا کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں تمہارے لئے کوئی بہتری کی بات ہو اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو مگر اس کو میں نے تم سے بیان کردیا ہے صرف ایک

حدیث باقی ہے اور آج جبکہ میرا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والا ہے اسے بھی تم سے بیان کئے دیتا ہوں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو شخص اس کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے پیغمبر ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر عذاب دوزخ حرام کردے گا۔ (مسلم)

عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا نَجَاۃُ ھٰذَا الْاَمْرِ الَّذِیْ نَحْنُ فِیْہِ فَقَالَ مَنْ شَھِدَ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَھُوَ لَہٗ نَجَاۃٌ (اخرجہ ابویعلی والعقیلی والدارقطنی فی الافراد)

ابوبکر صدیقؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے دین میں مدار نجات کیا چیز ہے فرمایا جو اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ۔ بس یہی اس کے لئے باعث نجات ہے۔

تشریح:۔ مسند امام احمد میں اس حدیث کے شروع میں حضرت عثمانؓ کا ایک طویل واقعہ ذکر کیا ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے باب الکبائر میں نقل کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو صحابہ کے دلوں پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ان کے دلوں میں طرح طرح کے وساوس گزرنے لگے میں بھی ان ہی میں کا ایک فرد تھا میں اسی غم واندوہ کے حال میں بیٹھا ہوا تھا کہ عمرؓ میرے پاس سے گزرے انہوں نے سلام کیا مگر مجھے کچھ خبر نہ ہوئی انہوں نے ابوبکرؓ سے اس بات کی شکایت کی وہ دونوں مل کر میرے پاس آئے اور سلام کیا ابوبکرؓ بولے آپ نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ میں نے کہا میں نے تو ہرگز ایسا نہیں کیا۔ عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم آپ نے ضرور یہ بے اعتنائی کی ہے۔ انہوں نے فرمایا بخدا مجھے تو اپنے غم میں یہ خبر تک نہ ہوئی کہ آپ یہاں سے گزرے تھے اور مجھے سلام کیا تھا۔ ابوبکرؓ نے فرمایا عثمانؓ نے سچ کہا انہیں ایک بڑے معاملہ کی فکر نے ادھر سے بے خبر بنا دیا تھا۔ میں نے کہا یہی بات تھی۔ انہوں نے فرمایا تو فرمائیے وہ فکر کیا ہے میں نے کہا فکر یہ ہے کہ آپ کی تو وفات ہوگئی اور ہم آپ سے یہ تحقیق نہ کرسکے کہ دین میں مدار نجات کیا چیز ہے۔ ابوبکرؓ بولے میں اس کی تحقیق کر چکا ہوں۔ یہ سن کر میں ان کی تعظیم کیلئے کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا میرے والدین آپ پر قربان ہوں آپ ہی اس تحقیق کے سب سے زیادہ اہل تھے (تو بتائیے وہ کیا بات ہے) انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا دین میں مدار نجات کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص وہی ایک کلمہ جو میں نے اپنے چچا کے سامنے پیش کیا تھا اور انہوں نے نہ مانا تھا۔ میری جانب سے قبول کرلے گا تو وہی اس کے لئے نجات کا موجب ہوجائے گا۔

زَعَمَ مَحْمُوْدٌ اَنَّہٗ عَقَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَجَّۃً مَجَّھَا مِنْ دَلْوٍ کَانَتْ مِنْ دَارِھِمْ قَالَ سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِکٍ الْاَنْصَارِیَّ ثُمَّ اَحَدَ بَنِیْ سَالِمٍ قَالَ غَدَا عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَنْ یُوَافِیَ عَبْدٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَقُوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَبْتَغِیْ بِہٖ وَجْہَ اللّٰہِ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ النَّارَ. (رواہ البخاری)

محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ مجھے وہ کلی خوب یاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر کے ڈول سے پانی پی کر میرے منہ پر ڈالی تھی۔ محمود بیان کرتے ہیں کہ میں نے عتبان بن مالک انصاری سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک روز میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جو بندہ ایسا ہوگا کہ اس نے لا الہ الا اللہ صرف اللہ کی رضامندی حاصل

کرنے کے لئے کہا ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ ضرور حرام کردے گا۔ (بخاری شریف)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَاَصَابَنَا جُوْعٌ شَدِيْدٌ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ الْعَدُوَّ قَدْ حَضَرَ وَهُمْ شِبَاعٌ وَالنَّاسُ جِيَاعٌ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ اَلَا نَنْحَرُ نَوَاضِحَنَا فَنُطْعِمُهَا النَّاسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَابَلْ يَجِيْئُ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ بِمَا فِيْ رَحْلِهٖ وَفِيْ لَفْظٍ مَنْ كَانَ مَعَهٗ فَضْلُ طَعَامٍ فَلْيَجِئْ بِهٖ وَبَسَطَ نِطْعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْئُ بِالْمُدِّ وَالصَّاعِ وَاَكْثَرَ وَاَقَلَّ فَكَانَ جَمِيْعُ مَا فِي الْجَيْشِ بِضْعًا وَعِشْرِيْنَ سَاعًا فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جَنْبِهٖ وَدَعَا بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ دَعَا النَّاسِ فَقَالَ بِسْمِ اللهِ خُذُوا وَلَا تَنْتَهِبُوْا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَاْخُذُفِيْ جِرابِهٖ وَفِيْ غَرَارَتِهٖ وَاَخَذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِهِمْ حَتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ لَيَرْبِطُ كُمَّ قَمِيْصِهٖ فَيَمْلَاءُهٗ فَفَرَغُوْا وَالطَّعَامُ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ لَا يَاْتِيْ بِهِمَا عَبْدٌ مُحِقٌّ اِلَّا وَقَاهُ اللهُ حَرَّ النَّارِ. اخرجه ابن راهويه والعدنى وابويعلى والحاكم وغيرهم.

عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (زادراہ کے فقدان کی وجہ سے) ہمیں سخت بھوک کی نوبت آئی ہم نے عرض کیا یارسول اللہ دشمن سامنے موجود ہے وہ شکم سیر ہے اور ہم لوگ بھوکے۔ انصار نے کہا تو کیا ہم اپنی اونٹنیاں ذبح کر کے ان کا گوشت لوگوں کو نہ کھلادیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ کسی کے کجاوہ میں جو کچھ ہو، یا یہ فرمایا جس کے پاس کچھ بچا ہوا کھانا ہو وہ میرے پاس لے آئے اور (یہ کہہ کر) آپ نے چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا۔ کوئی ایک مدلایا، کوئی ایک صاع، کوئی اس سے زیادہ اور کوئی اس سے کم۔ اس وقت تمام لشکر میں سے کھانے کی جو مقدار جمع ہوسکی وہ بیس صاع سے کچھ زیادہ ہوگی آپ اس کے ایک طرف بیٹھ گئے اور اس میں برکت کیلئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد لوگوں کو آواز دی اور فرمایا لو بسم اللہ کہہ کر اب اس میں سے اطمینان کے ساتھ لیتے جاؤ اور لوٹ نہ مچاؤ۔ لوگ اپنے اپنے توشہ دان اور گونوں اور برتنوں میں بھر بھر کر لیجانے لگے۔ یہاں تک کہ (کسی کو کچھ نہ ملا تو اس نے) اپنی آستین ہی کا منہ باندھ کر اسی کو بھرلیا۔ یہ تمام لشکر اپنا راشن لے کر فارغ ہو گیا اور وہ کھانا تھا کہ جوں کا توں ہی رکھا ہوا تھا۔ اس عظیم الشان برکت کے ظہور کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا رسول ہوں، جو بندہ سچے دل کے ساتھ یہ شہادت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آنچ سے بچالے گا۔ (حاکم)

عَنْ رِفَاعَةَ الْجُهَنِيِّ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْكُدَيْدِ اَوْ قَالَ بِقُدَيْدٍ فَجَعَلَ رِجَالٌ يَسْتَاْذِنُوْنَ اِلٰى اَهْلِيْهِمْ فَيَاْذَنُ لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَاللهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَكُوْنُ شِقُّ الشَّجَرَةِ الَّتِيْ تَلِيْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْغَضَ اِلَيْهِمْ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَلَمْ نَرَ عِنْدَ ذَالِكَ مِنَ الْقَوْمِ اِلَّا بَاكِيًا فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الَّذِيْ يَسْتَاْذِنُكَ بَعْدَهٗ لَسَفِيْهٌ فَحَمِدَاللهَ وَقَالَ حِيْنَئِذٍ اَشْهَدُ عِنْدَاللهِ لَا يَمُوْتُ عَبْدٌ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ

وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِہٖ ثُمَّ یُسَدَّدُ اِلَّا سَلَکَ فِی الْجَنَّۃِ قَالَ وَقَدْ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ اَنْ یَّدْخُلَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعِیْنَ اَلْفًا لَاحِسَابَ عَلَیْھِمْ وَلَا عَذَابَ وَاِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَا یَدْخُلُوْھَا حَتّٰی تَبَوَّؤُا اَنْتُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَائِکُمْ وَاَزْوَاجِکُمْ وَذُرِّیَّاتِکُمْ مَسَاکِنَ فِی الْجَنَّۃِ.

(وعنہ من طریق ثانی) قَالَ صَدَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ مَکَّۃَ فَجَعَلَ النَّاسُ یَسْتَاْذِنُوْنَہٗ فَذکر الحدیث قَالَ وَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اِنَّ الَّذِیْ یَسْتَاْذِنُکَ بَعْدَ ھٰذِہٖ لَسَفِیْہٌ فِیْ نَفْسِیْ ثُمَّ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَمِدَاللّٰہَ وَقَالَ خَیْرًا ثُمَّ قَالَ اَشْھَدُ عِنْدَاللّٰہِ وَکَانَ اِذَا حَلَفَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ مَا مِنْ عَبْدٍ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ثُمَّ یُسَدَّدُ اِلَّا سَلَکَ فِی الْجَنَّۃِ فذکر الحدیث.

(وعنہ من طریق ثالث) قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِالْکُدَیْدِ اَوْ قَالَ بِعَرَفَۃَ فذکر الحدیث. رواہ احمد والطبرانی والبغوی والباردوی وابن قانع وابن ماجہ بعضہ قال الھیثمی ورجالہ موثوقون.

رفاعہ جہنی روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے یہاں تک کہ جب مقام کدید یا قدید (شک راوی ہے) پہنچ گئے تو کچھ لوگ اپنے گھر جانے کے لئے آپ سے اجازت طلب کرنے لگے آپ ان کو اجازت دیتے رہے اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا لوگوں کا حال کیا ہوگیا ہے کہ ان کے نزدیک درخت کا وہ رخ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے اس کی دوسری سمت سے زیادہ مبغوض ہوتا ہے آپ کا یہ فرمانا تھا کہ ہم نے لوگوں میں کسی کو نہ دیکھا جو رو نہ رہا ہو۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ اس کے بعد اب جو شخص بھی آپ سے جانے کی اجازت مانگے وہ پرلے درجے کا بیوقوف ہوگا۔ یہ سن کر آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا میں خدائے تعالیٰ کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ جو بندہ بھی سچے دل سے گواہی دیتا ہوا مرے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ میں اس کا رسول ہوں اس کے بعد اس کو اس شہادت پر صحیح طور پر قائم رہنے کی توفیق ملے گی تو وہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں ستر ہزار افراد کسی حساب وعذاب کے بغیر جنت میں جائیں گے اور مجھے پوری امید ہے کہ جب تک تم، تمہارے باپ، تمہاری بیبیاں اور تمہارے بچے جو جو بھی ان میں نیک ہونگے جنت میں اپنے اپنے ٹھکانے سے نہ بیٹھ جائیں گے کوئی امت اس میں داخل نہ ہو سکے گی۔

اس کے دوسرے طریقے میں یہ قصہ اس طرح مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے لوٹ رہے تھے واپسی میں لوگ آپ سے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے لگے الحدیث اس میں یہ بھی ہے کہ ابوبکرؓ نے فرمایا میرے خیال میں تو اس کے بعد جو آپ سے جانے کی اجازت مانگے وہ بڑا ہی بیوقوف ہوگا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تعریف کی اور اچھے کلمات کہے۔ آخر میں فرمایا میں خدا کے سامنے گواہی دیتا ہوں (آپ کی عادت یہ تھی کہ جب آپ قسم کھاتے تو یوں قسم کھایا کرتے تھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے) اللہ کا جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ اور

آخرت کے دن پر ایمان لے آئے پھر اسے سلامتی کی توفیق نصیب ہو جائے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔(الحدیث)

اس روایت کے تیسرے طریقے میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تو جب کدید یا عرفہ کے پاس آ گئے۔الحدیث

عَنْهُ عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنِّىْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَنَا اُحَدِّثُكَ مَاهِىَ هِىَ كَلِمَةُ الْاِخْلَاصِ الَّتِىْ اَعَزَّ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مُحَمَّدًا وَاَصْحَابَهٗ وَهِىَ كَلِمَةُ التَّقْوٰى الَّتِىْ اَلَاصَ عَلَيْهَا نَبِىُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَاطَالِبِ عِنْدَ الْمَوْتِ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواہ احمد)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میں ایک کلمہ ایسا جانتا ہوں جسے اللہ کا کوئی بندہ صدق دل سے نہ کہے گا مگر وہ دوزخ پر حرام کر دیا جائے گا۔حضرت عمرؓ بولے آؤ میں تمہیں بتادوں وہ کلمہ کیا ہے۔وہ کلمہ اخلاص ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو عزت بخشی ہے اور یہ کلمہ وہی کلمہ تقویٰ ہے جس کے قبول کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے وقت منت کرتے رہے۔وہ کلمہ اس بات کی گواہی ہے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ۔(مسند احمد)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواہ احمد)

معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جنت کی کنجیاں کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے۔(احمد)

تشریح:۔یعنی جس طرح ہر مقفل مکان کی ایک خاص کنجی ہوتی ہے اور وہ اپنی اسی کنجی سے کھولا جا سکتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کی جنت کی بھی ایک خاص کنجی ہے جس کے بغیر وہ کھولی نہیں جائے گی۔وہ کنجی لا الہ الا اللہ یعنی عقیدہ توحید ہے۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کیا کلمہ لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں (یعنی پھر عمل کی کیا ضرورت ہے) تو انہوں نے فرمایا کیوں نہیں مگر کنجی کے لئے دندانے بھی ہوتے ہیں اگر تم ایسی کنجی لیکر آؤ گے جس کے دندانے سالم ہوں تو تمہارے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا ورنہ تو نہ کھولا جائے گا۔

یہاں وہب بن منبہ نے سائل کو اس کی دماغی ساخت کے مطابق جواب دیدینے کی کوشش کی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ محض ایک مؤثر اسلوب بیان تھا اس کو مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھ لینی غلط ہے۔لا الہ الا اللہ کے مفتاح ہونے سے آپ کا یہ مطلب تو تھا نہیں کہ اب نجات کے لئے اس کے علاوہ، کسی اور امر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی بلکہ مطلب یہ تھا کہ اگر عمدہ سے عمدہ اعمال بھی موجود ہوں سخاوت کے دریا بہہ رہے ہوں۔شجاعت کا ڈنکا پٹ رہا ہو اور عرب کے مایہ ناز عبادت حج بھی سالانہ ادا کی جا رہی ہو، جب بھی جنت کا دروازہ نہیں کھل سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ کلمہ لا الہ الا اللہ نہ ہو۔اس لئے کہ ان اعمال میں سے کوئی عمل بھی اس کی اصل کنجی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنت کے کھلنے نہ کھلنے کا سوال اسی وقت سامنے آ سکتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا یہ کلمہ ساتھ ہو۔اگر یہ نہیں تو سب کچھ بھی ہو جب بھی کچھ نہیں اب رہا یہ کہ اس کلمہ کی تاثیر کی تفصیلات کیا ہیں تو وہ اس جگہ زیر بحث نہیں اس کے بیان کا محل دوسری حدیثیں ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلاً مِّنْ اُمَّتِیْ عَلٰی رُؤُسِ الْخَلَائِقِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُنْشَرُ عَلَیْهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعِیْنَ سِجِلًّا کُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَتُنْکِرُ مِنْ هٰذَا شَیْئًا اَظَلَمَکَ کَتَبَتِیَ الْحَافِظُوْنَ فَیَقُوْلُ لَا یَارَبِّ فَیَقُوْلُ اَفَلَکَ عُذْرٌ قَالَ لَا یَارَبِّ فَیَقُوْلُ بَلٰی اِنَّ لَکَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَیْکَ الْیَوْمَ فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٌ فِیْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَیَقُوْلُ اُحْضُرْ وَزْنَکَ فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَیَقُوْلُ اِنَّکَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِیْ کِفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِیْ کِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا یُثْقَلُ مَعَ اِسْمِ اللهِ شَیْءٌ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجة)

عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامتؑ کے دن اللہ تعالےٰ میری امت میں سے ایک شخص کو تمام مخلوق کے سامنے نکال کر لائے گا (اس کی سیاہ کاری کا عالم یہ ہوگا کہ اس کے سامنے (اس کے اعمالنامہ کے) ننانوے دفتر پھیلا دیئے جائیں گے ہر دفتر وسعت نظر کی بقدر لمبا ہوگا پھر اس سے ارشاد ہوگا ان میں سے کسی بات کا انکار کر سکتے ہو، میرے اُن فرشتوں نے جو نیکی بدی لکھنے پر تعینات تھے تم پر کوئی زیادتی تو نہیں کی وہ کہے گا پروردگار نہ تو انکار کر سکتا ہوں اور نہ تیرے فرشتوں نے کوئی زیادتی کی ہے ارشاد ہوگا اچھا تو پھر تمہارے پاس ان گناہوں کا کوئی عذر ہے وہ کہے گا پروردگار کچھ نہیں۔ اس پر ارشاد ہوگا کیوں نہیں ہمارے یہاں تمہاری ایک بہت بھاری نیکی موجود ہے اور آج تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اس کے بعد ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا اس میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہوگا۔ اشھدان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ ارشاد ہوگا جاؤ اس پرچہ کا وزن کرا کر دیکھو وہ عرض کرے گا میرے پروردگار بھلا ان لمبے چوڑے دفتروں کے بالمقابل اس پرچہ کا وزن ہی کیا ہوگا ارشاد ہوگا آج تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمام دفتر ایک پلہ میں رکھدیئے جائیں گے اور یہ پرچہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے گا تو دفتروں کا پلہ اٹھ جائے گا اور پرچہ والا پلہ بھاری ہوجائے گا اور اللہ کا نام پاک اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز بھاری نہیں پڑسکتی۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

تشریح:۔ اس حدیث کی شرح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ملاعلی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ وزن تنہا اسی کلمہ کا ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس شخص کے پاس کچھ نیکیاں بھی ہوں لیکن اس کی نیکیوں کا پلہ اسی کلمہ کی برکت کی بدولت بھاری ہوا ہو اس لئے ذکر اسی کلمہ کو کیا گیا ہو۔ فقہ اکبر کی شرح میں ان کی جو رائے ہے وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے یعنی یہ وزن صرف اس کلمہ کے تلفظ کا نہیں بلکہ اس کی اس عمیق حقیقت کا ہے جس کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اس بندہ کی زبان سے کسی وقت یہ کلمہ شاید اس اخلاص کے ساتھ نکل گیا ہوگا کہ جو اس کا پورا وزن ہے وہ سب کا سب اس کے حصہ میں آ گیا ہوگا۔ لا الہ الا اللہ کبھی تو حلق سے اوپر بھی نہیں جاتا اور کبھی ساتوں آسمانوں کو پھاڑ کر عرش عظیم تک جا پہنچتا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کا نام اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز تولی نہیں جاسکتی مگر اس کا وزن اس کی ادائیگی میں خلوص پر موقوف ہے۔

حضرت استاد (مولانا انور شاہ) کی یہاں ایک عجیب تحقیق اور بھی تھی وہ فرماتے تھے کہ کلمہ طیبہ اذکار میں ایک ذکر بھی ہے۔ ہو

سکتا ہے کہ یہ ثواب اس ذکر کا ہو جیسا کہ ملا علی قاری کی رائے ہے مگر یہی کلمہ ایمان حاصل کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے۔ یعنی اس کلمہ کو پڑھنے سے ایک کافر مسلمان ہو جاتا ہے پس مومن کے قلب میں یہ کلمہ ایمان رہتا ہے اور جب وہ تبرک کے لئے اس کو پڑھتا ہے تو یہ اس کا ایک وظیفہ بھی بن جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں یہ کلمہ اس شخص کا ایمان ہو اگرچہ بظاہر محشر میں وزن صرف اعمال کا ہوگا یعنی نیکی اور بدی کا۔ کفر و ایمان غالباً میزان آخرت میں اعمال کے ساتھ تولے نہیں جائیں گے کیونکہ ایمان اگر تولا جاسکتا ہے تو کفر کے مقابلہ میں ہی تولا جاسکتا ہے اور کفر و ایمان کے جمع ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس لئے جب اعمال کا وزن شروع ہوگا تو بدیوں کے مقابلہ میں صرف مومن کی نیکیاں ہی رکھی جائیں گی۔ اس کا ایمان میزان آخرت میں نہ رکھا جائے گا لیکن قیامت خدائے تعالیٰ کے نکتہ نوازی اور شان بے نیازی دونوں کے ظہور کا دن ہوگا اس لئے جب اس گنہگار کی بخشش منظور ہوگی تو محض اپنے لطف و کرم سے اس کا ایمان اس کی نیکیوں کے پلہ میں رکھ دیں گے بلاشبہ ایمان کا وزن اتنا ہی ہے کہ اگر اسے میزان آخرت میں رکھ دیں تو پھر سیئات کا وزن اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ آخر جب کفر کی عمر بھر کی بدیاں اس کلمہ کی بدولت چشم زدن میں سب عفو ہو جاتی ہیں تو زمانہ اسلام کی برائیاں اس کے سامنے بھلا کب ٹھہر سکتی ہیں یہ کلمہ ایمانی سب کے پاس ہے اور سب کے ایمان کا وزن اتنا ہی ہے لیکن یہاں آئین فضل نے اس کی بخشش کے لئے اسی کے ایمان کے وزن کا ایک بہانہ نکال لیا تھا۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یَارَبِّ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُکَ بِہٖ وَاَدْعُوْکَ بِہٖ فَقَالَ یَامُوْسٰی قُلْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ یَارَبِّ کُلُّ عِبَادِکَ یَقُوْلُ ھٰذَا اِنَّمَا اُرِیْدُ شَیْئًا تَخُصُّنِیْ بِہٖ قَالَ یَامُوْسٰی لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَھُنَّ غَیْرِیْ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِیْ کِفَّۃٍ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فِیْ کِفَّۃٍ لَمَا لَتْ بِھِنَّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. (رواہ فی شرح السنۃ)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک بار) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے کوئی ایسا وظیفہ تعلیم فرما دے جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کیا کروں اور تجھے پکارا کروں ارشاد ہوا موسیٰ لا الہ الا اللہ پڑھا کرو۔ انہوں نے عرض کیا پروردگار یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے پڑھتے ہیں میں تو ایسا کلمہ چاہتا ہوں جو خاص طور پر تو مجھے ہی تعلیم فرمائیے۔ ارشاد ہوا موسیٰ علیہ السلام اگر ساتوں آسمان اور جو اس میں آباد ہیں میری ذات کے سوا اور ساتوں زمینیں ایک پلہ میں رکھے جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلہ میں تو ان سب کے مقابلہ میں لا الہ الا اللہ کا پلہ ہی بھاری پڑے گا۔ (شرح السنہ)

تشریح:۔ اہل فہم کے لئے یہ نکتہ قابل غور ہے کہ آسمانوں اور ان کی آبادیات کے ذکر کے ساتھ تو غیری یعنی اللہ کی ذات پاک کا استثناء مذکور ہے مگر زمینوں کے ذکر کے ساتھ یہ استثناء مذکور نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات پاک کا مجازی تصور اگر کیا جاسکتا ہے تو اس کے لئے جہت علو یعنی آسمانوں کی ہی جہت موزوں ہے سادہ فطرت انسان جب تلاش ربوبیت کے لئے سر اٹھاتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمانوں ہی کی طرف اٹھ جاتی ہیں پھر اس مجاز میں اتنی حقیقت بھی ہے کہ تجلیات الٰہیہ کی جتنی حقیقت آسمانوں میں ہے زمینوں میں نہیں اس لئے اس فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے سمٰوات کے ساتھ اللہ کی ذات پاک کا استثناء عین مقتضائے احتیاط ہے اور زمینوں کے تذکرہ کے ساتھ اس کا تذکرہ بے حاجت چیز ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا قَطُّ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتّٰی یُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْکَبَائِرَ وفی روایة له لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَیْسَ لَهَا دُوْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ حَتّٰی تَخْلُصَ اِلَیْهِ. (رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب. وضعف اسناد الثانیة)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا کوئی بندہ اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ نہیں کہتا مگر اس کے لئے آسمان کے دروازے فوراً کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ کلمہ عرش تک جا پہنچتا ہے۔ جب تک بندہ کبائر سے اجتناب کرتا رہے اس کلمہ کی پرواز کا عالم یہی رہتا ہے۔ ترمذی کی دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ اللہ کی ذات پاک اور اس کلمہ کے درمیان کوئی روک نہیں یہ کلمہ وہیں جا کر پہنچتا ہے۔ مگر اس کی اسناد کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔

تشریح:۔ یہ کلمہ نفی ماسوی اللہ کیلئے موضوع ہے اس لئے اس کی نفی کا دامن سارے عالم کو شامل ہونا چاہئے۔ اگر کہیں عرش پر رحمٰن کی تجلی نہ ہوتی تو یہ کلمہ عرش کو بھی یقیناً پار کر جاتا مگر چونکہ عرش پر لا الہ الا اللہ کے اثبات کا کچھ اتہ پتہ ملتا ہے اس لئے اس سرحد تک جا کر اس کی پرواز ختم ہو جاتی ہے یہی مطلب "لیس لها دون الله الحجاب" کا ہے علماء اس مضمون کو صرف سمجھ لیتے ہیں اور عرفاء اس کا مشاہدہ بھی کر لیتے ہیں ایسا مشاہدہ جس کے بعد ان کو قسم کھا کر یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ اخص الخواص کی توحید ہے رہ گئے توحید وجودی اور توحید شہودی کے جھگڑے تو ان کا یہ محل نہیں۔ توحید وجودی کے مذاق والوں کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا جملہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ فرماتے ہیں وحدت موجود تو حال ہے اور وحدت وجود حقیقت حال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقة الحال۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ صَدَّقَهٗ رَبُّهٗ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَاَنَا اَکْبَرُ وَاِذَا قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ یَقُوْلُ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَحْدِیْ لَا شَرِیْکَ لِیْ وَاِذَا قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لِیَ الْمُلْکُ وَلِیَ الْحَمْدُ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِیْ وَکَانَ یَقُوْلُ مَنْ قَالَهَا فِیْ مَرَضِهٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ. (رواه الترمذی وابن ماجة)

ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے لا اله الا الله والله اکبر تو اس کا پروردگار اس کی تصدیق فرماتا ہے اور کہتا ہے بیشک خدا میرے سوا کوئی نہیں اور میں سب سے بزرگ ہوں اور جب بندہ کہتا ہے لا اله الا الله وحده لا شریک لهٗ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خدا کوئی نہیں مگر میں اکیلا میرا کوئی شریک نہیں۔ اور جب وہ کہتا ہے لا اله الا الله له الملک وله الحمد، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے خدا کوئی نہیں بجز میرے، ملک اور تعریف سب میرے لئے ہے اور جب وہ کہتا ہے لا اله الا الله ولا حول ولا قوة الا باللہ تو ارشاد فرماتا ہے کہ خدا کوئی نہیں میرے سوا اور برائیاں دفع کرنے اور بھلائی حاصل کرنے کی طاقت کسی میں نہیں سوا، میری مدد کے اور آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی بیماری میں یہ کلمات پڑھے اور اس کی وفات ہو جائے تو آتش دوزخ ہرگز اس کو نہیں کھا سکتی۔

ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيُؤْمِنُوْا بِیْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَائَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ. (رواه البخاری ومسلم واللفظ لمسلم)

ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور مجھ پر اور اس تمام دین پر ایمان لائیں جو میں لیکر آیا ہوں، جب یہ عہد کرلیں تو اب انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچالیا ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا حساب خدا کے حوالہ ہے وہ جانے کہ ان کا اسلام نمائشی تھا یا حقیقی۔ (مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث کے مختلف الفاظ ہیں اس کے سب سے پورے الفاظ یہ ہیں جو ہم نے یہاں نقل کئے۔ بعض الفاظ میں صرف توحید کا ذکر ہے، بعض میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر ہے اور بعض میں توحید و رسالت کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا بھی تذکرہ موجود ہے یہ سب ایک ہی مقصد کی مختلف تعبیرات ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام دین کو تسلیم نہ کیا جائے ایمان حاصل نہیں ہوتا اب اس حقیقت کی طرف کہیں تو اسلام کے دو مشہور ارکان نماز اور زکوٰۃ کو ذکر کرکے اشارہ کر دیا گیا ہے کہیں تمام دین کو شہادتین کے ضمن میں لپیٹ دیا گیا ہے اور کہیں یہ دیکھ کر کہ صحیح توحید رسول پر ایمان لائے بغیر میسر ہی نہیں آسکتی صرف کلمہ توحید پر کفایت کر لی گئی ہے اور مدعا ان سب کا وہی ایک بات ہے یعنی آپ کے تمام دین کی تصدیق و تسلیم۔

نسائی کے الفاظ میں یہاں الناس کی بجائے المشرکین کا لفظ ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حدیث میں جنگ کے ختم کرنے کی صورت صرف دین الٰہی کی صداقت کا اعتراف قرار دی گئی ہے لیکن اس کا مفہوم جبر و اکراہ نہیں۔ اسلام و کفر دو برابر کی طاقتیں ہیں جو دنیا میں ہمیشہ نبرد آزما رہی ہیں۔ ان کی باہمی جنگ کبھی اکراہ و جبر کی تعریف میں نہیں آسکتی۔ جبر یہ ہے کہ جب اسلام کو اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ بے بس لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھ رکھ کر اسلام لانے کے لئے مجبور کرے۔ ہمارے علم میں اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا بلکہ عین جنگ کی حالت میں بھی یہاں دو صورتیں ایسی نکال دی گئی ہیں کہ اگر کفار اسلام قبول کرنا نہ چاہیں اور اپنے دین پر ہی رہنا چاہئیں تو مصالحت کر کے یا جزیہ ادا کر کے اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ مصالحت اور جزیہ عارضی باتیں ہیں ان کو مقاصد کے درجہ پر نہیں رکھا جاسکتا اسلئے اصلی مقصد تو دین الٰہی کی اشاعت ہی رہے گا۔ اور اس کے ضمنی دفعات میں مصالحت اور جزیہ بھی شامل رہیں گے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدِّيْنُ خَمْسٌ لَا يَقْبَلُ مِنْهُنَّ شَيْئٌ دُوْنَ شَيْئٍ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْحَيٰوةِ بَعْدَ الْمَوْتِ هٰذِهٖ وَاحِدَةٌ وَالصَّلٰوٰتُ الْخَمْسُ عَمُوْدُ الْاِسْلَامِ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ اِلَّا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ طَهُوْرٌ مِّنَ الذُّنُوْبِ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ وَالصَّلٰوةَ اِلَّا بِالزَّكٰوةِ مَنْ فَعَلَ

هٰؤُلَاءِ ثُمَّ جَاءَ رَمَضَانُ فَتَرَکَ صِيَامَهُ مُتَعَمِّدًا لَمْ يُقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ الْاِيْمَانَ وَلَا الصَّلٰوةَ وَلَا الزَّكٰوةَ وَمَنْ فَعَلَ هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَ وَتَيَسَّرَ لَهُ الْحَجُّ وَلَمْ يَحُجَّ وَلَمْ يُوْمِنْ بِحَجِّهٖ وَلَمْ يَحُجَّ عَنْهُ بَعْضُ اَهْلِهٖ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ الْاِيْمَانُ وَلَا الصَّلٰوةُ وَلَا الزَّكٰوةُ وَلَا الصِّيَامُ. (رواه فی الحلیه)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے (جو سب کی سب ضروری ہیں) ان میں کوئی جزء بھی دوسرے کے بغیر مقبول نہیں۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کوئی نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، جنت و دوزخ پر یقین رکھنا اور اس پر کہ مرنے کے بعد پھر (حساب وکتاب کے لئے) جی اٹھنا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ اور پانچ نمازیں اسلام کا ستون ہیں، اللہ تعالیٰ نماز کے بغیر ایمان بھی قبول نہیں کرے گا۔ زکوٰۃ گناہوں کا کفارہ ہے، زکوٰۃ کے بغیر اللہ تعالیٰ ایمان اور نماز بھی قبول نہیں کرے گا پھر جس نے یہ ارکان ادا کر لئے اور رمضان شریف کا مہینہ آ گیا اور کسی عذر کے بغیر جان بوجھ کر اس میں روزہ نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ اس کا ایمان قبول کرے گا اور نہ نماز اور نہ زکوٰۃ۔ اور جس شخص نے یہ چار رکن ادا کر لئے اس کے بعد اسے حج کرنے کی بھی وسعت ہوئی پھر اس نے نہ خود حج کیا اور نہ اس کے بعد کسی دوسرے عزیز نے اس کی طرف سے حج کیا تو اس کا ایمان، نماز، زکوٰۃ اور روزے کچھ قبول نہیں۔ (الحلیہ)

جس نے شعائر اسلام ادا کر لئے اس کیساتھ اللہ ورسول کا عہد ہو گیا

عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوْا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ. (رواه البخاری)

انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھالے تو یہ مسلمان وہ ہے کہ اب اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عہد ہو چکا ہے اس لئے تم (بھی اس عہد کی رعایت کرو اور) اس کو مت توڑو۔ (بخاری)

تشریح:۔ اسی حدیث کی وجہ سے علم کلام میں یہ عنوان مشہور ہو گیا ہے کہ سب اہل قبلہ مومن ہیں ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے۔ اس کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ قبلہ و نماز میں شرکت کے بعد پھر کسی شخص پر کسی قسم کے اختلاف سے بھی کفر عائد نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ مسئلہ بہت غور کے قابل تھا کہ نمازوں میں صرف قبلہ کی طرف منہ کر لینا ایسا کونسا مرکزی رکن ہے جس کے بعد عقائد کا تخلخل بھی مضرت رساں نہیں ہوتا اس کے ماسواء مسلمانوں کا ذبیحہ کھالینا تو کوئی خاص عبادت بھی نہیں پھر اس کو اسلامی ارکان میں اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔ نیز اکل ذبیحہ مسلم، اقامت صلوٰۃ یا استقبال قبلہ کے درجہ کی چیز بھی نہیں پھر اس کو ان اہم اجزاء کے ساتھ ایک سیاق میں کیوں جمع کر دیا گیا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں اہل کتاب اور اہل اسلام کے مابین جو اعمال مابہ الامتیاز اور حد فاصل تھے وہ یہی اعمال تھے کیونکہ تصدیق اگرچہ اصل ایمان ہے لیکن وہ ایک قلبی صفت ہے اور اقرار اگرچہ زبان سے متعلق ہے مگر وہ

بھی وقتی چیز ہے دو دینوں میں کھلا ہوا امتیاز ان کے علیحدہ علیحدہ شعائر کے ذریعہ ہی سے ہوسکتا ہے۔ اسلامی شعائر میں نماز سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے اور قبلہ کا معاملہ تو یہود و نصاریٰ کے نزدیک حقانیت مذہب کا معیار تھا حتیٰ کہ ان کے مقابلہ میں قرآن کو یہ تعبیر اختیار کرنی پڑی۔ **ليس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من آمن بالله واليوم الأخر**۔ نیکی اور بھلائی صرف مشرق و مغرب کی جانب منہ کرنے کا نام نہیں اصل نیکی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کا نام ہے۔ معاشرتی لحاظ سے جس امر میں وہ ہم سے کھلا ہوا احتراز کرتے تھے وہ ذبیحہ کا مسئلہ تھا پس اگر عبادات میں وہ ہماری سی نماز اور ہمارے قبلہ کا اتباع کر لیتے ہیں اور معاشرتی لحاظ سے ہم سے اتنا ملنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ ہمارا ذبیحہ کھا لیتے ہیں تو یہ اس بات کی کھلی شہادت ہوگی کہ اب وہ دل سے ہمارا دین قبول کر چکے ہیں اس لئے ان کے ساتھ خدا اور رسول کا عہد ہو جانا چاہئے اب ان کے ساتھ کوئی بدمعاملگی درحقیقت خدا اور رسول کے ساتھ بدمعاملگی کے مرادف ہوگی۔ لیکن فرض کر لو کہ اگر کسی دور میں کفر کسی اور مذہب کی شکل میں نمودار ہو اس کے مذہبی شعار ان شعاروں سے مختلف ہوں تو اسی حدیث کے مطابق کیا ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی صفائی کے لئے ان مخصوص شعاروں کو ترک کر کے ان کے بالمقابل اسلامی شعائر اختیار کریں۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیۃ کا اقرار جتنا ایک نصرانی کیلئے ضروری ہے اتنا ایک یہودی یا دوسرے غیر مسلم کے لئے ضروری کیوں نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ابنیت مسیح علیہ السلام کا مسئلہ ان ہی کے مذہب کا رکن ہے اس لئے ان کے ایمان پر اس وقت تک اطمینان نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ ان کے بندہ اور رسول ہونے کا کھلا ہوا اعتراف نہ کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث کا تعلق ان اندرونی فرقوں کے ساتھ نہیں جو مدعی اسلام ہوں بلکہ ان کے ساتھ ہے جو اپنا دین...... چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کریں۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ اگر ان کی عملی زندگی پہلی زندگی سے بالکل علیحدہ ہو چکی ہے اور وہ اسلامی شعائر کی اقامت کرنے لگے ہیں تو ان کے اسلام میں شبہ کرنے کی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ حدیث کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ جو مدعی اسلام یہ تین افعال ادا کر لے تو وہ پکا مسلمان ہی رہے گا۔ خواہ وہ ہزار قسم کے افعال کفر کرتا رہے۔ آئندہ نوٹ میں حافظ ابن حجرؒ کی عبارت مذکور ہے اس سے بھی ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر ان تین افعال کی تخصیص کی حکمت یہ تحریر فرماتے ہیں۔

صرف ان تین افعال کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اہل کتاب توحید کے اقرار کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، استقبال قبلہ بھی کرتے ہیں اور جانور ذبح کر کے ہی کھاتے ہیں مگر نہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں نہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور نہ ہمارا ذبیحہ کھاتے ہیں اور کوئی ان میں غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کرتا ہے۔ نماز اور ذبیحہ مسلم کھا لینا ایسے کھلے ہوئے افعال ہیں کہ ان کی اطلاع بسہولت اور بہت جلد ہو سکتی ہے۔ برخلاف دین کے اور افعال کے۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کے ساتھ معاملہ ظاہری حالات کے موافق کیا جاتا ہے جو شخص جس دین کے شعاروں کو علی الاعلان ادا کرے گا اسکے ساتھ اسی دین و مذہب والوں کا سا معاملہ کیا جائیگا۔ بشرطیکہ اس سے اسکے خلاف کوئی امر سرزد نہ ہو۔ (فتح الباری ج ۱)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَذَبَحُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَاَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ. (رواه البخاری)

انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس کا اقرار کرلیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ، جب یہ اقرار کرلیں، ہماری طرح نمازیں پڑھیں، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہماری طرح ذبح کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر) تو اب ہمارے لئے ان کی جان و مال بھی قابل احترام سمجھی جائے گی ہاں آئین اسلامی کے تحت میں جو مطالبات ہوں گے وہ اب بھی باقی رہیں گے۔ ان کے باطن کا معاملہ خدا کے سپرد۔ (بخاری)

اسلام کے کسی ایک قطعی فرض کا منکر اسلام کا ہی منکر شمار ہوتا ہے

اِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ اَبُوْبَكْرٍ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ يَا اَبَابَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَاهُوَ اِلَّا اَنْ رَاَيْتُ اَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ. (رواه البخاری)

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور ان کے بعد ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے اور عرب میں جن جن قبائل کو کافر بننا تھا وہ کافر بن گئے (تو ابو بکرؓ نے اُن سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا) حضرت عمرؓ نے کہا اے ابو بکرؓ آپ اُن سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ میں اس بات کا حکم دیا گیا ہوں کہ مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ یہ اقرار کرلیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ جو شخص یہ اقرار کرلے تو اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچالیا۔ ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی۔ رہی یہ بات کہ اس کا یہ اقرار دل سے تھا یا زبانی اس کا حساب خدا کے سپرد۔ ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم جو شخص نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ کا انکار کرے گا میں اس کے ساتھ بھی ضرور جنگ کروں گا کیونکہ (جس طرح نماز بدنی عبادت ہے اسی طرح) زکوٰۃ مالی عبادت ہے خدا کی قسم اگر یہ لوگ مجھے ایک بکری کا بچہ دینے سے انکار کردیں گے جس کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس پر ان سے بھی جنگ کروں گا۔ عمرؓ کہتے ہیں خدا کی قسم میں سمجھ گیا کہ اُن سے جنگ کے معاملہ میں ان کو پورا پورا شرح صدر ہوگیا ہے بالآخر مجھے بھی یقین ہوگیا کہ حق بات یہی ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ قطعیات اور متواترات دین میں تفریق کی کوئی گنجائش نہیں ان میں کسی ایک کے منکر کا حکم بھی وہی ہے جو تمام دین کے منکر کا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکرؓ کو منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنے میں کوئی پس و پیش نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو ابتداء اس معاملہ میں جو تردد رہا اس کا مبنی حضرت استاذ (مولانا انور شاہ) قدس سرہ کے نزدیک صورت واقعہ کی تشخیص میں اختلاف تھا۔ وہ

یہ سمجھ رہے تھے کہ منع زکوٰۃ صرف ایک بغاوت کا جرم ہے اور حالات کی نزاکت ابھی اس کی مقتضی نہیں ہے کہ باغیوں سے جنگ چھیڑ دی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک یہ ارتداد کی دفعہ میں آتا تھا اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ منکر صلوٰۃ اور منکر زکوٰۃ میں آخر کیا فرق ہے۔ اگر منکر صلوٰۃ پر ارتداد کی دفعہ عائد ہوتی ہے تو منکر زکوٰۃ پر کیوں عائد نہیں ہوتی۔ وہ عبادت بدنیہ ہے یہ عبادت مالیہ حافظ زیلعی تحریر فرماتے ہیں۔ **وقد یقال ان عمر لم یتحقق ردتھم یدل علی ذلک فی القصۃ ان ابابکر لما استشار فیھم قال لہ عمر یاخلیفۃ رسول اللہ انھم قوم مومنون وانما شحوا باموالھم** الخ یعنی اس اختلاف کی توجیہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ابھی تک ان کا مرتد ہونا ہی ثابت نہ ہوا تھا جیسا کہ اس قصہ میں ان کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ لیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے خدا کے رسول کے خلیفہ یہ تو مومن لوگ ہیں صرف اپنا مال دینے سے بخل کرتے ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ جماعت مومن تھی اور حضرت ابوبکرؓ کو حالات کی تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ ان کا جرم ارتداد کی حد تک پہنچ چکا ہے جب بحث وتمحیص کے بعد یہ واقعات وحالات حضرت عمرؓ کے سامنے بھی اسی درجہ واضح ہو گئے تو انہیں بھی حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں **فعمر وافق ابابکر علی قتال اھل الردۃ ما نعی الزکوٰۃ وکذلک سائر الصحابۃ** (منہاج السنہ ج ۳ ص ۲۳۲) آخرکار حضرت عمرؓ اور سب صحابہ نے ان مرتدین سے جنگ کے معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ (منہاج السنہ) حضرت قبیصہؓ فرماتے ہیں **ھم المرتدون الذین ارتدوا علی عھد ابوبکر فقاتلھم ابوبکر**۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تھے اور اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کی تھی۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۹۰)

اس بحث سے یہ روشن ہو گیا کہ اسلام کے کسی ایک رکن کا منکر اسلام ہی کا منکر ہے۔

عَنْ دَيْلَمِ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّا بِأَرْضٍ بَارِدَةٍ نُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَاِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى اَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قَالَ قُلْتُ اِنَّ النَّاسَ غَيْرُتَارِكِيْهِ قَالَ فَاِنْ لَمْ يَتْرُكُوْهُ فَقَاتِلُوْهُمْ. (رواہ ابوداؤد)

دیلم حمیری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ ہم سرد ملک میں رہتے ہیں اور وہاں سخت سے سخت محنت ومشقت کے کام کاج کرتے ہیں اس لئے ہم گیہوں کی شراب بنا کر استعمال کر لیتے ہیں تاکہ اس کی مدد سے اپنے ملک کی سردی اور اپنے کاموں کی سختی کا مقابلہ کر سکیں، آپ نے پوچھا کیا یہ شراب نشہ آور ہے میں نے کہا نشہ آور تو ہے فرمایا تو پھر اس کے پاس بھی نہ پھٹکو میں نے عرض کیا لوگ تو اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ فرمایا نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرنا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ پہلی حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی تھی اور اس حدیث میں براہ راست ارشاد نبوی یہ ہے کہ جو لوگ من حیث الجماعت شراب کے متعلق حکم شرعی کی خلاف ورزی کریں وہ بھی قابل جنگ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کچھ منع

زکوٰۃ یا اقامت صلوٰۃ، استقبال قبلہ اور اکل ذبیحہ کے خلاف ہی پر موقوف نہیں بلکہ ان کے موجود ہوتے ہوئے بھی اگر اسلام کے کسی قطعی فرض کا انکار ہو تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان میں سے کسی ایک کے انکار کا۔

یہ خیال بالکل بے بنیاد اور محض احمقانہ ہے کہ استقبال قبلہ کے بعد کوئی سبب کفر بھی موجب کفر نہیں رہتا۔ گویا کوئی شخص کھلے ہوئے اسباب کفر کے ارتکاب کے بعد بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ان ہر سہ اشیاء میں سے کسی ایک میں اختلاف کرنا پورے اسلام سے اختلاف کرنا ہے اسی طرح اس کے کسی اور فرض قطعی سے اختلاف کرنا بھی اسلام ہی کے اختلاف کے ہم پایہ شمار ہوتا ہے۔ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲۶۹)

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ جِئَ بِالْاُسَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ هٰؤُلَاءِ الْاُسَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُنْفَلِتَنَّ اَحَدٌ مِنْهُمْ اِلَّا بِفِدَاءٍ اَوْضَرْبِ عُنُقٍ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا سَهْلُ بْنُ بَيْضَاءَ فَاِنَّهٗ سَمِعْتُهٗ يَذْكُرُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَمَا رَأَيْتُنِيْ فِيْ يَوْمٍ اَخْوَفَ اَنْ تَقَعَ عَلَيَّ حِجَارَةٌ مِنَ السَّمَاءِ مِنِّيْ فِيْ ذَالِكَ الْيَوْمِ حَتّٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا سَهْلُ بْنُ بَيْضَاءَ قَالَ وَنَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِقَوْلِ عُمَرَ مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ اِلٰى اٰخِرِ الْآيَاتِ. (رواہ الترمذی)

ابن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں جب جنگ بدر ہو چکی تو جو قیدی تھے آپ کے سامنے لائے گئے آپ نے فرمایا بولو ان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے۔ آپ نے فرمایا ان میں فدیہ یا قتل کے بغیر کسی کو چھوڑنا مناسب نہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کیا صرف ایک سہل بن بیضاء کا استثناء منظور کر لیا جائے کیونکہ میں نے ان سے اسلام کی حقانیت کا ذکر سنا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ مجھے اس دن سے زیادہ کسی دن اس امر کا اتنا خطرہ محسوس نہیں ہوا کہ مجھ پر آسمان سے کوئی پتھر آ پڑے جتنا اس دن محسوس ہوا یہاں تک کہ آپ نے اپنی زبان سے فرما دیا اچھا بجز سہل بن بیضاء کے۔ یہ کہتے ہیں اس کے بعد حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قرآن کریم نازل ہو گیا (اور وہ یہ آیت ہے) یہ بات نبی کی شایان شان نہیں کہ وہ قیدیوں کو قبول کرے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کی زمین کافروں کے خون سے رنگین نہ کرے (آخر آیت تک) (ترمذی)

ایمان قلب کا ایک اختیاری عمل ہے صرف علم کا مرتبہ نہیں

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ فَقَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ. (بخاری شریف)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کونسا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پوچھا گیا کہ پھر کونسا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، پوچھا گیا اس کے بعد فرمایا وہ حج جس میں جنایت نہ کی جائے۔ (بخاری)

تشریح:۔ حدیث مذکور میں سوال سب سے افضل عمل کی بابت ہے اس کے جواب میں آپ نے ایمان کو افضل اعمال فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ایمان علم اور جاننے کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام ہے وہ انسان کے باطن کے اختیاری انقیاد کا نام ہے اور احکام

اسلامیہ کی پابندی اس انقیاد باطن کی دلیل ہوتی ہے پس ایمان کامل یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع بن جائے۔ یہ ایمان ابتداء میں فعل اختیاری ہوتا ہے لیکن جب اور ترقی کرتا ہے تو پھر اختیاری سے غیر اختیاری بن جاتا ہے۔ اس وقت اسے حال سے تعبیر کرتے ہیں اور رسوخ کے بعد بھی مقام کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ کیفیت احسان اسی کے ثمرات اور لوازم میں سے ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں ایمان کو منجملہ اور اعمال کے ایک عمل ہی قرار دیا ہے۔ صرف علم کا مرتبہ کوئی کمال نہیں اس میں کفار بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے محدثین کہتے ہیں کہ ایمان قول وعمل کے مجموعہ کا نام ہے جس نے ایمان کو علم سمجھا ہے اس کی مراد بھی وہی علم ہے جس کے ساتھ اختیاری تسلیم بھی موجود ہو۔

دین اسلام تمام احکام کی بجا آوری کا نام ہے

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ رَجُلاً مِنَ النَّصَارٰی مُتَمَسِّکًا بِالْاِنْجِیْلِ وَرَجُلًا مِنَ الْیَھُوْدِ مُتَمَسِّکًا بِالتَّوْرَاۃِ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَتَّبِعْکَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِیْ مِنْ یَھُوْدِیٍّ اَوْ نَصْرَانِیٍّ ثُمَّ لَمْ یَتَّبِعْنِیْ فَھُوَ فِی النَّارِ. (اخرجہ الدارقطنی فی الافراد)

عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ اگر ایک نصرانی شخص انجیل پر تو عمل کرتا ہے اور اسی طرح یہودی اپنی تورات پر تو عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ آپ کے دین کی پیروی نہیں کرتا۔ تو فرمایئے اس کا کیا حکم ہوگا آپ نے فرمایا جو نصرانی اور یہودی میری خبر سن پائے پھر میرے دین کی پیروی نہ کرے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ (دارقطنی)

تشریح:۔ اس حدیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد تمسک بالانجیل اور تمسک بالتورات بھی نجات کے لئے کافی نہیں۔ اگر ایک یہودی یا ایک نصرانی اللہ اور اپنے رسول پر ایمان رکھتا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف تصدیق بھی کر لیتا ہے مگر آپ کے دین کی اتباع کا عہد نہیں کرتا تو اس کا ایمان بھی غیر معتبر رہے گا۔ کسی رسول کی تصدیق کے معنی ہی اس کے اتباع کرنے کے ہیں، اسی لئے یہاں ایمان کو اتباع سے تعبیر کیا گیا ہے کہ تصدیق کی اصل حقیقت اتباع کرنی ہے یہ صرف علم کا مرتبہ نہیں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَمِّہٖ قُلْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ لَکَ بِھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ قَالَ لَوْلَا اَنْ تُعَیِّرَنِیْ قُرَیْشٌ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا حَمَلَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ الْجَزْعُ لَاَقْرَرْتُ بِھَا عَیْنَکَ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ. (رواہ مسلم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا آپ لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ قیامت کے دن میں آپ کے حق میں اس کی گواہی تو دے سکوں انہوں نے کہا اگر قریش میرے سر پر بدنامی کا داغ نہ لگاتے کہ میں نے عذاب آخرت پر بے صبری کی وجہ سے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے تو میں ضرور (آپ کا حکم مان لیتا اور) آپ کی آنکھیں ٹھنڈی

کر دیتا (یعنی آپ کے دین میں داخل ہو جاتا) اس پر یہ آیت نازل ہوگئی انک لا تھدی الخ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے یہ اللہ کا کام ہے وہی جسے چاہے ہدایت نصیب فرما دے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ابو طالب کی علمی تصدیق میں کسے شبہ ہوسکتا ہے اوران کا اقرار بھی ان کے اشعار سے ظاہر ہے پھر وہ کس بات کا انکار کر رہے تھے؟ صرف آپ کے دین اختیار کرنے کا اور آپ کی اطاعت کرنے کا اور اسی عمل کے فقدان کی وجہ سے جمہور امت نے ان کو مسلمان قرار نہیں دیا۔قلب جب تک اپنے اختیار سے عہد ووفا داری کیلئے تیار نہیں ہوتا اس کی اضطراری تصدیق کارآمد نہیں ہوتی۔

وَكَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ صَاحِبُ اِيْلِيَاءَ وَهِرَقْلَ سُقُفًّا عَلٰى نَصَارٰى الشَّامِ يُحَدِّثُ اَنَّ هِرَقْلَ حِيْنَ قَدِمَ اِيْلِيَاءَ اَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيْثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهٖ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَاتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِيْنَ سَأَلُوْهُ اِنِّيْ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِيْنَ نَظَرْتُ فِي النُّجُوْمِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالُوْا لَيْسَ يَخْتَتِنُ اِلَّا الْيَهُوْدُ فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَأْنُهُمْ وَاكْتُبْ اِلٰى مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَلْيَقْتُلُوْا مَنْ فِيْهِمْ مِنَ الْيَهُوْدِ فَبَيْنَا هُمْ عَلٰى اَمْرِهِمْ اُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ اَرْسَلَ بِهٖ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهٗ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوْا فَانْظُرُوْا أَمُخْتَتِنٌ هُوَ اَمْ لَا فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَحَدَّثُوْا اَنَّهٗ مُخْتَتِنٌ وَسَأَلَهٗ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُوْنَ فَقَالَ هِرَقْلُ هٰذَا مَلِكُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ اِلٰى صَاحِبٍ لَهٗ بِرُوْمِيَّةَ وَكَانَ نَظِيْرَهٗ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ اِلٰى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتّٰى اَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهٖ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلٰى خُرُوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّهٗ نَبِيٌّ فَاَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّوْمِ فِيْ دَسْكَرَةٍ لَهٗ بِحِمْصَ ثُمَّ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوْا هٰذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوْا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ اِلَى الْاَبْوَابِ فَوَجَدُوْهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَاٰى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَاَيِسَ مِنَ الْاِيْمَانِ قَالَ رُدُّوْهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ اِنِّيْ قُلْتُ مَقَالَتِيْ اٰنِفًا اَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلٰى دِيْنِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ فَسَجَدُوْا لَهٗ وَرَضُوْا عَنْهُ فَكَانَ ذٰلِكَ اٰخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ. (بخاری شریف)

ابن الناطور ایلیاء کا حاکم تھا اور ہرقل مذہبی لحاظ سے شام کے نصرانیوں کا سردار تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہرقل جب ایلیاء میں آیا تو ایک دن صبح کو بہت پریشان خاطر اٹھا اور اس کے بعض خواص نے پوچھا ہم (آج) آپ کی حالت کچھ متغیر دیکھتے ہیں (خیر تو ہے) ابن الناطور کہتا ہے کہ ہرقل کاہن بھی تھا علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا جب انہوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے آج شب جب ستاروں میں غور کیا تو (حساب سے) مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے تو دیکھو اس زمانہ کے لوگوں میں ختنہ کون کرتا ہے لوگوں نے کہا سواء یہود کے ختنہ کوئی نہیں کرتا تو ان کی طرف سے آپ کوئی اندیشہ نہ کریں اور اپنے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں یہ حکم لکھ کر بھیج دیں کہ جتنے یہود وہاں ہیں سب قتل کر دیئے جائیں۔ ابھی وہ اسی مشورہ میں مشغول تھے کہ ہرقل کے سامنے ایک شخص حاضر کیا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر بیان کرتا تھا۔ ہرقل نے جب اس سے آپ کے متعلق دریافت کیا تو کہا جاؤ تحقیق کرو کہ وہ ختنہ کئے ہوئے

ہیں یا نہیں۔لوگوں نے تحقیق کی تو کہا کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہیں۔ پھر ہرقل نے اس سے عرب کے متعلق پوچھا اس نے کہا وہ ختنہ کرتے ہیں۔ ہرقل نے کہا تو اس دور کے لوگوں کے بادشاہ یہی ہیں جو ظاہر ہو چکے ہیں۔اس کے بعد ہرقل نے رومیہ میں اپنے ایک دوست کو یہ ماجرا لکھ بھیجا وہ بھی علم وفضل میں ہرقل ہی کے ٹکر کا تھا (یہ لکھ کر) ہرقل حمص کی طرف چلا گیا ابھی حمص سے باہر نہیں جانے پایا تھا کہ اس کے دوست کا جواب آ گیا۔اس نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں ہرقل کی رائے کی موافقت کی اور اس کی بھی کہ آپ واقعی نبی ہیں۔اس کے بعد ہرقل نے روم کے سرداروں کو اپنے محل میں جو حمص میں تھا (جمع ہونے کے لئے) طلب کیا اور حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر لئے جائیں وہ (حسب الحکم) بند کر دیئے گئے اس کے بعد ہرقل (محل سے) باہر آیا اور یہ تقریر کی اے روم کے باشندو! کیا ہدایت اور کامیابی میں تم بھی اپنا کچھ حصہ لگانا چاہتے ہو، کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تمہاری سلطنت قائم رہے اگر ہے تو اس نبی کی بیعت کر لو (یہ سنتے ہی) وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگ پڑے (دیکھا تو) دروازے بند تھے۔ بالآخر ہرقل نے جب (اس درجہ) ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا (تو مجبوراً اپنا رنگ بدلا) اور کہا کہ انہیں میرے پاس واپس بلاؤ۔ (جب وہ حاضر ہو گئے) تو کہا میں نے یہ بات جو ابھی کہی تھی صرف تمہارے عقیدہ کی مضبوطی کے امتحان کے لئے کہی تھی وہ مجھے ثابت ہو گئی اس پر لوگوں نے اسے سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔ ہرقل کا آخری عقیدہ یہی رہا۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهٖ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهٗ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَاهُ عَنْ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِيْءٍ اِلٰى ذِيْ سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهٗ وَلَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصِنَةً وَّلَا تَوَلَّوْا لِلْفِرَارِ يَوْمَ الزَّحْفِ وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةً الْيَهُوْدَ وَلَا تَعْتَدُوْا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَا نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَتَّبِعُوْنِيْ قَالَا اِنَّ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ نَبِيٌّ وَاِنَّا نَخَافُ اِنْ تَبِعْنَاكَ اَنْ يَقْتُلَنَا الْيَهُوْدُ. (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی)

صفوان بن عسال مرادی بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے رفیق سے کہا ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو ہم ان سے اس آیت کی مراد دریافت کریں گے ولقد اٰتینا موسیٰ الخ وہ بولا ایسا غضب نہ کرنا انہیں نبی نہ کہنا اگر کہیں انہوں نے تمہاری زبان سے نبی کا لفظ سن لیا تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ یہ مشورہ کر کے دونوں آپ کی خدمت میں آئے اور ان آیات کے متعلق آپ سے پوچھا، آپ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، کسی محترم جان کو قتل نہ کرو مگر ضابطہ میں، جادو نہ چلاؤ، سود نہ کھاؤ، کسی بے گناہ کو کسی صاحب اقتدار کے پاس پکڑ کر نہ لیجاؤ تا کہ وہ اسے مار ڈالے، کسی پاکباز عورت پر تہمت نہ لگاؤ اور جہاد میں پشت نہ پھیرو، اور اے یہود خاص تمہارے لئے یہ حکم اور ہے کہ شنبہ کے دن شکار کھیلنے کے بارے میں اپنی شریعت سے تجاوز نہ کرو۔ یہ جوابات سن کر دونوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا ہم

گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ خدائے تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر میری اتباع کیوں نہیں کرتے (اس کے جواب میں انہوں نے یہ جھوٹا بہانہ بنا دیا اور) کہا اس لئے کہ داؤد علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ان کی نسل میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نبی ہوتا رہے گا اگر ہم آپ کی تابعداری قبول کرلیں تو اس کا خوف ہے کہ یہود کہیں ہمیں مار نہ ڈالیں۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

تشریح:۔ حافظ ابن کثیر نے سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کرکے لکھا ہے **وھو حدیث مشکل وعبداللہ بن سلمہ فی حفظہ شئ وقد تکلموا فیہ**۔ اس حدیث کے مضمون میں کچھ الجھاؤ ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم میں تو تسع آیات سے معجزات مراد ہیں۔ اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مصداق احکام ہیں وہ بھی بجائے نو کے یہاں دس ذکر کئے گئے ہیں۔ حافظ موصوف نے اپنی جانب سے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کے راوی عبداللہ بن سلمہ ہیں ان کے حفظ میں کچھ خامی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ ان کو صحیح الفاظ کے بیان کرنے میں کچھ التباس پڑ گیا ہو۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل تذکرہ تورات کے وصایا عشرہ کے متعلق فرمایا ہو اور اس کی بجائے انہیں تسع آیات کا مغالطہ لگ گیا ہو۔

حافظ ابن قیمؒ نے وفود کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ **ومن تامل ما فی السیر و الاخبار الثابتۃ من شھادۃ کثیر من اھل الکتاب والمشرکین لہ صلی اللہ علیہ وسلم بالرسالۃ انہ صادق فلم تدخلھم ھذہ الشھادۃ فی الاسلام علم ان الاسلام امرو راء ذلک وانہ لیس ھو المعرفۃ فقط ولا المعرفۃ والاقرار فقط بل المعرفۃ والاقرار والانقیاد والتزام طاعتہ ودینہ ظاھراً وباطنا**۔ (زاد المعاد ج۳ ص۵۵) یعنی جو شخص سیرت کے صحیح واقعات ومشرکین اور اہل کتاب کی ان شہادتوں پر غور کرے گا جو انہوں نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق دی ہیں اور اس کے باوجود ان کو مسلمان نہیں سمجھا گیا وہ یہ بات بخوبی سمجھ جائے گا کہ اسلام تصدیق کے ساتھ اور بھی کسی چیز کا نام ہے۔ صرف رسول کی معرفت یا اس کی صداقت کے اقرار کرلینے کا نام نہیں بلکہ اصل ایمان یہ ہے کہ اپنے ظاہر و باطن سے آپ کے دین میں داخل ہونے کا عہد کرے۔ ورنہ بہت سے اہل کتاب نے آپ کی تصدیق کی ہے آپ کی رسالت کا اقرار بھی کیا ہے مگر آپ کا دین اسلام قبول نہیں کیا۔ اسی نکتہ کی بنا پر ان کو مسلمان نہیں کہا گیا۔ (زاد المعاد ج۳ ص۵۵)

عَنِ الْحَارِثِ بْنِ ضِرَارِ الْخُزَاعِیِ قَالَ قَدِمْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَعَانِیْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَدَخَلْتُ فِیْہِ وَاَقْرَرْتُ بِہٖ وَدَعَانِیْ اِلَی الزَّکٰوۃِ فَاَقْرَرْتُ بِھَا وَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرْجِعُ اِلٰی قَوْمِیْ فَادْعُوْھُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ وَاَدَاءِ الزَّکٰوۃِ فَمَنْ اِسْتَجَابَ لِیْ جَمَعْتُ زَکٰوتَہٗ فَتُرْسِلُ اِلَیَّ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ رَسُوْلاً اِبَّانَ وَقْتِ کَذَا وَکَذَا لِیَأْتِیَکَ بِمَا جَمَعْتُ مِنَ الزَّکٰوۃِ فَلَمَّا جَمَعَ الْحَارِثُ الزَّکٰوۃَ مِمَّنْ اِسْتَجَابَ لَہٗ وَبَلَغَ الْاِبَّانُ الَّذِیْ اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّبْعَثَ اِلَیْہِ اِحْتَبَسَ الرَّسُوْلُ فَلَمْ یَاتِ فَظَنَّ الْحَارِثُ اَنْ قَدْ حَدَثَ فِیْہِ سَخَطٌ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَدَعَا سَرَوَاتِ قَوْمِہٖ فَقَالَ لَھُمْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ وَقَّتَ لِیْ وَقْتًا یُرْسِلُ اِلَیَّ رَسُوْلَہٗ لِیَقْبِضَ مَا کَانَ عِنْدِیْ مِنَ الزَّکٰوۃِ وَلَیْسَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْخُلْفُ وَلَا اَرٰی حَبْسَ رَسُوْلِہٖ اِلَّا مِنْ سُخْطَۃٍ

كَانَتْ فَانْطَلِقُوا فَنَأْتِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلِيْدَ بْنَ عُقْبَةَ إِلَى الْحَارِثِ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدَهُ مِمَّا جَمَعَ مِنَ الزَّكٰوةِ فَلَمَّا اَنْ سَارَ الْوَلِيْدُ حَتّٰى بَلَغَ بَعْضَ الطَّرِيْقِ فَرِقَ فَرَجَعَ فَأَتٰى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللهِ اِنَّ الْحَارِثَ مَنَعَنِيْ مِنَ الزَّكٰوةِ وَاَرَادَ قَتْلِيْ فَضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَعْثَ اِلَى الْحَارِثِ وَاَقْبَلَ الْحَارِثُ بِاَصْحَابِهٖ حَتّٰى اِذَا اسْتَقْبَلَ الْبَعْثَ وَفَصَلَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ لَقِيَهُمُ الْحَارِثُ فَقَالُوْا هٰذَا الْحَارِثُ فَلَمَّا غَشِيَهُمْ قَالَ لَهُمْ اِلٰى مَنْ بُعِثْتُمْ قَالُوْا اِلَيْكَ قَالَ وَلِمَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ اِلَيْكَ الْوَلِيْدَ بْنَ عُقْبَةَ فَزَعَمَ اَنَّكَ مَنَعْتَهُ الزَّكٰوةَ وَاَرَدْتَ قَتْلَهٗ قَالَ وَالَّذِيْ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ مَارَأَيْتُهٗ بَتَّةً وَلَا اَتَانِيْ فَلَمَّا دَخَلَ الْحَارِثُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنَعْتَ الزَّكٰوةَ وَاَرَدْتَ قَتْلَ رَسُوْلِيْ قَالَ لَا وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَأَيْتُهٗ وَلَا رَاٰنِيْ وَمَا اَقْبَلْتُ اِلَّا حِيْنَ اِحْتَبَسَ عَلَيَّ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَشْيَةَ اَنْ تَكُوْنَ كَانَتْ سُخْطَةٌ مِنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ قَالَ فَنَزَلَتِ الْحُجُرَاتِ (يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ) الى هذا المكان فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَنِعْمَةً وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (رواه احمد)

حارث بن ضرار خزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ میں نے آپ کی دعوتِ اسلام قبول کرلی اور اسلام میں داخل ہوگیا پھر آپ نے مجھے زکوٰۃ دینے کے لئے فرمایا میں نے اس کا بھی اقرار کرلیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں واپس جا کر اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور ان سے زکوٰۃ دینے کے لئے کہتا ہوں پھر جو شخص ان میں میری دعوت قبول کرے گا میں اس کی زکوٰۃ جمع رکھوں گا آپ میرے پاس اپنا کوئی قاصد فلاں فلاں وقت پر بھیج دیں تاکہ جو زکوٰۃ میں جمع کرلوں وہ آپ کی خدمت میں پہنچا دے۔ حارث جب ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے جمع کر چکے جنہوں نے دعوت اسلام قبول کرلی تھی اور وہ مقرر کردہ وقت بھی آگیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا تو اس وقت مقرر پر آپ کا قاصد نہ پہنچا۔ حارثؓ کو یہ خطرہ ہوگیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ان سے کوئی ناگواری تو پیش نہ آ گئی ہو (جس کی بناء پر آپ نے اپنا قاصد نہ بھیجا ہو) اس لئے انہوں نے اپنی قوم کے چند سر برآوردہ اشخاص کو بلایا اور ان سے کہا کہ آپ نے میرے پاس اپنا قاصد بھیجنے کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا تھا تاکہ زکوٰۃ کا جو مال میرے پاس جمع ہو جائے وہ وصول کرلے۔ (مگر قاصد وقت مقرر پر نہیں آیا اور) وعدہ خلافی تو آپ کی ذات سے غیر ممکن ہے اس لئے ہو نہ ہو میرا خیال یہی ہے کہ آپ نے اپنا قاصد کسی ناگواری کی وجہ سے ارسال نہیں فرمایا ہے چلو ہم سب آپ کی خدمت میں چلیں۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو حارث کے پاس روانہ کردیا تھا تاکہ وہ ان کے پاس سے جمع شدہ زکوٰۃ وصول کرلیں جب ولید روانہ ہوگئے اور ایک راستہ پر پہنچے تو ان کو کچھ خطرہ محسوس ہوا اور ڈر کر وہ واپس لوٹ گئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے یا رسول اللہ حارثؓ نے مجھے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور میرے قتل کا بھی ارادہ کیا۔ آپ نے

حارث سے انتقام کے لئے ایک لشکر روانہ فرمایا ادھر حارث اپنی جماعت کو لئے ہوئے مدینہ روانہ ہو چکے تھے جب اس لشکر سے ان کا آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے پوچھا تم لوگ کن کے مقابلہ کے لئے بھیجے گئے ہو انہوں نے جواب دیا آپ ہی کے لئے۔ یہ بولے آخر کیوں، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے ولید کو تمہارے پاس بھیجا تھا ان کا بیان یہ ہے کہ تم نے ان کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور (اُلٹا) ان کے قتل کرنے کا بھی ارادہ کیا ہے، انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے میں نے تو ان کو دیکھا بھی نہیں اور وہ تو میرے پاس تک نہیں آئے۔ جب حارثؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا، حارث کہو تم نے زکوٰۃ دینے سے کیوں انکار کیا اور میرے قاصد کے قتل کا بھی ارادہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا اس کی قسم جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے، میں نے تو ان کو اور انہوں نے مجھ کو دیکھا تک نہیں اور میں (انتظار کر کے) اس وقت چلا ہوں جب آپ کا قاصد میرے پاس نہیں آیا اور مجھے یہ ڈر ہوا کہ مجھ سے خدا اور اس کا رسول کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے۔ اسی پر سورۂ حجرات نازل ہوگئی۔ یا ایھا الذین امنوا الخ مسلمانو اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی سے تم کسی قوم پر چڑھ جاؤ۔ الخ۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ اس حدیث میں "دخلت فی الاسلام" کے صاف الفاظ موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام صرف تصدیق کرنے کا نام نہیں بلکہ دراصل دین میں داخل ہو جانے کا نام ہے اور کسی دین میں داخل ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کا عہد بھی کیا جائے اس لئے اسلام میں داخلہ کا مطلب یہی ہوگا کہ اس کے جملہ احکام کی پابندی کا عہد کیا جائے جو شخص حقانیت اسلام کا اقرار تو کرتا ہے مگر اس کے احکام کی بجا آوری کا عہد نہیں کرتا وہ اسلام کا حلقہ بگوش شمار نہیں ہو سکتا۔ اسی نکتہ کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے بہت سے اشخاص مسلمان شمار نہیں کئے گئے۔

ایمان کیا ہے؟

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ حَدَّثَهُ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ فِيْ شِرَاجِ مِنَ الْحَرَّةِ يُسْقٰى بِهَا النَّخْلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْقِ يَازُبَيْرُ فَاَمَرَهُ بِالْمَعْرُوْفِ ثُمَّ اَرْسِلْ اِلٰى جَارِكَ قَالَ الْاَنْصَارِيُّ اَنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اِسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمَاءُ اِلَى الْجَدْرِ وَاسْتَوْعٰى لَهُ حَقَّهُ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللّٰهِ اِنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اُنْزِلَتْ فِيْ ذٰلِكَ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ. (رواه البخاری)

عروہ بن زبیرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نے ایک سنگستان کی نالی کے بارے میں زبیر کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ اس نالی سے کھجوروں کے باغ کی آبپاشی کی جاتی تھی آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ زبیرؓ پہلے تم آبپاشی کر لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی جانے دو، اس فیصلہ میں آپ نے دونوں کی بھلائی مدنظر رکھی تھی۔ اس پر انصاری بولا (جی ہاں) زبیرؓ آپ کے چچازاد بھائی لگتے ہیں اسی لئے آپ نے ان کے دل لگتا فیصلہ کیا ہے یہ سن کر آپ کا چہرۂ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا اور

آپ نے فرمایا زبیرؓ تو اب تم اپنے باغ کو پانی دو اور جب تک پانی ڈولوں تک نہ پہنچ جائے مت چھوڑو۔ اس فیصلہ میں آپ نے زبیرؓ کا پورا پورا حق دلوایا (اور پچھلے فیصلہ میں آپ نے دونوں جانبوں کی رعایت فرمائی تھی) زبیرؓ کہتے ہیں یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی تھی **فلا وربک** الخ تیرے پروردگار کی قسم ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپس کے ہر معاملہ میں آپ ہی کو فیصل نہ بنائیں پھر اس پر فراخدلی کے ساتھ راضی بھی نہ ہو جائیں۔ (بخاری شریف)

عَنْ ضَمْرَةَ اَنَّ رَجُلَيْنِ اِخْتَصَمَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى لِلْمُحِقِّ عَلَى الْمُبْطِلِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ لَا اَرْضٰى فَقَالَ صَاحِبُهُ فَمَا تُرِيْدُ قَالَ اَنْ نَذْهَبَ اِلٰى اَبِىْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ فَذَهَبَا اِلَيْهِ فَقَالَ الَّذِىْ قَضٰى لَهُ قَدْ اِخْتَصَمْنَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى لِىْ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنْتُمَا عَلٰى مَا قَضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَبٰى صَاحِبُه اَنْ يَّرْضٰى فَقَالَ نَاْتِىْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ لَهُ قَدْ اِخْتَصَمْنَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى لِىْ عَلَيْهِ فَاَبٰى اَنْ يَّرْضٰى فَسَاَلَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ كَذٰلِكَ فَدَخَلَ عُمَرُ مَنْزِلَهُ وَخَرَجَ وَالسَّيْفُ فِىْ يَدِهٖ قَدْ سَلَّهُ فَضَرَبَ بِهٖ رَاْسَ الَّذِىْ اَبٰى اَنْ يَّرْضٰى فَقَتَلَهُ. فانزل الله فلا وربک لا یومنون الایه. (تفسیر ابن کثیر)

ضمرۃ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا جھگڑا لیکر آئے آپ نے جو سچا تھا اس کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ میں تو اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا اس کے رفیق نے کہا تو اب اور کیا چاہتے ہو، اس نے کہا آؤ ابوبکر صدیقؓ کے پاس چلیں دونوں روانہ ہو گئے اور جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے روئداد مقدمہ بیان کی کہ ہم اپنا جھگڑا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے (یہ اس پر راضی نہیں ہوتا) ابوبکرؓ نے (روئداد مقدمہ سنے بغیر کہا) تمہارا فیصلہ وہی رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کے بعد بھی اس کے رفیق نے رضامندی سے انکار کیا اور کہا اچھا عمر بن الخطابؓ کے پاس چلیں۔ جس شخص کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا اس نے کہا ہم اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ صادر کر دیا تھا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتا۔ عمر بن الخطابؓ نے اس سے دریافت کیا، کیا واقعہ اسی طرح ہے اس نے کہا اسی طرح ہے۔ یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں تلوار کھینچے ہوئے باہر تشریف لائے اور جو شخص آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا تھا اس کا سر اڑا دیا۔ اس پر یہ آیت اتر آئی **فلا وربک لا یؤمنون الخ** (تفسیر ابن کثیر)

تشریح:۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے اس واقعہ کو ایک اور سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اس کی اسناد میں ابن لہیعہ ہے اور اس کو مرسل ضعیف قرار دیا ہے اس کے بعد حافظ ابو اسحٰق کی سند سے ایک دوسرا طریقہ پیش کیا جس میں ابن لہیعہ نہیں ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل جس طرح صرف ایک علم نہیں اسی طرح صرف التزام طاعت بھی نہیں بلکہ ایسی جان سپردگی کا نام ہے جس کے بعد اپنی خواہشات کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے۔ خدائے تعالیٰ کو جاننا، اس کو ماننا، اس کے ایک ایک حکم کو ماننا اور بالآخر اس کے تمام فیصلوں کے سامنے اس طرح اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا کہ

روح کا کامل سرور اور نفس کی پوری مسرت اسی میں منحصر ہو جائے۔ یہ ہے ایمان کامل۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَسْلَمَ عَبْدِیْ وَاسْتَسْلَمَ. (رواہ البیهقی)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسے کلمہ کی اطلاع نہ دوں جو اس خزانہ میں کا ہے جو عرش کے نیچے ہے وہ کلمہ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** ہے (برائیوں کے چھوڑنے کی طاقت اور بھلائیوں کے حاصل کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے وابستہ ہے۔ (بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اب میرا بندہ مسلمان ہوگیا اور پورا پورا مسلمان ہوگیا۔

تشریح:۔ اسلام کے ایک معنی تو عام ہیں اور دوسرے معنی خاص ہیں جس کا مخاطب آیت ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا گیا ہے۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ جب اس کے پروردگار نے اس سے کہا کہ اپنے آپ کو (خدا تعالیٰ کے) حوالہ کردے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اپنے آپ کو اس اللہ کے حوالہ کر چکا جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ یہ استسلام (حوالہ کرنا) وہ نہیں ہے جس کی طرف امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے باب **اذلم یکن الاسلام علی الحقیقۃ و کان علی الاستسلام** میں اشارہ فرمایا ہے بلکہ قدرت الٰہیہ کے قہر وغلبہ کے اس مشاہدہ کا نام ہے جس کے بعد انسان کو اپنی قدرت وطاقت کی سب داستان محض ایک افسانہ نظر آنے لگتی ہے۔ یہ منزل صرف کلمہ طیبہ زبان سے ادا کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسلام کی اس عملی زندگی گذارنے سے حاصل ہوتی ہے جس میں قدم قدم پر یہ سبق ملتا رہتا ہے کہ اس کو درحقیقت کوئی اختیار نہیں نہ وہ اپنی جان کا مالک ہے نہ مال کا اور نہ سونے جاگنے کا حتیٰ کہ نہ کسی نقل وحرکت کا اس کی ہر ہر حرکت و سکون اور اس کا ایک ایک نطق وسکوت سب ان ہدایات کے ماتحت ہے جو اسلام نے اس کو دی ہیں جب وہ شریعت کے امر ونہی کے سامنے اس طرح گردش کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اب اس پر یہ راز آشکارا ہونے لگتا ہے کہ درحقیقت یہ اس پر کوئی جبر نہ تھا بلکہ بندگی کی حقیقت یہی تھی۔ جس طرح ایک غلام اپنے نفع ونقصان کی کوئی طاقت نہیں رکھتا اس کے تمام معاملات سب اس کے آقا کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اسی طرح بندۂ مومن کا حال ہو جانا چاہئے اور اگر اس کو اس منزل تک رسائی میسر نہیں ہوئی تو کم ازکم زبانی طور پر **لاحول ولا قوۃ** الخ پڑھ کر اس زمرہ کے ساتھ ایک ظاہری مشابہت سے تو محروم نہ رہنا چاہئے۔ زمین وآسمان کے خزائن سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں **وللہ خزائن السموات والارض** لیکن زمین کے خزانوں میں برائے گفتن کچھ تمہارا حصہ بھی لگا دیا گیا ہے لیکن وہ سرکاری خزانہ جس کی مخلوق کو ہوا بھی نہیں لگی وہ خالق کے عرش کے نیچے ہے جہاں جنت ہے اسی میں کا ایک درمکنون یہ کلمہ ہے فردائے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ اس کی قیمت خالق کے سواء کوئی نہیں لگا سکتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان رضا کی چند مثالیں

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ تَقَاضَى ابْنَ اَبِیْ حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِ فِی الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِیْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ

اِلَيْهِمَا حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ فَنَادٰى يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هٰذَا وَاَوْمَأَ اِلَيْهِ اَىِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهٖ.

کعب بن مالک سے روایت ہے کہ ابن ابی حدرد پران کا کچھ قرضہ چاہیۓ تھا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آکراس کا تقاضہ کیا اس پر دونوں کی آوازیں اونچی ہوگئیں یہانتک کہ آپ نے گھر میں سے سن لیا۔ آپ اُن کے پاس باہر تشریف لائے اور اپنے مکان کا پردہ اٹھا کر آواز دی کعب؟ وہ بولے یا رسول اللہ حاضر ہوں، آپ نے فرمایا اتنا قرض معاف کر دو اور نصف کا اشارہ کیا انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں نے معاف کیا۔ آپ نے فرمایا ابن ابی حدرد اٹھو اور اس کو اداء کر دو۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ آپ کا یہ حکم بطور کسی قضاء شرعی کے نہ تھا بلکہ صرف باہم مصالحت پر مبنی تھا۔ کعب کے لئے اتنی گنجائش تھی کہ وہ عذر و معذرت کرنا چاہتے تو کر دیتے لیکن صحابہ کی شان تسلیم و رضا کا یہ عالم تھا کہ ان کے نزدیک ضابطہ اور بے ضابطہ حکم کا فرق ہی باقی نہ رہا تھا ان کے نزدیک آپ کا قلبی میلان اور حکم ناطق دونوں برابر تھے اسی لئے دین ان کے نزدیک اپنی مجموعی شکل کا نام تھا جب اسلام کا دور انحطاط شروع ہوا تو اب یہ بحثیں قائم ہونی شروع ہوگئیں کہ اس کے اجزاء میں باہم توازن کیا ہے کون رکن کا مرتبہ رکھتا ہے اور کون شعبہ کا۔ شان رضا و تسلیم جو ایمان و اسلام کی آخری منزل ہے جب کسی کو میسر آجاتی ہے تو اس کے سامنے یہ سوالات ختم ہو جاتے ہیں اور صرف یہی ایک بات باقی رہ جاتی ہے۔

اگر کلمہ لا الہ الا اللہ کا عقیدہ رکھنے اور اس کا ورد کرنے والے اتنی بات سمجھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس نفی و اثبات میں راہِ عشق کے کیسے کیسے دقیق رموز پنہاں ہیں اور اس کے بعد ان کو واضح ہو جاتا کہ ایمان صرف ایک علم کا مرتبہ نہیں، صرف التزام طاعت اور انقیاد باطن بھی نہیں، بلکہ تسلیم و رضاء کی اس منزل کا نام ہے جس میں نفس اور مقتضیاتِ نفس سب فنا ہو جاتے ہیں اور صرف ایک خدائے تعالیٰ کی ذات پاک مطلوب و مقصود بن کر رہ جاتی ہے اگر ایمان یہ ہے تو پھر اس کی قیمت میں خدا کی وسیع جنت بھی ارزاں ہے۔

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ لَبِسَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَبَاءً مِنْ دِيْبَاجٍ اُهْدِىَ لَهٗ ثُمَّ اَوْشَكَ اَنْ نَزَعَهٗ فَاَرْسَلَ بِهٖ اِلٰى عُمَرَؓ فَقِيْلَ قَدْ اَوْشَكَ مَا انْتَزَعْتَهٗ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ نَهَانِىْ عَنْهُ جِبْرَئِيْلُ فَجَاءَ عُمَرُ يَبْكِىْ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ كَرِهْتَ اَمْرًا وَاَعْطَيْتَنِيْهِ فَمَالِىْ فَقَالَ اِنِّىْ لَمْ اُعْطِكَهٗ تَلْبَسَهٗ اِنَّمَا اَعْطَيْتُكَهٗ تَبِيْعُهٗ فَبَاعَهٗ بِاَلْفَىْ دِرْهَمٍ. (رواہ مسلم)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ریشمی قبا زیب تن فرمایا جو آپ کے لئے بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا آپ نے اسے پہنا پھر بہت جلدی سے اتار ڈالا اور حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا لوگوں نے آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کیا بات تھی کہ) آپ نے اس قباء کو اتارنے میں بہت ہی جلدی کی آپ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے اس کے پہننے سے مجھے منع فرمادیا تھا (جب یہ خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی) تو روتے ہوئے آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز کو آپ نے خود تو برا سمجھا پھر اسے مجھے کیوں دیدیا۔ بھلا جب آپ اسے برا سمجھتے ہیں تو میں اسے برا کیوں نہ سمجھوں۔ آپ نے فرمایا میں نے تم کو اس لئے تو دیا نہیں تھا کہ تم اسے پہن لو، میں نے تو اس لئے دیا تھا کہ بیچ لینا۔ حضرت عمرؓ نے اسے دو ہزار درہم میں بیچ ڈالا۔ (مسلم)

تشریح:۔ حضرت عمرؓ کی شان رضاء وتسلیم نے یہاں محبوب ومکروہ کا فرق بھی اٹھا دیا تھا بس محبوب وہ تھا جو آپ کو محبوب ہوا اور مکروہ وہ تھا جو آپ کے نزدیک مکروہ ہو متنبیؔ کہتا ہے۔

ما الخل الامن اود بقلبه وارى بطرف لا يرى بسوائه

فقہاء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ بیع وشراء کے جواز کا مسئلہ استعمال کی اباحت وحرمت پر موقوف نہیں بلکہ ملکیت پر موقوف ہے یعنی جس چیز کا کوئی مالک بن سکتا ہے تو اس کی بیع جائز ہے اور جس چیز کا کوئی مالک نہیں بن سکتا اس کی بیع بھی جائز نہیں۔ اس کی مثال آزاد آدمی کو بیچنا درست نہیں اس لئے کہ اس کا کوئی مالک نہیں بن سکتا اور اسی طرح دیکھئے ریشمی کپڑا مردوں کیلئے پہننا حرام ہے اس کے باوجود اس کی بیع درست ہے کیونکہ اس کی ملکیت میں کوئی نقصان نہیں۔ کلیات دین معلوم کرنے کیلئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے اس کے لئے دین کے تمام اصول وضوابط کا پیش رکھنا بھی ضروری ہے اس لئے اس ایک ہی مسئلہ سے کلیات نہ بنائے جائیں۔

عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا وَنَحْنُ مَعَهٗ فَرَاٰى قُبَّةً مُشْرِفَةً فَقَالَ مَا هٰذِهٖ قَالَ اَصْحَابُهٗ هٰذِهٖ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَسَكَتَ وَحَمَلَهَا فِيْ نَفْسِهٖ حَتّٰى لَمَّا جَاءَ صَاحِبُهَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فِي النَّاسِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ صَنَعَ ذٰلِكَ مِرَارًا حَتّٰى عَرَفَ الرَّجُلُ الْغَضَبَ فِيْهِ وَالْاِعْرَاضَ عَنْهُ فَشَكَا ذٰلِكَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ وَقَالَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاُنْكِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَرَجَ فَرَاٰى قُبَّتَكَ فَرَجَعَ الرَّجُلُ اِلٰى قُبَّتِهٖ فَهَدَمَهَا حَتّٰى سَوَّاهَا بِالْاَرْضِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ يَرَهَا قَالَ مَا فُعِلَتِ الْقُبَّةُ قَالَ شَكٰى اِلَيْنَا صَاحِبُهَا اِعْرَاضَكَ فَاَخْبَرْنَاهُ فَهَدَمَهَا فَقَالَ اَمَا اِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ اِلَّا مَا لَا يَعْنِيْ اِلَّا مَالَا بُدَّ مِنْهُ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ تھے آپ نے ایک اونچا سا قبہ دیکھا تو فرمایا یہ قبہ کس کا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا فلاں انصاری کا ہے آپ خاموش ہو گئے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھا جب اس کا مالک آیا اور اس نے سب لوگوں کے درمیان آپ کو سلام کیا آپ نے اس کی طرف کوئی التفات نہ فرمایا چند بار اس نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ شخص آپ کا غصہ اور اپنی جانب سے آپ کی بے التفاتی سمجھ گیا اس نے اپنے رفقاء سے اس پر اظہار افسوس کیا اور کہا بخدا آپ کی یہ بات تو میں کچھ نئی سی دیکھتا ہوں انہوں نے کہا (ہمیں کچھ اور تو معلوم نہیں) بس اتنی بات ہوئی ہے کہ آپ باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارا قبہ دیکھا تھا وہ شخص فوراً اپنے قبہ کی طرف واپس آیا اور اس کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ ایک دن کبھی پھر آپ (اس طرف) تشریف لے گئے تو اس قبہ کو نہ دیکھا پوچھا قبہ کیا ہوا عرض کیا اس کے مالک نے آپ کی بے التفاتی پر ہم سے افسوس ظاہر کیا تھا تو ہم نے جو واقعہ تھا وہ اس سے کہہ دیا تھا بس اس کے بعد ہی اس نے یہ قبہ گرا دیا تھا آپ نے فرمایا۔ سن لو ہر تعمیر اپنے بنانے والے کے لئے وبال ہوگی مگر جو بقدر ضرورت ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ بلند قبہ بنانا بھی حرام نہ تھا مگر جس دور میں حب دنیا کا تخم قلوب سے مٹایا جارہا تھا اور جب آخرت کا تخم بکھیرا جارہا تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ حب دنیا کے اسباب ترقی کو بخوشی گوارا کر لیا جاتا اس لئے اس مصلح اعظم نے اپنے چشم وابرو کے اشاروں سے

اپنی بے التفاتی کا اظہار ضروری سمجھا۔ آپ پر قربان ہونے والے صحابی کے لئے یہ ادنیٰ سی بے التفاتی نا قابل برداشت بن گئی۔ واضح رہے کہ اس قبہ کی اہمیت اس ماحول اور اس دور زندگی کے حالات کے اعتبار سے محسوس کی گئی تھی ہمارے دور ترقی میں اب اس قبہ کے حکم میں وہ عمارات داخل ہوسکتی ہیں جو اس زمانہ میں دوسری عمارتوں میں وہی نسبت رکھتی ہوں جو اس زمانہ کی عمارتوں میں قبہ کی نسبت تھی مسئلہ کبھی نہیں بدلتا مصلحت ہمیشہ بدل سکتی ہے اس نے کسی مزید تحقیق کے بغیر قبہ کو گرادیا اور اتنی بڑی قربانی کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ آپ کی محفل میں آ کر اپنی سرخروئی کے لئے اس کا ذکر ہی کر دیتا۔

عَنْ اَبِیْ اُسَیْد الْاَنْصَارِیِّ اِنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَهُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِد فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِی الطَّرِيْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَأْخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَيْسَ لَكُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيْقَ عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيْقِ فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اَنَّ ثَوْبَهَا لَيَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ. (رواه ابو داؤد البیهقی فی شعب الایمان)

ابو اسید انصاری سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کو یہ حکم دیتے ہوئے سنا ہے اس وقت آپ مسجد سے باہر نکل رہے تھے دیکھا تو مرد اور عورتیں سب راستہ میں ایک دوسرے کیساتھ خلط ملط ہو گئے تھے فرمایا تم مردوں کے پیچھے چلا کرو۔ راستہ کے بیچ میں چلنے کا تمہارا کوئی حق نہیں ہے تمہیں راستہ کے کنارے کنارے چلنا چاہئے اس کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ ایک عورت دیوار سے اتنا مل کر چلا کرتی تھی کہ اس کا کپڑا دیوار سے رگڑا کرتا تھا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ عام راستہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا مگر آپ کا حکم سننے والی عورتوں نے اپنا حق صرف اتنے ہی حصہ میں سمجھ لیا تھا جتنے حصہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چلنے کیلئے حکم دیدیا تھا بقیہ حصہ سے وہ کسی بحث کے بغیر دستبر دار ہو چکی تھی اور اس حکم کی تعمیل بھی اس مبالغہ سے کی جاتی تھی جس کا نقشہ حدیث میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک طبیعت رضاء و تسلیم کی خوگر نہیں ہو جاتی شریعت پر پورا عمل بھی میسر نہیں آتا۔

قَالَ عَمْرٌو كَانَ هٰهُنَا رَجُلٌ اِسْمُهٗ نَوَّاسٌ وَكَانَتْ عِنْدَهٗ اِبِلٌ هِيْمٌ فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ فَاشْتَرٰی تِلْكَ الْاِبِلَ مِنْ شَرِيْكٍ لَّهٗ فَجَاءَ اِلَيْهِ شَرِيْكُهٗ فَقَالَ بِعْنَا تِلْكَ الْاِبِلَ فَقَالَ مِمَّنْ بِعْتَهَا فَقَالَ مِنْ شَيْخٍ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ وَيْحَكَ ذَاكَ وَاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ فَجَاءَهٗ فَقَالَ اِنَّ شَرِيْكِیْ بَاعَكَ اِبِلاً هِيْمًا وَلَمْ يَعْرِفْكَ قَالَ فَاسْتَقْهَا فَلَمَّا ذَهَبَ يَسْتَاقُهَا قَالَ دَعْهَا رَضِيْنَا بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰی. (البخاری)

عمرو بن دینار کہتے ہیں یہاں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام نواس تھا اور اس کے پاس بیمار اونٹ تھے، ابن عمرؓ گئے اور اس کے شریک سے وہ اونٹ خرید لائے۔ جب اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا (آج) تو میں نے وہ بیمار اونٹ بیچ ڈالے۔ اس نے کہا بھلا کس کے ہاتھ بیچے اس نے کہا ایسی ایسی صورت کے ایک بڑے میاں تھے، اس نے کہا ارے تیرا ناس ہو، خدا کی قسم وہ تو ابن عمرؓ تھے اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے شریک نے ناواقفی میں آپ کے ہاتھ بیمار اونٹ بیچ دیئے، انہوں نے فرمایا تو ان کو لیجاؤ جب وہ انہیں لیجانے لگا تو فرمایا اچھا رہنے دو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی

ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی مرض اڑ کر نہیں لگا کرتا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ نہایہ میں ہے اُہیم اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے پیاس کی بیماری ہو وہ پانی پیئے اور سیراب نہ ہو۔ یہ بیماری عرب کے نزدیک متعدی امراض میں شمار ہوتی تھی۔ ابن عمرؓ چاہتے تو اس اونٹ کو بیع وشرا کے ضابطہ سے بائع کو واپس کر سکتے تھے مگر چونکہ اس کی تہہ میں ایک فاسد عقیدہ کی تقویت ہوتی تھی اور اس کے برقرار رکھنے میں اس کا استیصال ہوتا تھا اس لئے انہوں نے اونٹ کو واپس نہیں کیا۔ اور اگرچہ اس خاص واقعہ میں ان کے پاس آپ کا کوئی صریح حکم بھی نہ تھا لیکن ان کی شان رضاء وتسلیم نے دوسرے باب کی ایک عام حدیث ہی لیکر اسی کے تحت میں اپنے معاملہ کا فیصلہ کر دیا۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ کَانَ لِیْ ذُوَابَۃٌ فَقَالَتْ اُمِّیْ لَا اَجُزُّھَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمُدُّھَا وَیَاْخُذُھَا. (رواہ ابوداؤد)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے سر پر زلفیں تھیں میری والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ میں ان کو (کبھی) نہ تراشوں گی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (از راہِ محبت) ان کو کھینچا کرتے اور ان پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ ظاہر ہے کہ بالوں کا بالکل نہ تراشنا کوئی مسئلہ شرعی نہ تھا بلکہ یہ ان کی والدہ کا صرف ایک جذبہ محبت تھا کہ جن بالوں کو آپ کے دست مقدس نے مس کیا ہو ان کو یادگار کے طور پر ہمیشہ باقی رکھا جائے۔ اس قسم کی حدیثوں سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ بعض افعال اگرچہ فی نفسہ کوئی مقبولیت نہیں رکھتے لیکن کسی خارجی سبب کی بناء پر کسی حد تک مقبول بن جاتے ہیں۔ مگر یہ صرف ان اشیاء تک محدود ہوگا جو مباح ہوں۔ منکرات اور منہیات کسی وقت بھی قابل مدح نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اس کو سب کے حق میں عام حکم بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت انسؓ کو عام دستور کے خلاف اپنی والدہ کے اس فعل کی کچھ معذرت سی کرنی پڑ رہی ہے اور اسی جنس کی وہ معذرت ہے جو آئندہ حدیث میں آ رہی ہے۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّہٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِیْ جُمَّۃً اَفَاُرَجِّلُھَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَکْرِمْھَا. قَالَ فَکَانَ اَبُوْقَتَادَۃَ رُبَّمَا دَھَّنَھَا فِی الْیَوْمِ مَرَّتَیْنِ مِنْ اَجْلِ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَکْرِمْھَا. (رواہ مالک)

ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے سر پر زلفوں والے بال ہیں کیا میں ان میں شانہ کر لیا کروں، آپ نے فرمایا کیوں نہیں اس کا لحاظ بھی رکھا کرو۔ راوی کہتا ہے کہ آپ کے اس فرمان کی وجہ سے ابوقتادہؓ اپنے سر میں کبھی کبھی دو دو بار تیل ڈال لیا کرتے تھے۔ (مالک)

تشریح:۔ یعنی اگرچہ آپ کے ارشاد "واکرمھا" کا (بالوں میں دو دو بار تیل ڈالنا) اقتضاء لغوی نہ سہی لیکن ابوقتادہ کا یہ اقتضاء قلبی تھا کہ آپ کے ارشاد کا جو وسیع سے وسیع دائرہ ہو وہ سب کا سب اپنے عمل میں شامل کر لیا جائے اس کا نام جذبات محبت ہے ان کی تعریف تو کی جائے گی مگر ان کو مسئلہ کی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ اسی لئے سر میں دو بار تیل ڈالنا سنت نہیں کہا جا سکتا بلکہ بہت زیادہ زیبائش کی حدیثوں میں ممانعت آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی راوی ابوقتادہؓ کے اس فعل کی کچھ معذرت پیش کر رہا ہے۔

شہادتین کے معنی

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ فَعَجِبَ لَھَا اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقَالَ اَعِدْھَا عَلَیَّ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَعَادَھَا عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ وَاُخْرٰی یَرْفَعُ اللّٰہُ بِھَا الْعَبْدَ مِائَۃَ دَرَجَۃٍ فِی الْجَنَّۃِ مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ قَالَ وَمَا ھِیَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. (رواہ مسلم)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہوگیا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ ابوسعیدؓ کو یہ خوشخبری بہت امید افزا معلوم ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مکرر فرمایئے آپ نے پھر وہی ارشاد فرمایا اس کے بعد آپ نے کہا کہ ایک بات اور بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندہ کے لئے جنت میں سو درجے بلند کرتا ہے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ بات کیا ہے آپ نے فرمایا اللہ کیلئے جہاد کرنا، اللہ کیلئے جہاد کرنا، اللہ کیلئے جہاد کرنا۔ (مسلم)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ یَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ وَاِذَا اَمْسٰی ثَلَاثًا رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُرْضِیَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. (رواہ احمد والترمذی)

ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح و شام تین بار یہ کلمات پڑھ لیتا ہے رضیت باللہ رباً الخ (میں اللہ کی ربوبیۃ اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر دل سے رضامند ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ اپنے اوپر یہ لازم کرلیتا ہے کہ قیامت کے دن اس کو راضی کردے۔ (احمد۔ترمذی)

تشریح:۔ قرآن کریم کی مختصری آیت میں اس رضاء کا تذکرہ اس انداز پر کیا گیا ہے "رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ." صحابہ میں یہ شان رضا اس درجہ غالب تھی کہ اب امت کے مابین رضی اللہ عنہم ان کا ایسا طرۂ امتیاز بن چکا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا لفظ ایسا ہی جزء لاینفک بن گیا ہے جیسا انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ الفاظ درود کا۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا غُفِرَلَہٗ ذَنْبُہٗ. (رواہ مسلم)

سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مؤذن کو یہ کہتے سنا اشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ پھر اس کے جواب میں یہ کہا میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور اسلام کو اپنا دین مان کر دل سے راضی ہوچکا اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح:۔ انسان میں دین کی تلاش اس کی فطرت ہے۔ پھر دین میں اللہ اور رسول کا تصور لازم ہے۔ شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ دین اسلام کے بعد فطرت میں اب کسی اور دین کا تقاضا نہ رہنا چاہئے وہ تقاضا اب دین اسلام سے پورا ہو جانا چاہئے۔ پھر دین اسلام نے ربوبیت کا ایسا ٹھیک ٹھیک پتہ دیدیا ہے کہ اس کے بعد اب ربوبیت کی تلاش بھی ختم ہو جانی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس مقام رسالت کو ایسا پُر کر دیا ہے کہ اب اس کے بعد رسول کی تلاش بھی نہ ہونی چاہئے۔ اگر اسلام کے بعد بھی ان گوشوں میں کچھ تردد وتلاش کا سلسلہ باقی ہے تو یہ شہادتین صرف زبانی ہوں گی۔ جب ان تمام گوشوں میں سکون ہی سکون پیدا ہو جائے اور نظروں میں دوسری جانب اُٹھنے کی گنجائش ہی نہ رہے تو اب سمجھنا چاہئے کہ شہادتین دل میں اتر چکے ہیں۔

خوشی اور غم شان رضا وتسلیم کے منافی نہیں

عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِىْ سَيْفِ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاهِيْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْرَاهِيْمَ فَقَبَّلَهٗ وَشَمَّهٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَاَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ. (متفق علیه)

انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو یوسف لوہار کے گھر گئے یہ حضرت ابراہیم کی دودھ پلائی کے شوہر تھے آپ نے حضرت ابراہیم کو گود میں لیا اور ان کو خوب پیار کیا دوبارہ اس کے بعد پھر ان کے گھر گئے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم دنیا سے سفر کر رہے ہیں یہ دیکھ کر آپ کی چشم مبارک بہنے لگیں۔ اس پر عبدالرحمٰن بن عوف بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی روتے ہیں آپ نے فرمایا ابن عوف یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کا اثر ہے۔ یہ کہکر آپ پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا آنکھیں بیشک بہتی ہیں اور بے شبہ دل بھی غمگین ہے لیکن زبان سے صرف وہ نکلے گا جو اس حالت میں خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ اے ابراہیم اس میں شبہ نہیں کہ ہم سب تمہاری جدائی سے دردمند ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ آپ کے یہ مختصر جملے اسرار شریعت وطریقت سے کتنے لبریز ہیں، ان میں آپ نے ہم کو یہ ہدایت کی کہ انسان جامع اس کو سمجھنا چاہئے جس میں قدرت کی جامعیت کا جلوہ نظر آئے اس میں اپنے محل پر شدت وقہر بھی ہو اور رحمت وکرم بھی اگر اپنے لخت جگر کی موت پر بھی اس کا دل غمگین نہیں ہوتا اور اس کی آنکھیں آنسو نہیں بہاتیں تو وہ پتھر ہیں، ان میں قدرت کی بے نہایت شفقت ورحمت کا ایک ذرہ بھی اثر نہیں اس کا نام رضاء وتسلیم نہیں قساوت اور بے حسی ہے۔ اس میں فرشتوں کی سی صفت تو ہے مگر بشر کی سی کوئی صفت نہیں۔ درد کی بے چینی سے نہ وہ آشنا ہیں نہ یہ۔ بشر کی شان رضا یہ ہے کہ اس کے دل پر غموں کے پہاڑ ٹوٹیں اس کی آنکھیں بھی روتے روتے بے نور ہو جائیں۔ **وابیضت عیناه من الحزن فهو كظيم.** (یوسف)

مگر وہ ان صبر آزما حالات میں بھی حرف شکایت زبان پر نہ لا سکے اور اپنے عجز وضعف کا اس طرح برملا اعتراف کر کے خاموش ہو گئے اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہمارا کمزور دل بے شبہ بہت دردمند ہے۔

جلادت وشجاعت اور استغناء و بے نیازی وہ بھی مالک الملک علی الاطلاق کے مقدمات کے سامنے یہ بندہ کے عجز و نیاز کے شایانِ شان نہیں۔ ماسوی اللہ سے اعراض کر کے خدا کی جنت سے بھی اغماض کر لینا شانِ اولیاء ہے اور جنت کو خدا تعالیٰ کا ایک انعام سمجھ کر اس کیلئے دست سوال پھیلا دینا یہ شان انبیاء ہے (علیہم السلام) ان کے نزدیک اگر اللہ تعالیٰ کے سوا چشم زدن کے لئے بھی کسی غیر کی طرف نظر اٹھائی تو توحید مقصد فوت ہوگئی اور ان کے نزدیک اگر کسی حرکت سے بھی ذرا بے نیازی ٹپکی تو شان بندگی پر حرف آ گیا۔ پہلی صورت تقاضائے محبت ہے اور دوسری مقتضائے عبدیت۔ کمال یہ ہے کہ جوش میں بھی عبدیت کا پورا ہوش رہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَا اَیُّوْبُ یَغْتَسِلُ عُرْیَانًا فَخَرَّ عَلَیْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ اَیُّوْبُ یَحْثِیْ فِیْ ثَوْبِهٖ فَنَادَاهُ رَبُّهٗ یَا اَیُّوْبُ اَلَمْ اَكُنْ اَغْنَیْتُكَ عَمَّا تَرٰی قَالَ بَلٰی وَعِزَّتِكَ وَلٰكِنْ لَا غِنٰی بِیْ عَنْ بَرَكَتِكَ. (رواہ البخاری)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ایوب علیہ السلام (کسی مقام پر تنہا) برہنہ غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں ان پر آ کر گریں فوراً وہ انہیں اپنے کپڑوں میں جمع کرنے لگے۔ پروردگار کی طرف سے نداء آئی ایوب؟ کیا یہ مال و دولت دیکر جو تمہیں بھی نظر آ رہی ہے ہم نے تمہیں غنی نہیں بنا دیا تھا انہوں نے عرض کیا تیری عزت کی قسم کیوں نہیں لیکن میں تیری برکت سے بھلا کیسے بے نیاز بن سکتا ہوں۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ خدائے وحدہ لاشریک لہ کے یہی وہ باکمال بندے ہیں کہ قدرت نے جب کبھی ان کو آزمایا ہے تو ان کی زبانوں سے ہمیشہ ایسے ہی صحیح اور خوبصورت جوابات نکلے ہیں جن پر اس نے خود ہی اپنی صناعی کی داد دی ہوگی یہاں ذرا سوال کی گرفت ملاحظہ کیجئے اور اس بیساختہ جواب کی داد دیجئے کتنا صحیح اور شانِ بندگی میں کتنا ڈوبا ہوا ہے یعنی اے پروردگار مجھے تو نے غنی تو ضرور بنا دیا ہے مگر اپنی برکتوں سے تو نہیں۔ میں ساری دنیا سے بے نیاز ہوں مگر تیرے سامنے تو نیاز ہی نیاز ہوں۔ اغناء تیری شان غناء تھی اور تیری برکتوں کا محتاج بنا رہنا میری شان بندگی ہے۔ یہ وہی ایوب ہیں (علیہ السلام) جن کی ایک بار اور بھی مصائب و آلام میں ڈال کر قدرت نے آزمائش کی تھی مگر وہاں بھی ان کو اپنی شانِ احتیاج برابر یاد رہی آخر یوں بول اٹھے رب انی مسنی الضرو انت ارحم الراحمین.

یاد پڑتا ہے کہ حضرت مرزا شہید جان جاناں کی سوانح حیات میں کسی جگہ نظر سے گذرا ہے کہ کسی زمانہ میں کسی ولی نے اپنے مریدین کو جمع کر کے پوچھا دیکھو میرے جسم پر تمہیں کہیں کوئی جگہ ایسی نظر آتی ہے جہاں کوئی زخم نہ ہو انہوں نے عرض کیا نہیں اس کے بعد فرمایا مگر میں نے اب تک اپنی زبان سے یہ کلمات نہیں کہے رب انی مسنی الضرو انت ارحم الراحمین۔ بظاہر شبہ ہو سکتا ہے کہ اس ولی کا صبر اس مقدس رسول کے صبر پر شاید فوقیت رکھتا ہو مگر حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس ولی نے تو جذبہ محبت میں اپنی شان بے نیازی دکھلائی مگر اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نیاز حقیقی کے سامنے اپنے عجز و نیاز کا مظاہرہ قرین ادب سمجھا۔ جب تک مشیت الٰہیہ ابتلاء کی نظر آتی رہی اس وقت تک یہ بھی لبوں پر مہر خاموشی لگائے بیٹھے رہے۔ مگر جب کچھ کچھ علامات صحت نظر آنے لگیں تو جھٹ خود آگے بڑھ کر دست سوال پہلے پھیلا دیا کہ شان بندگی اسی میں نظر آتی تھی کہ صحت ملے تو مانگ کر ملے۔ یہ اپنے مولیٰ کی بے نیازی اور قدم قدم پر اپنے احتیاج کی شان دکھلا رہے ہیں اور وہ اپنے عشق و محبت کی

آن بان نباہ رہے ہیں۔ رضا وتسلیم کا ایک مقام یہ ہے اور دوسرا وہ۔ دونوں قابل تعریف ہیں۔ مگر بھلا اس کو اس سے کیا نسبت۔ اس میں محبت کا مظاہرہ تو ہے مگر وہ شانِ عبدیت کہاں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ مَلَکُ الْمَوْتِ اِلٰی مُوْسٰی بْنِ عِمْرَانَ فَقَالَ لَهٗ اَجِبْ رَبَّکَ قَالَ فَلَطَمَ مُوْسٰی عَیْنَ مَلَکِ الْمَوْتِ فَفَقَاَهَا قَالَ فَرَجَعَ الْمَلَکُ اِلَی اللّٰهِ فَقَالَ اِنَّکَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَکَ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ وَقَدْ فَقَاَ عَیْنِیْ قَالَ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَیْهِ عَیْنَهٗ وَقَالَ ارْجِعْ اِلٰی عَبْدِیْ فَقُلِ الْحَیٰوةَ تُرِیْدُ فَاِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ الْحَیٰوةَ فَضَعْ یَدَکَ عَلٰی مَتْنِ ثَوْرٍ فَمَا تَوَارَتْ یَدُکَ مِنْ شَعْرَةٍ فَاِنَّکَ تَعِیْشُ بِهَا سَنَةً قَالَ ثُمَّ مَهْ قَالَ ثُمَّ تَمُوْتُ قَالَ فَالْاٰنَ مِنْ قَرِیْبٍ رَبِّ اَدْنِنِیْ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْیَةً بِحَجَرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَوْ اَنِّیْ عِنْدَهٗ لَاَرَیْتُکُمْ قَبْرَهٗ اِلٰی جَنْبِ الطَّرِیْقِ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ. (متفق علیہ)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملک الموت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا آپ کے رب نے آپ کو بلایا ہے چلئے تشریف لے چلیے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ایسا تھپڑ مارا کہ اس کی آنکھ جاتی رہی۔ ملک الموت نے واپس آکر بارگاہ ایزدی میں عرض کیا پروردگار تو نے تو مجھے اپنے ایک ایسے بندہ کے پاس بھیجا ہے جو ابھی مرنا نہیں چاہتا اور اس نے میری ایک آنکھ بھی پھوڑ دی ہے اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو آنکھ بخش دی اور فرمایا جا میرے بندہ کے پاس پھر واپس جا اور ان سے عرض کر کیا آپ کو زندگی زیادہ عزیز ہے۔ اگر عزیز ہو تو اپنا ہاتھ ایک بیل کی کمر پر رکھ دیجئے جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آجائیں گے اتنے ہی سال آپ اور جئیں گے (فرشتہ آیا اور اس نے یہ بات ان کی خدمت میں عرض کردی) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے عرض کیا پھر یہی موت ہے فرمایا تو پھر ابھی سہی اور دعا فرمائی خدایا تو مجھے بیت المقدس سے اتنا تو قریب کردے جتنی دور کہ پتھر پھینکا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگرچہ میں اس جگہ موجود ہوتا تو تم کو دکھلا دیتا کہ ان کی قبر راستہ کے قریب ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ مادہ پرست اور منکرین حدیث ہر دو کی نظروں میں یہ حدیث ہمیشہ سے قابل مضحکہ بنی ہوئی ہے اور شروع ہی سے ائمہ حدیث بھی اس کی جواب دہی میں مشغول نظر آرہے ہیں چنانچہ ابن قتیبہ نے بھی اپنی تالیف مختلف الحدیث میں اس کی طرف تعرض کیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں کوئی مضمون درحقیقت قابل مضحکہ ہے بھی یا نہیں مادہ پرستوں کے نزدیک تو طبعیات کے سوا الٰہیات کا سارا باب ہی قابل مضحکہ ہے اور منکرین حدیث کے نزدیک صرف یہی ایک حدیث نہیں بلکہ وہ حدیثیں بھی جو معقول سے معقول مضامین پر مشتمل ہیں قابل اعتبار نہیں پس ان ہر دو فریق کے نزدیک قابل انکار خاص اس حدیث کا مضمون نہیں بلکہ ان کا ایک عام طبعی انحراف اور انکار ایک اصولی انکار ہے اگر ان کے انکار کی بنیاد خاص طور پر اس حدیث کا بعید از عقل ہونا ہوتی تو ان کا دائرہ انکار بھی صرف اسی حدیث تک محدود رہتا مگر یہاں تو اس قسم کی حدیثوں کو دوسری اور معقول حدیثوں کے انکار کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے درحقیقت یہ ایک بڑا مغالطہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص

کی ہزاروں باتوں میں سے دو چار باتیں بھی اپنی نارسائی عقل کی وجہ سے قابل فہم نہ ہوں تو اس کی بقیہ بے شمار معقول باتیں بھی قابل قبول نہ رہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طریقہ کو کوئی انسان بھی معقول نہیں کہے گا۔

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تیزی طبع کا ظہور کچھ اسی ایک واقعہ میں منحصر نہیں بلکہ ان کی تمام روئداد زندگی میں یہی نقشہ نظر آتا ہے۔ قرآن کریم میں موجود ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو گھونسا مارا اور اس کا دم نکل گیا۔ گوسالہ پرستی کے معاملہ میں اپنے بھائی کی ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالا اور اسی سلسلہ کی وہ حدیث ہے جس میں ان کا ایک پتھر کی طرف بھاگنا ثابت ہے اور جس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ان کا مناظرہ منقول ہے وہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے اصولاً کسی انسان کا فطرۃً نرم دل ہونا معیوب نہیں اور نہ کسی کا فطرۃً غصہ ناک ہونا قابل اعتراض ہے بشرطیکہ اس کا غصہ حدودِ شریعت سے متجاوز نہ ہو، آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی حدیثوں میں موجود ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک چور کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے ہوئے دیکھا اور اس کے قسم کھا جانے پر فرمادیا کہ میں خدا تعالیٰ کے نام کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنی آنکھوں کی تکذیب کرتا ہوں۔ پس رقت وشدت بھی حیاء و جراءت کی طرح غرائز طبعیہ میں سے ہیں یہ سب اگر اپنی حدود میں اور خدا کی راہ میں ہوں تو اپنی اپنی جگہ قابل ستائش ہی ہیں۔ اگر امت میں ابوبکرؓ کی رحم دلی ضرب المثل ہے تو اسی کے پہلو بہ پہلو عمر رضی اللہ عنہ کی شدت بھی مشہور ہے۔ اور یہ دونوں ہی شانیں اپنی اپنی جگہ محبوب ہیں۔

دوم یہ کہ حیات طبعاً ہر انسان کو محبوب ہوتی ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کو محبوب کیوں نہ ہو جنہیں اپنی امت کو بندۂ خدا بنانے کی تمنا اپنی حیات سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پس اگر خدا کا فرشتہ کسی لاعلمی کی حالت میں ان کے پاس اچانک آ پہنچتا ہے اور اس پر انہیں غصہ آ جاتا ہے تو یہ غصہ نہ تو ان کی بشریت سے بعید ہے، نہ ان کی نبوت کے منافی ہے۔ ان کی شان رضا کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ اگر ایک شخص ان کے پاس آ کر کہے کہ لیجئے آپ ابھی اپنی موت کیلئے تیار ہو جایئے تو وہ انکشاف حقیقت سے قبل اس سے یہ کہدیں کہ لیجئے آپ ابھی میری روح قبض کر لیجئے۔ فرشتہ کو ہمیشہ پہچان لینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں قوم لوط کے عذاب کے سلسلہ میں ملائکۃ اللہ کا آنا اور ان کو آپ کا شناخت نہ کرنا قرآن کریم میں موجود ہے پس اگر خدا کا فرشتہ ایک انسان کی صورت میں ان کی لاعلمی میں آپ کے پاس آتا ہے اور ایسے ماحول میں آتا ہے جہاں مخالفین کی جماعت بھی موجود ہو تو کیا اس نبی اولوالعزم کا جس کی جلالی شان کتب سماویہ میں مشہور ہے ایک تھپڑ رسید کر دینا کچھ قابلِ اعتراض ہو سکتا ہے یہ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خدائے تعالیٰ کا مامور فرشتہ سمجھ کر تھپڑ مارا تھا۔ حدیثوں میں موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وفات سے قبل صرف ان کی تشریف وتکریم کے لئے اختیار دیا جاتا ہے اگر وہ چاہیں تو دنیا میں رہنا پسند کریں اور اگر چاہیں تو دار آخرت کو اختیار کر لیں۔ اسی آئین کے مطابق خود خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی وفات سے قبل اختیار ملنا ثابت ہے آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے ایک عام مجمع میں بیان بھی کر دیا تھا۔ پس اگر اس تخییر سے قبل خدائے تعالیٰ کا فرشتہ کسی عمیق حکمت کے ماتحت ان کے پاس آ پہنچا ہو اور اس لئے اس وقت ان کی جلالی شان ظاہر ہو گئی ہو اس میں استبعاد کیا ہے اور کونسی بات اس میں شان نبوت کے خلاف ہے۔ پوری حدیث کو پڑھ جایئے تو یہاں بھی آپ کو یہی نظر آئیگا کہ جب خدائے تعالیٰ کے فرشتے نے

دوبارہ آ کر حسب دستور موت وحیوۃ میں آپ کو اختیار دیا تو آپ نے خود ہی اپنی موت کو اختیار کرلیا اور آخر کار اسی فرشتے نے اس خدمت کو انجام دیا۔ موت کوئی بہت مطلوب چیز تو نہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو شفقت پدری میں آ کر اپنی عمر کے چالیس یا ساٹھ سال بخش دیئے تھے لیکن جب اس میعاد پر خدائے تعالیٰ کا فرشتہ آیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم ابھی قبل از وقت آ گئے ہو، میری عمر میں سے اتنے سال اور باقی ہیں اس نے کہا حضرت آپ کو یاد نہیں رہا آپ اپنی عمر میں اتنے سال اپنے ایک فرزند کو بخش چکے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اسی بناء پر نسیان کی خصلت ان کی اولاد میں بھی چلی جاتی ہے۔

الغرض یہاں نہ تو زندگی کی محبت کوئی قابل اعتراض امر ہے نہ کسی انسان نما فرشتے کی بیجا جرأت پر تھپڑ مار دینا قابل اعتراض ہے۔ اب رہا یہ کہ فرشتہ کی آنکھ پھوٹنا قابل فہم امر نہیں تو سن لیجئے کہ فرشتے شریعت میں بالکل مجرد نہیں۔ عالم مادیات اور مجردات کے مابین ایک مخلوق ہیں اجنحہ اور پروں کا ہونا ان کے لئے قرآن کریم میں بھی ثابت ہے اسی طرح دیگر اور بعض اعضاء کی نسبت کا بھی ان کے عالم میں ثبوت ملتا ہے پس ان کی طرف کسی عضو کی مثلاً آنکھ وغیرہ کی نسبت ہو تو یہ کوئی غیر معقول امر نہیں ان کے لئے یہ اعضاء حقیقۃً ثابت ہیں۔ اگرچہ مادی نہ ہوں۔ پس فرشتے درحقیقت ایک صورت رکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ مادہ سے پیدا نہیں ہوئے اس لئے ان میں تشکل اور تمثل کی قوت بھی ہوتی ہے انسان اپنی مادیت کی وجہ سے یہ قدرت نہیں رکھتا۔ عنصریات میں بھی جو عنصر زیادہ سخت ہے اسی قدر اس میں تشکل مشکل ہوتا ہے۔ پانی اور ہوا ہر قالب کے مطابق ایک شکل اختیار کر لیتے ہیں مگر مٹی میں یہ صفت نہیں، یہی حال مرکبات میں بھی ہے پس ملائکۃ اللہ اپنی لطافت کی وجہ سے اس پر قادر ہیں کہ مشیت ایزدی کے مطابق ہیکل انسانی میں جب چاہیں نمودار ہو جائیں۔ جبرئیل علیہ السلام کا تمثل خود قرآن کریم میں موجود ہے اور دحیہ کلبی کی صورت میں آپ کے پاس ان کی آمد حدیثوں میں بلانزاع ثابت ہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس تمثل کی وجہ سے فرشتہ کی حقیقت نہیں بدلتی وہ اپنے تصرف سے ہم کو صرف ایک صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ آج مسمریزم کی طاقت کا مشاہدہ کرنے والے کے لئے اس کی تصدیق کرنا کچھ مشکل نہیں رہی۔ احقر (مولانا بدر عالم) کا خیال ہے کہ اگر محض کوئی مادی ضرب ہوتو شاید اس تمثل پر اس کا کوئی اثر ظاہر بھی نہ ہو لیکن نبی صرف مادی نہیں ہوتا اس کا دوسرا عنصر ملکی بھی ہوتا ہے اور وہ بھی انتہاء درجہ قوی ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں اس ملکی عنصر پر خدائے تعالیٰ کی شان جلالی کا اور غلبہ تھا اس لئے ان کی ضرب کا اثر ملک پر بھی ظاہر ہو تو جائے تعجب نہیں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ وجود ملکی ہی تھا جس کی مثالی صورت میں صرف آنکھ ہی میں نقصان آیا اگر انسان ہوتا تو شاید اس کی تاب ہی نہ لاسکتا اور مر جاتا دیکھئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا تو حضرت جبرئیلؑ نے آ کر آپ کو اپنے قریب کیا اور افاضہ ملکیہ کے لئے دبایا بھی اور اتنا دبایا کہ آپ کو ضبط کرنا پڑا۔ لوگوں کو تو اس پر تعجب ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو جبرئیل علیہ السلام کے اس تمثل اور دبانے کا کسی اور بشر کو تحمل ہی نہ ہوسکتا۔ یہ رسول اقدس کی ہی شان مطہر تھی کہ وہ جامہ بشری رکھنے کے باوجود شان ملکی بھی رکھتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام جیسے فرشتے کا اثر بھی اتنا ہی قبول کرتے تھے جتنا کہ حدیثوں میں آتا ہے پس اگر صرف مادیت کا ملکیت سے تصادم ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملکیت میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ملکیت کا ملکیت سے تصادم ہو تو اس کا اثر ظاہر ہونے میں کوئی تعجب نہیں۔ عالم رؤیا میں جو صورتیں نظر آتی ہیں اس

میں ایک شیر اگر انسان پر حملہ کرتا ہے تو اس کی صورت اسی طرح پارہ پارہ ہو جاتی ہے جس طرح عالم اجسام کی لیکن اگر اس خوابی صورت پر کوئی مادی انسان حملہ آور ہو تو اس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس تمثیل سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ فرشتے کی کوئی حقیقت نہیں وہ صرف ایک خیالی دنیا ہے بلکہ صرف یہ تفہیم مقصود ہے کہ اگر کوئی قوت اپنے عالم میں کسی قوت سے متصادم ہو تو اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا ورنہ ملائکۃ اللہ تو عالم اجسام سے بھی کہیں زیادہ قوی مخلوق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر یں ان کا اس عالم سے تصادم ہو جاتا ہے تو اس کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ ہاں اس کے برعکس صورت کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی انسان پہاڑ سے ٹکر مارے۔ ظاہر ہے کہ اسی کا سر زخمی ہوگا پس مادی محض اگر ملکیۃ سے ٹکرائے تو اس میں کوئی اثر ظاہر ہونا معقول نہیں لیکن نبی جو کہ ملکیت اور بشریت کا جامع ہے اگر کسی موقعہ پر اس کا تصادم ہوگا تو اس کا اثر ظاہر نہ ہونا معقول نہیں۔ اس لئے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک قہر آلود تھپڑ نے فرشتے کی اس مثالی صورت میں کوئی نقص پیدا کر دیا تھا تو یہ عین عقل اور شرع کے مطابق ہے۔ اگر آپ ان حقائق کو سمجھنے کی عقل نہیں رکھتے تو ذرا بازی گروں کے تماشہ ہی میں کبھی آ کر دیکھئے اگر ان کی محفل میں اس فن کا کوئی ان سے بڑھ کر ماہر آ جاتا ہے تو وہ اس کا کھیل چلنے نہیں دیتا اور وہ اپنی قوتِ نفس سے اس کے اس ساری خیال بندی کی دنیا کو بگاڑ دیتا ہے جو وہ تماشائیوں کو دکھا رہا تھا پہلے انسائیکلوپیڈیا اٹھا کر روح کی بحث اور اس کے احوال کا اس میں مطالعہ کیجئے اور موجودہ عقلاء کے نزدیک جو اس کے عجائبات ہیں ان کو زیر نظر رکھئے اس کے بعد پھر آپ اس واقعہ کو پڑھئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان حدیثوں کا مضحکہ آپ کے لئے خود ایک قابل مضحکہ امر تھا۔ آپ کے نزدیک جب عالم روحانیات حد ثبوت کو ہی نہیں پہنچتا اور اس لئے نہیں پہنچتا کہ آپ نے اسی کا مطالعہ ہی نہیں کیا تو آپ اگر اس کا مضحکہ نہ اڑائیں تو اور کریں کیا۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائه فَيَعْدِلُ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِیْ فِيْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِيْمَا لَا اَمْلِکُ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیبیوں کے درمیان شب باشی میں برابر کی تقسیم کرتے۔ اس کے باوجود یہ فرماتے اے اللہ یہ میری تقسیم میرے اس عمل میں ہے جس کا میں مالک ہوں۔ رہا (میرا قلبی رجحان) جس کا تو مالک ہے اس کا مواخذہ تو مجھ سے نہ فرمانا۔ (ترمذی)

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِیْ عَلٰی بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْکَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِکَ. (رواه مسلم)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پر نہ پایا تو میں آپ کی تلاش کے لئے نکلی (میں نے دیکھا) کہ آپ مسجد میں ہیں اور آپ کے دونوں قدم مبارک (بحالت سجدہ) کھڑے ہوئے ہیں میرا ہاتھ آپ کے دونوں تلووں سے لگا (میں نے سنا) کہ آپ یہ دعا فرما رہے تھے اے اللہ میں تیری ناراضائی سے تیری رضا کی پناہ لیتا

ہوں اور تیری صفت عقوبت سے تیری صفت عفو کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں۔ تیری پوری پوری تعریف میری قدرت سے باہر ہے بس تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ (مسلم)

تشریح:۔ علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تقسیم واجب ہی نہ تھی لیکن جس کو امت کا معلم بنا کر بھیجا گیا تھا اس نے خود اپنے ذمہ اس کو ایک لازم حق بنالیا تھا تاکہ جن کے ذمہ یہ لازم حق ہے وہ اس میں کوئی کوتاہی نہ کرسکیں۔ قلبی رجحان غیر اختیاری چیز ہے اور تکلیف کا دائرہ صرف اختیار کے حدود کے اندر اندر محدود ہے لیکن جہاں انسان کا نفس کوئی خیانت کرسکتا ہے وہاں صاحب شریعت اس کی اہمیت کے پیش نظر ایسے کلمات فرما دیتے ہیں گویا زوجہ کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ اس میں غیر اختیاری رجحانات میں بھی ترجیح پر ڈرنے کی ضرورت ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَحِيْفَ اللهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهُ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنَّكَ اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ. (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آپ کو (اپنے بستر) پر نہ پایا۔ تلاش کیا تو آپ بقیع میں تھے آپ نے فرمایا کیا تم کو یہ وہم گزرا کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے حق میں ظلم کرسکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے یہ خطرہ گزرا تھا کہ شاید آپ اپنی کسی اور بی بی کے گھر تشریف لے گئے ہیں آپ نے فرمایا شعبان کی پندرھویں کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور اتنے گنہگاروں کی بخشش فرمادیتا ہے جن کا شمار قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ رزین نے اس میں اتنا اور اضافہ نقل کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی بداعمالی کی وجہ سے دوزخ کے مستحق تھے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ مثل مشہور ہے عشق است ہزار بدگمانی۔ حضرت عائشہؓ نزاہت اور تقدس کے سارے میدان طے کر جانے کے باوجود بشری خصائل سے مستثنیٰ نہ تھیں۔ جب اپنی نوبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر نہ پاتیں تو فطرۃً مضطرب ہو جاتیں۔ اپنے نفس کو ہزار سمجھاتیں مگر عشق و محبت کی بدگمانی سے پھر معذور ہو جاتیں۔ آخر تلاش کے لئے نکل جاتیں۔ جب آپ سے ملاقات ہوتی تو معاملہ دگرگوں دیکھ کر حیرت آمیز لہجہ میں فرماتیں۔ من درچہ خیالم و فلک درچہ خیال۔ یہاں حضرت عائشہؓ کی بلاغت قابل داد ہے کہ آپ کے ارشاد اکنت تخافین (کیا تم کو میرے متعلق ناانصافی کا خطرہ تھا) کے جواب میں نعم (جی ہاں) نہیں فرماتیں۔ بلکہ اسی بات کو دوسرے انداز میں ادا کرتی ہیں کیونکہ خدا کے رسول کے حق میں ناانصافی کا عنوان تو کسی حالت میں بھی قابل تصور نہ تھا البتہ اپنی نوبت میں آپ کو نہ دیکھ کر آپ کا کسی اور بی بی کے گھر چلے جانے کے خطرہ کا روکنا بھی اپنے اختیار سے باہر تھا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى فَقُلْتُ مِنْ اَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً فَاِنَّكِ تَقُوْلِيْنَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى قُلْتِ لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ قَالَتْ قُلْتُ

اَجَلْ وَاللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اِسْمَكَ. (متفق علیه)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خوب پہچان لیتا ہوں تم مجھ سے کب خوش ہوتی ہو اور کب ناخوش، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ بات کیسے پہچان لیتے ہیں؟ فرمایا جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھاتی ہو اور جب ناخوش ہوتی ہو تو رب ابراہیمؑ کی قسم کھاتی ہو۔ میں نے عرض کیا ہے تو بات یہی لیکن یا رسول اللہ خدا کی قسم میں آپ کا صرف اسمِ مبارک زبان پر نہیں لیتی (دل میں اس وقت بھی آپ ہی کی محبت ہوتی ہے)۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ انسان کی بلندی کا معیار اس کے کمالات ہیں اس کا انسانی خصائل سے معری ہو جانا نہیں، کسی کسی محل پر ناراضگی کی اداء بھی فطرت کا اقتضاء اور محبوبیت کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اسی انداز محبوبیت کو حضرت عائشہؓ نے اپنے آخری فقروں میں ظاہر فرمایا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی کمال بلاغت دیکھئے کہ اپنے محبوبانہ ناگواری کی حقیقت صرف ہجران اسمی تک محدود کر دینا چاہتی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے تو کسی انداز ناز کے موقعہ پر محبوب زوجہ کا اسمی ہجران اس کے قلبی محبت کے منافی نہیں بلکہ یہ بھی اس کا ایک اقتضاء ہے۔ دیکھئے یہی حضرت عائشہؓ ہیں کہ جب بات ذرا حدود زوجیت سے نکل کر حدود شریعت میں داخل ہوتی دیکھ لیتی ہیں تو ہمہ تن ادب ہی ادب اور طاعت ہی طاعت بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ واقعہ سے ظاہر ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْسًا بِبَابِهٖ لَمْ يُؤْذَنْ لِاَحَدٍ مِنْهُمْ قَالَ فَأُذِنَ لِاَبِىْ بَكْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ اَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَأْذَنَ فَأُذِنَ لَهٗ فَوَجَدَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَهٗ نِسَاؤُهٗ وَاجِمًا سَاكِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَاَقُوْلَنَّ شَيْئًا اُضْحِكُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ رَأَيْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ سَأَلَتْنِى النَّفَقَةَ فَقُمْتُ اِلَيْهَا فَوَجَأْتُ عُنُقَهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هُنَّ حَوْلِىْ كَمَا تَرٰى يَسْئَلْنَنِى النَّفَقَةَ فَقَامَ اَبُوْبَكْرٍ اِلٰى عَائِشَةَ يَجَأُ عُنُقَهَا وَقَامَ عُمَرُ اِلٰى حَفْصَةَ يَجَاءُ عُنُقَهَا كِلَاهُمَا يَقُوْلُ تَسْئَلِيْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَيْسَ عِنْدَهٗ فَقُلْنَ وَاللّٰهِ لَا نَسْأَلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اَبَدًا لَيْسَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اعْتَزَلَهُنَّ شَهْرًا اَوْتِسْعًا وَعِشْرِيْنَ ثُمَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ يَااَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ حَتّٰى بَلَغَ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا قَالَ فَبَدَأَ بِعَائِشَةَ فَقَالَ يَاعَائِشَةُ اِنِّىْ اُرِيْدُ اَنْ اَعْرِضَ عَلَيْكِ اَمْرًا اُحِبُّ اَنْ لَا تَعْجَلِى فِيْهِ حَتّٰى تَسْتَشِيْرِىْ اَبَوَيْكِ قَالَتْ وَمَا هُوَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَتَلَا عَلَيْهَا الْاٰيَةَ قَالَتْ اَفِيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْتَشِيْرُ اَبَوَىَّ بَلْ اَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَاَسْأَلُكَ اَلَّا تُخْبِرَ اِمْرَءَةً مِنْ نِسَائِكَ بِالَّذِىْ قُلْتُ قَالَ لَا تَسْأَلُنِىْ اِمْرَءَةٌ مِنْهُنَّ اِلَّا اَخْبَرْتُهَا اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِىْ مُعْنِتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا وَلٰكِنْ بَعَثَنِىْ مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا. (رواہ مسلم)

جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت حاصل کرنے کے لئے آئے دیکھا تو وہاں اور لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر موجود تھے اور اب تک کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں مل سکی

تھی وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو اجازت مل گئی اور وہ اندر تشریف لے آئے ان کے پیچھے پیچھے حضرت عمرؓ تشریف لائے اور انہوں نے اجازت طلب کی تو ان کو بھی اجازت مل گئی انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغموم اور خاموش بیٹھے ہیں آپ کے اردگرد آپ کی بیبیاں ہیں یہ دیکھ کر انہوں نے کہا میں کوئی ایسی بات کہوں گا جس پر آپ کو ہنسی آجائے (یہ سوچ کر) میں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر بنت خارجہ (یہ ان کی بی بی ہیں) مجھ سے میری حیثیت سے زیادہ نفقہ مانگتیں تو میں تو کھڑے ہو کر اس کا گلہ دبا دیتا، ان کی اس بات پر آپ کو ہنسی آ گئی اور آپ نے فرمایا جیسا تم دیکھ رہے ہو یہ میری بیبیاں بھی اسی سوال کے لئے میرے اردگرد بیٹھی ہوئی ہیں۔ اس پر فوراً حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور حضرت عائشہؓ کا گلا پکڑنے لگے اور حضرت عمرؓ اٹھے اور حضرت حفصہ کا گلا دبانے لگے دونوں صاحب یہی ایک بات فرماتے جاتے تھے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے نفقہ کا سوال کیوں کرتی ہو جتنا آپ کے پاس نہیں انہوں نے کہا خدا کی قسم آئندہ ہم کبھی آپ سے اس قسم کا سوال نہ کریں گے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ یا ۲۹ دن تک اپنی بیبیوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور قرآن کی آیت **قل لازواجک** سے لے کر **المحسنات منکن اجرا عظیما** تک نازل ہوگئی (اس آیت میں آپ کی بیبیوں کو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینے کے لئے کہا گیا تھا۔ یا وہ خدا اور رسول کو اختیار کر لیں تو دنیوی فراوانی سے قطع نظر کر لیں اور اس تقدیر پر آخرت میں ان کے لئے بڑے ثواب کا وعدہ ہے اور اگر چاہیں تو حیوۃ دنیا کو اختیار کر لیں تو پھر ان کو رسول سے علیحدگی کرنی پڑے گی)۔ راوی کہتا ہے کہ اس آیت کو سنانے کی ابتداء سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہؓ سے کی اور فرمایا عائشہ! دیکھو میں ایک خاص بات تمہارے سامنے رکھتا ہوں اور میرا جی یہ چاہتا ہے کہ تم اس کے جواب میں جلد بازی سے کام نہ لو جب تک کہ اپنے والدین سے مشورہ نہ لے لو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کیا بات ہے، آپ نے یہی آیت پڑھ کر ان کو سنادی، یہ بیساختہ بولیں یارسول اللہ کیا آپ کی رفاقت کا معاملہ بھی ایسا ہے جس میں میں اپنے والدین سے مشورہ لوں گی، میں کسی استخارہ کے بغیر اللہ اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں لیکن میری ایک عرض ہے وہ یہ کہ آپ میرے اس جواب کی اپنی بیبیوں میں سے کسی کو اطلاع نہ دیں۔ آپ نے فرمایا مجھ سے تو ان میں جو بھی دریافت کرے گی میں اس سے تمہارا جواب صاف صاف کہدوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (مسلم)

تشریح:۔ انبیاء علیہم السلام کی اندرونی زندگی میں بھی تکوینی طور پر ایسے معاملات رونما ہوتے ہیں جن سے ان کی بشریت کا بدیہی ثبوت ملتا ہے وہ انسانوں کی طرح دنیا میں آتے ان ہی کی طرح اپنی معیشت رکھتے، کھاتے اور پیتے، جاگتے اور سوتے، شادی بیاہ کرتے اور اس کے بعد ان کے گھروں میں ایک حد تک وہ معاملات بھی پیش آ جاتے جو ازدواجی زندگی میں پیش آیا کرتے ہیں۔ اور اس ضمن میں عملی طور پر امت کے لئے وہ مسائل سامنے آ جاتے جن کی امت کو ضرورت تھی اور ان نازک مراحل میں آپ کے ازواج کی وہ بیمثال استقامت بھی عیاں ہو جاتی جس کی بناء پر قدرت نے ان کو آپ کی زوجیت کے لئے منتخب فرما لیا تھا۔ دیکھئے اسی فضاء میں جب معاملہ یہ آ جاتا ہے کہ خدا کے رسول یا دنیا میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا جائے تو آپ کی سب ہی بیبیوں کے منہ سے ایک ہی جواب نکلتا ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے دنیوی فراوانی سے قطع نظر کر سکتے ہیں مگر خدا کے

محبوب رسول سے ایک لمحہ کیلئے بھی صرف نظر نہیں کر سکتے ۔ یہ اس لئے کہ ان کی زوجیت کے مقابلہ میں ساری دنیا ہماری نظروں میں ہیچ ہے ۔ حضرت عائشہؓ آپ کی سب سے کم سن بی بی ہیں مگر ان کے انداز جواب کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ اس مسئلہ کو قابل سوچ بچار ہی نہیں سمجھتیں اور اس کو اتنی عظیم نعمت سمجھتی ہیں جس میں فطری غیرت کی بناء پر نہیں چاہتیں کہ آپ کی کوئی دوسری سوتن شریک ہو سکے ۔ اس نازک مرحلہ میں رسول کی بزرگی کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ وہ رشتہ محبوبیت کے باوجود یہاں خاموش بھی نہیں رہ سکا اور بڑی صفائی سے اس نے یہ کہدیا کہ میں تو اس معاملہ میں کوئی رعایت نہیں کر سکتا میں معلم کا منصب لیکر آیا ہوں اس میں کسی سے خیر خواہی کی بات چھپانی خیانت ہے ۔ اس حدیث کے مضمون ...... سے ظاہر ہے کہ یہاں رسول خدا کی مرضی گو یہی تھی کہ آپ کی ازواج کہیں اس اختیار میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھیں ، لیکن اس کے باوجود آیت تخییر سنا دینے میں آپ نے کوئی تاخیر نہیں کی ۔ طبعی جذبات اور فطری اقتضاء کا معدوم ہو جانا کمال نہیں ۔ کمال ان سب کو پامال کر کے حکم شریعت کی بجا آوری میں ہے ۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيْرَةَ عَبْدًا اَسْوَدَ يُقَالُ لَهٗ مُغِيْثٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ يَطُوْفُ خَلْفَهَا فِيْ سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ يَبْكِيْ وَدُمُوْعُهٗ تَسِيْلُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ يَا عَبَّاسُ اَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيْثٍ بَرِيْرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيْرَةَ مُغِيْثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْرَا جَعْتِيْهِ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تَأْمُرُنِيْ قَالَ اِنَّمَا اَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهِ. (رواه البخاری)

ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ بریرہ کے شوہر ایک سیاہ فام غلام تھے ان کو مغیث کہا جاتا تھا ان کا وہ نقشہ گویا اب میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ مدینہ کی گلیوں میں وہ بریرہؓ کے پیچھے پیچھے روتے پھر رہے ہیں اور ان کے آنسو ان کی ڈاڑھی پر بہہ رہے ہیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا ، عباس کیا تم کو اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث کو بریرہ سے کتنی الفت ہے اور بریرہ کو ان سے کتنی نفرت ہے ، اس کے بعد آپ نے بریرہ سے کہا کاش تم مغیث کی زوجیت میں رہنا قبول کر لیتیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے حکم ہے ؟ (یا صرف سفارش) آپ نے فرمایا میں تو صرف سفارش کرتا ہوں (حکم نہیں دیتا) بریرہ نے عرض کیا تو پھر مجھے ان کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں ۔ (بخاری شریف)

تشریح : ۔ بریرہؓ ایک باندی تھیں اور باندی کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جب وہ آزاد ہو جائے تو اس کو اپنے سابقہ نکاح کے قائم رکھنے نہ رکھنے میں شرعاً اختیار دیا جاتا ہے اسی قاعدہ کے ماتحت جب بریرہ آزاد ہو گئیں تو ان کو بھی اختیار مل گیا اگر وہ چاہیں تو اپنے دیرینہ شوہر کی زوجیت میں رہنا قبول کریں اور چاہیں تو ان سے علیحدگی اختیار کر لیں ۔ حضرت بریرہؓ اگرچہ ایک باندی تھیں لیکن زمانہ نبوت کے فیض عام کی وجہ سے کتنی حدود شناس ہوگئی تھیں کہ ان کے دو لفظوں میں ساری کتاب الایمان کی روح کھنچی ہوئی نظر آتی ہے یعنی وہ اس امر کو خوب پہچانتی تھیں کہ ایک امتی کے حدود اختیارات کہاں تک باقی رہتی ہیں اور کہاں جا کر ختم ہو جاتی ہیں اس لئے وہ نہایت مؤدبانہ استفسار کرتی ہیں کہ یہ آپ کا حکم ہے یا صرف ایک سفارش کا مرتبہ ۔ گویا نبی اگر کسی کی طرف سے سفارش کرے تو امتی کے لئے اس کا تسلیم کر لینا ایسی حتمی چیز نہیں ہو جاتی جس کے بعد پھر اس کے لئے کوئی اختیار اور آزادی رائے کا حق ہی باقی نہ رہے بلکہ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس صورت میں اس کے لئے شرعی حدود کا نباہ مشکل ہوگا تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی آزادی

رائے کو ملحوظ رکھے لیکن جس جگہ پہنچ کرامتی کے تمام اختیارات مسلوب ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے آزادی رائے کا کوئی حق نہیں رہتا وہ صاحب شریعت کا حکم ہے۔رسول کے امر ونہی کے بعد اطاعت کرنے کے سوا اب کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہتی۔ مذہب پر نکتہ چینی کرنیوالے اس نکتہ کو پورے غور سے ملاحظہ کریں کہ مذاہب عالم کی صفوف میں اسلام نے انسانوں میں ایک باندی کی رائے کا بھی کس حد تک احترام کیا ہے یعنی پرائیویٹ معاملات میں اس نے ایک ایسی حد قائم کردی ہے یہاں پہنچ کر رسول جیسی شخصیت کو بھی آئینی دست اندازی کا حق نہیں ہوتا اور اس کو بھی اتنا ہی حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے کا صرف اظہار کردے جو مذہب اپنے تسلیم کرنیوالوں پر جبر کرنا پسند نہیں کرتا سوچو کہ وہ خود مذاہب کے اختیار کرنے پر کب جبر کرنا گوارا کرسکتا ہے۔اس قسم کے واقعات سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بدیہی اور غیر اختیاری سبق ملتا ہے کہ اتنی با اختیار ہستی ہوکر وہ کسی انسان پر کوئی دباؤ ڈالنا پسند نہیں فرماتے اور اگر ایک باندی اپنی جائز آزادی کے ماتحت آپ کی سفارش قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کرتی ہے تو اس کا بھی کوئی برا نہیں مانتے۔کیا ہے کوئی انسان جو اتنے اختیارات کا مالک ہوکر روزمرہ کے معاملات میں اتنی آزادی اور اتنی رواداری کو جائز رکھ سکے جب اس کے کسی شرعی حکم کا خلاف کیا جائے تو اسے برداشت نہ کرسکے اور بیک وقت جب ذاتی معاملات میں اس کی سفارش پر عملدرآمد نہ ہو تو ذرا چیں بہ جبیں نہ ہو کیا ایسے انسان کی ایک ایک حرکت صرف رضاء الٰہی کے لئے نہ ہوگی۔

ایمان حقیقت میں قلبی اعتقاد کا نام ہے

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَھُنَّ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وَضُوْئَھُنَّ وَصَلَّاھُنَّ لِوَقْتِھِنَّ وَاَتَمَّ رُکُوْعَھُنَّ وَخُشُوْعَھُنَّ کَانَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدًا اَنْ یَّغْفِرَ لَہٗ وَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ فَلَیْسَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدًا اِنْ شَاءَ غَفَرَلَہٗ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَہٗ. (رواہ احمد)

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص ان کے لئے اچھی طرح وضو کرے اور ان کا رکوع وخشوع بھی پورا پورا ادا کرے تو اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہوگا کہ وہ اس کو بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بھی بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔(احمد)

تشریح:۔ یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ مغفرت ایمان کے بغیر نہیں ہوسکتی۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نمازی کے اسلام کی خواہ کوئی حیثیت بھی ہو مگر آخر کار اس کی مغفرت ہو جائے گی۔معلوم ہوا کہ نماز جیسا عمل بھی ایمان کا جزء نہیں ورنہ بے نمازی کی مغفرت نہ ہوتی۔ یہ مسئلہ نازک ہے اس کی ایک طرف ارجاء (یعنی فرقہ مرجئہ کا عقیدہ ہے۔ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں بلکہ انسان مجبور محض ہے) اور دوسری طرف اعتزال (یعنی فرقہ معتزلہ کا عقیدہ ہے) ہے اور راہ صواب اعتدال میں ہے مفصل کلام پہلے گذر چکا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُغِیْرُ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَکَانَ یَسْتَمِعُ الْاَذَانَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَکَ وَاِلَّا اَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلًا یَقُوْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْفِطْرَةِ ثُمَّ قَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ رَاعِيْ مِعْزًى. (رواه مسلم)

انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جنگ شروع کرتے جب فجر ہو جاتی اور اذان کا خیال رکھتے اگر اذان کی آواز آجاتی تو جنگ کا ارادہ ملتوی کردیتے ورنہ جنگ شروع کردیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ اکبر اللہ اکبر تو فرمایا تو ٹھیک اپنی فطرت پر قائم ہے، جب اس نے یہ کہا اشهدان لا اله الا الله تو فرمایا جا تجھے آتش دوزخ سے نجات مل گئی صحابہ نے اس شخص کو جاکر دیکھا تو وہ بکریوں کا چرواہا تھا۔ (مسلم)

تشریح:۔ حدیث مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شہادتیں سن کر جنت کی بشارت دیدی اگر اعمال ایمان کا جزء ہوتے تو اعمال کے بغیر یہ بشارت نہ دیجاتی۔

عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ سَفَرٍ فَسَمِعَ مُؤَذِّنًا يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَعَ الْاَنْدَادَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ خَرَجَ مِنَ النَّارِ الحديث. (رواه البزار وقال الهيثمی رجاله ثقات)

ابوجحیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک موذن کو آپ نے یہ کلمہ کہتے ہوئے سنا اشهدان لا اله الا الله تو فرمایا اس نے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے تمام شریکوں سے بیزاری کا اظہار کردیا پھر جب یہ سنا اشهدان محمدا رسول الله تو فرمایا عذاب دوزخ سے نجات پاگیا۔ (مسند بزار)

عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ. (رواه الحاكم فی التفسير وهو مروی غير مسلم وغيره)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت کیا و لا یشفعون الخ اور شفاعت بھی نہیں کرسکیں گے مگر اسی کے لئے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اس کے بعد فرمایا کہ میری شفاعت میرے ان سب امتیوں کے لئے ہوگی جنہوں نے گناہ کبیرہ کئے ہوں۔ (حاکم)

تشریح:۔ اگر اعمال اجزاء ایمان ہوتے تو مرتکب کبیرہ مومن نہ ہوتا اور نہ اس کے لئے شفاعت ہوسکتی۔

عَنِ الْحَسَنِ ثَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ اِذْ ذَاكَ وَنَحْنُ بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِيْءُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَجِيْءُ الصَّلٰوةُ فَتَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنَا الصَّلٰوةُ فَيَقُوْلُ اِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ فَتَجِيْءُ الصَّدَقَةُ فَتَقُوْلُ يَارَبِّ اَنَا الصَّدَقَةُ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِيْءُ الصِّيَامُ فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ اَنَا الصِّيَامُ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ ثُمَّ تَجِيْءُ الْاَعْمَالُ عَلٰى ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِيْءُ الْاِسْلَامُ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ اَنْتَ السَّلَامُ وَاَنَا الْاِسْلَامُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ بِكَ الْيَوْمَ اٰخُذُ وَبِكَ اُعْطِيْ فَقَالَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ (وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ) (تفرد به احمد)

حسنؒ روایت کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ نے مجھ سے مدینہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تمام اعمال کی صورتیں آئیں گی، نماز آئے گی اور کہے گی اے رب میں نماز ہوں، ارشاد ہوگا تو بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد صدقہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں صدقہ ہوں ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے پھر روزہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں روزہ ہوں ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد اسی طرح سب اعمال آتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہی ارشاد ہوتا رہے گا کہ تم اچھے عمل ہو۔ آخر میں اسلام کی صورت آئے گی یہ عرض کرے گا اے پروردگار تیرا نام ''السلام'' ہے اور میرا نام اسلام، ارشاد ہوگا تو سب سے بہتر عمل ہے، آج گرفت اور انعام دونوں کا دارومدار تیری ہی ذات پر ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے (جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور یہ شخص آخرت میں بہت نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا) (احمد)

تشریح:۔ اس حدیث میں اسلام کی صورت اعمال سے جداگانہ مذکور ہے حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کو اسلام سے خواہ کتنا ہی گہرا ربط ہوتا ہم وہ اس کے اجزاء نہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اعمال کی جزئیت کا مسئلہ محدثین وفقہاء کے مابین ثمرہ کے اعتبار سے کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ مومن عاصی سب کے نزدیک آخرکار جنت میں داخل ہوگا اور اسی طرح اعمال کی اہمیت سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے یہ صرف وقتی مصالح کے لحاظ سے مختلف تعبیرات تھیں جو بعد میں مذاہب بن گئیں۔

عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَوْفِ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِنْ دهرنا وَاِنَّ اَحَدَنَا يُؤْتَى الْاِيْمَانَ قَبْلَ الْقُراٰنِ وَيَنْزِلُ السُّوْرَةُ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا وَمَا يَنْبَغِىْ اَنْ يُوْقَفَ عِنْدَهٗ فِيْهَا كَمَا تَعَلَّمُوْنَ اَنْتُمُ الْقُراٰنَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ رِجَالاً يُؤْتٰى اَحَدُهُمُ الْقُرْاٰنَ فَيَقْرَأُ مَا بَيْنَ فَاتِحَتِهٖ اِلٰى خَاتِمَتِهٖ مَا يُدْرِىْ مَا اٰمِرُهٗ وَلَا زَاجِرُهٗ وَلَا مَا يَنْبَغِىْ اَنْ يُوْقَفَ عِنْدَهٗ مِنْهُ يَنْثُرُهٗ نَثْرَ الدَّقْلِ. (رواه الحاكم)

قاسم بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ ہمارا ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جبکہ ہم میں سے ایک شخص کو قرآن سے پہلے ہی ایمان نصیب ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی ایک سورت اترتی وہ اس کے حلال وحرام سیکھ لیتا اور ان مقامات کو بھی معلوم کر لیتا کہ کہاں کہاں اس میں ٹھہرنا مناسب ہے (غرض وہ اسی طرح ادب کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھتا جیسا ادب واحترام کے ساتھ آج تم سیکھتے ہو) اس کے بعد فرمایا کہ اب میں ایسے لوگ بھی دیکھ رہا ہوں جنہیں سارا قرآن (پہلے ہی) نصیب ہو جاتا ہے وہ اس کو از اول تا آخر پڑھتے بھی ہیں مگر نہ اس کے امر ونہی کو سمجھتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ کس جگہ ٹھہرنا مناسب ہے بس اس طرح اس کو لاپرواہی سے پڑھتے ہیں جس طرح ردی کھجوریں لاپرواہی کے ساتھ بکھیر دی جاتی ہیں۔ (حاکم)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَلَا اَجِدُ قَلْبِىْ يَعْقِلُ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ

قَلْبُکَ حُشِیَ الْإِیْمَانَ وَاِنَّ الْإِیْمَانَ یُعْطَی الْعَبْدُ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ. (رواه احمد وفی اسناده ابن لهیعة)

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے یہ شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں قرآن پڑھتا تو ہوں مگر مجھے اس میں کچھ دلجمعی نہیں ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا قلب ایمان سے (پہلے ہی) لبریز ہو چکا ہے اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہیں قرآن سے پہلے ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ (احمد)

تشریح:۔ اس مضمون کو ابن عمرؓ نے پہلی حدیث میں اپنے زمانہ کی شکایت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جبکہ لوگوں کو ایمان پہلے میسر آ جاتا تھا قرآن بعد میں رفتہ رفتہ نازل ہوتا۔ جتنا قرآن اترتا ان کا ایمان اتنا ہی اور قوی ہوتا تھا وہ اسے سمجھ سمجھ کر پڑھتے اور اس پر عمل کرتے تھے اور ایک زمانہ اب ہے کہ تمام قرآن پہلے نازل ہو چکا ہے لوگ بعد میں اس پر ایمان لاتے ہیں چاہئے تو یہ تھا کہ قرآن کریم کی موجودگی میں ان کا ایمان اور پختہ ہوتا وہ دلجمعی سے قرآن پڑھتے اور سرگرمی سے اس پر عمل کرتے مگر ہو یہ رہا ہے کہ نہ وہ اس کو اس جوش وخروش کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسے پہلے پڑھا کرتے تھے اور نہ ان میں وہ جذبہ عمل نظر آتا ہے جو پہلے نظر آتا تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ ان کا قلب قرآن سے پہلے ہی ایمان سے لبریز ہو چکا ہے۔ اگر قرآن پڑھنے میں ان کے معیار کے مطابق دل جمعی میسر نہیں آتی تو یہ ضعف ایمانی کی دلیل نہیں۔ جب ایمان قرآن سے پہلے ہی میسر آ سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْإِسْلَامُ عَلَانِیَةٌ وَالْإِیْمَانُ فِی الْقَلْبِ قَالَ ثُمَّ یُشِیْرُ بِیَدِهٖ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ ثُمَّ یَقُوْلُ التَّقْوٰی هٰهُنَا. (رواه احمد)

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان اس اعتقاد کا نام ہے جو دل میں ہے اس کے بعد آپ نے ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف تین بار اشارہ فرمایا، راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد فرمایا تقویٰ اس جگہ ہے۔ (احمد وغیرہ)

تشریح:۔ اس حدیث میں اعمال ظاہرہ کو اسلام اور تصدیق باطنی کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب محل ایمان قلب ہے تو اعمال جوارح ایمان کا جزء کیسے ہو سکتے ہیں۔ معتزلہ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ عمل نہ ہونے سے ایمان نہیں رہتا ایمان قلب کی صفت ہے وہ اعمال جوارح نہ ہونے کی صورت میں بھی باقی رہ سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں نورو بالیدگی نہ رہے۔

جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک وایمان پر دائر ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُوْجِبَتَانِ مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا یُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَقِیَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهُوَ یُشْرِکُ بِهٖ دَخَلَ النَّارَ. (رواه مسلم)

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں ایسی ہیں جو انسان کے لئے دو چیزیں واجب کر دیتی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا ہو (تو اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی) اور وہ ضرور جنت میں جائے گا اور جو شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے کسی کو اس کا

شریک ٹھہرایا ہو (تو اس کے لئے دوزخ واجب ہو جائے گی اور) وہ ضرور دوزخ میں جائے گا۔ (مسلم)

تشریح:۔ بقول امام غزالیؒ انسان اگرچہ ازلی نہیں مگر ابدی ضرور ہے اس لئے اس کو ایک ابدی مستقر کی ضرورت بھی ہے دنیا اس کا ابدی مستقر نہیں صرف عارضی مستقر ہے **ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین**۔ تمہیں خدا کی زمین پر صرف چند روز رہنا ہے اور ایک وقت مقرر تک اس کی نعمتوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنا ہے۔

اس کا دائمی مستقر جنت یا دوزخ ہیں قادر مطلق نے اس کی تقسیم اچھے برے اعمال پر نہیں رکھی بلکہ ایمان وکفر پر رکھی ہے، اس لئے مومن خواہ کتنا بھی گنہگار کیوں نہ ہو مگر اس کا ابدی مستقر جنت ہی رہے گا اور کافر خواہ کتنے ہی اچھے اچھے کام کیوں نہ کرے لیکن اس کا ابدی مستقر دوزخ ہی رہے گا۔ اب رہی یہ بات کہ موقت ایمان وکفر کی جزاء خلود کیوں رکھی گئی ہے تو ہمارے علم میں اس کا سب سے بہتر جواب وہ ہے جو ابن قتیبہ نے زیر کلام حدیث **نیة المرء خیر من عمله** اپنی کتاب تاویل مختلف حدیث میں ذکر کیا ہے ص ۱۸۵ پھر اسی کا خلاصہ شیخ بدر الدین عینی نے شرح بخاری میں اور عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ذکر کیا ہے۔

جنت میں خلود اور ابدی زندگی کی بنیاد عمل پر نہیں بلکہ بندہ کی نیت پر رکھی گئی ہے اگر اس کی بنیاد عمل پر ہوتی تو اخروی حیوۃ کی مدت بھی اتنی ہی ہونی چاہئے تھی جتنی کہ اس کے عمل کی تھی یا بہت سے بہت اس سے دوگنی لیکن چونکہ اس کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ ہمیشہ جئے گا تو خدا تعالیٰ کی اطاعت ہمیشہ ہی کیا کرے گا اس نیت میں اگر حائل ہوتی ہے تو موت ہوتی ہے اس کا تو کوئی قصور ہوتا نہیں اسلئے اس کو اپنی نیت کے مطابق دوام و خلود کا بدلہ مل جاتا ہے اور یہی حال دوزخ میں کافر کے خلود کا بھی ہے۔ (عمدۃ القاری)

یہاں ہمارا مقصد اعمال کی قیمت گھٹانا نہیں ہے بلکہ ایمان کی اہمیت اور کفر کی شامت بتانا ہے عمل کی حد سے زیادہ اہمیت اعتزال اور اس سے زیادہ بے اعتنائی ارجاء کے قریب کر دیتی ہے۔ صحیح راہ پر قائم رہنے کے لئے حدود شناسی لازم ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ اَنَا مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه البخاری)

عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ مضمون تو میں نے خود بارگاہ رسالت سے سنا ہے) اور دوسری بات میں اپنی جانب سے کہتا ہوں کہ جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ (بخاری شریف)

نور ایمان کے اخروی ثمرات

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ شَعِيْرَةٍ مِنْ خَيْرٍ وَيُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ وَيُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ. (رواه البخاری)

انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے

دل میں جو برابر بھی نور ایمان ہوگا تو (بالآخر) وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں گیہوں کے ایک دانہ برابر بھی نور ایمان ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی نور ایمان ہوگا وہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن اگرچہ کتنا ہی ادنیٰ درجہ کا ہو مگر وہ بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخرکار دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ ایمان گو خدائے تعالیٰ سے ایک عہد کا نام ہے مگر قلب میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو اس کا وجود خارجی کہلاتی ہے یہ حقیقت کسی کے دل میں پہاڑوں کے برابر ہوگی اور کسی کے رائی کے دانہ کے برابر۔ لیکن اس حقیقت کے ہوتے کوئی شخص دوزخ میں رہ نہیں سکتا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بارگاہ صمدیت میں ایمان کی قدر و قیمت کتنی ہے اس کے بالمقابل کفر و شرک ہے جس کے دل میں شرک ہوگا وہ خدائے تعالیٰ کی جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ **حتی یلج الجمل فی سم الخیاط**۔ اس سے شرک کی قباحت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے جنت و دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے نہ کہ اعمال پر۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَدْخُلُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ الْجَنَّۃَ وَاَھْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ اَخْرِجُوْا مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِیْمَانٍ فَیُخْرَجُوْنَ مِنْھَا قَدْ اسْوَدُّوْا فَیُلْقَوْنَ فِیْ نَھْرِ الْحَیَا اَوِ الْحَیَاۃِ (شَکَّ مَالِکٌ) فَیَنْبُتُوْنَ کَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّۃُ فِیْ حَمِیْلِ السَّیْلِ اَلَمْ تَرَ اَنَّھَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِیَۃً۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ابو سعید خدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اسے بھی دوزخ سے نکال لو چنانچہ ان کو بھی نکال لیا جائے گا ان کی حالت یہ ہوگی کہ جل کر سیاہ فام ہو گئے ہوں گے اس کے بعد ان کو نہر حیا یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا (مالک راوی حدیث کو اصل لفظ میں شک ہے) تو وہ اس طرح ہرے بھرے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کے اوپر بہے ہوئے کوڑے میں (سڑ گل کر) نکل آتا ہے کبھی تم نے غور کیا ہے کہ وہ کیسا زرد رد بل کھایا ہوا نکلتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:۔ اس قسم کی حدیثوں سے معتزلہ اور مرجیہ ہر دو فرقوں کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال کا وجود بھی ضروری ہے ورنہ عاصی مومن دوزخ میں نہ جاتا لہٰذا مرجیہ کے خیال کی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد عمل کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح معتزلہ کے عقیدہ کی بھی تغلیط ہوگئی کیونکہ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عاصی مومن ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہیں رہے گا۔ معتزلہ ان کے حق میں بھی خلود کے قائل ہیں پس حق یہ ہے کہ اعمال انتہاء درجہ ضروری ہیں لیکن اگر کسی کے دل میں ایمان کا کوئی ذرہ موجود ہے تو فقدان اعمال کی وجہ سے اگرچہ اس کو عذاب ہو مگر آخرکار اس ایمان کی بدولت اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔ ایمان خواہ کتنا ہی ضعیف ہو مگر دوزخ میں نہیں رہ سکتا اور شرک خواہ کتنا ہی خفیف ہو مگر وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں مسلم اور کافر اور اسی لئے ان کے دو ہی مستقر ہیں جنت اور دوزخ۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُھُمْ فِیْ

بَعْضٍ فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ اِلٰى رَبِّكَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِاِبْرَاهِيْمَ فَاِنَّهٗ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ فَيَأْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسٰى فَاِنَّهٗ كَلِيْمُ اللّٰهِ فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى فَاِنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ فَيَأْتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ فَيَأْتُوْنِيْ فَاَقُوْلُ اَنَا لَهَا فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ وَيُلْهِمُنِيْ مَحَامِدَ اَحْمَدُهٗ بِهَا لَا تَحْضُرُنِيْ الْاٰنَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَاَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَامُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَامُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ اَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَامُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ اَدْنٰى اَدْنٰى مِثْقَالَ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ ائْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ لَكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَعَظْمَتِيْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ قَدْعَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقِيْهِمْ فِيْ نَهْرٍ فِيْ اَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهٗ نَهْرُ الْحَيٰوةِ فَيَخْرُجُوْنَ كَمَا تَخْرُجُ الْحَبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُؤِ فِيْ رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ فَيَقُوْلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ اَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْا وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ. (متفق عليه) وفي حديث انس عندالبخاري قَالَ لَيُصِيْبَنَّ اَقْوَامًا سَفْعٌ مِنَ النَّارِ بِذُنُوْبٍ اَصَابُوْهَا عُقُوْبَةً ثُمَّ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهٖ وَرَحْمَتِهٖ فَيُقَالُ لَهُمُ الْجَهَنَّمِيُّوْنَ.

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو (مارے پریشانی کے) لوگ ایک دوسرے کے پاس بھاگے بھاگے پھریں گے آخر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اوران سے عرض کریں گے آپ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کردیجئے وہ فرمائیں گے میں اس لائق کہاں، تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے بھلا میں اس کا اہل کہاں لیکن تم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ خدائے تعالیٰ کے شرف ہم کلامی میں ممتاز ہیں یہ ان کی خدمت میں جائیں گے وہ بھی فرمادیں گے میں اس قابل کہاں لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان کا لقب روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے یہ ان کی خدمت میں آئیں گے وہ بھی فرمائیں

گے میں بھی اس لائق کہاں البتہ تم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو یہ میرے پاس آئیں گے میں کہوں گا (بہت اچھا) یہ خدمت میرے ہی سپرد کی گئی ہے اس کے بعد میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور حق تعالیٰ میرے دل میں اپنی ایسی پاکیزہ اور بلند تعریفیں القاء فرمائے گا جو اس وقت مجھے نہیں آتیں میں ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر تو اٹھاؤ (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا اے اللہ میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں جو برابر بھی نور ایمان دیکھو اسے بھی نکال لو، میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ لوٹ کر پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا خطاب ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھالو (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی، میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ملے گا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں ایک ذرہ یا ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا نور ہو اسے بھی نکال لو۔ میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ واپس ہو کر پھر اُن کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھالو کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور (اس مرتبہ) جس کے قلب میں ایک رائی کے دانہ سے بھی کم سے کمتر نور ایمان ہو اُسے بھی نکال لو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کر کے چوتھی بار پھر واپس آؤں گا اور پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھالو کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا۔ اے پروردگار! مجھے ان کے نکالنے کی بھی اجازت ہو جنہوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا ہے ارشاد ہوگا یہ تمہارا حق نہیں البتہ اپنی عزت وجلال، کبریاء، اور بزرگی کی قسم۔ جنہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے انہیں تو میں خود نکالوں گا۔ اور ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں یہ مضمون ان الفاظ میں مذکور ہے کہ (چوتھی بار آپ کے جواب میں ارشاد ہوگا) فرشتے بھی شفاعت کر چکے، خدا کے نبی بھی شفاعت کر چکے اور مومنین بھی شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین کی باری ہے، لہٰذا قدرت ایک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالے گی جنہوں نے کبھی کوئی بھلا کام نہ کیا ہوگا۔ یہ لوگ دوزخ میں پڑے پڑے جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ فام ہو گئے ہوں گے، جنت کے سامنے ایک نہر ہوگی اس میں ان کو ڈال دیا جائے گا وہ اس میں (غوطہ لگا کر) ایسے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کی رو میں بہتے ہوئے کوڑے پر اُگ آتا ہے۔ اسی طرح یہ موتی کی طرح صاف ستھرے چمکدار ہو جائیں گے ان کی گردنوں پر مہریں ہونگی ان کی وجہ سے جنتی ان کو عتقاء الرحمٰن کہیں گے (یعنی عذاب دوزخ سے رحمٰن کی آزاد کردہ جماعت) جس نے ان کو یونہی جنت میں داخل کر دیا ہے نہ انہوں نے کوئی اچھا عمل کیا تھا اور نہ ان کے پیش نظر کوئی نیک نیتی تھی، ان سے خطاب ہوگا جاؤ جتنا تم نے دیکھا تم کو وہ دیا اور اسی کے برابر اور دیا۔ (متفق علیہ) بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں کی شامت میں عذاب دوزخ میں گرفتار ہو کر سیاہ فام ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل ورحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمادے گا ان لوگوں کا لقب جہنمی ہوگا۔

تشریح:۔انسؓ کی حدیث میں کلمہ طیبہ کے ایک جزء پر نجات کی بشارت مذکور ہے۔علماء کے مابین اس بارے میں گفتگو ہے کہ یہ جماعت کونسی جماعت ہے جس کی مغفرت صرف توحید پر ہو جائے گی۔بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو کسی رسول کا زمانہ نہیں ملا اصطلاح میں ان کو اصحاب فترۃ کہا جاتا ہے۔چونکہ ان کے پاس خدائے تعالیٰ کا کوئی رسول آیا ہی نہیں اس لئے ایمان بالرسالۃ کے یہ مکلّف بھی نہ ہوں گے اس لئے ان کی نجات بھی صرف خدائے تعالیٰ کے توحید پر ہو جائے گی۔اب رہے وہ لوگ جنہوں نے کسی رسول کا زمانہ پایا اس کی تعلیمات بھی ان کو پہنچیں اور اس پر غور وخوض کا انہیں کافی موقعہ بھی ملا اس کے باوجود انہوں نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ اس کو رد کر دیا تو ہمارے علم میں ان کی نجات کی ادیانِ سماویہ میں کوئی صورت نہیں ہے۔

یہ یاد رہے کہ کسی رسول کی بعثت کا دور نہ ہونے یا اس کی دور بعثت سے لاعلمی کی بناء پر اس پر ایمان وعدم ایمان کی بحث سے خالی الذہن رہنے اور دور بعثت کے پورے پورے علم کے باوجود اس کے قبول نہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے اگر پہلی قسم کے لوگ قابل معذوری سمجھے جائیں تو کیا دوسری قسم کے لوگ بھی معذور تصور کئے جا سکتے ہیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ایمان بالرسالۃ گویا ایمان کا رکن ہی نہ رہے صرف خدائے تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنا نجات کے لئے کافی ہو پھر اسی پر مسئلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد یہ مرحلہ بھی زیر غور آ سکے گا کہ اگر رسول کے توسط کے بغیر صرف عقل کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاکیزہ توحید میسر آ سکتی ہے جو شرک کی ہر قریب و بعید آلائش سے صاف ہو تو اب رسول کی ضرورت کس درجہ پر باقی رہے گی توحید خداوندی کے فطری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر گرد وپیش کے حالات انسانی ذہنیت کو مکدر نہ کریں تو اس کے دماغ میں سوائے وحدانیۃ کے دوسرا تصور سما ہی نہیں سکتا لیکن جبکہ بساط عالم پر جا بجا شرک ہی کا کھیل چل رہا ہو شیاطین نے انسانی دماغوں کو نجاست شرک سے ملوث کر رکھا ہو کیا ان حالات میں بھی ایک انسان خدا کی مقدس توحید کو بآسانی پا سکتا ہے؟ یہ بحث ابھی نہیں ہے کہ جو توحید انبیاء علیہم السلام لیکر آتے ہیں اس میں تنزیہ وتشبیہ کے مابین کیسے کیسے خوشنما نقش ونگار اور بھی ہوتے ہیں جن کے بغیر توحید کا عقیدہ صرف عقل ہیولانی کا ایک سادہ تصور رہتا ہے پس کسی تردد کے بغیر ادیان سماویہ کا یہ ایک طے شدہ عقیدہ سمجھنا چاہئے کہ نجات کے لئے رسول پر ایمان لانا بھی اسی درجہ ضروری ہے جس درجہ خدائے تعالیٰ کی توحید پر۔

حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ ان حدیثوں میں شہادت رسول کا دوسرا جزء مذکور نہ ہونے کا اصل راز یہ ہے کہ یہ جماعت صرف اسی امت کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ سب امتوں کی مشترکہ ہوگی اس لئے ان کی نجات کا مشترکہ نقطہ یہی عقیدہ توحید ہوگا۔رسول پر ایمان اپنے اپنے دور کے اعتبار سے ان میں مختلف رہے گا یہی وجہ ہے کہ ان کو آپ کے ہاتھوں سے نکالا نہیں جائے گا بلکہ اس کا تکفل وہ رحمٰن فرمائے گا جس کی رحمت کی ساری امتیں اسی طرح متوقع ہوں گی۔جس طرح کہ ہر رسول کی امت اپنے اپنے رسول کی سفارش کی۔قرآن کریم نے جہاں انفرادی دعوت سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام کی مشترک دعوت کو ذکر فرمایا ہے وہاں صرف توحید ہی کو ذکر فرمایا ہے۔ **وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فاعبدون**۔ہم نے آپ سے پیشتر جتنے رسول بھیجے سب کے پاس یہی وحی بھیجی ہے کہ معبود ہمارے سوا کوئی نہیں ہے۔

حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر رسول پر اس کی رسالت کی حقانیت کی وحی بھی یقینی طور پر نازل کی گئی ہے لیکن یہ جزء ہر دور کے لحاظ

سے مختلف تھا جو مشترک نقطہ تمام رسولوں کے دور میں کبھی نہیں بدلا وہ صرف خدائے قدوس کی توحید تھی اس لئے رسولوں کی سفارش کر لینے کے بعد جب اس سفارش کا وقت آیا جس کا تعلق نہ تو کسی زمان و مکان سے ہو اور نہ کسی خاص امت سے تو اس کے لئے وہ ذات متکفل ہوگئی جس کی رحمت پر سب بندوں کا حق یکساں واجب تھا وہ ایک ارحم الراحمین کی ذات تھی مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عامہ کا اثر یہاں بھی اتنا ظاہر ہوئے بغیر نہ رہا کہ ان کی نجات کی منظوری آپ کی ہی سفارش پر ہوگی گو اس کا اجراء قدرت نے براہ راست خود اپنے ذمہ لے لیا۔ اس جگہ یہ واضح رہنا چاہیے کہ ابتداء حدیث شفاعت کبریٰ کے متعلق تھی یعنی بندوں کے حساب و کتاب شروع ہونے کیلئے پھر درمیان میں کچھ حصہ حذف ہوکر آخر حدیث میں شفاعت صغریٰ کا ذکر آ گیا ہے جو امتوں کی بخشش کے متعلق ہوگی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ صاف تصریح موجود ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے پاس کوئی نیک عمل نہ ہوگا حتیٰ کہ کسی ادنیٰ نیک نیتی میں بھی ان کا نمبر صفر ہوگا کسی ایک حرف سے بھی یہ اشارہ نہیں نکلتا کہ ان کے پاس توحید کے علاوہ رسول پر ایمان بھی نہ ہوگا۔ حلال کو حلال سمجھنے کے معنی اس کے مقتضے پر عمل کرنا اور تحریم حرام کا مطلب حرام سے بچنا ہے جو شخص حلال سے بچتا اور حرام سے احتراز نہیں کرتا وہ نہ حلال کو حلال سمجھتا ہے اور نہ حرام کو حرام۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرَجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُسَمُّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ. (رواه البخاری)

عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت پر دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل کئے جائیں گے ان کا لقب جہنمی ہوگا۔ (بخاری شریف)

ایمان کے ساتھ فرائض کی بجا آوری پر کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقَلٍ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَرَاَيْتَ اِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوْبَةَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَاَحْلَلْتُ الْحَلَالَ اَدْخُلُ الْجَنَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. (رواه مسلم)

جابرؓ بیان فرماتے ہیں کہ نعمان بن قوقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے؟ جب میں فرض نمازیں ادا کرلوں اور حرام کے ساتھ حرام کا معاملہ کروں اور حلال کے ساتھ حلال کا تو کیا میں جنت میں داخل ہوجاؤں گا آپ نے فرمایا ہاں۔ (مسلم)

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ قُلْ لِيْ فِي الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْئَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ وَفِيْ حديث اسامة غيرك قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ. (رواه مسلم)

سفیان بن عبداللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی جامع بات فرما دیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے (اسامہ کی حدیث میں بعد کے بجائے غیر کا لفظ یعنی آپ کے سوا کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے) آپ نے فرمایا آمنت باللہ کہو اس کے بعد اس قول پر پوری طرح قائم رہو۔ (مسلم)

تشریح:۔ استقامت ایک مختصر لفظ ہے اور اس مختصر لفظ میں شرعی تمام نزاکتیں لپٹی ہوئی ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا "استقیموا ولن تحصوا" دیکھو استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنا مگر مقتضائے استقامت سے عہدہ برائی ہے مشکل ۔ تاہم جتنا ہو سکے اس میں دریغ نہ کرنا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الخ جن لوگوں نے زبان سے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس بات پر پوری طرح قائم بھی رہے ان پر خدا کے فرشتے یہ پیغام لے کر آتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غم اور اس جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ سفیانؓ کی یہ حدیث جابرؓ کی اوپر والی حدیث سے زیادہ تفصیل پر حاوی ہے کلمہ طیبہ پر جنت کی بشارت کی احادیث میں کہیں کلمہ طیبہ کے ساتھ خالصاً من قلبہٖ کا لفظ (خلوص کے ساتھ اپنے دل سے کہے) اور کہیں یبتغی بذلک وجہ اللہ کی قید (اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی ارادہ نہ ہو) اور کہیں (ثم استقم) کے الفاظ مذکور ہوتے ہیں ان سب کا ماحصل ایک ہے اور وہ اسلام کی مجموعی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اسی کو حدیث جابر میں ذرا اور مفصل الفاظ میں ادا کیا گیا ہے یعنی دین کی حلال باتوں پر عمل کرنا اور حرام باتوں سے احتراز کرنا۔ ان مجمل الفاظ کو دوسری حدیثوں میں اس سے اور زیادہ مفصل شکل میں ادا کیا گیا ہے یعنی ان میں ارکانِ اسلام کے ساتھ کچھ اور تفصیلات بھی آجاتی ہیں پھر معلوم نہیں کہ اگر کسی مقام پر صرف کلمہ توحید پر جنت کی بشارت مذکور ہو جاتی ہے تو فرقہ مرجۂ اس کو اطلاق پر کیسے حمل کر لیتا ہے۔ اس لئے صحیح یہی ہے کہ کلمہ طیبہ کے ساتھ اگر شرعی اعمال موجود ہیں تو جنت میں داخلہ ان شاء اللہ کسی عذاب کے بغیر ہوگا اور اگر کلمہ طیبہ کے ساتھ عمل کا ذخیرہ نہیں یا کم ہے تو پھر ضابطہ میں تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اگر رحمت عفو کر دے تو یہ اس کا فضل ہوگا لیکن اس کے بعد ایمان کی بدولت پھر نجات حاصل ہو جائے گی۔ معتزلہ کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان ہی باقی نہیں رہتا۔

جو شخص فرائض و اعمال ادا نہیں کرتا وہ مواخذہ سے بری نہیں

عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ فِيْ مَسِيْرٍ اِنَّا مُدْلِجُوْنَ اللَّيْلَةَ فَلَا يَرْحَلَنَّ مَعَنَا مُضْعَفٌ وَلَا مُصْعَبٌ فَارْتَحَلَ رَجُلٌ عَلٰى نَاقَةٍ لَهٗ صَعْبَةٍ فَسَقَطَ فَانْدَقَّتْ عُنُقُهٗ فَمَاتَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُدْفَنَ ثُمَّ اَمَرَ بِلَالاً فَنَادٰى اَنَّ الْجَنَّةَ لَا تَحِلُّ لِعَاصٍ. (رواہ الحاکم)

ثوبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک سفر میں فرمایا آج شب ہم اندھیرے اندھیرے روانہ ہو جائیں گے لہٰذا ہمارے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس کے پاس کمزور یا کڑوے مزاج کا اونٹ ہو، اس کے بعد بھی ایک شخص نے اپنی کڑوی اونٹنی کس لی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس پر سے گرا، اس کی گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ آپ نے اس کے دفن کرنے کا حکم دیا پھر بلالؓ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جنت کسی نافرمان کے لئے حلال نہیں ہے۔ انہوں نے حسب الحکم یہ اعلان کر دیا۔ (حاکم)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عمرٍو قَالَ كَانَ عَلٰى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ كَرْكَرَةُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا. (رواہ البخاری)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی نگرانی کے لئے ایک شخص تعینات تھا جس کا نام کرکرہ تھا اس کا انتقال ہو گیا آپ نے یہ سن کر فرمایا وہ تو دوزخ میں ہے (یہ سن کر) صحابہ اس کا سامان ٹٹولنے لگے دیکھا تو اس میں (مال غنیمت کا) ایک عباء ملا جو اس نے خیانت کر کے چرا لیا تھا۔

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوَفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوْهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْغَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَهُ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرَزِ يَهُوْدَ لَا يُسَاوِيْ دِرْهَمَيْنِ. (رواہ مالک وابوداؤد والنسائی) 12

یزید بن خالد سے روایت ہے کہ خیبر کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا (نماز جنازہ کے لئے جب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی گئی تو آپ نے فرمایا اپنے رفیق پر تم ہی نماز پڑھ لو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ سے کنارہ کشی دیکھ کر) لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے، آپ نے فرمایا اس شخص نے جہاد کے مال میں خیانت کی ہے اس کا سامان تلاش کیا گیا تو اس میں یہود کے منکوں میں کا ایک منکا ملا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔ (مالک)

تشریح:۔ آخر توحید و رسالت کے ان معترضین سے بھی دو دو درہم کی حقیر چوریوں کا مواخذہ ہو کر رہا اور صرف اس بناء پر کہ انہوں نے ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا اس معمولی لغزش کی پاداش سے نجات نہ مل سکی خدائے تعالیٰ کی رحمت کا فیاض ہاتھ تو کون پکڑ سکتا ہے مگر یہاں گفتگو صرف اس دائرہ میں ہے جو آئین اسلامی کے تحت ہو سکتی ہے مرجئہ نے یہ غلط سمجھا ہے کہ صرف ایمان لا کر جنت کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اور اب خدائی گرفت کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہتا ہرگز نہیں اس کو شرعی اوامر و نواہی کا پورا پورا احترام بھی بجالانا ہوگا بلکہ بڑی سے بڑی قربانیاں کر کے اپنے اقرار وفاداری کا امتحان بھی دینا ہوگا۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم.

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَهْدٰى رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ فَبَيْنَهُمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيْئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِيْ اَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ اَوْشِرَاكَيْنِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاكٌ مِنْ نَّارٍ اَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَّارٍ. (متفق علیہ)

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام بطور ہدیہ پیش کیا جس کا نام مدعم تھا۔ یہ مدعم اونٹ سے آپ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آکر لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ لوگ بولے لو اس کے لئے جنت مبارک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ اونی سی چادر جو اس نے خیبر کی غنیمت میں سے قبل از تقسیم لے لی تھی آگ کی صورت میں اس پر بھڑک رہی ہے جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص (گیا) اور آپ کی خدمت میں چمڑے کے ایک یا دو تسمے لیکر آیا آپ نے فرمایا یہ ایک یا دو تسمے درحقیقت آگ کے تسمے ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ یہ غلام رفاعہ بن زید نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا اس کے متصل ہی آپ کو یہ غزوہ پیش آ گیا اور اسی میں یہ بھی شہید ہو گیا (بخاری شریف ص ۹۹۲) اس سے معلوم ہوا کہ ابھی اس کو آپ کی فیض صحبت اٹھانے کا موقع نہ ملا تھا۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ خَیْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ وَفُلَانٌ شَهِیْدٌ حَتّٰی مُرُّوْا عَلٰی رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلَّا اِنِّیْ رَأَیْتُهٗ فِی النَّارِ. فِیْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْعَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِذْهَبْ فَنَادِ فِی النَّاسِ اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَیْتُ اَلَا اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا. (رواہ مسلم)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب خیبر کی جنگ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آ آ کر کہنے لگے فلاں شہید ہوگیا، فلاں شہید ہوگیا یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گذرے تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں شہید ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے تو اس کو آگ میں جلتا ہوا دیکھا ہے، اس سزا میں کہ اس نے ایک چادر یا ایک عباء (راوی کو شک ہے) چرالیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اے ابن الخطاب جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے تین بار فرمایا۔ عمرؓ فرماتے ہیں میں نے باہر آ کر اعلان کر دیا کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے تین بار فرمایا۔ (مسلم)

جو اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرتا ہے اس کا اسلام ناقص ہو جاتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ لَا تُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا وَتُقِیْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِیَ الزَّکٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَیْتَ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتَسْلِیْمُکَ عَلٰی اَهْلِکَ فَمَنِ انْتَقَصَ شَیْئًا مِنْهُنَّ فَهُوَ سَهْمٌ مِنَ الْاِسْلَامِ یَدَعُهٗ وَمَنْ تَرَکَهُنَّ کُلَّهُنَّ فَقَدْ وَلَّی الْاِسْلَامَ ظَهْرَهٗ. (رواہ الحاکم فی المستدرک ص ٢١)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ، باضابطہ نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو بیت اللہ کا حج کرو، بھلی بات بتایا کرو، بری بات سے روکا کرو (گھر میں آ کر) گھر والوں کو سلام کیا کرو جو شخص ان باتوں میں کوئی بات نہیں کرتا وہ اسلام کا ایک جزء ناقص کرتا ہے اور جو ان سب ہی کو چھوڑ دے، اس نے تو اسلام سے اپنی پشت ہی پھیر لی۔ (حاکم)

تشریح:۔ یہ حدیث محدثین کے مذاق کے موافق ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کا اسلام کے ساتھ جزئیۃ کا تعلق ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں اور پہلی حدیثوں میں اصل مسئلہ مختلف نہیں ہونا چاہئے اس لئے بعضوں نے تو اسلام کے دو اطلاق مان لئے ہیں ایک صرف شہادتین پر دوم مجموعہ دین پر۔ اور کسی نے اس کو اعمال کی اہمیت بتانے کا صرف ایک اسلوب بیان قرار دیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا شَقِیٌّ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَنِ الشَّقِیُّ قَالَ مَنْ لَمْ یَعْمَلْ لِلّٰہِ بِطَاعَةٍ وَلَمْ یَتْرُکْ لَهٗ بِمَعْصِیَةٍ. (رواہ ابن ماجہ)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں کوئی نہ جائیگا مگر بد بخت، دریافت کیا گیا یارسول اللہ بد بخت شخص کون ہوگا فرمایا جو اللہ کے واسطے کوئی نیک کام نہ کرے اور اس کے ڈر سے کوئی گناہ نہ چھوڑے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ یہ تمام تعبیرات کسی بات پر زور دینے کیلئے فقط ایک اسلوب بیان ہوتی ہیں گویا جو شخص ظلم کی مدد کیلئے اپنے گھر سے باہر قدم نکال رہا ہے وہ یہ سمجھ کر قدم نکالے کہ وہ گویا اب اسلامی احکام کے دائرہ سے قدم نکال رہا ہے۔

عَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے جو شخص جان بوجھ کر کسی ظالم کے ساتھ اس کے ظلم کا ساتھ دینے کے لئے گیا وہ اسلام کی سرحد سے باہر ہو گیا۔ (شعب الایمان)

عَنْ بهز بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسْلَ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

بہز بن حکیم اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے غصہ ایمان کی حلاوت اس طرح برباد کر دیتا ہے جیسا ایلوا شہد کی۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ بعض اعمال کی زد تو اسلام کی بنیاد پر پڑتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اس کی صرف ظاہری زیبائش بدنما ہوتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اسلام کی شیرینی ختم ہو جاتی ہے اور کچھ وہ بھی ہیں جن سے اس کے ذائقہ میں تلخی آ جاتی ہے غصہ ایسی صفت ہے جس سے صرف انسان کا ذائقہ حس برباد نہیں ہوتا بلکہ ذائقہ ایمان بگڑ جاتا ہے عام حالات میں غصہ ایسی ہی خراب چیز ہے لیکن اگر اپنے مولیٰ اور اس کے دین کی خاطر ہو تو یہ عین ایمان ہے اس سے ایمان کی چاشنی دونی ہوتی ہے جس کو خلاف شرع امور پر غصہ نہیں آتا اس کو یقین کر لینا چاہئے کہ اس کا ایمان پہلے سے بے ذائقہ ہے اس میں مداہنت اور مساہلت کا زہر پہلے سے شامل ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَاَكْثِرْنَ الْاِسْتِغْفَارَ فَاِنِّيْ رَاَيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ فَقَالَتْ اِمْرَاَةٌ مِنْهُنَّ جَزْ لَةٌ وَمَا لَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَمَا رَاَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ اَغْلَبَ لِذِيْ لُبٍّ مِنْكُنَّ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَالدِّيْنِ قَالَ اَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ فَشَهَادَةُ اِمْرَاَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ فَهٰذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَتَمْكُثُ اللَّيَالِيَ مَا تُصَلِّيْ وَتُفْطِرُ فِيْ رَمَضَانَ فَهٰذَا نُقْصَانُ الدِّيْنِ. ولفظ البخاری اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا. (رواہ الخمسۃ)

ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے (ایک بار) فرمایا اے عورتوں کی جماعت تم (خاص طور پر) صدقہ دیا کرو اور زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ دوزخیوں میں زیادہ تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی ہے ان میں ایک ہوشیار عورت بولی یا رسول اللہ ہم نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم دوزخ میں زیادہ جائیں گے آپ نے فرمایا تمہیں (باہم گفتگو میں) لعنت کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے اور تم اپنے شوہر کی بھی بہت ناشکری کرتی ہو میں نے تم جیسا دین و عقل میں ناقص ہو کر پھر ایک دانشمند شخص پر غالب آ جانے والا کسی کو نہیں دیکھا انہوں نے عرض کیا ہمارے عقل و دین کے نقصان کی تشریح فرما دیجئے آپ نے

فرمایا تمہارے عقل کا نقصان تو یہ ہے کہ دوعورتوں کی شہادت ایک مرد کی برابر سمجھی جاتی ہے یہ تو عقل کا نقصان ہوا اور کئی کئی راتیں ایسی گذر جاتی ہیں کہ تم نماز نہیں پڑھ سکتیں اور رمضان شریف کے روزے نہیں رکھ سکتیں یہ دین کا نقصان ہوا۔ اور بخاری میں یہ مضمون اس طرح ہے اچھا تو کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو نہ وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے انہوں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا ہے آپ نے فرمایا تو پھر یہی تو اس کے دین کا نقصان ہے۔ (بخاری ومسلم وغیرہما)

تشریح:۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اس مجموعہ آئین پر عمل کرنے کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی زندگی کے لئے لیکر آئے تھے صرف زبانی قول کا نام نہیں اس لئے جو شخص اس مجموعہ پر جتنا زیادہ عمل پیرا ہوگا اس کا دین بھی اتنا ہی زیادہ مکمل شمار ہوگا اور جو عمل میں جتنا پیچھے رہ جائے گا وہ اتنا ہی اپنے دین میں بھی ناقص کہا جائے گا۔ عورت اپنے فطری عذر کی بناء پر کچھ مدت نماز اور روزہ سے معطل رہتی ہے اس لئے اس کا دین بھی اس مرد کی نسبت ناقص ہونا چاہئے جو کسی وقت عبادت سے معطل نہیں ہے عورت کے دینی نقصان کی ٹھیک شرح یہ ہے (کتاب الایمان ص ۹۳)

رہا یہ سوال کہ صنف نساء کا یہ تعطل اختیاری نہیں بلکہ فطری ہے یہ ان کے دینی نقصان کا موجب کیوں ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس فطری نقصان کے ساتھ شریعت ان سے صنف رجال کے کمالات حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی ہے تو بیشک ناانصافی ہوتی مگر ان سے مطالبہ ہے تو ان ہی کمالات کا ہے جو ان کے عالم میں کمال تصور کئے جاتے ہیں قدرت نے اگر انسان کو بازوئے پرواز نہیں دیئے اور اس حیثیت سے اس کو ایک پرندے سے ناقص بنایا ہے تو اس سے اڑنے کا مطالبہ بھی نہیں کیا پھر اسے اس کا کیا حق ہے کہ وہ قدرت سے اپنے اس نقصان کا گلہ کر سکے اصل یہ ہے کہ اجناس ہوں یا انواع سب خدا کی مخلوق ہیں اور سب ہی میں ایک نہ ایک جہت سے نقصان موجود ہے۔ شریعت اس فطری نقصان پر تم سے مواخذہ نہیں کرتی تم کمال ونقصان کی اس تقسیم سے اس پر اعتراض مت کرو۔ **ولا تتمنوا ما فضل اللہ به بعضکم علی بعض واسالوا اللہ من فضله۔** اللہ سے ان فضیلتوں کی تمنا مت کرو جن کی بناء پر اس نے تم میں ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے بلکہ صرف اس کی مہربانی اور عنایت مانگا کرو (جو تمہارے مقدر کا ہے تم کو مل جائیگا)۔

جنت کیلئے تمام احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهٗ يَدَّعِی الْاِسْلَامَ هٰذَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالَ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَاَثْبَتَتْهُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الَّذِیْ تُحَدِّثُ اَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ يَرْتَابُ فَبَيْنَا هُمْ عَلٰى ذٰلِكَ اِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ اَلَمَ الْجِرَاحِ فَاَهْوٰى بِيَدِهٖ اِلٰى كِنَانَتِهٖ فَانْتَزَعَ مِنْهَا سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهٖ فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ

اللہِ صَدَّقَ اللّٰہُ حَدِیْثَکَ قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّنْ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا مُؤْمِنٌ فَاِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ (رواہ البخاری ص ۹۷۷)

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ خیبر میں شریک ہوئے تو اپنے ساتھیوں میں سے ایک ایسے شخص کے متعلق جو اسلام کا دعویٰ بھی کرتا تھا آپ نے ارشاد فرمایا یہ دوزخیوں میں ہے لیکن جب جنگ کا وقت آیا تو اس شخص نے بڑی سرگرمی سے جنگ کی اور اتنے زخم کھائے کہ اس میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ یہ سماں دیکھ کر آپ کے صحابہ میں ایک شخص نے (آ کر) کہا یا رسول اللہ فرمائیے جس شخص کے متعلق آپ کہتے تھے کہ وہ دوزخی ہے اس نے تو (آج) اللہ کی راہ میں بڑی سرگرمی سے جنگ کی ہے زخموں سے اس کا جسم چور چور ہو گیا ہے آپ نے فرمایا پھر سن لو کہ وہ دوزخی ہے اس پر قریب تھا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں شبہ پڑنے لگا۔ ابھی وہ اسی حیص وبیص میں تھے کہ اس شخص کو زخموں کی تکلیف زیادہ محسوس ہوئی (اور وہ اس پر صبر نہ کر سکا) آخر اس نے اپنے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے ایک تیر نکال کر اپنے سینے کے پار کر دیا یہ دیکھ کر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑ پڑے اور بولے یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیشگوئی سچی کر دی، فلاں شخص نے اپنے سینے میں تیر مار کر خودکشی کر لی آپ نے فرمایا، بلال؟ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے اور یوں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید فاجر آدمی سے بھی کرا لیتا ہے۔ (بخاری)

تشریح:۔ اسلام کی اعانت وہ مقبول عمل ہے جس کی بدولت وحی الٰہی نے اہل مدینہ کو انصار کا لقب دیا تھا۔ اسی لئے صاحب نبوت کو یہ تنبیہ کرنی ضروری ہوگئی کہ دنیا اعانت ونصرت کے صرف ظاہری عمل کو دیکھ کر کسی کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے میں عجلت نہ کرے۔ قبولیت کا اصلی مدار ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے اگر یہ نہیں تو صرف دینی نصرت کا عمل خواہ کتنا ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو مگر وہ بھی نظر رب العزۃ میں کچھ نہیں۔ یہاں قدرت کا ایک آئین اور بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ چاہے تو دشمن سے بھی اپنا کام لے لیتی ہے۔ مگر آج اس کے برعکس دنیا کی نظروں میں فیصلہ عمل پر رہ گیا ہے اور روح ایمانی سے کوئی بحث نہیں رہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ وَعَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ اَنَّھُمَا اَتَیَا اَبَا سَعِیْدِ الْخُدْرِیَّ فَسَاَلَاہُ عَنِ الْحَرُوْرِیَۃِ اَسَمِعْتَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اَدْرِیْ مَا الْحَرُوْرِیَۃُ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَخْرُجُ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَلَمْ یَقُلْ مِنْھَا قَوْمٌ تَحْقِرُوْنَ صَلَاتَکُمْ مَعَ صَلَاتِھِمْ یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ حُلُوْقَھُمْ اَوْحَنَاجِرَھُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمُرُوْقِ السَّھْمِ مِنَ الرَّمِیَّۃِ فَیَنْظُرُ الرَّامِیْ اِلٰی سَھْمِہٖ اِلٰی نَصْلِہٖ اِلٰی رِصَافِہٖ فَیَتَمَارٰی فِی الْفُوْقَۃِ ھَلْ عَلِقَ بِھَا مِنَ الدَّمِ شَیْئٌ۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۲۴)

ابو سلمہ اور عطاء دونوں ابو سعید خدری کے پاس آئے اور حروریۃ (خوارج) کے متعلق ان سے دریافت کیا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرقہ حروریہ کے متعلق کچھ سنا ہے انہوں نے کہا میں تو یہ نہیں جانتا کہ حروریہ کیا فرقہ ہے ہاں میں نے آپ کو یہ فرماتے تو سنا ہے کہ اس امت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے (اور فی ھذہ الامۃ کی بجائے راوی نے منہا کا لفظ نہیں کہا) اس درجہ عبادت گذار ہوں گے کہ ان کی نمازوں کے سامنے تمہیں اپنی نمازیں ہیچ نظر آئیں گی۔

قرآن کی تلاوت بھی کریں گے مگر وہ ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے اس طرح صاف نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے تیرانداز اپنے تیر کی لکڑی دیکھتا ہے اس کا لوہا اور پروں کو دیکھتا ہے پھر اس کے پچھلے حصہ کو دیکھتا ہے مگر اس کو یہ شبہ ہی رہتا ہے کہ اس میں کہیں خون کا نشان بھی لگا ہے یا نہیں۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی مقدس کتاب نہیں اور اس کی تلاوت سے بڑھ کر کوئی مقدس عمل نہیں مگر دین صرف اتنے ہی حصہ کا نام نہیں اس کے اصول وارکان کچھ اور بھی ہیں جن کے بعد اعمال کے حسن وقبح سے بحث ہوسکتی ہے۔ فروعی اعمال میں تو ایک کافر بھی مسلمان سے فوقیت لے جاسکتا ہے مگر جب اس کے اعمال کی بنیاد ہی غلط ہو تو اس کے اعمال کی بلندی صرف ایک بے بنیاد تعمیر ہی کی مثال ہوگی۔

پل صراط پر لوگوں کی رفتار ان کے اعمال کے مطابق ہوگی

عَنْ حُذَیْفَةَ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْمَعُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی النَّاسَ فَیَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَیَأْتُوْنَ اٰدَمَ فَیَقُوْلُوْنَ یَا اَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَیَقُوْلُ وَهَلْ اَخْرَجَکُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا خَطِیْئَةُ اَبِیْکُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَالِکَ اِذْهَبُوْا اِلٰی اِبْنِیْ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلِ اللّٰهِ قَالَ فَیَقُوْلُ اِبْرَاهِیْمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِکَ اِنَّمَا کُنْتُ خَلِیْلًا مِنْ وَرَاءَ وَرَاءَ اِعْمَدُوْا اِلٰی مُوْسَی الَّذِیْ کَلَّمَهُ اللّٰهُ تَکْلِیْمًا فَیَأْتُوْنَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِکَ اِذْهَبُوْا اِلٰی عِیْسٰی کَلِمَةِ اللّٰهِ وَرُوْحِهٖ فَیَقُوْلُ عِیْسٰی لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِکَ فَیَأْتُوْنَ مُحَمَّدًا فَیَقُوْمُ فَیُؤْذَنُ لَهٗ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَیَقُوْمَانِ جَنْبَتَیِ الصِّرَاطِ یَمِیْنًا وَشِمَالًا فَیَمُرُّ اَوَّلُکُمْ کَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَیُّ شَیْءٍ کَمَرِّ الْبَرْقِ قَالَ اَلَمْ تَرَوْا اِلَی الْبَرْقِ کَیْفَ یَمُرُّ وَیَرْجِعُ فِیْ طَرْفَةِ عَیْنٍ ثُمَّ کَمَرِّ الرِّیْحِ ثُمَّ کَمَرِّ الطَّیْرِ وَشَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِیْ بِهِمْ اَعْمَالُهُمْ وَنَبِیُّکُمْ قَائِمٌ عَلَی الصِّرَاطِ یَقُوْلُ یَارَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتّٰی تَعْجَزَ اَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتّٰی یَجِیْءَ الرَّجُلُ لَا یَسْتَطِیْعُ السَّیْرَ اِلَّا زَحْفًا وَقَالَ وَفِیْ حَافَتَیِ الصِّرَاطِ کَلَالِیْبُ مُعَلَّقَةٌ مَامُوْرَةٌ تَاْخُذُ مَنْ اُمِرَتْ بِهٖ فَمَخْدُوْشٌ نَاجٍ وَمُکَرْدَسٌ فِی النَّارِ وَالَّذِیْ نَفْسُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ بِیَدِهٖ اِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِیْنَ خَرِیْفًا. (رواہ مسلم)

حذیفہؓ اور ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کو (قیامت میں) جمع کرے گا مسلمان کھڑے ہوں گے اور ان کے سامنے جنت قریب کردی جائے گی وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے والد بزرگوار چلئے ہم لوگوں کے لئے جنت کا دروازہ کھلوا دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس کام کے لائق کہاں، اپنے والد کی ایک فروگذاشت ہی کی بدولت تو تم جنت سے باہر نکلے ہو، جاؤ میرے فرزند ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خدا کے خلیل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے میں اس خدمت کے قابل کہاں۔ میں تو بس دور دور ہی سے خلیل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیت سے باتیں کی ہیں وہ ان کے پاس آئیں گے یہ فرمائیں گے میں اس خدمت کے لائق کہاں، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور روح اللہ کہلائے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں۔ اس کے بعد لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے آپ

شفاعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ کو اجازت مل جائے گی (اور حساب شروع ہو جائے گا) اس دن صفت امانت اور صلہ رحمی کو (اتنی اہمیت دی جائے گی) کہ ان کو ایک حسی شکل دیدی جائے گی یہ) پل صراط کے دائیں بائیں کھڑی ہو جائیں گی (تا کہ اپنی رعایت کرنے والوں کی سفارش اور نہ رعایت کرنے والوں کا شکوہ کریں) پھر تمہارا پہلا قافلہ بجلی کی طرح تیزی کے ساتھ گذر جائیگا راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان، بجلی کی طرح تیز گذرنے کا کیا مطلب ہوا فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح پل بھر میں گذر کر لوٹ بھی آتی ہے (اسی تیزی کے ساتھ تمہارا گذرنا ہوگا) پھر ہوا کی طرح پھر تیز پرندے کی طرح پھر انسانوں کی دوڑ کی طرح غرض کہ جیسے ان کے اعمال ہوں گے اسی تیزی کے ساتھ وہ ان کو لیجائیں گے اور تمہارا نبی کھڑا ہوا یہ دعا مانگ رہا ہوگا میرے پروردگار ان کو سلامتی سے گذار، ان کو سلامتی سے گذار، یہاں تک کہ اب ضعیف الاعمال اور گنہگار لوگوں کا نمبر آئیگا حتیٰ کہ ایک شخص وہ ہوگا جسے گھسٹ کر چلنے کے سوا طاقت نہ ہوگی فرمایا کہ پل صراط کے دونوں طرف کانٹے لٹکے ہوئے ہوں گے اور جس کے متعلق حکم دیا جائے گا وہ اس کو پکڑ لیں گے پس جس کے صرف کھرونچ آئے گی وہ تو نجات پا جائے گا اور جس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جائیں گے وہ دوزخ میں جائے گا۔ (ابو ہریرہؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ) اس کی قسم جس کے دست قدرت میں ابو ہریرہؓ کی جان ہے جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت ہے۔ (مسلم)

تشریح: ۔ اعمال گو ایمان کا جزء نہ ہوں مگر مرجہ کے عقیدہ کی طرح غیر ضروری بھی نہیں پل صراط کو عبور کرنا اعمال میں شدت وضعف پر ہی منحصر ہے۔

گناہ کرنے سے اسلام اسی طرح پرانا ہو جاتا ہے جیسا کپڑا استعمال سے

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْرُسُ الْاِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ لَا يَدْرِيْ مَا صِيَامٌ وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا نُسُكٌ وَيُسْرٰى عَلٰى كِتَابِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ لَيْلَةٍ فَلَا يَبْقٰى فِي الْاَرْضِ مِنْهُ اٰيَةٌ وَيَبْقٰى طَوَائِفُ مِنَ النَّاسِ الشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْعَجُوْزُ الْكَبِيْرَةُ يَقُوْلُوْنَ اَدْرَكْنَا اٰبَاءَ نَا عَلٰى هٰذِهِ الْكَلِمَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَنَحْنُ نَقُوْلُهَا فَقَالَ صِلَةُ فَمَا تُغْنِيْ عَنْهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ لَا يَدْرُوْنَ مَا صِيَامٌ وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا نُسُكٌ فَاَعْرَضَ عَنْهُ حُذَيْفَةُ فَرَدَّدَ عَلَيْهِ ثَلَاثًا كُلُّ ذَالِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْهِ فِي الثَّالِثَةِ فَقَالَ يَا صِلَةُ تُنَجِّيْهِمْ مِنَ النَّارِ تُنَجِّيْهِمْ مِنَ النَّارِ تُنَجِّيْهِمْ مِنَ النَّارِ. (رواہ الحاکم)

حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح کپڑے کے نقش ونگار گھس جاتے ہیں اور ماند پڑ جاتے ہیں اسی طرح نور اسلام بھی ایک زمانہ میں ماند پڑ جائے گا پھر کسی شخص کو یہ علم تک نہ رہے گا کہ روزہ کیا چیز ہے اور صدقہ و حج کیا چیز۔ ایک شب آئے گی کہ قرآن سینوں سے اٹھالیا جائے گا اور زمین پر اس کی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی۔ متفرق طور پر کچھ بوڑھے مرد اور کچھ بوڑھی عورتیں رہ جائیں گی جو یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے کلمہ لا الہ الا اللہ سنا تھا اس لئے ہم بھی یہ کلمہ پڑھ لیتے ہیں۔ صلہ (ایک شخص کا نام ہے) نے پوچھا جب انہیں روزہ، صدقہ، اور افعال حج کا بھی علم نہ ہوگا تو بھلا صرف یہ کلمہ انہیں کیا سودمند ہوگا۔ حذیفہ نے اس کا جواب نہ دیا انہوں نے تین بار یہی سوال دہرایا۔ ہر بار حذیفہؓ اعراض ہی کرتے رہے ان کے

تیسرے بار اصرار کے بعد فرمایا اے صلہ یہ کلمہ ہی ان کو عذاب دوزخ سے نجات دلا دے گا۔ تین بار فرمایا۔ (حاکم)

تشریح:۔ وہب بن منبہ کی حدیث میں اعمال کو مفتاح کے اسنان سے یعنی کنجی کے دندانوں سے اور اس حدیث میں کپڑے کے نقش و نگار سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ نہ کنجی دندانے گھس جانے کے بعد زیادہ کار آمد رہتی ہے نہ کپڑا پرانا ہونے کے بعد قابل استعمال ہوتا ہے مگر یہ بھی نہیں ہوتا کہ کنجی کی حقیقت یا کپڑے کی حقیقت معدوم ہو جائے ان کا وجود پھر بھی باقی رہتا ہے۔ دیکھئے اس قسم کی تمام حدیثوں میں سوال و جواب کا دائرہ صرف اعمال تک محدود ہے۔ رسالت کی شہادت ہونے نہ ہونے کا خیال بھی کسی کے ذہن میں نہیں گذرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال اس زمانہ میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا جہاں متکلم خود ہی کلام کرتا تھا۔ آج ذرا سے حجاب نے بدذوق ذہنوں میں بلاوجہ یہ سوال پیدا کر دیا ہے۔ اسلامی انقلابات میں یہ ایک عظیم انقلاب کی پیشگوئی ہے کہ جس امت نے بسیط ارض پر خدا کی توحید کا پرچم لہرایا تھا ایک دن آئیگا کہ وہی اس سے اتنی جاہل ہو جائے گی کہ اس کے دماغ میں اس کلمہ کا نقش صرف اپنی آبائی تاریخ کی ایک نشانی بن کر رہ جائے گا۔ ایسی نازک حالت کے متعلق حذیفہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی زبان سے کوئی صاف جواب دیں مبادہ مغفرت کا حکم سن کر پست طبائع میں اور سہل انگاری پیدا ہو جائے لیکن جب ان کو مجبور کیا گیا تو جو حقیقت تھی وہ انہیں واضح کر دینی پڑی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل مدار نجات صرف توحید و رسالت ہے اور اسی بناء پر اس کو مفتاح سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر یہ عقیدہ صرف تقلیدی طور پر بھی قائم رہے جب بھی نجات کے لئے کافی ہے اور یہ بھی کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں اور یہ کہ ایمان کے بغیر اعمال بے قیمت ہیں مگر ایمان اعمال کے بغیر بھی بے قیمت نہیں وہ یوں بھی نصیب ہو جائے تو بھی زہے نصیب۔ مومن بے عمل کی مثال ایک غیر مہذب دوست کی ہے اور نیک عمل غیر مومن کی مثال ایک مہذب دشمن کی۔ دونوں کا فرق ظاہر ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاِیْمَانَ لَیَخْلُقُ فِیْ جَوْفِ اَحَدِکُمْ کَمَا یَخْلُقُ الثَّوْبُ الْخَلِقُ فَاسْئَلُوْا اللّٰہَ اَنْ یُّجَدِّدَ الْاِیْمَانَ فِیْ قُلُوْبِکُمْ. (رواہ المستدرک)

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان تمہارے سینوں میں اسی طرح پرانا اور کمزور ہو جاتا ہے جس طرح کپڑا پرانا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کیا کرو کہ تمہارے دلوں میں ایمان پھر از سر نو نیا اور مستحکم کر دے۔ (مستدرک)

تشریح:۔ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں حضرت معاذ کا قول نقل کیا ہے **قال معاذ اجلس بنا نؤمن ساعۃ۔** آؤ تھوڑی دیر بیٹھ کر ایمان لائیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ابن عربی سے اس کی شرح یہ نقل کی ہے **انما اراد تجدید الایمان لان العبد یؤمن فی اول مرۃ فرضاثم یکون ابدا مجددا کلما نظر اوفکرا۔** حضرت معاذ کا مطلب یہاں ایمان سے تجدید ایمان ہے کیونکہ بندہ ایمان ایک ہی مرتبہ لاتا ہے۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ کے ثواب و عذاب آیات و عبر میں غور کر کر کے اپنے ایمان کی تجدید کیا کرتا ہے (فتح الباری ج ا ص ۴۱) صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ اگر کسی کی زبان سے غلطی سے لات و عزیٰ کی قسم نکل جائے تو اسے فوراً لا الہ الا اللہ کہہ لینا چاہئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی دامن ایمان پر داغ معصیت یا کسی اور ناشایاں کلمہ کا دھبہ لگ جائے تو اسے اسی طرح چھوڑ نہ دینا چاہئے بلکہ فوراً صاف کر دینا چاہئے

تاکہ اس کے اثرات اور نہ بڑھنے پائیں یا کم از کم اس کے اسلام کی بدنمائی کا باعث نہ ہوں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ نُجَدِّدُ اِيْمَانَنَا قَالَ اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (اخرجه الحاكم فی كتاب التوبة وقال صحيح الاسناد قال الذهبی وفيه صدقة وضعفوه)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ایمانوں کی تجدید کرلیا کرو۔ آپ سے دریافت کیا گیا یارسول اللہ ایمان کی تجدید کیسے کیا کریں فرمایا کہ کثرت کے ساتھ لا الہ الا اللہ پڑھا کرو۔ (حاکم)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذکار اور بالخصوص تکرار کلمہ طیبہ کو تجدید ایمان میں بڑا دخل ہے اب انصاف کیجئے کہ اس ایمان کا حال کیا ہوگا جو ہر لحظہ پرانا تو ہو رہا ہے مگر اس کی تجدید کا سامان کچھ نہیں ہے۔ کیا یہ اندیشہ نہیں ہے کہ وہ بھی ایک نہ ایک دن پرانے کپڑے کی طرح تارتار ہو جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ صحیح بخاری میں بھی یہ مضمون صحابہ کی زبان سے موجود ہے۔

گناہ کبیرہ پر نیکیوں کے اکارت ہونے کی بھی نوبت آجاتی ہے

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ. (رواه البخاری)

بریدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اسکے عمل اکارت ہوئے۔ (بخاری)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَذْفُ الْمُحْصَنَةِ يَهْدِمُ عَمَلَ مِائَةِ سَنَةٍ. (رواه البزار)

حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پاکباز عورت کو تہمت لگانے سے سو سال کے عمل برباد ہو جاتے ہیں۔ (البزار)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلٰوةَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا الخ. (ترمذی. نسائی. ابن ماجه. دارمی)

عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ چالیس دن تک ...... اس کی نمازیں قبول نہیں کرتا۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَقَطَعُوا الطَّرِيْقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِيْ اَنَّ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا اَوْ قَطَعَ طَرِيْقًا فَلَاجِهَادَ لَهُ. (رواه ابوداؤد)

معاذ سے روایت ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہی میں ایک غزوہ کیا لوگوں نے (جلد بازی میں) دوسروں کے اترنے کی جگہوں میں تنگی پیدا کر دی اور آمدورفت کے لئے راستے بند کر دیئے (جب آپ کو یہ خبر ملی) تو آپ نے ایک منادی بھیج دیا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کر دے کہ جو لوگوں کے اترنے کے مقامات میں کوئی تنگی پیدا کرے گا یا راستے بند کرے گا اس کا جہاد اکارت۔ (ابوداؤد)

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِجِزْيَتِهَا فَقَدْ اِسْتَقَالَ هِجْرَتَهُ وَمَنْ نَزَعَ صَغَارَ كَافِرٍ مِنْ عُنُقِهِ فَقَدْ وَلَّى الْاِسْلَامَ ظَهْرَهُ. (ابوداؤد)

ابودرداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے کافر کی خراجی زمین خریدی

اس نے اپنی ہجرت کا عمل اکارت کر دیا اور جس نے کسی کافر کی گردن سے ذلت کا طوق نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیا اس نے اسلام کی طرف اپنی پشت کر دی۔ (ابوداؤد)

عَنْ سَلَمَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى خَيْبَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ اَسْمِعْنَا يَاعَامِرُ مِنْ هُنَيَّاتِكَ فَحَدَابِهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ السَّائِقُ قَالُوْا عَامِرٌ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَّاهٖ اَمْتَعْتَنَا بِهٖ فَاُصِيْبَ صَبِيْحَةَ لَيْلَتِهٖ فَقَالَ الْقَوْمُ حَبِطَ عَمَلُهٗ قَتَلَ نَفْسَهٗ فَلَمَّا رَجَعْتُ وَهُمْ يَتَحَدَّثُوْنَ اَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهٗ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ زَعَمُوْا اَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهٗ فَقَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَهَا اِنَّ لَهٗ لَاَجْرَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّهٗ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ وَاَيُّ قَتْلٍ يَزِيْدُهٗ عَلَيْهِ. (رواہ البخاری)

سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اہلِ خیبر سے جنگ کیلئے نکلے رفقاء میں سے ایک شخص بولا اے عامر ہمیں بھی اپنے کچھ اشعار سناؤ۔ عامر گا گا کر انہیں سنانے لگے اور ان کی مستانہ آواز سے اونٹوں نے بھی تیز تیز قدم اٹھا دیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اونٹوں کو حدی پڑھ کر یہ تیز چلانے والا کون شخص ہے لوگوں نے عرض کیا عامر ہیں آپ نے فرمایا خدا ان پر رحم فرمائے۔ یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش عامر کی صحبت سے آپ ہمیں کچھ اور لطف اندوزی کا موقعہ دیتے۔ اس کے بعد واقعہ یہ ہوا کہ اسی شب کی صبح (انہوں نے ایک کافر پر حملہ کیا ان کی تلوار چھوٹی تھی وہ لوٹ کر ان کے گھٹنے میں لگی اور وہ اپنی ہی شمشیر سے زخمی ہو گئے) اور شہید ہو گئے صحابہ نے (یہ دیکھ کر کہ یہ اپنی ہی شمشیر سے ہلاک ہوئے ہیں اس کو خودکشی سمجھا اور) کہا عامرؓ نے خودکشی کر لی اور ان کی سب نیکیاں اکارت ہو گئیں۔ جب میں واپس ہوا تو وہ یہی گفتگو کر رہے تھے کہ عامر کے اعمال اکارت ہو گئے میں نے آ کر آپ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، لوگوں کا یہ خیال ہو رہا ہے کہ عامر کے عمل اکارت ہو گئے آپ نے فرمایا کون کہتا ہے جس نے کہا غلط کہا اس کو دوہرا ثواب ملے گا وہ بڑا پکا مجاہد تھا اس کے قتل سے بڑھ کر اور کونسا قتل ہو سکتا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ صحابہ کو یہ تجربہ سے ثابت ہو چکا تھا کہ جنگ کے موقعہ پر جب کسی شخص کی نسبت آپ ''رحمہ اللہ'' کا کلمہ ارشاد فرما دیتے تو وہ ضرور شہید ہو کر رہتا اس لئے عامر کے متعلق یہ کلمہ سن کر وہ سمجھ گئے کہ یہ بھی شہید ہوئے بغیر نہ رہیں گے اس لئے انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہمیں ان کی صحبت سے لطف اندوزی کا کچھ اور موقع دیتے۔

واضح رہے کہ شرک وکفر تو سب کے نزدیک حقیقۃً حبط عمل کا موجب ہیں لیکن کبائر کے حبط عمل کے مفہوم میں ذرا اختلاف سے کسی نے اس کو گناہوں کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا صرف ایک عنوان قرار دیا ہے۔ اور کسی نے ظاہری معنی پر ہی محمول کر لیا ہے لیکن اس تقدیر پر مشکل یہ ہے کہ یہ اہل سنت کا مذہب نہیں یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ یہاں صاحب روح المعانی کی رائے زیادہ صواب ہے وہ سورہ محمد کی تفسیر میں معتزلہ کی جواب دہی کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں۔

کشف میں اس مسئلہ کی تحقیق یوں کی گئی ہے کہ معتزلہ سے یہ پوچھنا چاہئے کہ حبط سے ان کا کیا مطلب ہے اگر یہ

مطلب ہے کہ مثلاً نماز کے بعد زنا کرنے سے نماز کا حاصل شدہ ثواب برباد ہو جاتا ہے تو اس پر کوئی دلیل نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ کبھی کسی عمل کا گناہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا ثواب اس کی تلافی نہیں کر سکتا تو یہ بات صحیح ہے مگر اس وقت گفتگو صرف اس میں رہے گی کہ اس کو حقیقۃً حبط کہنا بھی چاہئے یا نہیں ہمارے خیال میں اصل بات یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک تو گناہ کبیرہ سے نیکیوں کا برباد ہو جانا لازم اور ضروری امر ہے اور اہل حق کے نزدیک ضروری اور لازم نہیں ہے درحقیقت یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ گناہ کی بخشش جائز بھی ہے یا نہیں۔ یہ بحث تو عام کبائر کے متعلق تھی اب رہے وہ گناہ جو کسی خاص عمل سے متعلق ہیں۔ جیسے صدقہ دے کر اترانا، یا احسان جتانا اور بات مارنا تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اس قسم کے گناہ سے خاص اس عمل کا ثواب برباد ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی)

ہمارے نزدیک اعمال مکفرہ (یعنی وہ نیکیاں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں) میں یہ تفصیل ضروری ہے کہ کونسا عمل کس گناہ کے لئے کفارہ بنتا ہے اسی طرح کبائر محبط (یعنی وہ گناہ جو نیکیاں برباد کر دیتے ہیں) میں بھی یہ تفصیل ہونی چاہئے کہ کس گناہ سے کس قسم کے نیک عمل کا ثواب برباد ہوتا ہے۔ نہ تکفیر علی الاطلاق ہے اور نہ حبط عمل علی الاطلاق ہونا چاہئے۔ لیکن اس کا کوئی ضابطہ کلیہ حدیثوں میں ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ ہاں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہوں سے تو صرف اسی ایک نیک عمل کا ثواب حبط ہوتا ہے جس سے وہ گناہ متعلق ہوتا ہے جیسے جہاد میں تضییق منازل یا صدقہ کے بعد من واذی (احسان جتانا اور بات مارنا) اور بعض گناہوں سے متعدد اعمال بھی حبط ہو سکتے ہیں پھر کبھی یہ تعلق ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اندرونی جیسا ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار شراب نوشی سے چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ یہاں شراب نوشی اور نمازوں کے درمیان کوئی اندرونی علاقہ ہے جس کی وجہ سے اس کا اثر خاص نمازوں ہی پر پڑتا ہے۔ چالیس کے عدد سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حبط عمل کا دائرہ اتنا وسیع بھی نہیں جتنا کہ معتزلہ نے سمجھ رکھا ہے۔ اس مقام پر نماز اور شراب کے مابین جو تناسب ہے اس کا ایضاح منظور نہیں ہے ورنہ اس عمیق ربط کی طرف قرآن کریم کی متعدد آیات میں اشارات ملتے ہیں۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَالَمْ يُصِبْ دَماً حَرَامًا فَاِذَا اَصَابَ دَماً حَرَامًا بَلَّحَ. (رواہ ابوداؤد)

ابو الدرداء صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایماندار آدمی اپنے دین میں اس وقت تک برابر تیز رفتار رہتا ہے جب تک کسی کا خون ناحق اپنے سر نہیں لیتا جونہی اس نے کسی کا خون ناجائز طور پر بہایا بس فوراً ہی اس کی دینی رفتار سست پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ قدرت نے جنت اور دوزخ کی تقسیم تو ایمان و کفر پر رکھی ہے مگر ان میں مراتب کی تقسیم اعمال کے واسطہ سے کی ہے جس کو وہ مراتب علیا پر فائز کرنا چاہتی ہے اس کو یونہی فائز نہیں کر دیتی بلکہ اس کے اعمال حسنہ کی رفتار تیز کر دیتی ہے اور جس کو جنت سے محروم کرنے کا ارادہ فرما لیتی ہے اس کو بھی دفعۃً محروم نہیں کر دیتی بلکہ اس سے نیکی کی توفیق سلب فرما لیتی ہے یہ ہر دو راستے بتدریج طے ہوتے رہتے ہیں بندہ راہ ترقی پر گامزن ہو یا تنزل کی راہ پر جائے دونوں جگہ اس کی حرکت تدریجی رہتی ہے

اس لئے وہ اپنی منزل سفر کی یومیہ ترقی یا تنزل کا احساس نہیں کرتا ایک نیک شخص کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کل وہ کہاں پڑا ہوا تھا اور کچھ عرصہ بعد کہاں جا پہنچا۔ نہ ایک بداطوار کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کل تک وہ کس اوج پر تھا اور آج کہاں جا پڑا ہے ہوش مند وہ ہے جو ہر آن اپنی رفتار اور منازل سفر کو بغور دیکھتا ہے۔ عمداً قاتل کے لئے دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ عذاب کی وعید آئی ہے۔ یہ وعید یوں پوری ہوتی ہے کہ اس سے رفتہ رفتہ اعمال خیر چھوٹتے چلے جاتے ہیں اور معلوم نہیں کہ اس عملی خسارہ کی انتہاء کہاں جا کر ہو ممکن ہے کہ ایمانی خسارہ پر جا کر ہوتی ہو اور آخر کار اس کا ٹھکانا بھی وہی ہو جاتا ہو جو ایک کافر کا ہوتا ہے اسی کو ہم نے پہلے کفر تکوینی سے تعبیر کیا تھا۔ گناہوں کی نوعیت سے ڈرتے رہنا چاہئے بعض قسم کے گناہوں سے سوء خاتمہ اور عاقبت کے خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے ان میں ایک مسلمان کا عمداً خون ناحق ہے۔ اور سب سے زیادہ خطرناک خدا کے دوستوں کے ساتھ دشمنی ہے۔ ہمارے دور میں اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑانا ہماری محفلوں کا ایک خاص مشغلہ بن گیا ہے۔ حدیثوں میں خدا کے اولیاء کے ساتھ عداوت رکھنے والوں کے لئے خدا کی طرف سے اعلان جنگ کا لفظ آیا ہے۔ **نعوذ باللہ من ذلک**

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبُهٗ مَا اَصَابَهُمْ. (رواه الترمذی)

سلمہ بن اکوع بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی بڑائی کے تصور میں بڑھا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا نام دنیا کے اور متکبرین کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے اور آخر اس کو بھی وہی سزا ملتی ہے جو دوسرے متکبروں کو ملی۔ (ترمذی)

تشریح:۔ اسی طرح ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے **وما یزال الرجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عنداللہ صدیقا**۔ آدمی راست گوئی کی صفت اختیار کرتے کرتے خدائے تعالیٰ کے یہاں صدیقوں کی فہرست میں شمار ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی تمام حدیثوں میں خیر وشر کے اسی تدریجی رفتار اور انکے نتائج پر تنبیہ کی گئی ہے۔

عذر کی ایک صورت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ رَاحِلَتُه، بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُه، وَشَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا قَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ اِذْهُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ. (رواہ مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کو اپنے بندہ کی توبہ سے تم میں کے اس شخص سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے جس کی سواری کسی جنگل میں ہو اور اسی پر اس کا کھانا اور پینا بھی ہو پھر وہ اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ جائے اور یہ شخص اس سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سایہ میں آ کر لیٹ رہے، وہ ابھی

اسی مایوسانہ حالت میں لیٹا ہوا ہو کہ دفعۃً وہ اپنی سواری اپنے پاس کھڑی ہوئی دیکھے اور اس کی مہار پکڑے پھر مارے خوشی کے اس کی زبان سے غلطی سے یہ نکل جائے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں۔ (مسلم)

تشریح:۔ خوشی کی حالت میں انسان کی زبان سے اس قسم کی لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ کہنا یہ چاہئے تھا کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا پروردگار ہے مگر خوشی میں زبان کی لکنت سے اس کا برعکس نکل گیا۔ اس کلمہ پر سبقت لسانی کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا حالانکہ اس کے کلمہ کفر ہونے میں ذرا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِیْ حَلْفِهٖ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰی فَلْیَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ تَعَالَ اُقَامِرُکَ فَلْیَتَصَدَّقْ. (متفق علیه)

ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے قسم اٹھانے کا ارادہ کیا اور اس کی زبان پر بلا ارادہ لات اور عزی کا نام آ گیا تو اسے فوراً لا الہ الا اللہ کہہ کر اپنے ایمان کی تجدید کر لینی چاہئے اور جس نے اپنے دوست سے کہا آ ؤ جوا کھیلیں اسے صدقہ دینا چاہئے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ یہ اسلام کے ابتدائی دور کی باتیں ہیں جس طرح مسرت وغم میں انسان کی زبان قابو میں نہیں رہا کرتی اور کچھ کا کچھ کہہ ڈالتی ہے اسی طرح عام بات چیت میں بھی جن باتوں پر وہ رواں ہو چکی ہے ان میں بھی لغزش کھائے بغیر نہیں رہتی۔ عرب عام گفتگو میں کثرت سے لات وعزی کی قسمیں کھانے کا عادی تھے۔ اسلام کے بعد بھی بہت ممکن تھا کہ ان کی زبان سے اس قسم کے مواقع پر بے اختیار لغزش ہو جائے۔ دین حنیف نے ان کی اس غلطی پر کفر کا فتویٰ عائد نہیں کیا بلکہ اس کفر نما حرکت کی فوراً اصلاح کرنے کی تعلیم دی اور کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیدیا تا کہ اگر اس کی اس سبقت لسانی پر شیطان ایک مرتبہ خوش ہوا ہو تو اس کی زبان سے کلمہ توحید سن کر ہزار بار جل بھی جائے۔

دوسرے فقرہ کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ شریعت نے قمار بازی کی بدخصلت ترک کرانے کے لئے نفسیاتی طور پر اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کچھ صدقہ دیدے اس کے نفس کے لئے یہ تعزیر بہت نتیجہ خیز ہوگی۔

لیکن امام خطابی کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جتنا مال اس نے قمار بازی کے لئے لگایا تھا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کرے۔ قال معناه فلیتصدق بقدر ما جعله خطراً فی القمار۔ (معالم السنن ج ۴ ص ۴۵)

کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہئے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِیْمَانِ اَلْکَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا تُکَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُذْ بَعَثَنِیَ اللّٰهُ اِلٰی اَنْ یُقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا یُبْطِلُهٗ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَالْاِیْمَانُ بِالْاَقْدَارِ. (رواه ابوداؤد)

انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں اسلام میں داخل ہیں۔ (۱) جو لا الہ الا اللہ کا

اقرار کر لے اس سے جنگ ختم کر دینا اب کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اس پر اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ لگاؤ۔ (۲) جب سے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، جہاد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس امت کے آخر میں ایک شخص آ کر دجال سے جنگ کرے گا۔ کسی منصف بادشاہ کے انصاف یا کسی ظالم کے ظلم کا بہانہ لیکر جہاد ختم نہیں کیا جا سکتا (۳) اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان لانا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ واضح رہے کہ جس طرح نیک اعمال کی بناء پر کسی کافر کو مسلمان کہنا صحیح نہیں تاوقتیکہ وہ توحید و رسالت کا اعتراف نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کو صرف اس کی بداعمالی اور گناہوں کی وجہ سے کافر کہنا بھی صحیح نہیں تاوقتیکہ وہ کسی عقیدہ کفریہ کا اعلان نہ کر دے۔ اسلام میں کسی مسلمان کو کافر کہنا یا کسی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت یکساں ہے اس حدیث میں مقصد مومن عاصی کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا ہے نہ کہ کافر صریح کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا۔ حیرت ہے کہ متواترات دین کے منکرین کو اس حدیث سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جبکہ اس حدیث میں لفظ ذنب کی صاف تصریح موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ذنب اور معصیت کی بناء پر کسی شخص کی طرف کفر کی نسبت نہیں کرنی چاہئے۔ اس میں اختلاف کس کو ہے۔ بحث طلب یہ ہے کہ صریح کفر کے عقائد کے بعد بھی کیا یہ حدیث کسی کو کافر کہنے سے روکتی ہے اگر ایک شخص نماز پڑھ کر قبلہ کا استقبال کر کے ذبیحہ مسلم کھا کے کسی قسم کے عقائد کفریہ سے بھی کافر نہیں ہوتا تو پھر یا تو اس قسم کے عقائد کو عقائد کفریہ کہنا ہی غلط ہوگا یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تین افعال کوئی ایسا مضبوط قلعہ ہیں جس کو کفر و شرک کی بمباری بھی مضرت رساں نہیں ہو سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرت بہت کمزور ہے وہ گناہ کی طرف رغبت کر سکتی ہے اس میلان میں قدرت نے بھی اس کو معذور تسلیم کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اس کمزوری کی توبہ و استغفار کے ذریعہ تلافی کرے لیکن شرک و کفر کی طرف میلان انسان کی فطرت نہیں یہ خلاف فطرت ہے۔ اس میں کوئی انسان معذور نہیں رکھا جا سکتا یہ اپنے خالق سے کھلی مخالفت اور اعلان بغاوت ہے اس لئے اس کے بعد اس کا شمار دشمنوں کی صف میں ہونے لگتا ہے یہ کمزوری نہیں کہ اسے نباہ لیا جائے بلکہ سرکشی و بغاوت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے دور میں اس اہم حدیث پر صحیح طور پر غور نہیں کیا گیا اس لئے کسی نے تو محض فروعی اختلافات کی بناء پر ایک دوسرے پر کفر کی بوچھاڑ شروع کر دی اور کسی نے متفق علیہ کفریات کے ہوتے ہوئے بھی کفر کا حکم لگانے میں احتیاط برتی۔

حالانکہ اس حدیث میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ تنبیہ کر دی گئی تھی کہ جن افعال پر تکفیر کی ممانعت کی گئی ہے وہ عقائد کفریہ، ضروریات دین کا انکار اور دین کا استخفاف نہیں بلکہ صرف وہ عملی فروگذاشتیں ہیں جن کو معاصی و ذنوب کہا جاتا ہے۔ فقہ میں اہل قبلہ کا عنوان بھی ان ہی لوگوں کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔ جنہیں اسلامی اصول کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں گویا قبلہ اصول اسلامی کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے کہ جو شخص اس میں متفق ہو گیا اس کا بقیہ اصول میں بھی متفق ہونا ضروری ہے لہٰذا اب اس کا اختلاف اگر ہوگا تو صرف فروعات ہی میں ہوگا۔ صرف فروعی اختلاف سے کسی کو کافر قرار دینا صحیح نہیں۔ احادیث میں بھی کلمہ توحید کو تمام اسلام کا سرنامہ بنا دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے مقامات پر توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر بھی نہیں اور صرف توحید کے عقیدہ پر جنت کی بشارت مذکور ہے۔ پس جس طرح احادیث میں کلمہ توحید کے اقرار کا مطلب تمام اسلامی اصول کا اقرار ہے۔ اسی

طرح یہاں بھی اہل قبلہ کا مطلب سمجھنا چاہئے۔ ہمارے نزدیک حدیث و استقبل قبلتنا ان لوگوں کے متعلق ارشاد ہوئی ہے جو کفر کی زندگی چھوڑ کر حال میں اسلامی زندگی میں داخل ہوئے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا تعلق مسلمانوں کے باہمی فرقوں کے ساتھ ہے۔ کھلے ہوئے کافروں سے نہ اس حدیث کا تعلق ہے نہ اس کا۔ مسیلمہ کذاب بھی مدعی اسلام تھا بلکہ کسی حد تک آپ کی رسالت کا بھی معترف تھا مگر کیا اسلام کی تاریخ میں اس حدیث کی وجہ سے اس کو مسلمان سمجھا گیا، کیا جن لوگوں نے صرف ایک زکوٰۃ کا انکار کیا تھا اگر چہ وہ اہل قبلہ تھے نمازیں بھی ہماری طرح پڑھتے تھے۔ ہمارے ذبیحہ کھانے سے بھی انہیں کوئی استنکاف نہ تھا ان کو معذور رکھا گیا ہر گز نہیں بلکہ ان سے جنگ کی گئی اور اس بناء پر کی گئی کہ اس وقت جماعت صحابہ نے ان کو مرتدین کی فہرست میں شمار کیا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسی قسم کے کسی اور منکر فرض قطعی کو مرتد شمار نہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو حقیقت بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ فروعی اختلاف کی بناء پر کسی کو کافر نہ کہنا چاہئے اسلامی زبان میں اس کا لقب فاسق ہے کافر نہیں۔ یہ ایک اہم اصلاحی آئین ہے اگر امت اس پر عمل کرتی تو آج اس کا شیرازہ یوں نہ بکھرتا۔

خودکشی کرنے والا کافر نہیں

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو وَالدَّوْسِيَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَکَ فِيْ حِصْنٍ حَصِيْنٍ وَمَنَعَةٍ قَالَ كَانَ لِدَوْسٍ حِصْنٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَبَى ذٰلِکَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِى ذَخَرَ اللّٰهُ لِلْاَنْصَارِ فَلَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هَاجَرَ اِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهٖ فَاجْتَوُوا الْمَدِيْنَةَ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَاَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهُ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتّٰى مَاتَ فَرَاٰهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِيْ مَنَامِهٖ فَرَاٰهُ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةٌ وَرَاٰهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ مَا صَنَعَ بِکَ رَبُّکَ فَقَالَ غَفَرَلِيْ بِهِجْرَتِيْ اِلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ مَالِيْ اَرَاکَ مُغَطِّيًا يَدَيْکَ قَالَ قِيْلَ لِيْ لَنْ نُصْلِحَ مِنْکَ مَا اَفْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ. (رواہ مسلم)

جابرؓ سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو الدوسی (اپنے قبیلہ کی طرف ہجرت کرنے کی درخواست لیکر) رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ایک مضبوط قلعہ اور محافظ جماعت کی طرف ہجرت کرنا منظور فرما سکتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ دوس کے پاس ایک قلعہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوش نصیبی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انصار کیلئے مقدر فرمادی تھی ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی تو طفیل بن عمرو اور ان کی قوم کے ایک اور شخص نے بھی ساتھ ساتھ ہجرت کی۔ اتفاق یہ کہ مدینہ کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی ان کا رفیق بیمار پڑ گیا اور تکلیف برداشت نہ کر سکا۔ اس نے اپنے تیر کا پیکان نکال کر اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے اس کے ہاتھوں سے خون بہہ نکلا یہاں تک کہ اس کی وفات ہوگئی۔ طفیل بن عمرو نے انہیں خواب میں دیکھا تو صورت ان کی بہت اچھی تھی مگر

ہاتھ ڈھکے ہوئے تھے۔ دریافت کیا کہ تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے کی برکت سے مجھے بخش دیا گیا پھر ان سے پوچھا کہ تم اپنے ہاتھ ڈھانکے ہوئے کیوں نظر آ رہے ہو، اس نے کہا مجھ سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ تم نے جو خود بگاڑا...... ہم اسے نہیں سنواریں گے طفیل نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ نے دعاء فرمائی اے اللہ اس کے ہاتھوں کی بھی بخشش فرمادے۔ (مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغفرت میں بھی تجزیہ ہوسکتا ہے یہاں مغفرت نے طفیل کے رفیق کے سارے جسم کو تو گھیر لیا تھا مگر امانت الٰہیہ میں بیجا دست اندازی کی وجہ سے اس کے ہاتھوں کو چھوڑ دیا تھا یہ شخص کیا ہی خوش نصیب تھا کہ اس کا مقدمہ رحمۃ للعالمین کے سامنے آ گیا اور آپ کے مبارک ہاتھ اس کی سفارش کیلئے اٹھ گئے پھر کیا تھا رحمت نے اس کی رگ رگ کو گھیر لیا۔

اللہ تعالیٰ کی صفتوں پر اجمالی ایمان کافی ہے

عَنْ مُعٰوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ جَارِيَةً كَانَتْ لِىْ تَرْعٰى غَنَمًا لِىْ فَجِئْتُهَا وَقَدْ فَقَدَتْ شَاةً مِنَ الْغَنَمِ فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ اَكَلَهَا الذِّئْبُ فَاَسِفْتُ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِىْ اٰدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَىَّ رَقَبَةٌ اَفَأُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ اللّٰهُ فَقَالَتْ فِى السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْهَا رواه مالك وفى رواية مسلم اِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.

معاویہ بن حکم روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک باندی ہے جو میری بکریاں چرایا کرتی ہے میں اس کے پاس آیا تو مجھے اپنی بکریوں میں ایک بکری نہ ملی اس سے دریافت کیا تو بولی کہ بھیڑیئے نے پھاڑ کھائی۔ مجھے اس کا بہت غم ہوا آخر میں آدمی تھا اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا میرے ذمہ (کسی کفارہ وغیرہ کے لئے) ایک غلام آزاد کرنا بھی ہے۔ کہئے تو اسی باندی کو (اس کے عوض میں) آزاد کر دوں آپ نے اس باندی سے پوچھا بتا اللہ تعالیٰ کہاں ہے وہ بولی آسمان میں، آپ نے فرمایا میں کون ہوں اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے رسول، فرمایا اچھا اسے آزاد کردو اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مومنہ ہے۔ (موطا مالک)

تشریح:۔ ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک سادہ اور سیدھا علم کافی ہے اس میں علم کلام کی موشگافیاں قطعاً غیر ضروری ہیں مثلاً یہ ایمان کہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان کی جہت موزوں ہے، اگر اس کو فلسفی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی ذات کا جہت و مکان میں مقید ہونا لازم آتا ہے۔ یہ درست ہے مگر ہر عالم اور عامی شخص کو اس کا مکلف بنایا نہیں جاسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان لائے جو تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان ہو، اس لئے یہاں اجمالی تنزیہ کافی سمجھ لی گئی ہے اگرچہ ایک فلسفی کی نظر میں یہ ٹھیٹ تشبیہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لفظی تشبیہ اسی حد تک قابل برداشت ہوسکتی ہے جب تک کہ عقیدہ میں قطعی تنزیہ موجود ہو یا کم از کم نفیاً و اثباتاً اس سے کوئی بحث نہ ہو۔ لیکن اگر عقیدہ میں اثباتاً تشبیہ داخل ہو جائے تو اب یہ حدود ایمان نہیں رہیں۔ مثلاً محاورہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان کی جہت ثابت کی جاتی ہے مگر یہ اس وقت تک ہی قابل اغماض ہوسکتا ہے جب

13 تک کہ قلب میں یہ عقیدہ بھی خوب مضبوط اور مستحکم موجود رہے کہ اس نسبت کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سوا اور کچھ نہیں۔

ہم پہلے بھی بالتفصیل لکھ چکے ہیں کہ اسلام نے فلاسفہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی اتنی تنزیہ کرنی نہیں بتائی کہ ایک مادی انسان کے لئے اس کی ذات وصفات میں کوئی کشش ہی باقی نہ رہے بلکہ اس حد تک تشبیہ کی بھی اجازت دیدی ہے جہاں تک انسان کی فطرت کی جاذبیت اس کو مقتضی ہوسکتی ہے اور تجسیم پیدا نہیں ہوتی لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر۔ اس آیت میں یہی تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر تشبیہ سے منزہ ومبرا ضرور ہے مگر ایسی منزہ بھی نہیں کہ اس کے متعلق سمیع وبصیر کا تصور کرنا بھی اس کی تنزیہہ کے خلاف سمجھا جائے وہ سمیع وبصیر ہے مگر بے مثال اسی طرح اس کے لئے آسمان کی جہت بھی ثابت ہے مگر مکانی کی طرح نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے حق میں اثباتی پہلو میں ہمیں صرف اجمالی علم حاصل ہوسکتا ہے۔ البتہ سلبی پہلو میں جتنی تفصیل چاہو ہوسکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب اثباتی پہلو میں کوئی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اسی وقت اس میں تشبیہ کی بو آنے لگتی ہے۔ سوچو کہ اگر اس کے لئے صفت سمع وبصر ثابت کرنا چاہیں تو اگر اسے سمیع وبصیر نہ کہیں تو اور کیا کہیں اس لئے ذات پاک کی وسعت اور الفاظ کی تنگی کے تجاذب سے بعض جگہ تشبیہ برداشت کرلی گئی ہے بشرطیکہ عقیدہ تشبیہ سے گرد آلود نہ ہونے پائے یہ ایک ایسا نازک موقعہ ہے جہاں اسلام وکفر کی سرحدیں بہت ہی نزدیک ہو جاتی ہیں نصاریٰ نے خدا کے رسول کے لئے اپنے زعم میں صرف ایک پر عظمت کلمہ سمجھ کر ان کو ابن اللہ کہہ دیا اور یہ غور نہ کیا کہ اس کلمہ تشبیہی کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے اسی لئے فرمایا اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَۃٌ۔ بھلا خدا کے بیٹا کہاں سے ہوسکتا ہے جب کہ اس کے لئے بی بی نہیں۔

پس نہ ہر تشبیہ قابل اغماض ہے اور نہ ہر شخص قابل معافی ہے اسی لئے علماء اللہ تعالیٰ پر معشوق کا لفظ اطلاق کرنا پسند نہیں کرتے اور اسی طرح ان تمام الفاظ سے بھی احتراز کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کو ارباب سکر نے اپنے عالم بیخودی میں بڑے ذوق کے ساتھ استعمال کرلیا ہے۔ ان احوال ومواجید سے خالی حضرات کو ان الفاظ میں بڑی احتیاط لازم ہے۔

عَنْ عُبَیْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّهٗ جَاءَ بِاَمَۃٍ سَوْدَاءَ وَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ عَلَیَّ رَقَبَۃً مُّؤْمِنَۃً فَاِنْ کُنْتَ تَرٰی ھٰذِہٖ مُؤْمِنَۃً اَعْتِقُھَا فَقَالَ لَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَشْھَدِیْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ اَتُؤْمِنِیْنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ اَعْتِقْھَا۔ (رواہ احمد)

عبید اللہ بن عبد اللہ ایک انصاری شخص سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک سیاہ باندی لیکر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ میرے ذمہ ایک مسلمان باندی آزاد کرنا واجب ہے اگر آپ کے نزدیک یہ مومنہ ہو تو میں اسے ہی آزاد کردوں آپ نے اس سے پوچھا کیا تو اس بات کی قائل ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں وہ بولی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا موت کے بعد پھر جینے کو مانتی ہے وہ بولی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اسے آزاد کرسکتے ہو۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث پر حجۃ اللہ میں دو جگہ کلام فرمایا ہے ایک باب التیسیر میں ومنھا ان الشارع لم یخاطبھم الا علی میزان العقل المودع فی اصل خلقتھم قبل ان یتعاونوا دقائق الحکمۃ والکلام والاصول واثبت لنفسہ جھۃ فقال الرحمن علی العرش استوی. وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامرءۃ

سوداء این اللہ فاشارت الی السماء فقال ھی مؤمنة (ج۱ص۸۹) اصول تیسیر میں ایک اصل یہ بھی ہے کہ شریعت ان کو صرف اس بات کا مکلف بنائے جس کے سمجھنے کی ان میں دقائق فلسفہ وعلم کلام پڑھنے سے پہلے قدرۃً صلاحیت موجود ہو مثلاً یہ کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت ہے۔ ایک جاہل اور ایک عالم جب دعا کرتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمان کی جانب اٹھ جاتی ہیں شریعت نے بھی اس فطرت کو اجمالاً تسلیم کرلیا ہے اسی لئے قرآن وحدیث میں بھی خدائے تعالیٰ کی طرف اس جہت کی نسبت ہوتی چلی جاتی ہے۔ الرحمن علی العرش استوی.

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاہ باندی سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے آسمان کی طرف اشارہ کردیا آپ نے فرمایا یہ مومنہ ہے۔ دوسری جگہ باب طبقات الامت باعتبار الخروج الی الکمال المطلوب اوضدہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ وقوم نقصت عقولھم کاکثر الصبیان والمعتوھین والفلاحین والارقاء وکثیر یزعمھم الناس انھم لاباس بھم واذا نقح حالھم عن الرسوم بقوالاعقل لھم فاولئک یکتفی من ایمانھم بمثل ما اکتفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الجاریة السوداء سألھااین اللہ فاشارت الی السماء (ھم اصحاب الاعراف) انما یراد منھم ان یتشبھوا بالمسلمین لئلا تتفرق الکلمة (ج۱ص۹۲ حجۃ اللہ) بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی عقلیں قدرۃ ناقص ہوتی ہیں جیسے بچپن کے زمانہ میں اکثر لڑکے اور بعض بے عقل لوگ اور کسان طبقہ اور غلام اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کی عقلوں میں کوئی نقصان نہیں لیکن جب ان کے حالات سے ان کو جانچا جاتا ہے تو وہ بے عقل ثابت ہوتے ہیں۔ اس قسم کے انسانوں کا صرف اتنا مجمل سا ایمان کافی سمجھ لیا جاتا ہے جتنا کہ آپ نے اس سیاہ باندی سے قبول فرمالیا تھا جس سے آپ نے دریافت کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کہاں ہے تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کردیا تھا۔

حضرت شاہ صاحب موصوف کی ان ہر دو تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجمالی ایمان دو صورتوں میں معتبر ہوتا ہے۔ کہیں مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے اور کہیں مکلفین کی نوعیت کا فرق ہوتا ہے مثلاً جہت علو کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ دقائق فلسفہ سے قطع نظر یہی بات ہر انسان کی فطرت میں مرکوز ہے اس لئے یہاں عاقل اور غیر عاقل کی کوئی تقسیم نہیں سب کے لئے اس جہت کا اجمالاً انتساب جائز ہے بلکہ خود قرآن بھی انسان کی اسی فطرت کے مطابق نازل ہوا ہے اس نے بھی اپنے بیان میں جابجا اسی نسبت کو استعمال کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض انسان اپنی فطری عقل یا اپنے ماحول کے تاثرات سے اتنی صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ مسئلہ کو پوری گہرائی کے ساتھ سمجھ سکیں۔ شریعت بھی ایسے لوگوں سے ان کی عقل سے زیادہ فہم کا مطالبہ نہیں کرتی اور عام مسلمانوں کے ساتھ ان کی اجمالی شرکت کافی سمجھتی ہے تاکہ موجب تفریق وتشتت نہ ہو۔ مثلاً یہی ناخواندہ باندی اگر اسے تشبیہ وتنزیہ کے مابین ایمان کا مکلف بنایا جاتا تو وہ یقیناً اس سے قاصر ہوتی اس لئے آپ نے اس کا اتنا اجمالی سا ایمان ہی کافی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت ہے لیکن ایک وہ شخص جو پوری عقل وفہم کا مالک ہے اس کا دماغ علوم سے روشن ہو چکا ہے وہ ہر قسم کی باریکیوں کو سمجھ بھی سکتا ہے۔ اس کے لئے اتنا اجمالی ایمان کافی نہیں ہوسکتا اسے یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اگرچہ یہ جہت ثابت ہو مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس جہت میں موجود ہے۔ (والعیاذ

باللہ) اسے صاف طور پر اس کی نفی بھی کرنی ہوگی پس جس طرح اجمالی ایمان میں مسئلہ کی نوعیت ملحوظ ہوتی ہے اسی طرح ایک بے عقل اور ایک عاقل کا فرق بھی ملحوظ رہتا ہے۔ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ہر دو صورتوں کی مثال بن سکتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنِ الشَّرِیْدِ (بن سوید) اَنَّ اُمَّهٗ اَوْصَتْ اَنْ یُّعْتِقَ عَنْهَا رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً فَسَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِکَ فَقَالَ عِنْدِیْ جَارِیَةٌ سَوْدَاءُ نُوْبِیَّةٌ فَأَعْتِقُهَا فَقَالَ اِئْتِ بِهَا فَدَعَوْتُهَا فَجَاءَتْ فَقَالَ لَهَا مَنْ رَبُّکِ قَالَتْ اللّٰهُ قَالَ مَنْ اَنَا فَقَالَتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ. رواه احمد قال الهیثمی ورواه البزار والطبرانی فی الاوسط الا انه قال لها من ربک فاشارت برأسها الی السماء فقالت الله. ورجاله موثوقون. ورواه ابوداؤد والنسائی ایضا.

ابوسلمہ شرید سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی والدہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی جانب سے ایک مومن بردہ آزاد کردیں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا اور کہا میرے پاس شہر نوبہ کی ایک سیاہ باندی ہے میں اسے آزاد کردوں، آپ نے فرمایا اسے (یہاں) لاؤ میں نے اس کو آواز دی وہ آ گئی۔ آپ نے اس سے پوچھا تیرا رب کون ہے؟ وہ بولی اللہ۔ پھر آپ نے پوچھا اور میں کون ہوں وہ بولی اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا جاؤ آزاد کردو یہ مومنہ ہے۔ (مسند احمد)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ یَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ فَاَمْسَکَ عِنْدَهٗ تِسْعًا وَتِسْعِیْنَ رَحْمَةً وَاَرْسَلَ فِیْ خَلْقِهٖ کُلِّهِمْ رَحْمَةً وَاحِدَةً فَلَوْ یَعْلَمُ الْکَافِرُ بِکُلِّ الَّذِیْ عِنْدَاللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ یَیْأَسْ مِنَ الْجَنَّةِ وَلَوْ یَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِکُلِّ الَّذِیْ عِنْدَاللّٰهِ مِنَ الْعَذَابِ لَمْ یَأْمَنْ مِنَ النَّارِ. (رواہ البخاری)

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن رحمت کو بنایا تھا اسی دن اس کے سو حصے کر دیئے تھے ننانوے حصہ اپنے پاس رکھے تھے اور صرف ایک حصہ ساری مخلوق کے لئے رکھ دیا تھا اس لئے اگر کافر کہیں اللہ تعالیٰ کی پوری رحمت جان لیں تو کبھی اس کی جنت سے ناامید نہ رہیں اور اگر مومن اللہ تعالیٰ کے پورے عذاب کو جان لیں تو کبھی دوزخ سے نڈر نہ رہیں۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عذاب کا اجمالی ہی تصور ہوسکتا ہے اگر اس کی غیر متناہی طاقتوں کا اس کو علم ہوجائے تو اس کی کمزور و ناتواں فطرت کا توازن بگڑ جائے وہ رحمت کے سامنے عذاب کو بھول جائے اور عذاب کے سامنے رحمت کو فراموش کر بیٹھے۔ اس کے عمل کی کشتی اسی وقت تک چل سکتی ہے جب تک کہ اس کے خوف و رجاء کے دونوں بازو حرکت کرتے رہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے ہر جگہ جنت کے ساتھ دوزخ، نعمت کے ساتھ نقمت اور عذاب کے ساتھ ثواب کا ذکر کیا ہے۔ **نبیٔ عبادی انی انا الغفور الرحیم وان عذابی هو العذاب الالیم**۔ دیکھئے دونوں تعبیروں میں کتنا زور ہے پھر ان میں کتنا توازن ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ اَتٰی رَجُلٌ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَقْرِئْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ الرَّاءِ فَقَالَ کَبُرَتْ سِنِّیْ وَاشْتَدَّ قَلْبِیْ وَغَلُظَ لِسَانِیْ قَالَ فَاقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ

ذَوَاتِ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهٖ قَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرِئْنِیْ سُوْرَةً جَامِعَةً فَاَقْرَأَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ حَتّٰى فَرَغَ مِنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِ اَبَدًا ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ مَرَّتَيْنِ. (رواہ احمد وابو داؤد)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیجئے آپ نے فرمایا وہ تین سورتیں پڑھ لیا کرو جن کے شروع میں الف۔ لام۔ راء ہے۔ اس نے عرض کیا میری عمر اب زیادہ ہو چکی ہے اور میرا قلب و زبان سخت پڑ چکے ہیں آپ نے فرمایا اچھا تو جن تین سورتوں کے شروع میں حٰم ہے ان کو پڑھ لیا کرو، اس پر اس نے پھر وہی پہلا عذر کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے تو کوئی جامع اور مختصر سی سورت بتا دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اس کو سورۂ اذا زلزلت پڑھا دی یہانتک کہ آپ اسے پوری پڑھا کر فارغ ہو گئے اس شخص نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دیکر بھیجا ہے میں کبھی اس پر کوئی اور اضافہ نہیں کروں گا یہ کہہ کر پشت پھیر کر چل دیا آپ نے دوبارہ فرمایا یہ بیوقوف بیچارہ کامیاب ہو گیا۔ (احمد۔ ابوداؤد)

تشریح:۔ ضمام بن ثعلبہ کی زبان سے بھی اسی قسم کے کلمات نکلے تھے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک سادہ مزاج شخص کی زبان سے اطاعت و فرمانبرداری کے کلمات اس سے بڑھ کر اور نکل بھی نہیں سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اعتقادات کے بارے میں اپنی اُمی امت کے لئے اجمالی ایمان کافی سمجھا ہے اسی طرح عمل کے دائرہ میں بھی ان میں سے ہر ایک پر تفصیلی دین کا بوجھ نہیں ڈالا ایک غیر تعلیم یافتہ باندی کا توحید و رسالت پر اجمالی ایمان قبول فرمانا اسی طرح ایک نومسلم کو صرف فرائض دین پر عمل پیرا ہو جانے سے فلاح کی بشارت سنا دی اسی طرح یہاں بھی اس ضعیف العمر شخص کو قرآن کی ایک مختصر سورت پر فوز و فلاح کی خوشخبری دیدی الرویجل کی تصغیر میں اس کی اسی معذوری کی طرف اشارہ تھا گویا غیر معذور شخص کے لئے تو اتنی سہولت پسندی نامناسب ہے مگر وہ معذور جس کی حقیقت ایک ناقص انسان رہ گئی ہو قابل اغماض ہو سکتا ہے اس کا نام دین حنیف ہے اس کی بنیاد تمام تر سہولت پر ہے یہاں معذور سے معذور شخص کے لئے بھی جنت میں جانے کا راستہ نکل آتا ہے مقصود ایذ دی جہد و مشقت نہیں اظہار عبدیت ہے۔

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَاَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ ثُمَّ عَقَلَهَا ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَتٰى رَاحِلَتَهٗ فَاَطْلَقَهَا ثُمَّ رَكِبَ ثُمَّ نَادَى اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَمُحَمَّدًا وَلَا تُشْرِكْ فِیْ رَحْمَتِنَا اَحَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَقُوْلُوْنَ هُوَ اَضَلُّ اَمْ بَعِيْرُهٗ اَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰى مَا قَالَ قَالُوْا بَلٰى. (رواہ ابو داؤد)

جندب بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہقانی آدمی آیا اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اس کا زانو باندھا اور مسجد میں داخل ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جب سلام پھیر کر فارغ ہو گیا تو اپنی اونٹنی کے پاس آیا اس کا زانو کھولا اور اس پر سوار ہو گیا اور بلند آواز سے کہا اے اللہ مجھ پر رحم فرما دے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ہم دو کے سواء اور کسی کو اس میں شریک نہ کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس میں اور اس کے اونٹ میں زیادہ نافہم

کس کو کہو گے تم نے بھلا سنا اس نے کیا کلمہ کہا ہے صحابہ نے عرض کیا جی ہاں سنا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ اس روایت میں آپ نے اس کے اس شدید کلمہ کا عذر اس کی کم فہمی اور بے عقلی قرار دی ہے۔ یہی کلمہ اگر کسی اور تربیت یافتہ صحابی کے منہ سے نکلتا تو شاید قابل سرزنش ہو جاتا لیکن آپ کو ہر شخص کی مقدار صحبت اور علم وفہم کی رعایت بھی رہتی تھی۔ اس لئے اگر کسی ناواقف کے منہ سے محبت وعظمت کے انداز میں کوئی نامناسب کلمہ نکل گیا ہے تو گوٹو کے بغیر تو آپ نے اس کو بھی نہیں چھوڑا مگر اس انداز کی سخت گیری بھی نہیں فرمائی۔ کسی اونچے علم وفہم کے شخص سے کی جاتی۔ اور اس کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ایک اجمالی تصور قابل اغماض سمجھ لیا ہے۔

کب اجمالاً ایمان لانا کافی ہے؟

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَؤُنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا. (رواه البخاری)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھا کرتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کی تفسیر کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب صرف مجملاً اتنا کہدیا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے اور اس قرآن پر جو ہم پر اتارا گیا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ یہ مسئلہ بہت اہم مسئلہ تھا کہ ذات وصفات کے جن مسائل میں بھی حقیقت منکشف نہ ہو سکے ان کے متعلق کیا صورت اختیار کرنی چاہئے۔ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے مسائل میں جو صورت اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو۔ سردست اسی پر اجمالاً ایمان رکھنا کافی ہے۔ البتہ آئندہ اس کی تحقیق کی فکر میں لگا رہنا چاہئے۔

جب علم توحید وعقائد کے کسی باریک مسئلہ میں الجھن پیش آجائے تو سردست اس کے متعلق اجمالاً اتنا ایمان لے آنا کافی ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ کے نزدیک جو راہ صواب ہو اسی پر ہمارا اعتقاد ہے یہ اجمالی ایمان اس وقت تک کافی ہوگا۔ جب تک اس کو کوئی عالم نہ ملے جب کوئی محقق عالم مل جائے تو اس سے تحقیق کرنی ضروری ہوگی۔ اور اب تحقیق وتفتیش کے بغیر بیٹھے رہنا کفر ہوگا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں علم توحید کے باریک مسائل سے وہ مسائل مراد ہیں جن میں شک وشبہ کرنا ایمان کے منافی ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

ان کے علاوہ جن مسائل کا علم ایمان کے لئے ضروری نہیں ان کا حکم بھی یہی ہے یعنی ان کے متعلق بھی اجمالی ایمان لانا کافی ہے۔ مگر ان کی تحقیق تفتیش کے لئے کسی عالم کی تلاش کی ضرورت نہیں کیونکہ جب خود ان مسائل کا علم ہی ایمان کے لئے شرط نہیں تو ان کی تحقیق کے لئے عالم کی تلاش کیوں شرط ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آیات متشابہات کا جو حکم مذکور ہے اس سے بھی اس قسم کے پیچیدہ مسائل کے متعلق یہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ان آیات متشابہات کی مرادوں پر اجمالاً ایمان لے آنا رسوخ فی العلم کی نشانی ہے اسی طرح اور پیچیدہ مسائل پر بھی اجمالاً ایمان لے آنا ایمان کی پختگی کی دلیل ہوگی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْآيَةَ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ الى قوله وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا رَأَيْتِ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّى اللهُ (عَزَّوَجَلَّ) فَاحْذَرِيْهِمْ. (رواه البخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ھو الذی الخ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے جس نے قرآن کریم نازل فرمایا اس میں دو قسم کی آیات ہیں محکمات اور متشابہات (آیات محکمات اپنے معنی میں واضح اور کھلی ہوئی ہیں اور متشابہات اپنی مرادوں میں واضح نہیں ان پر مجملاً ایمان لے آنا چاہئے لیکن جن کے دلوں میں کجی کا مضمون ہوتا ہے وہ ان ہی آیتوں کے معنوں کی تلاش کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور پختہ علم کے لوگ صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے جو معنی بھی ہوں ہم اس پر ایمان لا چکے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ! جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے درپے ہوں تو اس سے بچتی رہنا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا قرآن نے زائغین نام رکھا ہے۔ (بخاری شریف)

اسلامی احکام ظاہری حالات پر نافذ ہوں گے

اِنَّ عَبْدَاللهِ بْنَ عُتْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ اِنَّ اُنَاسًا كَانُوْا يُؤْخَذُوْنَ بِالْوَحْيِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ وَاِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا اَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ وَلَيْسَ اِلَيْنَا مِنْ سَرِيْرَتِهٖ شَيْئٌ. اَللهُ مُحَاسِبُهٗ فِيْ سَرِيْرَتِهٖ وَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا سُوْءً لَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ وَاِنْ قَالَ اَنَّ سَرِيْرَتَهٗ حَسَنَةٌ. (رواه البخاری)

عبداللہ بن عتبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی گرفت وحی کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھی اب وحی تو منقطع ہوگئی اس لئے اب ہم صرف تمہارے ظاہری اعمال پر گرفت کرینگے اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اچھے افعال کرے گا اس کو تو امن دیں گے اس کی عزت بھی کریں گے اور اس کے اندرونی حالات سے ہمیں کوئی بحث نہ ہوگی اس کا حساب لینے والا خدائے تعالیٰ ہے اور جو ہمارے سامنے برے افعال کرے گا اس کو ہم امن نہیں دیں گے اور ہرگز اس کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ وہ یہ کہتا رہے کہ میرا باطن بہت اچھا ہے۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَلَقِيْتُ عِتْبَانَ فَقُلْتُ حَدِيْثٌ بَلَغَنِیْ عَنْكَ قَالَ اَصَابَنِیْ فِیْ بَصَرِیْ بَعْضُ الشَّيْئِ فَبَعَثْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّیْ اُحِبُّ اَنْ تَأْتِيَنِیْ تُصَلِّیْ فِیْ مَنْزِلِیْ فَاَتَّخِذَهٗ مُصَلّٰى قَالَ فَاَتَى النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ شَاءَ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَدَخَلَ وَهُوَ يُصَلِّیْ فِیْ مَنْزِلِیْ وَاَصْحَابُهٗ يَتَحَدَّثُوْنَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ اَسْنَدُوْا عُظْمَ ذٰلِكَ وَكُبْرَهٗ اِلٰى مَالِكِ بْنِ دُخْشُمٍ قَالَ وَدُّوْا اَنَّهٗ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ وَوَدُّوْا اَنَّهٗ اَصَابَهٗ شَرٌّ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ اَلَيْسَ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ

ذٰلِکَ وَمَا هُوَ فِيْ قَلْبِهٖ قَالَ لَا يَشْهَدُ اَحَدٌ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَيَدْخُلَ النَّارَ اَوْ تَطْعَمُهٗ قَالَ اَنَسٌ فَاَعْجَبَنِيْ هٰذَا الْحَدِيْثُ فَقُلْتُ لِاِبْنِيْ اُكْتُبْهُ فَكَتَبَه. (رواه مسلم والبخاری مع تغایر)

انس روایت کرتے ہیں کہ محمود بن ربیع نے مجھ سے بیان کیا کہ میں مدینہ آیا تو عتبان بن مالک سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا آپ کی ایک حدیث مجھے بالواسطہ پہنچی ہے انہوں نے فرمایا (جی ہاں سنئے) میری نظر میں کچھ نقصان تھا اس لئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا میری تمنا تھی کہ آپ میرے گھر تشریف لاتے اور کسی جگہ آ کر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی کو اپنی نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کر لیتا۔ وہ بیان کرتے ہیں آپ تشریف لے آئے اور جن جن صحابہ نے چاہا وہ بھی آپ کے ہمراہ آ گئے۔ آپ میرے گھر میں نماز اداء فرمانے لگے اور ادھر صحابہ آپس میں کچھ باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے اور ان باتوں کا زیادہ تر ذمہ دار مالک بن دخشم کو قرار دیا وہ چاہتے یہ تھے کہ آپ اس کے حق میں بددعا فرمائیں اور وہ تباہ و برباد ہو جائے اور اس کو خوب نقصان پہنچے جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے فرمایا کیا یہ شخص یہ گواہی نہیں دیتا کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور میں اس کا رسول ہوں انہوں نے عرض کیا یہ گواہی تو دیتا ہے لیکن دل سے نہیں آپ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص اس بات کی گواہی بھی دے، پھر دوزخ میں بھی داخل ہو سکے یا یہ فرمایا کہ آتش دوزخ اس کو جلا سکے انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بہت پسند آئی میں نے اپنے لڑکے سے کہا اسے قلمبند کر لو اس نے قلمبند کر لی۔ (مسلم)

عَنْ ابْنِ عَائِذٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ عَلَيْهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ رَاٰهُ اَحَدٌ مِّنْكُمْ عَلٰى عَمَلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ حَرَسَ لَيْلَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَثّٰى عَلَيْهِ التُّرَابَ وَقَالَ اَصْحَابُكَ يَظُنُّوْنَ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَقَالَ يَاعُمَرُ اِنَّكَ لَا تُسْاَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَلٰكِنْ تُسْاَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

ابن عائذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ کیلئے باہر تشریف لائے جب جنازہ نیچے رکھ دیا گیا تو حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فاسق و فاجر آدمی ہے آپ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں آپ نے لوگوں کی طرف دیکھ کر پوچھا تم میں کسی نے اس کو کوئی اسلامی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایک شخص بولا جی ہاں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے ایک شب خدا کی راہ میں پہرہ داری کی ہے۔ (یہ سن کر) آپ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے خود اس کو مٹی بھی دی اور فرمایا تیرے ساتھی تو تیرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ تو دوزخی ہوگا اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے پھر فرمایا عمر! قیامت میں لوگوں کے اعمال کے متعلق تم سے سوال نہ ہوگا تم سے صرف اسلام کے متعلق سوال ہوگا۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ اگر رحمۃ للعالمین امت کے اس عاصی پر نماز ادا نہ فرما دیتے تو امت محمدیہ کے سارے عاصی اس سعادت عظمٰی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتے اس لئے آپ نے سمجھایا کہ کسی کی عملی کوتاہی کی بناء پر نماز جیسی سعادت سے اس کو محروم کر دینا

میری شریعت کا آئین نہیں۔ کلمہ اسلام پڑھ لینے کے بعد کسی معمولی فسق و فجور سے اسلام کا عہد و فاداری نہیں ٹوٹتا۔ پس جب تک یہ عہد قائم ہے اپنے بھائی کے لئے دعاء مغفرت کرنا ہم پر اس کا ایک آخری حق ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِیْدِ اِسْتَأْذَنَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ قَتْلِ رَجُلٍ فَقَالَ لَا لَعَلَّهٗ اَنْ یَکُوْنَ یُصَلِّیْ فَقَالَ خَالِدٌ وَکَمْ مِنْ مُصَلٍّ یَقُوْلُ بِلِسَانِهٖ مَا لَیْسَ فِیْ قَلْبِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَمْ اُوْمَرْ اَنْ اَنْقُبَ عَنْ قُلُوْبِ النَّاسِ وَلَا اَشُقَّ بُطُوْنَهُمْ. (متفق علیه وهو فی البخاری مفصلا ایضا.)

ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولید نے ایک شخص کے قتل کرنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپ نے انہیں اجازت نہ دی اور فرمایا (دیکھو) کہیں وہ نماز ادا نہ کرتا ہو، خالد بولے کتنے ہی نمازیں پڑھنے والے ہیں جو اپنی زبانوں سے ایسی باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو مجھے بھی اس کا حکم نہیں کہ میں لوگوں کے دلوں میں سوراخ کر کر کے اور ان کے پیٹوں کو پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کروں کہ اس میں کیا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حدیث مذکور سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کی باطنی نیتوں اور ان کی اندرونی حالتوں سے بحث کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں جب تک ایک شخص اسلامی احکام بجالا رہا ہے اس کے اندرونی معاملات کو زیر بحث لانا اسلامی رواداری کے خلاف ہے اسی لئے آپ نے فرمایا جب تک شخص مذکور کے متعلق نماز پڑھنے کا احتمال موجود ہے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ہاں اگر اعمال ظاہری کی شہادت کلیۃً مفقود ہو جائے اور اعمال اسلامی میں کوئی عمل بھی موجود نظر نہ آئے تو پھر معاملہ زیر غور آسکتا ہے اور اگر خدانہ کردہ کہیں اعمال کی شہادت خلاف پر ثابت ہو جائے تو اب معاملہ بلاشبہ اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ رواداری کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ اسلام ایسی رواداری کی اجازت نہیں دیتا جو دماغوں میں لاقانونیت کی اسپرٹ پیدا کر دے۔ وہ ظاہری عبادات کی ادائیگی سے انقیاد باطن کی روح پیدا کرنا چاہتا ہے اور انقیاد باطن کی روح پیدا کر کے اعضاء ظاہری کو احکام اسلامیہ کا مطیع و منقاد بنا دینا چاہتا ہے۔ اگر ظاہر و باطن میں یہ توافق پیدا نہیں ہوتا تو پھر اس کا نام نفاق ہے یا فسق و فجور۔

شرطِ فاسد لگا کر بھی اسلام صحیح ہو سکتا ہے

عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمِ اللَّیْثِیِّ عَنْ رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنَّهٗ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ عَلٰی اَنْ لَا یُصَلِّیَ اِلَّا صَلَاتَیْنِ فَقَبِلَ مِنْهُ. (رواه احمد وسنده جيد و جهالة الصحابی لاتضر)

نصر بن عاصم لیثی اپنے خاندان کے ایک شخص کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو نمازیں پڑھا کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ شرط بھی قبول کر لی۔ (مسند احمد)

عَنْ فُضَالَةَ اللَّیْثِیِّ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْاِسْلَامَ فَعَلِّمْنِیْ شَرَائِعَ مِنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ فَذَکَرَ الصَّلٰوةَ وَشَهْرَ رَمَضَانَ وَمَوَاقِیْتَ الصَّلٰوةِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ تَذْکُرُ سَاعَاتٍ اَنَا فِیْهِنَّ مَشْغُوْلٌ وَلٰکِنْ عَلِّمْنِیْ جُمَّاعًا مِنَ الْکَلَامِ قَالَ اِنْ شُغِلْتَ فَلَا تُشْغَلْ عَنِ الْعَصْرَیْنِ قُلْتُ وَمَا الْعَصْرَانِ وَلَمْ تَکُنْ لُغَةَ قَوْمِیْ قَالَ الْفَجْرُ وَالْعَصْرُ. (رواه الحاكم فی المستدرک)

فضالہ لیثی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں آپ مجھے کچھ احکام اسلام سکھایئے۔ آپ نے ان کو رمضان کے روزے اور نماز کے اوقات تعلیم کر دیئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تو مجھے ایسے اوقات بتا رہے ہیں جن میں مجھے بڑی مصروفیت رہتی ہے مجھے تو کوئی مختصر بات بتا دیجئے۔ فرمایا اچھا تو کم از کم عصرین میں غفلت نہ کرنا۔ عصرین ہمارے قبیلہ کا محاورہ نہ تھا اس لئے میں نے پوچھا یا رسول اللہ عصرین کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فجر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ (مستدرک)

تشریح:۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ نصر بن عاصم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نمازوں کی مطلقاً معافی دیدی تھی لیکن حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ کے نزدیک نمازوں کے معاملہ میں کبھی کسی کا کوئی استثناء گوارا نہیں کیا گیا۔ اس حدیث میں جو حکم دیا گیا تھا وہ صرف یہ تھا کہ صبح وعصر کی نمازوں کا اہتمام بہ نسبت اور نمازوں کے زیادہ رکھنا چاہئے۔ قرآن کریم نے بھی ان دو نمازوں کا کئی آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور احادیث میں بھی خاص طور پر ان کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس طرح ان آیات واحادیث میں دو نمازوں کی تخصیص سے بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح نصر بن عاصم کی حدیث میں بھی بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کرنا چاہئے۔ فضالہ کی ان دو مفصل روایتوں سے حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ کی رائے کی صریح تائید ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک جو صحابی نصر بن عاصم کی حدیث میں مبہم رہ گئے ہیں وہ یہی فضالہ ہیں اور اس بناء پر ان دونوں روایتوں میں جو واقعہ مذکور ہے وہ فضالہ ہی کا ایک واقعہ ہوگا۔ ان کی روایتوں سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ آپ نے ان کو بھی پہلے پانچ ہی نمازوں کی ادائیگی کا حکم دیا تھا لیکن جب انہوں نے ان اوقات میں اپنی مصروفیت کا عذر کیا تو آپ نے پہلے ہی مرحلہ پر ان کو زیادہ مقید کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا بلکہ جس طرح ایک مشغول انسان کو وقت کی فرصت کے لحاظ سے اہم مقاصد کی زیادہ تاکید کر دی جاتی ہے اسی طرح ان کو بھی ان دو نمازوں کی تاکید زیادہ فرما دی جن میں بڑی سے بڑی مشغولی کے بعد بھی کوئی فروگذاشت قابل برداشت نہیں ہو سکتی۔ یہاں کسی نماز کی معافی کا کوئی تصور نہ تھا پھر اس مفصل روئیداد کو کئی راوی نے نصر بن عاصم کی حدیث میں اتنا مختصر کر ڈالا ہے کہ اس کے الفاظ سے تین نمازوں کی معافی کا ہی وہم پیدا ہونے لگا۔ لیکن جب نصر اور فضالہ کی روایتوں میں ایک ہی واقعہ کا تذکرہ ہے تو پھر کسی راوی کے صرف لفظی اختصار کی وجہ سے اس کو دو علیحدہ علیحدہ واقعہ کی صورت دیدینا بالکل خلاف واقع ہوگا۔ یہ امر بھی قابل یادداشت ہے کہ دو نمازوں کے متعلق آپ نے محافظت کا لفظ استعمال فرمایا ہے لغتِ عربی کے لحاظ سے یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے۔ جماعت، خشوع وخضوع اور رعایت آداب سب اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اس بناء پر دو نمازوں کی زیادہ تاکید اور تین نمازوں میں توسیع کا دائرہ ان ہی امور تک محدود سمجھنا چاہئے۔ یہاں نمازوں کے پڑھنے نہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ نمازوں میں آداب وارکان کی زیادہ رعایت وعدم رعایت کا ذکر ہے پس آپ کی توسیع کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم کو ان اوقات میں فرصت نہ ملے تو اور نمازوں میں جماعت کی پابندی اور وقت معین کی اتنی قید نہیں ہے جتنی ان دو نمازوں میں ہے۔

عَنْ فَضَالَةَ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيْمَا عَلَّمَنِیْ وَحَافِظْ

عَلَی الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ قَالَ قُلْتُ اِنَّ هٰذِهٖ سَاعَاتٌ لِیْ فِیْهَا اَشْغَالٌ فَمُرْنِیْ بِاَمْرٍ جَامِعٍ اِذَا اَنَا فَعَلْتُهٗ اَجْزَاءَ عَنِّیْ فَقَالَ حَافِظْ عَلَی الْعَصْرَیْنِ وَمَا کَانَتْ مِنْ بُغْتِنَا فَقُلْتُ وَمَا الْعَصْرَانِ؟ فَقَالَ صَلٰوةٌ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَصَلٰوةٌ قَبْلَ غُرُوْبِهَا. (رواہ ابوداؤد)

فضالہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلامی احکام کی تعلیم دی منجملہ ان کے ایک بات یہ فرمائی کہ پنج وقتہ نماز کی نگرانی رکھنا میں نے عرض کیا کہ ان اوقات میں تو مجھے بڑے کام رہتے ہیں کوئی ایسی مختصر بات بتا دیجئے کہ جب وہ کرلوں تو وہی میرے لئے کافی ہو جائے آپ نے فرمایا تو پھر عصرین کی نگہداشت رکھنا۔ عصرین کا لفظ ہماری قوم کا محاورہ نہ تھا اس لئے میں نے پوچھا عصران کا کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا دو نمازوں کا نام ہے ایک طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے۔ (ابوداؤد)

عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ بَایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَنْ لَا اَخِرَّ اِلَّا قَائِمًا. (رواہ احمد)

حکیم بن حزام روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر بیعت کی کہ میں اس کی کوشش کروں گا کہ میں نمازی مروں۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ اس حدیث کی شرح میں مختلف اقوال ہیں ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے لاموات الامصلیا یعنی میں اس کی کوشش کرونگا کہ میں نمازی مروں۔ امام احمدؒ اس کا مطلب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نماز میں رکوع کئے بغیر سجدہ کیا کرونگا۔ نسائی نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے "باب کیف یخئی للسجود" یعنی سجدہ کیلئے کیسے جانا چاہئے۔ اس عنوان سے یہ نکلتا ہے کہ انہوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ میں سجدہ کے لئے پورا کھڑا ہونے کے بعد جایا کروں گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عَنِ السَّدُوْسِیِّ یَعْنِیْ اِبْنَ الْخَصَاصِیَّةِ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَایِعَهٗ فَاشْتَرَطَ عَلَیَّ شَهَادَةَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنْ اُقِیْمَ الصَّلٰوةَ وَاَنْ اُءَدِّیَ الزَّکٰوةَ وَاَنْ اَحُجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ وَاَنْ اَصُوْمَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَاَنْ اُجَاهِدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَّا اِثْنَتَانِ فَوَاللّٰهِ مَا اُطِیْقُهُمَا الْجِهَادُ وَالصَّدَقَةُ فَاِنَّهُمْ زَعَمُوْا اَنَّ مَنْ وَّلَّی الدُّبُرَ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ فَاَخَافُ اِنْ حَضَرْتُ تِلْکَ جَشِعَتْ نَفْسِیْ وَکَرِهَتِ الْمَوْتَ وَالصَّدَقَةُ فَوَاللّٰهِ مَالِیْ اِلَّا غُنَیْمَةٌ وَعَشْرُ ذُوْدٍهُنَّ رِسْلُ اَهْلِیْ وَحَمُوْلَتُهُمْ قَالَ فَقَبَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدَهٗ ثُمَّ حَرَّکَ یَدَهٗ ثُمَّ قَالَ فَلَا جِهَادَ وَلَا صَدَقَةَ فَلِمَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِذًا قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اُبَایِعُکَ قَالَ فَبَایَعْتُ عَلَیْهِنَّ کُلِّهِنَّ. (رواہ احمد)

سدوسی روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کیلئے حاضر ہوا، آپ نے یہ شرط لگائی کہ میں گواہی دوں کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں اور اس بات کی کہ نماز باضابطہ پڑھا کرونگا زکوٰۃ ادا کیا کرونگا، اسلامی طریقہ پر حج کروں گا، ماہ رمضان شریف کے روزے رکھا کرونگا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں

جہاد کروں گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں دو باتوں کی تو مجھ میں ہمت نہیں ایک جہاد، دوسرے صدقہ (جہاد کی تو اس وجہ سے) کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص جہاد میں بھاگ جائے اس پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں جہاد میں شریک ہوں تو میرا نفس کہیں بے صبری نہ کرے، اور موت سے ڈر نہ جائے۔ رہا صدقہ تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ بخدا میرے پاس صرف چند بکریاں اور دس اونٹ ہیں ان ہی کے دودھ پر میرے بچوں کی گذران ہے اور وہی ہم لوگوں کی سواریاں بھی ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پیچھے کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ کو حرکت دیکر فرمایا (واہ) جہاد بھی نہیں اور صدقہ بھی نہیں تو پھر جنت میں کیسے جاؤ گے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اچھا تو پھر میں ان شرائط ہی پر بیعت کئے لیتا ہوں اور ان سب باتوں پر بیعت کر لی۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطبین کی فہم کے اختلاف اور ان کی مختلف صلاحیتوں کے لحاظ سے اپنا پیرایہ گفتگو بھی مختلف رکھا ہے یہاں ابن الخصاصیہ کی معقول پسند طبیعت دیکھی اور اس کو جہاد اور صدقہ کی ادائیگی پر آمادہ پایا تو چند کلمات ترغیب ارشاد فرما کر اس کو ذرا ابھار دیا اور فضالہ کی حدیث میں جب وفد ثقیف کی مشہور درشت فطرت پر نظر کی تو ان سے کوئی حجت کرنی مناسب نہ سمجھی اور جن شرائط پر انہوں نے چاہا ان ہی پر بے تامل ان کو بیعت فرما لیا۔ مبادا افہام و تفہیم کی تنگی ان کو اسلام کی اتنی آمادگی سے بھی برگشتہ کر دے۔ بالخصوص جبکہ قرائن سے یہ واضح ہو چکا تھا کہ اسلام کی حلقہ بگوشی کے بعد احکام اسلامی کے ادائیگی میں جو پس و پیش سر دست ان کو تھا وہ آئندہ خود بخود جاتا رہے گا۔ ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ کی تفسیر میں ان جیسے واقعات کو بھی خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہئے۔

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ بَايَعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ عَلَيْنَا. اَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَنَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ فَقَبَضَتْ اِمْرَءَةٌ مِنَّا يَدَهَا فَقَالَتْ فُلَانَةُ اَسْعَدَتْنِيْ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اَجْزِيَهَا فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ فَمَا وَفَتْ اِمْرَءَةٌ اِلَّا اُمُّ سُلَيْمٍ وَاُمُّ الْعَلَاءِ وَابْنَةُ اَبِيْ سَبْرَةَ اِمْرَاءَةُ مُعَاذٍ اَوْ اِبْنَةُ اَبِيْ سَبْرَةَ وَاِمْرَءَةُ مُعَاذٍ. (رواہ البخاری)

ام عطیہ روایت کرتی ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ نے ہمارے سامنے یہ آیت پڑھی کہ خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور ہم کو نوحہ کرنے سے بھی روکا۔ اس پر ایک عورت نے (بیعت کرنے سے اپنا) ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ فلانی عورت ایک مرتبہ میرے یہاں نوحہ کر گئی تھی میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں یہ سن کر آپ نے کچھ نہ فرمایا وہ گئی اور نوحہ کر کے واپس آ گئی پھر (ان عورتوں میں جو اس وقت بیعت میں شریک تھیں) کسی عورت نے اس عہد کو پورا نہ کیا بجز ام سلیم، ام العلاء اور ابو سبرہ کی دختر کے جو معاذ کی بیوی تھیں یا ابو سبرہ کی دختر اور معاذ کی بیوی کے (شک راوی ہے)۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ نوحہ کرنا اور اس کا بدلہ اتارنا عرب میں ایک ایسی لازمی سی رسم شمار ہوتی تھی کہ اس کو بخوشی ترک کر دینا ان کے لئے غیر ممکن تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکروہ فعل کی گو صریح طور پر یہاں اجازت تو نہیں دی مگر اتنا اغماض ضرور فرما لیا کہ اگر کوئی چاہے تو اسلام لانے سے قبل اپنی اس حسرت کو بھی ایک بار اور نکال لے تاکہ اسلام کے بعد اس کے دل میں پھر کوئی خرخشہ ہی

باقی نہ رہے۔ یہاں اس عورت کی اسی صاف گوئی کی تعریف منظور ہے کہ اگر انہوں نے ایک بار نوحہ کی آپ سے اجازت حاصل کرہی لی تو کیا ہوا اس عہد کو اس طرح پورا بھی تو انہوں ہی نے کیا جس کی مثال بجز چند عورتوں کے اور پیش نہیں کرسکیں۔ صفائی کے موقعہ پر اس طرح عذر کرنا عرب کی فصاحت اور ان کا صرف ایک زور تعبیر تھا ان الفاظ سے یہ اخذ کرنا کہ دوسری عورتوں نے نوحہ کی عادت گویا ترک ہی نہ کی تھی اسالیب کلام سے بدذوقی کی دلیل ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تمام واقعات سے یہ سمجھنا نہیں چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت اسلام کے وقت خلاف شرع شرطیں لگانے کی عام طور پر آئینی اجازت دے رکھی تھی بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ کسی فاسد شرط کی وجہ سے آپ نے اسلام قبول کرنے سے کسی کو اس لئے نہیں روکا کہ اسلام ایک عقد ہی ایسا ہے جو فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتا وہ شرطیں ہی خود فاسد ہو جاتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر اپنے مسلمان ہونے کے لئے یہ شرط لگائے کہ وہ شراب برابر پیتا رہے گا تو اس کو مسلمان ہونے سے روکنا نہیں چاہئے کیونکہ اگر وہ حرمت خمر کا معترف ہو کر شراب پیتا ہے تو یہ زیادہ سے زیادہ فسق ہے محض کافر سے تو پھر بہتر رہے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسلام کی حلاوت اس کی زبان سے شراب کا ذائقہ فراموش کرا دے تو پھر ایک گناہ کی وجہ سے اس کو ظلمات کفر میں ڈوبتا ہوا چھوڑ دینا کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۵۹)

عَنْ عُثْمَانَ بْنَ اَبِى الْعَاصِ اَنَّ وَفْدَ ثَقِيْفٍ لَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْزَلَهُمُ الْمَسْجِدَ لِتَكُوْنَ اَرَقَّ لِقُلُوْبِهِمْ فَاشْتَرَطُوْا عَلَيْهِ اَنْ لَا يُحْشَرُوْا وَلَا يُعْشَرُوْا وَلَا يُجَبُّوْا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ اَنْ لَا تُحْشَرُوْا وَلَا تُعْشَرُوْا وَلَا خَيْرَ فِىْ دِيْنٍ لَيْسَ فِيْهِ رُكُوْعٌ. (رواہ ابوداؤد)

عثمان بن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے ان کو مسجد میں مہمان ٹھہرایا تا کہ یہ ان کے دلوں پر اور زیادہ اثر انداز ہو، انہوں نے اسلام لانے کیلئے یہ شرط لگائی کہ ان کو نہ تو کبھی جہاد کے لئے بلایا جائے گا نہ ان سے عشر لیا جائے گا اور نہ ان پر نماز پڑھنے کیلئے زور دیا جائے گا آپ نے فرمایا تم کو جہاد اور عشر کی تو معافی دی گئی۔ رہی نماز تو جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ تجبیہ لغت عرب میں جسم کا اگلا حصہ پست کرنے اور پچھلا بلند کرنے کو کہتے ہیں یہاں اس سے نماز پڑھنا مراد ہے۔ امام موصوف کا خیال ہے کہ جہاد اور زکوٰۃ کا استثناء بھی یہاں صرف صورۃً تھا کیونکہ جہاد ہمیشہ فرض نہیں ہوتا، زکوٰۃ بھی نصاب اور حولان حول پر موقوف ہوتی ہے اس لئے سر دست ان کو ان دونوں سے سبکدوش کیا جا سکتا تھا، رہی نماز تو وہ ایک ایسی عبادت تھی جسے دن میں پانچ بار ادا کرنا ہر شخص پر فرض ہے۔ اس کا استثناء کسی کے حق میں گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اس وفد ثقیف کے متعلق آپ کو یہ یقین حاصل ہو چکا تھا کہ آئندہ چل کر وہ اپنے شوق سے صدقہ بھی دینگے اور جہاد بھی کریں گے ایسی صورت میں ان کے ساتھ لفظی مناقشہ کرنا غیر ضروری تھا۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۳۵)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ اشْتَرَطَتْ ثَقِيْفٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا صَدَقَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا جِهَادَ وَاَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَتَصَدَّقُوْنَ وَيُجَاهِدُوْنَ. (رواہ احمد)

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط لگائی کہ (ہم مسلمان تو ہوتے ہیں) مگر ہمارے اوپر نہ صدقہ لازم ہوگا نہ جہاد آپ نے (ان کا اسلام قبول کرلیا) اور فرمایا آئندہ یہ لوگ خود بخود صدقہ بھی اداء کریں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ (احمد۔ ابوداؤد)

تشریح:۔ یہ وہی واقعہ ہے جو اوپر کی حدیث میں ابھی گذر چکا ہے اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عثمان بن ابی العاص کی حدیث میں آپ کا جہاد اور صدقہ کا استثناء فرمانا اس علم پر مبنی تھا کہ یہ لوگ اسلام کے رسوخ کے بعد اپنے شوق سے جہاد بھی کریں گے اور صدقہ بھی دیں گے۔ اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک مبلغ کے لئے اصل مقاصد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور محض تعبیری اور لفظی مناقشات کرنا نامناسب ہے۔ بعض مرتبہ صرف لفظی گرفتوں سے اصل مقاصد ہی فوت ہوجاتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِیْدِ اِلٰی بَنِیْ جَذِیْمَۃَ فَدَعَا ھُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَلَمْ یُحْسِنُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا یَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ یَقْتُلُ وَیَأْسِرُ وَدَفَعَ اِلٰی کُلِّ رَجُلٍ مِّنَّا اَسِیْرَہٗ حَتّٰی اِذَا کَانَ یَوْمٌ اَمَرَ خَالِدٌ اَنْ یَّقْتُلَ کُلُّ رَجُلٍ مِّنَّا اَسِیْرَہٗ فَقُلْتُ لَا اَقْتُلُ اَسِیْرِیْ وَلَا یَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِیْ اَسِیْرَہٗ حَتّٰی قَدِمْنَا عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرْنَا لَہٗ فَرَفَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَہٗ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَیْنِ.

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف روانہ کیا وہ گئے اور ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کی انہیں لفظ اسلمنا تو (ہم اسلام لائے) کہنا نہ آیا اور اس کی بجائے وہ صبانا صبانا کہنے لگے (یعنی ہم اپنے دین سے پھر گئے) خالد بن ولیدؓ نے (یہ سمجھ کر یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے) انہیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کردیا اور فوج کے ہر شخص کو ایک ایک قیدی سپرد کردیا۔ (اور اس کے قتل کا ایک دن مقرر کردیا) جب وہ دن آیا جس دن کہ خالد نے اس کا حکم دیا تھا کہ ہم میں ہر فوجی اپنے اپنے قیدی کو قتل کرے گا تو میں نے کہا نہ تو میں اپنے قیدی کو خود قتل کروں گا اور نہ میرا کوئی اور رفیق قتل کرے گا یہاں تک کہ جب ہم آپ کی خدمت میں پہنچے تو ہم نے یہ واقعہ آپ کے سامنے پیش کیا آپ نے سن کر فوراً اپنے دست مبارک اٹھادیئے اور دوبارہ فرمایا اے اللہ! خالد نے جو غلطی کی میں اس سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرتا ہوں۔ (بخاری شریف)

جان بچانے کے خوف سے اسلام لانا بھی معتبر ہوجاتا ہے

عَنْ عُتْبَۃَ بْنِ مَالِکٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَرِیَّۃً فَاَغَارُوْا عَلٰی قَوْمٍ فَشَذَّ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَاتَّبَعَہٗ رَجُلٌ مِّنَ السَّرِیَّۃِ مَعَہُ السَّیْفُ شَاھِرٌ فَقَالَ الشَّاذُّ مِنَ الْقَوْمِ اِنِّیْ مُسْلِمٌ فَلَمْ یَنْظُرْ فِیْھَا فَضَرَبَہٗ فَقَتَلَہٗ فَنَمَی الْحَدِیْثُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَوْلاً شَدِیْدًا فَبَلَغَ الْقَاتِلَ فَبَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ اِذْ قَالَ الْقَاتِلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَاللّٰہِ مَا قَالَ الَّذِیْ قَالَ اِلَّا تَعَوُّذًا مِّنَ الْقَتْلِ فَاَعْرَضَ عَنْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَنْ مَنْ قِبَلَہٗ مِنَ النَّاسِ وَاَخَذَ فِیْ خُطْبَتِہٖ ثُمَّ قَالَ الثَّانِیَۃَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَاللّٰہِ مَا قَالَ الَّذِیْ قَالَ اِلَّا تَعَوُّذاً مِّنَ الْقَتْلِ فَاَعْرَضَ عَنْہُ رَسُوْلُ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ مَنْ قِبَلِهٖ مِنَ النَّاسِ وَاَخَذَ فِیْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ لَمْ يَصْبِرْ اَنْ قَالَ الثَّالِثَةَ وَاللهِ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا قَالَ الَّذِیْ قَالَ اِلَّا تَعَوُّذًا مِنَ الْقَتْلِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَفُ الْمَسَاءَةُ فِیْ وَجْهِهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ اَبٰى عَلَیَّ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا قَالَهَا ثَلَاثًا. (رواہ الحاکم)

عتبہ بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلہ کے مقابلہ میں فوج کا ایک مختصر دستہ بھیجا انہوں نے جا کر اس پر حملہ کیا ان میں ایک شخص اکیلا بھاگ نکلا اسلامی فوج کے ایک سپاہی نے کھینچی ہوئی تلوار لیکر اس کا پیچھا کیا اس اکیلے بھاگنے والے شخص نے کہا میں اسلام قبول کرتا ہوں مگر اس سپاہی نے ایک نہ سنی اور تلوار مار کر اسے ٹھنڈا ہی کر دیا۔ شدہ شدہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی۔ آپ نے اس کے متعلق سخت الفاظ فرمائے جب یہ خبر قاتل کو معلوم ہوئی تو (وہ حاضر ہوا) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اس قاتل نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے کیلئے اسلام قبول کیا تھا آپ نے اس کی طرف سے اور جو لوگ اس طرف موجود تھے، سب سے اپنا روئے مبارک پھیر لیا، اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس نے دوبارہ کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لئے اسلام قبول کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کی طرف سے اور جو لوگ ادھر تھے ان سے اپنا چہرۂ مبارک پھیر لیا اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس شخص سے رہا نہ گیا اس نے پھر سہ بار کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف جان بچانے کے لئے اسلام قبول کیا تھا اب کی بار آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آثار ناگواری چہرہ انور پر نمایاں تھے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مومن کے قاتل کا عذر قبول کرنے کی مجھے اجازت نہیں دی، تین بار فرمایا۔ (حاکم)

تشریح:۔ قسطلانی نقل کرتے ہیں کہ یہ فوجی دستہ دعوت اسلام کی غرض سے روانہ کیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کو لفظ اسلام کہنے کا سلیقہ بھی نہ تھا ان میں دلائل قطعیہ سوچنے کی صلاحیت کہاں ہو سکتی تھی اس کے باوجود ان کا اسلام معتبر سمجھ لیا گیا تھا۔

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِیْ فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَیَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَا ذَ مِنِّیْ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ اَنَا اَقْتُلُهٗ يَارَسُوْلَ اللهِ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ قَالَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّهٗ قَدْ قَطَعَ يَدِیْ ثُمَّ قَالَ ذَالِکَ بَعْدَ اَنْ قَطَعَهَا اَفَاَقْتُلُهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَاِنْ قَتَلْتَهٗ فَاِنَّهٗ بِمَنْزِلَتِکَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهٗ وَاِنَّکَ بِمَنْزِلَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يَقُوْلَ كَلِمَةَ الَّتِیْ قَالَ. (رواہ مسلم)

مقداد بن اسود سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ اگر کافروں میں سے کسی شخص سے میرا مقابلہ ہو جائے اور وہ مجھ سے جنگ کرنے لگے اور میرا ہاتھ تلوار سے کاٹ دے پھر مجھ سے ایک درخت کی پناہ لے اور کہے کہ میں خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے اسلام قبول کرتا ہوں تو یا رسول اللہ کلمہ کے بعد کیا میں اس کو قتل کر سکتا ہوں آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ اس نے تو یہ کلمہ اس وقت کہا ہے جب پہلے میرا ہاتھ کاٹ لیا ہے پھر میں اسے کیسے قتل نہ کروں آپ نے فرمایا ہرگز قتل نہ کرنا کیونکہ اگر اسے قتل کرو گے تو اب وہ ایسا ہی قابل احترام مسلمان ہو گیا ہے جیسا تم اس کے قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم

اب اسی طرح مباح الدم ہو جاؤ گے جیسا وہ اس کلمہ کے پڑھنے سے پہلے تھا۔ (مسلم)

تشریح:۔ یعنی تم اس کے قتل کرنے سے پیشتر ایک معصوم الدم مسلمان تھے اور اب اس کے قتل کے بعد ایک مباح الدم انسان ہو جاؤ گے جیسا وہ کلمہ اسلام پڑھنے سے قبل ایک مباح الدم کافر تھا اور اب اس کلمہ کی بدولت ایک معصوم الدم مسلمان بن گیا ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اَمَا بَعْدُ فَمَا بَالُ الرَّجُلِ يَقْتُلُ الرَّجُلَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَنَا مُسْلِمٌ فَقَالَ الْقَاتِلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا قَالَهَا مُتَعَوِّذًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا وَكَرِهَ مَقَالَتَهٗ وَحَوَّلَ وَجْهَهٗ عَنْهُ فَقَالَ اَبَى اللّٰهُ عَلَيَّ مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا اَبَى اللّٰهُ عَلَيَّ مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا. (رواہ الحاکم)

عقبہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور حمد وثناء کے بعد فرمایا اس شخص کا بھی کیا حال ہے جو ایسے شخص کو بھی مار ڈالتا ہے جو برابر اپنی زبان سے یہ اقرار کر رہا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ (یہ سن کر) قاتل نے عذر کیا یا رسول اللہ یہ کلمہ تو اس نے صرف پناہ لینے کے لئے کہدیا تھا، آپ کو اس کی یہ بات ناپسند ہوئی اور آپ نے اپنا چہرۂ مبارک اس کی طرف سے پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کے قاتل کا عذر قبول کرنے کیلئے مجھ سے انکار فرما دیا ہے۔ (دوبار فرمایا) (حاکم)

تشریح:۔ ظاہر ہے کہ جنگ کے ان حالات میں دلائل پر غور کرنے کی کسے فرصت ہوسکتی ہے اس لئے ان حالات میں صرف تقلیدی اسلام ہوسکتا ہے پھر جب اس پر بھی نظر ڈالی جائے کہ جنگ کے بعد ان نومسلموں کا حال کیا رہا تو نہ خود ان کی طرف سے دلائل حقانیت معلوم کرنے کا کوئی ذوق وشوق ثابت ہوتا ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کی گردن پر اس کا بار ڈالا جاتا ہے کیا اس سے یہ صاف نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایمان کے لئے دلائل کا حاصل کرنا کوئی ضروری امر نہیں تھا صرف اطمینان قلبی اور آئندہ اطاعت کا عزم کر لینا کافی سمجھا جاتا تھا اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ڈر کر اسلام لے آنا ہی معتبر ہے۔

اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ يَقُوْلُ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْحُرَقَةِ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَا هُمْ وَلَحِقْتُ اَنَا وَرَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ رَجُلاً مِنْهُمْ فَلَمَّا غَشِيْنَاهُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَكَفَّ الْاَنْصَارِيُّ فَطَعَنْتُهٗ بِرُمْحِيْ حَتّٰى قَتَلْتُهٗ فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اُسَامَةُ اَقَتَلْتَهٗ بَعْدَ مَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قُلْتُ كَانَ مُتَعَوِّذًا فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنِّيْ لَمْ اَكُنْ اَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَالِكَ الْيَوْمِ (متفق علیه) وفی طريق عن مسلم قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السَّلَاحِ قَالَ اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰى تَعْلَمَ قَالَهَا اَمْ لَا وَفِيْ طَرِيْقٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا اُسَامَةَ فَسَاَلَهٗ اِلٰى ان قال فكيف تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْتَغْفِرْلِيْ قَالَ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَجَعَلَ لَا يَزِيْدُ عَلٰى اَنْ يَقُوْلَ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبیلہ حرقہ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا ہم نے صبح صبح ان پر جا کر چھاپہ مارا اور ان کو شکست دیدی۔ میں نے اور ایک انصاری شخص نے ان کے ایک آدمی کا پیچھا کیا جب اس کو گھیر لیا تو اس نے

کہالا الہ الا اللہ (یہ سن کر) وہ انصاری تو رک گیا مگر میں نے اس کے نیزہ مار ہی دیا، جب ہم واپس ہوئے تو یہ خبر آپ تک بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا اے اسامہ! کیالا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کرڈالا، میں نے عرض کیا وہ تو اس بہانہ سے اپنی جان بچا رہا تھا، آپ تھے کہ بار بار یہی بات فرمائے جاتے تھے یہاں تک کہ مجھے یہ آرزو ہونے لگی کہ کاش میں آج سے قبل مسلمان نہ ہوا ہوتا (تاکہ آج مسلمان ہونے کی وجہ سے میرا یہ گناہ بھی بخش دیا جاتا)۔ مسلم کے ایک طریقہ میں یہ اور ہے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس نے تو یہ کلمہ ہتھیار کے ڈر سے صرف زبانی پڑھ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے پڑھا تھا یا نہیں۔ ایک اور طریقہ میں ہے کہ آپ نے اسامہ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا۔ اس سلسلہ میں فرمایا جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے استغفار فرمایئے آپ یہی فرماتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو اس وقت تم اس کا کیا جواب دو گے، آپ ان کے اصرار پر بھی یہی ایک جواب دیتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔

تشریح:۔ شارح عقیدہ سفارینی نے امام بخاری جیسے جلیل القدر حافظ حدیث کی طرف یہ نسبت کر دی ہے کہ خوف کی حالت کا اسلام معتبر نہیں ہوتا۔ (شرح عقیدہ سفارینی ج ا ص ۳۶۸) حضرت استاد مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے نزدیک یہ نسبت خلاف واقع ہے وہ فرماتے تھے کہ جو اسلام جان بچانے کی نیت سے صرف نمائشی طور پر ہو، قلب کو اذعان و سکون کا اس میں ایک ذرہ بھی نصیب نہ ہو یا اس میں شک وتردد کی خلش باقی رہے۔ تو بے شبہ یہ اسلام معتبر نہ ہونا چاہئے اور اسی قسم کا اسلام امام بخاریؒ کی مراد ہوسکتا ہے لیکن اگر قلب یقین واذعان سے معمور ہو چکا ہے شک وتردد کی اس میں کوئی گنجائش نہیں رہی تو ایسا اسلام قطعاً معتبر ہے۔ امام بخاریؒ ہرگز اس کے مخالف نہیں ہو سکتے اور کیسے مخالف ہو سکتے جبکہ تاریخ اسلام ایسے افراد سے بھری پڑی ہے جو شمشیروں کی جھنکاروں میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اس کے باوجود ان کا اسلام قبول کرنے میں ذرا تردد نہیں کیا گیا اور اسی لئے جب خوف وہراس کی فضاء چھٹ گئی تو ان لوگوں نے کبھی اپنے اصل مذہب کی طرف رجوع کا اعلان نہیں کیا۔ کیا یہ اس امر کا کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کہ جو اسلام وہ خوف کی فضا میں قبول کر چکے تھے وہ صرف نمائشی نہ تھا بلکہ صمیم قلب سے تھا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ بعد میں وہ اس حقیقت کا اعلان نہ کر دیتے اس تاریخی ثبوت سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ خوف کی حالت میں یا دلائل کے بغیر یقین واذعان حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ واضح رہنا چاہئے کہ مذہب کی تبدیلی جس طرح دلائل کی بنیاد پر ہوسکتی ہے اسی طرح طمع دنیوی یا کسی خوف وہراس کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے اور ہر صورت میں اگر انسان اپنے قدیم مذہب کے چھوڑنے اور دین اسلام کے اختیار کر لینے پر راضی ہو چکا ہے تو گو اس کے اسلام قبول کرنے کا سبب قابل تعریف نہ ہو لیکن اس کے اسلام قبول کرنے میں کوئی پس وپیش نہیں کیا جاسکتا۔

وفد عبدالقیس کے حق میں آپ کے مدحیہ کلمات غیر خزایا ولاندامیٰ۔

اسی طرف اشارہ تھا کہ ان کا اسلام کسی خوف وطمع کی بنیاد پر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اس قبیلہ کے سوا جن بعض قبائل نے خوف کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا وہ ہر چند کہ قابل تعریف نہ تھا مگر تاہم معتبر تھا۔

14

طبعی کراہت صحت اسلام کے منافی نہیں

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ اَسْلِمْ قَالَ اَجِدُنِیْ کَارِھاً قَالَ اَسْلِمْ وَاِنْ کُنْتَ کَارِھًا. (رواہ احمد)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا اسلام قبول کرلو اس نے کہا میں تو اپنے دل میں کچھ کراہت سی محسوس کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اسلام قبول کرلو اگرچہ کراہت محسوس ہو۔ (رفتہ رفتہ یہ کراہت نکل جائے گی۔) (احمد)

تشریح:۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر قلب اسلام قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو چکا ہے تو پھر وہ طبعی کراہت جو مدت دراز تک کفر کی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر باقی رہ گئی ہے صحت اسلام کے منافی نہیں۔ اب بھی بہت سے مسلمان ہیں جن کو زکوٰۃ ادا کرنا، نماز با جماعت اور دیگر ارکان اسلام بجالانا بارگراں ہی معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ گرانی غیر اختیاری ہوتی ہے اس لئے ان کے اختیاری اسلام کے منافی نہیں سمجھی جاتی پھر نور اسلام میں جتنا انفساح جتنی کشادگی پیدا ہوتی جاتی ہے اتنی ہی یہ گرانی، خود بخود کم ہوتی جاتی ہے۔ دور اول میں اکثری طور پر تو اسلام کی صداقت کا یقین بدیہی طور پر حاصل ہوتا تھا، انکار وانحراف جو کچھ بھی ہوتا وہ صرف ضد، عصبیت اور غیرت قومی کی بناء پر ہوتا اس لئے جب کبھی وہ کسی باعث سے اسلام قبول کرتے تو ان کا اسلام قلبی طور پر ہی ہوتا تھا۔ اگر کسی کو طبعی کراہت ہوتی تو یہ بھی بہت شاذ و نادر تھی۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں ذکر کراہت کا ہے اکراہ کا نہیں۔ بعض نادان اس حدیث میں اکراہ اور کراہت میں فرق نہیں کرتے۔

قیدی کا اسلام بھی معتبر ہے مگر اس کو قید سے رہا نہ کیا جائے گا

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ کَانَ ثَقِیْفٌ حَلِیْفًا لِبَنِیْ عُقَیْلٍ فَاَسَرَتْ ثَقِیْفٌ رَجُلَیْنِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَسَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلاً مِنْ بَنِیْ عُقَیْلٍ فَاَوْثَقُوْہُ فَطَرَحُوْہُ فِی الْحَرَّۃِ فَمَرَّ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَادَاہُ یَامُحَمَّدُ یَامُحَمَّدُ فِیْمَا اُخِذْتُ قَالَ بِجَرِیْرَۃِ حُلَفَاءِ کُمْ ثَقِیْفٍ فَتَرَکَہٗ وَمَضٰی فَنَادَاہُ یَامُحَمَّدُ یَامُحَمَّدُ فَرَحِمَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ قَالَ مَاشَانُکَ قَالَ اِنِّیْ مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَھَا وَاَنْتَ تَمْلِکُ اَمْرَکَ اَفْلَحْتَ کُلَّ الْفَلَاحِ قَالَ فَفَدَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَیْنِ الَّذَیْنَ اَسَرَتْھُمَا ثَقِیْفٌ. (رواہ مسلم)

عمران بن حصین روایت فرماتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف بنی عقیل کے حلیف تھے، ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی پکڑ لئے تھے، اس لئے آپ کے صحابہ نے بھی بنی عقیل کا ایک شخص پکڑ لیا اور اس کو باندھ کر مدینہ کے سنگستان میں ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گذرے تو اس نے آپ کو او محمد صلی اللہ علیہ وسلم او محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کے آواز دی اور کہا بھلا مجھے کس جرم میں گرفتار کیا ہے فرمایا تیرے حلیف ثقیف کے جرم میں (انہوں نے ہمارے دو شخص گرفتار کر رکھے ہیں) آپ نے اسے پڑا رہنے دیا اور تشریف لے گئے اس نے پھر او محمد صلی اللہ علیہ وسلم او محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کے

آواز دی آپ کو اس پر رحم آ گیا آپ واپس ہوئے اور فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے (وہ بولا میں مسلمان ہوتا ہوں آپ نے فرمایا کہ یہ بات اگر تو اس وقت کہتا جب تو گرفتار نہ ہوا تھا تو پورے طور پر کامیاب ہو جاتا راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کو ان دو شخصوں کے بدلہ میں دیدیا جن کو ثقیف نے پکڑ لیا تھا۔ (مسلم)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلْنَّاسِ قَالَ خَیْرُ النَّاسِ لِلنَّاسِ یَاتُوْنَ بِهِمْ فِیْ السَّلَاسِلِ فِیْ اَعْنَاقِهِمْ حَتّٰى یَدْخُلُوْا فِی الْاِسْلَامِ. (بخاری)

ابو ہریرہؓ سے کنتم خیر امۃ کی تفسیر میں منقول ہے کہ لوگوں کے حق میں تمہاری بہتری اور خیریت یہ ہے کہ تم کافروں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال ڈال کر انہیں قید کر کے لاتے ہو یہاں تک کہ ان کے دلوں میں اسلام کی حقانیت سما جاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ (بخاری شریف)

خوف کی حالت میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنا درست ہے

عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْصُوْلِیْ كَمْ یَلْفِظُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَخَافُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ مَا بَیْنَ السِّتِّ مِائَةِ اِلَى السَّبْعِ مِائَةَ قَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّكُمْ اَنْ تُبْتَلُوْا قَالَ فَابْتُلِیْنَا حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا یُصَلِّیْ اِلَّا سِرًّا. (رواہ مسلم والبخاری)

حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک غزوہ میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ نے ارشاد فرمایا مجھے شمار کر کے کلمہ گو لوگوں کی تعداد بتاؤ۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو ہمارے متعلق کچھ اندیشہ ہے حالانکہ اس وقت ہم چھ اور سات سو کے درمیان ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے شاید (آئندہ) تم کسی آزمائش میں ڈالے جاؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ ہم میں ایک شخص کو نماز بھی چھپ چھپ کر پڑھنی پڑی۔ (مسلم۔ بخاری)

تشریح:۔ نووی کہتے ہیں کہ لفظ الست مائۃ نحوی قاعدہ کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے لیکن مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں بھی لفظ ست مائۃ الف لام کے بغیر بھی روایت کیا گیا ہے یہ بالکل بے غبار ہے۔ دوسرا اشکال اس روایت میں لشکر کی تعداد کے مطابق ہے۔ امام بخاری کے یہاں ڈیڑھ ہزار کی تعداد مذکور ہے۔ شارحین نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی تشفی بخش نہیں ہے۔ حضرت استاد (مولانا انور شاہ) کے نزدیک جو اختلافات ذیل کے قصے میں پیدا ہو جائیں اگر ان سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہیں ہوتا تو ان کے فیصلے کے درپے ہونا مفت کی دردسری ہے۔ ہاں اگر صرف تاریخی لحاظ سے کوئی شخص اس طرف توجہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

یہاں ہماری غرض صرف یہ ہے کہ خوف و ہراس کی زندگی میں اس امر کی اجازت ہے کہ اسلامی احکام چھپ کر ادا کر لئے جائیں۔ مگر یہ مرحلہ زیر بحث رہے گا کہ اس اخفاء کی اجازت کن حالات میں دی جا سکتی ہے۔ ایک بزدل کو اپنی زندگی ہر جگہ اور ہر وقت خوف و ہراس کی زندگی نظر آتی ہے۔ اسلامی احکام میں ایسے بزدلوں کی رعایت نہیں کی جا سکتی۔ جیسا کہ ان بہادروں کو بھی معیار نہیں بنایا جا سکتا جن کے سامنے عاقبت اندیشی سے پہلے جانبازی کی منزل آ جاتی ہے وہ خوف و ہراس کے میدانوں کو سکون و اطمینان کی آرام گاہیں تصور کر لیتے ہیں ایک عالمگیر مذہب کو جوش اور ہوش دونوں کی تعلیم دینی چاہئے اس لئے مصلحت کے وقت

اسلام نے اخفاء ایمان کی بھی اجازت دیدی ہے۔حتیٰ کہ بصورت اکراہ دبی زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی بھی رخصت دیدی گئی ہے بشرطیکہ دل اندر سے مطمئن رہے۔ اگر چہ افضل اب بھی یہی ہے کہ اپنی جان قربان کردے اور کلمہ کفر زبان سے ادا نہ کرے۔

یہ یادرکھنا چاہئے کہ اخفاء ایمان اور اظہار کفر میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اخفاء ایمان کا یہ مطلب نہیں کہ کلمات کفر زبان سے نکالے اور اعمال کفر کر ڈالے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو احکام اسلام وہ امن کی حالت میں کھلم کھلا ادا کیا کرتا تھا اب حالت خوف میں وہ چھپ کر ادا کرسکتا ہے اس سے کفر کے افعال ادا کرنے کی رخصت سمجھ لینا سخت مہلک غلطی ہے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فِيْهَا الْمِقْدَادُ بْنُ الْاَسْوَدِ فَلَمَّا اَتَوُا الْقَوْمَ وَجَدُوْهُمْ قَدْ تَفَرَّقُوْا وَبَقِيَ رَجُلٌ لَهٗ مَالٌ كَثِيْرٌ لَمْ يَبْرَحْ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَهْوٰى اِلَيْهِ الْمِقْدَادُ فَقَتَلَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ اَقَتَلْتَ رَجُلاً شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهِ لَاَذْكُرَنَّ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ رَجُلاً شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَتَلَهٗ الْمِقْدَادُ فَقَالَ اُدْعُوْا لِيَ الْمِقْدَادَ يَا مِقْدَادُ اَقَتَلْتَ رَجُلاً يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَكَيْفَ لَكَ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ غَدًا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمِقْدَادِ كَانَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ يُخْفِيْ اِيْمَانَهٗ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَاَظْهَرَ اِيْمَانَهٗ فَقَتَلْتَهٗ وَكَذٰلِكَ كُنْتَ تُخْفِيْ اِيْمَانَكَ بِمَكَّةَ. (رواہ البزار)

سعید بن جبیرؓ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک مختصر دستہ (ایک کافر جماعت کی طرف) روانہ کیا۔ اس میں مقداد بن الاسود بھی شامل تھے۔ جب وہ دستہ ان کے پاس پہنچا تو وہ (پہلے ہی) اِدھر اُدھر بھاگ چکے تھے صرف ایک شخص جو بڑا مال دار تھا اپنی جگہ باقی رہ گیا تھا، وہ اپنی جگہ سے کہیں نہ گیا تھا اس نے (انہیں دیکھ کر) کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ، مقداد اس کے باوجود اس کی طرف بڑھے اور اس کو مار ڈالا اور ان کے رفقاء میں ایک شخص نے کہا آپ نے اس شخص کو جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا کیسے قتل کر دیا۔ بخدا یہ بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر رہوں گا۔ جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دیدی تھی اس کے باوجود مقدادؓ نے اس کو قتل کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا مقداد کو میرے سامنے بلاؤ (مقداد آئے تو آپ نے فرمایا) مقداد! کیا تم نے اس شخص کو بھی قتل کر ڈالا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا (بولو) قیامت میں اس کلمہ کا کیا جواب دوگے اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اے ایمان والو جب کہیں سفر کے لئے جایا کرو تو خوب تحقیق کرلیا کرو اور جب کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ مت کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں۔ کیا تم دنیا کی دولت چاہتے ہو تو سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت سی غنیمتیں ہیں تم بھی پہلے ایسے ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس لئے آئندہ

تحقیق کرلیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدادؓ سے کہا یہ ایک مومن شخص تھا جو کافروں میں اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا تو تم نے اسے قتل کردیا۔ آخر تم بھی تو جب مکہ مکرمہ میں تھے تو اسی طرح اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ (بزار)

کافر کا اسلام قبول کرنا کب معتبر ہے؟

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً اِلٰى خَثْعَمَ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ مِنْهُمْ بِالسُّجُوْدِ فَاَسْرَعَ فِيْهِمُ الْقَتْلُ فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ اَنَا بَرِيْءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَ قَالَ لَا تَتَرَا أَى نَارَاهُمَا. (رواہ ابوداؤد)

جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ قبیلہ خثعم کی سمت روانہ کیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے سجدہ میں گر کر اپنی جان بچانی چاہی (لشکر اسلام نے اس کی پرواہ نہ کی) اور کسی تاخیر کے بغیر ان کو قتل کر ڈالا جب یہ واقعہ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا میں ہر ایسے مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کی جماعت میں گھس کر رہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیوں؟ فرمایا دونوں کو اتنے فاصلہ پر رہنا چاہئے کہ ایک کو دوسرے کی آگ کی روشنی نظر نہ آئے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ اسلام قبول کرنے کی پہلی برکت یہ ہے کہ اس کی حلقہ بگوشی کے بعد ہی جان و مال دونوں کی عصمت فوراً نصیب ہو جاتی ہے فقہاء کے نزدیک اس عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ۔ جس کے ازالہ سے صرف گناہ ہو اس کو عصمت موثمہ کہتے ہیں اور جس کے ازالہ سے دیت لازم ہو اس کا نام عصمت مقومہ ہے۔ پہلی عصمت اسلام قبول کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری دارالاسلام کی سکونت سے۔ اس لحاظ سے اگر ایک مسلمان دارالحرب میں رہتا ہے تو اس کو عصمت موثمہ تو حاصل ہے مگر عصمت مقومہ حاصل نہیں پس اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں قتل کردیا جائے تو اس کے قاتل کو صرف گناہ ہو گا مگر اس پر دیت لازم نہ آئے گی لیکن با ایں ہمہ چونکہ یہاں معاملہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا خون یونہی رائیگاں چلا جائے اور نصف دیت ادا کرنے کا حکم صادر فرمادیا۔ اور آئندہ کے لئے یہ اعلان کردیا کہ پوری پوری عصمت اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ اسلام لانے کے ساتھ سکونت بھی دارالاسلام کی اختیار کرلی جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دارالحرب کی سکونت مسلمان کے لئے موزوں نہیں۔ لیکن واضح رہے کہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کا سوال اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جبکہ کسی خطہ پر دارالاسلام کا وجود بھی ہو اور اس کی طرف ہجرت کرنا ممکن بھی ہو لیکن اگر بدنصیبی سے صفحہ ہستی پر دارالاسلام کا وجود ہی نہ رہے یا مسلمانوں کی مسلسل غفلت کی وجہ سے دارالحرب میں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہوجائے کہ دارالاسلام میں ان کی کھپت کا امکان ہی نہ ہو تو اب ہجرت کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ ان حالات میں مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے ہی ماحول میں رہ کر ایسی فضا پیدا کرنے کی سعی میں لگے رہیں جس میں آئین اسلام پر عمل کرنے کی انہیں پوری آزادی حاصل ہو جائے اور جب تک آئین اسلام پر عمل کرنے میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ

باقی رہے اس وقت تک راحت کی نیند نہ لیں۔ مسلمانوں کی تعداد کی زیادتی کے ساتھ ساتھ یہ ذمہ داری بھی اور بڑھتی جائے گی۔ منتشر افراد و اشخاص یا مختصر جماعتیں تو ''مستضعفین فی الارض'' (ملک میں کمزور اور بے بس) ہونے کا عذر کر سکتی ہیں لیکن مقتدر اور بڑی بڑی جماعتوں کے لئے یہ عذر کرنا بھی غلط ہے اس لئے ان کا ایک یہی نصب العین ہو جانا چاہئے کہ وہ ایک مقہور زندگی سے نکل کر ایسی زندگی کے لئے سعی کریں جس میں احکام اسلام پر عمل پیرا ہونے کی انہیں پوری پوری آزادی حاصل ہو جائے، یہ مقصد اگر دفعۃً حاصل نہ ہو سکے تو باقساط سہی لیکن اس سے قبل کسی ناتمام اور ادھوری آزادی پر قناعت کر کے بیٹھ رہنا ناقابل عفو جرم ہوگا جس کی پاداش بھگتنا ہوگی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کفار سے دور دور رہنے کا جو حکم یہاں دیا گیا ہے وہ صرف اسی لئے ہے کہ اسلامی معاشرت کفر کے اثرات سے متاثر نہ ہو۔ یہ خطرہ اسی مقام پر پیدا ہو سکتا ہے جہاں اسلام کو اقتدار و طاقت حاصل نہ ہو، جہاں اسلام کو شوکت و طاقت حاصل ہو وہاں عقلی اور نفسیاتی کسی لحاظ سے بھی تاثر کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ حدیث مذکور میں لا ترا ای الخ کا فقرہ ایسے ہی ماحول میں ارشاد فرمایا گیا تھا جہاں مسلمان مقہوری کی زندگی بسر کر رہے تھے پس معاشرتی اور معاشی بُعد کا حکم اسی جگہ ہے جہاں کفر کا اقتدار ہو۔ کوئی شبہ نہیں کہ ایسی فضا میں گھس کر رہنا اسلامی اسپرٹ کو فنا کر دینے کے مرادف ہے اس لئے اگر علیحدہ ہونے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم اس زندگی کی کراہت سے کسی وقت قلب خالی نہ رہنا چاہئے اور صرف کراہت ہی نہیں بلکہ عملاً اس سے نجات کا راستہ تلاش کرنا بھی زندگی کا نصب العین بنانا چاہئے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ بِنَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْعٰی غَنَماً لَہٗ فَسَلَّمَ عَلَیْھِمْ فَقَالُوْا لَا یُسَلِّمُ عَلَیْنَا اِلَّا لِیَتَعَوَّذَ مِنَّا فَعَمِدُوْا اِلَیْہِ فَقَتَلُوْہُ وَاَتَوْا بِغَنَمِہٖ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (رواہ احمد والترمذی)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ بنی سلیم کا ایک آدمی اپنی بکریاں چراتا چراتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا اس نے سلام کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ صرف اپنی جان بچانے کی خاطر سلام کر رہا ہے پھر اس کی طرف بڑھے اور اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس پر یہ آیت اتر آئی، اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو اگر کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ ہرگز نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں الخ۔ (احمد۔ ترمذی)

تشریح:۔ نماز اور باہم ملاقات کے وقت لفظ السلام علیکم اسلام کا شعار ہے۔ مذکورہ بالا ہر دو حدیثوں میں ان اشخاص نے اپنے اسلام کا ثبوت اسلام کا لفظ صریح طور پر ادا کرنے کی بجائے اس کے شعائر کو ادا کر کے پیش کرنا چاہا تھا مگر ابتداء عہد میں مسائل کی پوری واقفیت نہ تھی اس لئے اس کو ناکافی سمجھا گیا یہاں تک کہ قرآن و حدیث نے بتایا کہ جس طرح اسلام پر جبر و اکراہ کرنا صحیح نہیں اسی طرح کسی کے اسلام میں بے سبب شک و شبہ پیدا کرنا بھی صحیح نہیں۔ تم مسلمان ہونے پر کسی کو مجبور مت کرو اور اگر کوئی شخص از خود مسلمان ہوتا ہے تو بے وجہ اس کے اسلام کو شک کی نظر سے بھی نہ دیکھو گویا اسلام کے معاملہ میں کسی پہلو سے بھی شریعت نے تشدد پسند نہیں کیا کوئی اسلام لاتا ہے تو بسر و چشم اسے قبول کر لو اور نہیں لاتا تو اس کی مرضی پر چھوڑ دو۔ کیا اس سے بڑھ کر آزادی رائے کا کوئی اور مفہوم ہو سکتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام لانے کے لئے مجبور نہیں کیا

عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهٗ فَاَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِيْ وَادٍ كَثِيْرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهٗ وَنِمْنَا نَوْمَةً فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنَا وَاِذَا عِنْدَهٗ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِيْ وَاَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِيْ يَدِهٖ صَلْتًا قَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقُلْتُ اللّٰهُ ثَلَاثًا وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ متفق عليه. وفى رواية ابى بكر الا سمعيلى فى صحيحه فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهٖ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّيْفَ فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقَالَ كُنْ خَيْرَ اٰخِذٍ فَقَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلٰكِنِّيْ اُعَاهِدُكَ عَلٰى اَنْ لَا اُقَاتِلَكَ وَلَا اَكُوْنَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُوْنَكَ فَخَلّٰى سَبِيْلَهٗ فَاَتٰى اَصْحَابَهٗ فَقَالَ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ. (هكذا فى كتاب الحميدى وفى الرياض، مشكوة)

جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نجد کی طرف غزوہ کرنے کیلئے گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو آپ کے ہمراہ یہ بھی واپس ہو گئے اور دوپہر کے وقت ایک ایسی وادی میں جا پہنچے جہاں بہت سی خاردار جھاڑیاں تھیں آپ وہاں اتر پڑے اور لوگ بھی درختوں کے سایہ کی تلاش میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے فروکش ہو گئے اور اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکا دی۔ ابھی ہماری آنکھ ذرا لگی ہو گی کہ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ہمیں بلا رہے ہیں اور ایک گنوار شخص آپ کے پاس موجود ہے آپ نے فرمایا میں سو رہا تھا اس شخص نے میری تلوار میرے قتل کے ارادہ سے کھینچ لی اتفاقاً میں بیدار ہو گیا دیکھا تو تلوار اس کے ہاتھ میں کھنچی ہوئی موجود تھی۔ اس نے کہا (بولو) اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے میں نے کہا اللہ۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور آپ نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا (متفق علیہ) ابوبکر اسمٰعیلی نے اپنی صحیح میں اس واقعہ کو یوں روایت کیا ہے جب اس نے کہا تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا تو میں نے کہا اللہ (یہ جواب سن کر ہیبت کے مارے) اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور اس تلوار کو آپ نے اٹھا لیا اور فرمایا بول اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا وہ بولا تلوار پر قبضہ کرنے والوں میں افضل آپ ہی بن جائیے۔ آپ نے فرمایا اچھا کیا گواہی دے گا کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا نہیں، ہاں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ نہ کبھی خود آپ سے جنگ کرونگا اور نہ ایسے لوگوں کا ساتھ دونگا جو آپ سے جنگ کریں گے آپ نے اس کو چھوڑ دیا وہ اپنے ہمراہیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں جو انسانوں میں سب سے بہتر انسان ہے۔ (کتاب الحمیدی۔ الریاض)

تشریح:۔ امام بخاریؒ نے غزوہ بنی المصطلق سے قبل اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس شخص کا نام غورث بن الحارث نقل کیا ہے۔ قسطلانی واقدی کی نقل سے لکھتے ہیں کہ یہ شخص اگرچہ اس وقت مسلمان ہونے سے انکار کر گیا تھا لیکن اپنی قوم کے پاس واپس جا کر

مسلمان ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے ایک اور بڑی جماعت بھی مشرف باسلام ہو گئی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگر اسلام میں اکراہ جائز ہوتا تو آپ کو اس سے زیادہ اکراہ کرنے کا اور کونسا موقع بہم پہنچ سکتا تھا جبکہ دشمن کی تلوار آپ کے ہاتھ میں آ گئی ہو اس پر اقدام قتل کی دفعہ بھی عائد ہو چکی ہو، وہ تنہا ہو اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت ہو لیکن اس تمام اقتدار کے باوجود خدا کا رسول صرف اسکے سامنے اسلام کی تبلیغ تو کر دیتا ہے مگر اس کے صاف انکار کر دینے پر بھی کوئی باز پرس نہیں کرتا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے اقدام قتل پر نہ کوئی سزا دیتا ہے نہ اس کا انتقام لیتا ہے ادھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عرب کی فطرت اگر کسی کا جبر و تشدد برداشت کر سکتی تو اس سے زیادہ بے بسی کا وقت کسی پر اور کون سا آ سکتا تھا مگر یہاں بھی اس اعرابی کی درشت فطرت نے اس کیلئے بھی اسے آمادہ نہ کیا کہ وہ صرف زبانی طور پر ہی اسلام کا اقرار کر لیتا۔ پس آنحضرت کی سیرت اور قوم کے حالات دونوں اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اسلام کے لئے کبھی اکراہ نہیں کیا گیا اور اگر کیا بھی جاتا تو ہرگز کارگر نہ ہوتا۔ پس اسلام پر یہ ایک زبردست افترا ہے کہ اسلام جبر و اکراہ سے پھیلا ہے۔

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِیْ قُرَیْشٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُلْقِیَ فِیْ قَلْبِیَ الْاِسْلَامُ فقلت یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ وَاللّٰہِ لَا اَرْجِعُ اِلَیْھِمْ اَبَدًا قَالَ اِنِّیْ لَا اَخِیْسُ بِالْعَھْدِ وَلَا اَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلٰکِنْ اِرْجِعْ فَاِنْ کَانَ فِیْ نَفْسِکَ الَّذِیْ فِیْ نَفْسِکَ الْاٰنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَھَبْتُ ثُمَّ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمْتُ. (رواہ ابوداؤد)

ابو رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ قریش نے مجھے آنحضرت کے پاس بھیجا جب میں نے آپ کے روئے انور پر نظر ڈالی تو اسی ساعت میرے قلب میں اسلام کی صداقت سما گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب تو میں ان کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا میں عہد کے معاملہ میں دغل فصل نہیں کروں گا اور نہ ان کے قاصد کو اپنے پاس روکوں گا لہٰذا اب تو تم واپس چلے جاؤ ہاں اگر یہاں سے جا کر بھی تمہارے دل میں یہی بات باقی رہے جو اب ہے تو پھر لوٹ آنا۔ وہ کہتے ہیں میں گیا اور آپ کی خدمت میں واپس آ کر مسلمان ہو گیا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ یہاں کس طرح ایک شخص اسلام لانے کے لئے مضطرب ہے مگر آپ بدعہدی کے ذرا سے شبہ سے اس کو واپس فرما دیتے ہیں اور وہ دوبارہ غور و خوض کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جہاں آزادی رائے کا عالم یہ ہو وہاں بھلا اکراہ کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے اس قسم کے واقعات سے یہ بداہتاً ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نہ شمشیر کی طاقت سے پھیلا ہے نہ دلائل کی طاقت سے بلکہ ہمیشہ صاحب وحی کے متواتر صداقت اور ان وجدانی قرائن کی وجہ سے پھیلا ہے جو قلوب میں پہاڑوں سے زیادہ مستحکم طور پر خود بخود جم جاتے تھے قرآن کریم نے آپ کے اس اضطراب کو جو کفار کے اسلام کے متعلق آپ کے سینہ میں موجزن تھا ناگواری کے انداز میں اکراہ۔ سے تعبیر فرمایا ہے افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین۔ تو کیا آپ لوگوں پر اتنی زبردستی کریں گے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہی ہو جائیں یعنی ان کے اسلام کے متعلق آپ کا اضطراب و شوق اس حد پر نہ بڑھنا چاہئے کہ یوں معلوم ہونے لگے کہ گویا آپ ان کو زبردستی مسلمان بنا لینا چاہتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگانا چاہئے کہ قرآن میں تبدیل مذہب کے لئے کبھی اکراہ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صاف لفظوں میں لا اکراہ فی الدین فرمایا گیا ہے۔ رہا کسی صداقت کو قبول کرنے کی ترغیب دینا تو یہ بالکل جداگانہ بات ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْلاً قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَ تْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِیْ حَنِیْفَةَ یُقَالُ لَهٗ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِیَةٍ مِنْ سَوَارِیْ الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عِنْدَکَ یَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِیْ خَیْرٌ یَامُحَمَّدُ اِنْ تَقْتُلْنِیْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَاِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ وَاِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ الْمَالَ فسل مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَکَهٗ حَتّٰی کَانَ الْغَدُ ثُمَّ قَالَ لَهٗ مَا عِنْدَکَ یَا ثُمَامَةُ قَالَ عِنْدِیْ مَا قُلْتُ لَکَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ فَتَرَکَهٗ حَتّٰی کَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَکَ یَا ثُمَّامَةُ فَقَالَ عِنْدِیْ مَا قُلْتُ لَکَ فَقَالَ اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلٰی نَخْلٍ قَرِیْبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ یَامُحَمَّدُ مَا کَانَ عَلَی الْاَرْضِ وَجْهٌ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ وَجْهِکَ فَقَدْ اَصْبَحَ وَجْهُکَ اَحَبَّ الْوُجُوْهِ اِلَیَّ وَاللّٰہِ مَا کَانَ مِنْ دِیْنٍ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ دِیْنِکَ فَاَصْبَحَ دِیْنُکَ اَحَبَّ الدِّیْنِ اِلَیَّ وَاللّٰہِ مَاکَانَ مِنْ بَلَدٍ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ بَلَدِکَ فَاَصْبَحَ بَلَدُکَ اَحَبَّ الْبِلَادِ اِلَیَّ وَاِنَّ خَیْلَکَ اَخَذَتْنِیْ وَاَنَا اُرِیْدُ الْعُمْرَةَ فَمَا ذَاتَرٰی فَبَشَّرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَہٗ اَنْ یَعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَکَّةَ قَالَ لَهٗ قَائِلٌ صبوتَ قَالَ لَا وَلٰکِنْ اَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا وَاللّٰہِ لَا تَاْتِیْکُمْ مِنَ الْیَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰی یَاْذَنَ فِیْهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا وہ بنی حنیفہ کا ایک شخص گرفتار کر کے لے آیا جس کو ثمامہ کہا جاتا تھا اور مسجد کے ستونوں میں ایک ستون سے اس کو باندھ دیا آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہو ثمامہ کیا خیال ہے اس نے کہا ٹھیک ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے قتل کرو گے تو یاد رکھو ایسے شخص کو قتل کرو گے جو (گرا پڑا نہیں) اپنی قوم کا سردار ہے (اس کے خون کا بدلہ لیا جائیگا) اور اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو احسان فراموش نہیں، اگر تم کو مال درکار ہو تو بولو کیا چاہتے ہو آپ اس دن اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر تشریف لے گئے پھر دوسرے دن تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ بولو اب کیا خیال ہے اس نے کہا میرا خیال اب بھی وہی ہے جو پہلے ظاہر کر چکا ہوں، اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو ہمیشہ تمہارا شکر گذار رہے گا۔ آپ پھر اسی طرح اسے چھوڑ کر تشریف لے گئے یہاں تک کہ جب کل کے بعد پھر تشریف لائے اور اس سے پوچھا کہو ثمامہ کیا خیال ہے تو اس نے کہا وہی بات ہے جو پہلے کہہ چکا ہوں آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو۔ قید سے رہا ہو کر وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے باغ میں گئے غسل کیا اور کلمہ شہادت پڑھا اشهدان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین میں آپ کے چہرہ سے زیادہ مبغوض چہرہ میرے نزدیک کوئی اور نہ تھا لیکن آج وہ مجھے سب چہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ خدا کی قسم پہلے مجھے تمام دینوں میں آپ کے دین سے زیادہ مبغوض کوئی اور دین نہ تھا اور آج مجھے سب میں پیارہ دین آپ ہی کا دین ہے۔ خدا کی قسم مجھے تمام شہروں میں آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مبغوض نہ تھا لیکن آج سب شہروں میں عزیز تر شہر آپ ہی کا شہر ہو گیا ہے۔ (عرض یہ ہے) کہ آپ کے فوجی دستے نے مجھے گرفتار کر لیا تھا میں

اس وقت عمرہ کرنے کے لئے جارہا تھا فرمایئے مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے ان کو اسلام پر بشارت دی اور فرمایا کہ عمرہ ادا کرلیں جب یہ مکہ پہنچے تو کسی نے کہا ارے کیا اپنے دین سے پھر گیا، انہوں نے جواب دیا دین سے۔ پھرنا کیا ہوتا ہے میں خدا کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ قسم ہے خدا کی جب تک آپ اجازت نہ دیں گے اب تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں آسکے گا۔

تشریح:۔ علماء نے لکھا ہے کہ ثمامہ کا پہلے دن ان تقتلنی تقتل ذادم (اگر آپ قتل کریں گے تو یاد رکھئے یہ ایک سردار کا قتل ہوگا کسی معمولی شخص کا نہیں) کا فقرہ کہنا اور دوسرے دن ان تنعم تنعم علی شاکر سے (اگر آپ احسان کریں گے تو کسی احسان فراموش پر نہیں بلکہ شکر گذار پر احسان کریں گے) اپنی گفتگو کی ابتداء کرنی بڑی بلاغت پر مبنی تھی۔ پہلے دن ان کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اب ان کی جان بخشی نہیں جائے گی۔ لیکن جب انہوں نے آپ کے عفو و کرم کا سماں دیکھا تو انہیں یہ امید لگ گئی کہ اگر وہ رحم کی کوئی درخواست پیش کریں گے تو وہ ضرور منظور ہو جائے گی اس لئے دوسرے دن انہوں نے آپ کے احسان اور اپنی شکر گذاری کے مضمون سے اپنی گفتگو کا آغاز کرنا مناسب سمجھا۔ شارحین نے لکھا ہے کہ جب ثمامہ سے پوچھا گیا کہ تم نے اسیری کی حالت ہی میں اپنے اسلام کا اعلان کیوں نہ کردیا تھا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ اس حالت میں میرا اسلام قبول کرنا میری بزدلی اور پست ہمتی کا عنوان بن جاتا اس لئے میں نے اپنی آزادی کے بعد اپنے اسلام کا اعلان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ میرا اسلام کسی کے جبر و اکراہ یا کسی سے خوف کی بناء پر نہیں تھا۔ جہاں طبیعت کا یہ زور موجود ہو وہاں تلوار کا زور بھلا کیا کارآمد ہوسکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند لمحات کی صحبت بھی کیا کیمیاء اثر تھی کہ ادھر آپ نے کھڑے کھڑے ثمامہ سے چند کلمات کہے ادھر اس کے باطن میں وہ انقلاب برپا ہوگیا کہ جو سینہ ابھی ابھی آپ کی عداوت سے لبریز تھا وہ آپ کی محبت سے معمور ہو گیا اور ایسا معمور ہوا کہ آپ کی ذات مبارک ہی نہیں بلکہ آپ کا دین حتیٰ کہ آپ کا وطن بھی تمام وطنوں سے زیادہ محبوب بن گیا نہ یہاں کوئی شمشیر کھنچ رہی تھی نہ دلائل کا زور تھا صرف آپ کی فیض صحبت کا ایک دریا تھا جو کفر و شرک کے بڑے بڑے پتھروں کو اپنے ریلے میں بہائے لئے جارہا تھا۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِيْ الْمَسْجِدِ فَقَالَ الْقَوْمُ هٰذَا عَدِيٌّ وَكُنْتُ جِئْتُ بِغَيْرِ اَمَانٍ وَلَا كِتَابٍ فَلَمَّا دُفِعْتُ اِلَيْهِ اَخَذَ بِيَدِيْ وَقَدْ كَانَ بَلَغَنِيْ اَنَّهٗ كَانَ قَالَ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ يَدَهٗ فِيْ يَدِيْ قَالَ فَقَامَ لِيْ قَالَ فَلَقِيَتْهُ امْرَءَةٌ مَعَهَا صَبِيٌّ فَقَالَا اِنَّ لَنَا اِلَيْكَ حَاجَةً فَقَامَ مَعَهَا حَتّٰى قَضٰى حَاجَتَهُمَا ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِيْ حَتّٰى اَتٰى دَارَهٗ فَاَلْقَتْ لَهُ الْوَلِيْدَةُ وِسَادَةً فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَجَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا عَدِيُّ مَا يَغُرُّكَ مِنَ الْاِسْلَامِ اَنْ تَقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهَلْ تَعْلَمُ مِنْ اِلٰهٍ سِوَى اللّٰهِ قُلْتُ لَا ثُمَّ تَكَلَّمَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا تَفِرُّ اَنْ تَقُوْلَ اللّٰهُ اَكْبَرُ فَهَلْ تَعْلَمُ شَيْئًا اَكْبَرُ مِنَ اللّٰهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّ الْيَهُوْدَ مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ وَالنَّصَارٰى ضُلَّالٌ قُلْتُ فَاِنِّيْ حَنِيْفٌ مُسْلِمٌ قَالَ فَرَاَيْتُ وَجْهَهٗ تَبَسَّطَ فَرَحًا ثُمَّ اَمَرَبِيْ فَاُنْزِلْتُ عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَجَعَلْتُ اَغْشَاهُ اٰتِيَةً طَرَفَيِ النَّهَارِ. (رواہ الترمذی)

عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما

تھے لوگوں نے (مجھے دیکھ کر) کہا یہ عدی بن حاتم (آ گیا) آپ کی خدمت میں میں اچانک آ پہنچا تھا نہ پہلے امن کی کوئی درخواست پیش کی تھی اور نہ کوئی اور تحریر میرے ساتھ تھی بس یونہی حاضر ہو گیا تھا جب میں پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا مجھے پہلے یہ بات پہنچ چکی تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا۔ (یہ اُسی مشہور سخی حاتم کے لڑکے تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے (اکرام) کے لئے کھڑے ہو گئے، اس اثناء میں ایک عورت اپنے ہمراہ ایک بچہ لئے ہوئے آ گئی اور عرض کیا ہمیں آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے آپ ان کی بات سننے کے لئے ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور ان کی ضرورت کو پورا کر کے پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے گھر تشریف لے آئے فوراً باندی نے ایک گدا بچھا دیا آپ اس پر بیٹھ گئے میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا پھر آپ نے خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد مجھ سے فرمایا عدی؟ اسلام سے کیوں منکر ہو آخر لا الہ الا اللہ کا اقرار کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے علم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں تو پھر آپ نے تھوڑی دیر کچھ اور تلقین فرمائی اس کے بعد فرمایا کیا تم اس سے گریز کرتے ہو کہ اللہ اکبر کہو کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی اور بزرگ و برتر ذات ہے میں نے عرض کیا نہیں تو اس کے بعد آپ نے فرمایا (موجودہ ادیان میں) یہود تو قہر الٰہی کے مورد بن چکے ہیں اب رہ گئے نصاریٰ تو وہ پرلے درجہ کے گمراہ ہو چکے ہیں میں نے عرض کیا میں تو دین حنیف کا تابعدار بنتا ہوں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی کے مارے کھل گیا میرے متعلق حکم ہوا کہ میں ایک انصاری کے یہاں مہمان ٹھیرا دیا جاؤں (میں ان کے یہاں مقیم ہو گیا) اور صبح وشام میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ (ترمذی شریف)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاِسْلَامِ اَبِیْ ذَرٍّ قُلْنَا بَلٰی قَالَ قَالَ کُنْتُ رَجُلًا مِنْ غِفَارٍ فَبَلَغَنَا اَنَّ رَجُلًا خَرَجَ بِمَکَّۃَ فَزَعَمَ اَنَّہٗ نَبِیٌّ فَقُلْتُ لِاَخِیْ اِنْطَلِقْ اِلٰی ھٰذَا الرَّجُلِ وَکَلِّمْہُ وَاْتِنِیْ بِخَبَرِہٖ وفی روایۃ قَالَ لَمَّا بَلَغَ اَبَا ذَرٍّ مَبْعَثُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَخِیْہِ ارْکَبْ اِلٰی ھٰذَا الْوَادِیْ فَاعْلَمْ لِیْ عِلْمَ ھٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ یَزْعُمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ یَاتِیْہِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ وَاسْمَعْ مِنْ قَوْلِہٖ ثُمَّ اْتِنِیْ فَانْطَلَقَ الْاَخُ حَتّٰی قَدِمَ مَکَّۃَ وَسَمِعَ مِنْ قَوْلِہٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی اَبِیْ ذَرٍّ فَقَالَ لَہٗ رَاَیْتُہٗ یَاْمُرُ بِمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَکَلَامًا مَاھُوَ بِالشِّعْرِ فَقَالَ مَا شَفَیْتَنِیْ مِمَّا اَرَدْتُ فَتَزَوَّدَ وَحَمَلَ شَنَّۃً لَہٗ فِیْھَا مَاءٌ حَتّٰی قَدِمَ مَکَّۃَ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَالْتَمَسَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا یَعْرِفُہٗ وَکَرِہَ اَنْ یَسْاَلَ عَنْہُ حَتّٰی اَدْرَکَہٗ بَعْضُ اللَّیْلِ فَاضْطَجَعَ فَرَاٰہُ عَلِیٌّ فَعَرَفَ اَنَّہٗ غَرِیْبٌ فَلَمَّا رَاٰہُ تَبِعَہٗ فَلَمْ یَسْاَلْ وَاحِدٌ مِنْھُمَا صَاحِبَہٗ عَنْ شَیْئٍ حَتّٰی اَصْبَحَ ثُمَّ احْتَمَلَ زَادَہٗ وَقِرْبَتَہٗ اِلَی الْمَسْجِدِ فَظَلَّ ذٰلِکَ الْیَوْمَ وَلَا یَرَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَمْسٰی فَعَادَ اِلٰی مَضْجَعِہٖ فَمَرَّ بِہٖ عَلِیٌّ فَقَالَ اَمَا نَالَ الرَّجُلُ اَنْ یَعْلَمَ مَنْزِلَہٗ فَاَقَامَہٗ فَذَھَبَ بِہٖ مَعَہٗ وَلَا یَسْاَلُ وَاحِدٌ مِنْھُمَا صَاحِبَہٗ عَنْ شَیْئٍ حَتّٰی اِذَا کَانَ الْیَوْمُ الثَّالِثُ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِکَ فَاَقَامَہٗ عَلِیٌّ مَعَہٗ فَقَالَ لَہٗ اَلَا تُحَدِّثُنِیْ مَا الَّذِیْ اَقْدَمَکَ ھٰذَا الْبَلَدَ قَالَ اِنْ اَعْطَیْتَنِیْ

عَهْدًا وَمِيْثَاقًا لَتُرْشِدَنِّيْ فَعَلْتُ فَفَعَلَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ اِنَّهُ حَقٌّ وَهُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَصْبَحْتَ فَاتَّبِعْنِيْ فَاِنِّيْ اِنْ رَأَيْتُ شَيْئًا اَخَافُهُ عَلَيْكَ قُمْتُ كَاَنِّيْ اُرِيْقُ الْمَاءَ فَاِنْ مَضَيْتُ فَاتَّبِعْنِيْ حَتّٰى تَدْخُلَ مَدْخَلِيْ فَفَعَلَ فَانْطَلَقَ يَقْفُوْهُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَخَلَ مَعَهُ فَسَمِعَ مِنْ قَوْلِهٖ وَاَسْلَمَ مَكَانَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ اِلٰى قَوْمِكَ فَاَخْبِرْهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَكَ اَمْرِيْ وفي رواية اُكْتُمْ هٰذَا وَارْجِعْ اِلٰى بَلَدِكَ فَاِذَا بَلَغَكَ ظُهُوْرُنَا فَاَقْبِلْ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَصْرُخَنَّ بِهَا بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتّٰى اَتَى الْمَسْجِدَ فَنَادٰى بِاَعْلٰى صَوْتِهٖ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَثَارَ الْقَوْمُ فَضَرَبُوْهُ حَتّٰى اَضْجَعُوْهُ وَاَتَى الْعَبَّاسُ فَاَكَبَّ عَلَيْهِ وقَالَ وَيْلَكُمْ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ مِنْ غِفَارٍ وَاَنَّ طَرِيْقَ تُجَّارِكُمْ اِلَى الشَّامِ عَلَيْهِمْ فَاَنْقَذَهُ مِنْهُمْ ثُمَّ عَادَ مِنَ الْغَدِ لِمِثْلِهَا وَثَارُوْا اِلَيْهِ فَضَرَبُوْهُ فَاَكَبَّ عَلَيْهِ الْعَبَّاسُ فَاَنْقَذَهُ. (رواه البخاری)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کیا میں تم کو ابوذرؓ کے اسلام کا قصہ نہ سناؤں۔ ہم نے عرض کیا ضرور سنایئے۔ فرمایا کہ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں قبیلہ غفار کا آدمی تھا مجھے یہ اطلاع ملی کہ ایک شخص مکہ مکرمہ میں ظاہر ہوا ہے اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ نبی ہے میں نے اپنے بھائی سے کہا ذرا اس کے پاس جا کر بات چیت تو کرو اور اس کا کچھ بھید مجھے بتاؤ۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طور پر مذکور ہے کہ جب ابوذرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا اس وادی تہامہ کی طرف جا کر اس شخص کا کچھ بھید تو نکال کر لاؤ اس کا دعوی ہے کہ وہ نبی ہے اور اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ اس کی ذرا گفتگو بھی سنو پھر میرے پاس آؤ۔ ان کے بھائی مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے یہاں پہنچ کر آپ کی گفتگو سنی اور ابوذرؓ کے پاس واپس آ کر بیان کیا کہ میں نے تو ان کو عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے سنا ہے اور ان سے ایک ایسا کلام سنا ہے جو ازقسم شعر نہیں۔ انہوں نے کہا تم نے میرے مطلب کی بات نہیں بتائی۔ اس کے بعد کچھ توشہ سنبھالا اور ایک پرانی مشک لی جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور خود مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ مسجد حرام میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگے (مشکل یہ تھی) کہ نہ تو یہ آپ کو پہچانتے تھے اور نہ یہ چاہتے تھے کہ آپ کے متعلق کسی اور سے پوچھیں یہاں تک کہ کچھ اندھیرا ہو گیا۔ یہ لیٹ رہے۔ حضرت علیؓ نے انہیں دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ کوئی مسافر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا تو یہ ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے مگر اس دن کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا جب صبح ہو گئی تو یہ اپنا توشہ اور مشک اٹھا کر پھر مسجد میں آ گئے یہ دن بھی گذر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نظر نہ آئے یہاں تک کہ شام کا وقت آ گیا پھر یہ اپنی آرام گاہ پر آ گئے (آج) پھر حضرت علیؓ گذرے اور فرمایا کیا اب تک اس شخص کو اپنا ٹھکانا نہیں ملا اور اٹھا کر پھر انہیں اپنے ہمراہ لے گئے مگر آج بھی کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا یہاں تک کہ تیسرا دن ہو گیا تو پھر ایسا ہی ہوا اور حضرت علیؓ ان کو ہمراہ لے گئے اور ان سے کہا مجھے بتاؤ تو آخر اس شہر میں کیسے آنا ہوا انہوں نے کہا اگر آپ مجھ سے اس بات کا پکا پکا عہد کریں کہ مجھے ٹھیک بات بتا دیں گے تو میں ضرور اس راز کو کھول سکتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے عہد کیا اس کے بعد ابوذرؓ نے جو واقعہ تھا بیان کر دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا بلاشبہ

یہ شخص سچے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اچھا تو جب صبح ہو تو تم میرے پیچھے پیچھے چلے آنا، جہاں مجھے تمہارے متعلق دشمنوں سے کوئی خطرہ نظر آئے گا وہیں میں ایسے ٹھہر جاؤں گا جیسے کوئی پیشاب کرنے کے لئے ٹھہر جاتا ہے۔ اگر میں چلا آؤں تو تم بھی میرے ساتھ ساتھ چلے آنا یہاں تک کہ جہاں میں داخل ہوں تم بھی داخل ہو جانا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور آپ کے پیچھے پیچھے ہو لئے تا آنکہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپہنچے۔ یہ بھی ان کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ آپ کا کلام سنا اور اسی جگہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا بالفعل تو تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ اور انہیں بھی اس کی اطلاع کر دو اور وہاں ہی رہو یہانتک کہ تم کو ہمارے عروج کی خبر ملے۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے ابھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھو اور اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ جب تم کو ہمارے غلبہ کی خبر ملے اس وقت پھر آ جانا انہوں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میں ان کے درمیان میں گھس کر اس کلمہ کو چیخ چیخ کر کہوں گا یہ کہہ کر باہر نکلے اور مسجد میں آ کر بآواز بلند کہا اشھدان لا اله الا الله و اشھدان محمدا رسول الله۔ یہ سنتے ہی لوگ جوش میں بھر گئے اور ان کو اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عباسؓ آ گئے اور ان کے اوپر اوندھے گر گئے اور فرمایا کم بختو! تم کو خبر نہیں کہ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور شام کی طرف تمہارے تاجروں کے جانے کا راستہ ان ہی کی طرف ہو کر جاتا ہے اور اس طرح ان کو بچا لیا۔ دوسرے دن پھر انہوں نے یہی حرکت کی اور پھر لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو خوب مارا اس دن پھر حضرت ابن عباسؓ ان کے اوپر لیٹ گئے اور ان کو پھر بچا لیا۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبْدُاللهِ بْنُ سَلَامٍ بِمَقْدَمِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ اَرْضٍ يَخْتَرِفُ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ سَائِلُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا نَبِيٌّ فَمَا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا اَوَّلُ طَعَامِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدَ اِلٰى اَبِيْهِ اَوْ اُمِّهِ قَالَ اَخْبَرَنِيْهِنَّ جِبْرَئِيْلُ اٰنِفًا اَمَّا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَى الْمَغْرِبِ وَاَمَّا اَوَّلُ طَعَامٍ يَاكُلُهُ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوْتٍ وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْاَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْاَةِ نَزَعَتْ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ بُهْتٌ وَاِنَّهُمْ اِنْ يَعْلَمُوْا بِاِسْلَامِيْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَسْاَلَهُمْ يَبْهَتُوْنِيْ فَجَاءَتِ الْيَهُوْدُ فَقَالَ اَيُّ رَجُلٍ عَبْدُاللهِ فِيْكُمْ قَالُوْا خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا وَسَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا فَقَالَ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَسْلَمَ عَبْدُاللهِ بْنُ سَلَامٍ قَالُوْا اَعَاذَهُ اللهُ مِنْ ذٰلِكَ فَخَرَجَ عَبْدُاللهِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ فَقَالُوْا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا فَانْتَقَصُوْهُ قَالَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُ اَخَافُ يَارَسُوْلَ اللهِ. (رواہ البخاری)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جب خبر سنی تو اس وقت یہ اپنے باغ کے پھل توڑ رہے تھے یہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جن کو نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ بتائیے کہ علامات قیامت میں سب سے پہلی علامت کیا ہے اور جنتیوں کا سب سے پہلا کھانا کیا ہو گا اور تیسری بات یہ کہ بچہ اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام نے ان کے جوابات مجھے ابھی

بتائے ہیں (سنو) قیامت کی سب سے پہلی علامت تو ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی سمت جمع کر کے لے جائے گی رہی جنتیوں کی پہلی ضیافت تو مچھلی کے جگر کے ایک ٹکڑے سے ہوگی اب رہا بچہ کا مشابہ ہونا تو اگر مرد کی منی غالب ہوتو اس کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کی غالب ہو تو اس کے۔ یہ جوابات سن کر انہوں نے آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اشهدان لا اله الا الله و اشهدانک رسول الله۔ (اس کے بعد فرمایا) یارسول اللہ یہود بڑی بہتان باندھنے والی قوم ہے۔ اگر آپ میرے متعلق ان کی رائے معلوم کرنے سے قبل میرے اسلام کا حال ان سے ذکر کر دیں گے تو فوراً وہ مجھ پر کوئی نہ کوئی بہتان بنا دینگے (اس لئے پہلے آپ ان سے میرے متعلق دریافت فرمالیں) اس کے بعد جب یہود آئے تو آپ نے ان سے پوچھا تم میں عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں۔ انہوں نے کہا ہم سب میں بہتر اور ہمارے سب کے سردار۔ آپ نے فرمایا بتاؤ اگر وہ اسلام قبول کرلیں وہ بولے اللہ تعالیٰ ان کو ایسی بات سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد عبداللہ بن سلام باہر نکل آئے اور کلمہ شہادت پڑھ لیا (پھر کیا تھا) فوراً کہنے لگے یہ شخص ہم میں سب سے بدتر اور سب سے بدتروں کی اولاد ہے اس کے علاوہ اور قسم قسم کے عیب لگانے لگے۔ عبداللہ بن سلام نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے ان کے اسی افترا پردازی کا ڈر تھا۔ (بخاری شریف)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا اَعْرِفُ اَنَّکَ نَبِیٌّ قَالَ اِنْ دَعَوْتُ ھٰذَا الْعِذْقَ مِنْ ھٰذِہِ النَّخْلَۃِ یَشْھَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَدَعَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ یُنْزِلُ مِنَ النَّخْلَۃِ حَتّٰی سَقَطَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اِرْجِعْ فَعَادَ فَاَسْلَمَ الْاَعْرَابِیُّ. (رواہ الترمذی وصححہ)

ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دہقانی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا، میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ آ کر یہ گواہی دیدے کہ میں خدا کا رسول ہوں (تو مانے گا) آپ نے اس کو آواز دی، فوراً وہ اترنے لگا اور اترتے اترتے آپ کے سامنے آپڑا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس چلا جا، وہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ دہقانی مسلمان ہوگیا۔ (ترمذی)

تشریح:۔ بے علم طبیعتیں ہمیشہ اعجوبہ نمائیوں کی گرویدہ ہوتی ہیں۔ ان ہی کو معیار کمال تصور کرتی ہیں اور ان ہی کا اثر قبول کرتی ہیں اس لئے نباض فطرت نے اس کے سامنے اس کی فطرت کے مناسب ہی ایک جاذب اسلام نظارہ پیش کر دیا تھا وہ مسلمان ہو کر جنت میں جا پہنچا اب آپ کو اختیار ہے کہ آپ اسی فلسفہ میں پھنسے رہئے کہ ایک غیر ذی روح کا متحرک ہو کر آہستہ آہستہ اترنا اور پھر واپس چلے جانے عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں۔ جی ہاں معجزات کے عالم میں یہ سب کچھ ممکن ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَاَقْبَلَ اَعْرَابِیٌّ فَلَمَّا اَتٰی قَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ قَالَ وَمَنْ یَّشْھَدُ عَلٰی مَا تَقُوْلُ قَالَ ھٰذِہِ السَّلَمَۃُ فَدَعَاھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ بِشَاطِئِ الْوَادِیْ فَاَقْبَلَتْ تَخُدُّ الْاَرْضَ حَتّٰی قَامَتْ بَیْنَ یَدَیْہِ

فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلَاثًا فَشَهِدَتْ ثَلَاثًا اَنَّهٗ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَنْبَتِهَا . (رواه الدارمی)

ابن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے ایک دیہاتی سامنے سے آتا نظر آیا جب وہ مجلس میں آ پہنچا تو آپ نے فرمایا اس کی گواہی دے گا؟ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں وہ بولا آپ کی اس بات پر کوئی اور بھی گواہی دے گا۔ آپ نے فرمایا جی ہاں، یہ کیکر کا درخت۔ وہ درخت وادی کے کنارہ پر کھڑا تھا آپ نے اس کو پکارا، وہ زمین پھاڑتا ہوا آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہوگیا۔ آپ نے اس سے تین بار گواہی طلب کی اس نے تینوں بار یہ گواہی دی کہ جیسا آپ نے فرمایا، بات اسی طرح ہے اس کے بعد وہ جہاں کھڑا تھا وہیں واپس ہوگیا۔ (دارمی)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَدْعُوْ اُمِّىْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَهِىَ كَارِهَةٌ فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا فَاَسْمَعَتْنِىْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِىْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّهْدِىَ اُمَّ اَبِىْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِىْ هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ اِلَى الْبَابِ فَاِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّىْ خَشْفَ قَدَمَىَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ وَسَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ فَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَعَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِىْ مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَقَالَ خَيْرًا . (رواه مسلم)

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کو دعوت اسلام دیتا اور وہ اس سے نفرت کرتی تھیں ایک دن کا قصہ ہے کہ میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مجھے ایسی بات سنائی جو مجھے بہت ناگوار گذری۔ میں روتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یارسول اللہ اب تو دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے آپ نے دعا فرمائی اے اللہ ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے میں آپ کی اس دعا پر ان کے اسلام کی بشارت لئے ہوئے باہر نکلا جب اپنے گھر کے دروازہ کے قریب آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ بند ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ سنی اور کہا ابوہرہ وہیں باہر رہنا۔ ادھر میں نے کچھ پانی گرنے کی آواز سنی میں ٹھیرا رہا، انہوں نے غسل فرمایا اپنا کرتا پہنا اور جلدی میں سر پر اوڑھنی ڈالنی رہ گئی اور فوراً دروازہ کھول کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اشھدان لا اله الا الله واشھدان محمد اعبده ورسولهٗ (یا تو میں ابھی ابھی غم کے آنسو بہاتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا یا اب) خوشی کے آنسو بہاتا ہوا پھر آپ کی خدمت میں واپس پہنچا۔ آپ نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا اور ان کے حق میں کلمات خیر فرمائے۔ (مسلم)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ ضِمَادًا قَدِمَ مَكَّةَ وَكَانَ مِنْ اَزْدِشَنُوْءَةَ وَكَانَ يَرْقِىْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَسَمِعَ سُفَهَاءَ اَهْلِ مَكَّةَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مُحَمَّدًا مَجْنُوْنٌ فَقَالَ لَوْ اِنِّىْ رَاَيْتُ هٰذَا الرَّجُلَ لَعَلَّ اللّٰهَ يَشْفِيْهِ عَلٰى يَدَىَّ قَالَ فَلَقِيَهٗ فَقَالَ يَامُحَمَّدُ اَرْقِىْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَهَلْ لَكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَاَشْهَدُ

اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اَعِدْ عَلَيَّ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَاءِ فَاَعَادَهُنَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ وَقَوْلَ السَّحَرَةِ وَقَوْلَ الشُّعَرَاءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَاءِ وَلَقَدْ بَلَغْنَ قَامُوْسَ الْبَحْرِ هَاتِ يَدَكَ اُبَايِعْكَ عَلَى الْاِسْلَامِ قَالَ فَبَايَعَهٗ. (رواه مسلم)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ضماد مکہ مکرمہ میں آئے یہ قبیلہ ازدشنوءۃ کے آدمی تھے اور جن وغیرہ کے اثرات کی جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے انہوں نے مکہ مکرمہ کے بیوقوفوں کو یہ کہتے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آسیب زدہ ہوگئے ہیں۔ یہ اپنے دل میں کہنے لگے کاش اگر میں بھی اس شخص کو دیکھ لیتا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے اس کو شفا دیدیتا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ آپ سے ملا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جنات کی جھاڑ پھونک کرتا ہوں آپ بھی چاہیں تو جھاڑ دوں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمادے اس کا گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کردے اس کو ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی بھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ امابعد (اس خطبہ کے سننے کے بعد ابھی آپ کچھ اور فرمانے نہ پائے تھے) کہ ضماد نے کہا مجھے ان کلمات کو پھر سنا دیجئے آپ نے پھر سنادیئے تین بار ایسا ہی ہوا وہ بولا میں نے کاہنوں کا قول سنا، جادوگروں کے منتر سنے اور شاعروں کے اشعار بھی سنے لیکن آپ کے ان کلمات کی طرح کسی کا کلام نہیں سنا۔ خدا کی قسم یہ تو بحرِ معرفت کی گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لایئے اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں راوی کہتا ہے یہ کہہ کر آپ سے بیعت کرلی۔ (مسلم)

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ جَاءَ رَاهِبَا نَجْرَانَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا اَسْلِمَا تَسْلِمَا فَقَالَا قَدْ اَسْلَمْنَا قَبْلَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبْتُمَا يَمْنَعُكُمَا مِنَ الْاِسْلَامِ ثَلَاثٌ سُجُوْدُكُمَا لِلصَّلِيْبِ وَقَوْلُكُمَا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَشُرْبُكُمَا الْخَمْرَ فَقَالَا مَا تَقُوْلُ فِيْ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَلَ الْقُرْاٰنُ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ اِلٰى قَوْلِهٖ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ كُمْ فَدَعَاهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمُلَاعَنَةِ قَالَ وَجَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَفَاطِمَةُ وَاَهْلُهٗ وَوَلَدُهٗ فَلَمَّا خَرَجَ مِنْ عِنْدِهٖ قَالَ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَقِرَّ بِالْجِزْيَةِ وَلَا تُلَاعِنْهُ فَرَجَعَا فَقَالَا نُقِرُّ بِالْجِزْيَةِ وَلَا نُلَاعِنُكَ قَالَ فَاَقَرَّا بِالْجِزْيَةِ. (رواه احمد)

حسن روایت کرتے ہیں کہ نجران کے دو پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کے ظہور سے قبل ہی مسلمان ہیں آپ نے فرمایا جھوٹ بولتے ہو، تمہارے مسلمان ہونے میں تین باتیں مانع ہیں۔ ایک یہ کہ تم صلیب کو پوجتے ہو، دوم یہ کہ تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے (عیسیٰ علیہ السلام کو) بیٹا بنالیا ہے اور سوم یہ کہ تم شراب پیتے ہو۔ انہوں نے کہا اچھا تو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں

آپ کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ خاموش ہو گئے (اور ان کے مناظرہ کے جواب میں قرآن کی حسب ذیل آیات نازل ہوگئیں) یہ جو کچھ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیات الٰہی اور تحقیقی بیان ہے۔ (آپ کہہ دیجئے) آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تم اپنے بیٹے۔ (آیت مباہلہ کے تلاوت فرمانے کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پادریوں کو مباہلہ کرنے کے لئے بلایا۔ راوی کہتا ہے کہ ادھر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ اور آپ کے گھر کے لوگ آ گئے۔ جب یہ آپ کی مجلس سے باہر آ گئے تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ بھئی جزیہ دینا قبول کرلو اور آپ سے مباہلہ منظور نہ کرو (کیونکہ یہ نبی برحق ہیں جو ان سے مباہلہ کرے گا برباد ہو کر رہے گا) یہ مشورہ کر کے انہوں نے کہا ہم آپ کو جزیہ دینا قبول کرتے ہیں اور آپ سے مباہلہ نہیں کرتے اور جزیہ دینا قبول کرلیا۔ (مسند احمد)

ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد کرنی چاہئے

عَنْ عَمْرِو بْنِ تَغْلِبَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِىَ بِمَالٍ اَوْ بِشَىْءٍ فَقَسَمَهٗ فَاَعْطٰى رِجَالاً وَتَرَكَ رِجَالاً فَبَلَغَهٗ اَنَّ الَّذِيْنَ تَرَكَهُمْ عَتَبُوْا فَحَمِدَاللّٰهَ ثُمَّ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَوَاللّٰهِ اِنِّىْ اُعْطِىَ الرَّجُلَ وَاَدَعُ الرَّجُلَ وَالَّذِىْ اَدَعُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنَ الَّذِىْ اُعْطِىْ وَلٰكِنْ اَعْطِىْ اَقْوَامًا لِمَا اَرٰى فِىْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ وَاَكِلُ اَقْوَامًا اِلٰى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْغِنٰى وَالْخَيْرِ فِيْهِمْ عَمْرُوبْنُ تَغْلِبَ فَوَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِىْ بِكَلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمْرَ النَّعَمِ. (رواه البخاری)

عمرو بن تغلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (کہیں سے) کچھ مال آیا آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کر دیا، بہت سے لوگوں کو دیا اور بہت سے لوگوں کو نہ دیا۔ اس پر آپ کو یہ اطلاع ملی کہ جن کو آپ نے کچھ نہ دیا تھا ان کو یہ تفریق ناگوار گذری ہے۔ آپ نے خدا کی حمد وثناء کے بعد ارشاد فرمایا خدا کی قسم بیشک میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور واقعہ یہ ہے کہ جس کو نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بعض لوگوں کو صرف اس لئے دیتا ہوں کہ ان کے دلوں میں مال کے لئے بے چینی اور اضطراب کا احساس کرتا ہوں اور بعض کو اس بے نیازی اور نور ایمانی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی ہے خدائے تعالیٰ کے حوالہ کر دیتا ہوں۔ ان میں سے ایک شخص عمرو بن تغلب بھی ہیں۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایک کلمہ کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا نہیں کہ میرے پاس بہت سے سرخ اونٹ ہوتے۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَمَعَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اِنَّ قُرَيْشًا حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَمُصِيْبَةٍ وَاِنِّىْ اَرَدْتُ اَنْ اُجِيْزَهُمْ وَاَتَاَلَّفَهُمْ اَمَا تَرْضَوْنَ اَنْ يَّرْجِعَ النَّاسُ بِالدُّنْيَا وَتَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى بُيُوْتِكُمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْاَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِىَ الْاَنْصَارِ اَوْ شِعْبَ الْاَنْصَارِ. (رواه البخاری)

انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا قریش ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں اور فقر و فاقہ کی مصیبتیں جھیل چکے ہیں میں ان کی کچھ امداد کرنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ان کی دلجوئی کروں اور ان کو اسلام کے ساتھ ذرا مانوس کروں۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اور لوگ تو اپنے گھروں کو دنیا کا مال لیجائیں اور تم خدا کے رسول کو لیجاؤ۔ انصار بولے بیشک ہم اس پر راضی ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر لوگ ایک راستہ پر جائیں اور انصار دوسرے راستہ پر تو میں اسی راستہ کو اختیار کروں گا جس پر انصار جائیں گے۔ (بخاری)

تشریح:۔ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انصار کو آپ کا مہاجرین قریش کو مال دینا ناگوار نہ تھا بلکہ دراصل اس تقسیم نے ان میں جذبات رقابت ابھار دیئے تھے اور انہیں کچھ یہ وہم گذرنے لگا تھا کہ آپ کی شفقت ومحبت کا پلہ بھی شاید کچھ ان کی جانب ہی جھک گیا ہے۔ اسی لئے جب ان کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ اگرچہ آپ کی دادودہش کا ہاتھ قریش کی طرف جھک رہا ہے مگر آپ کے جذبات محبت درحقیقت ان ہی کی طرف مائل ہیں تو انہیں سرخ اونٹ جو عرب کا محبوب ترین مال تھا آپ کے اس ایک فقرہ کے بالمقابل ہیچ نظر آنے لگے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاہُ غَنَمًا بَیْنَ جَبَلَیْنِ فَاَتٰی قَوْمَہ، فَقَالَ اَسْلِمُوْا فَوَاللّٰہِ اِنَّ مُحَمَّدًا (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) لَیُعْطِیْ عَطَاءَ رَجُلٍ لَایَخَافُ الْفَاقَۃَ وَاِنْ کَانَ الرَّجُلُ یَجِیْءُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یُرِیْدُ اِلَّا الدُّنْیَا فَمَا یُمْسِیْ حَتّٰی یَکُوْنَ دِیْنُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ وَاَعَزَّ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا۔ (رواہ مسلم)

انس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے فوراً اس کو اتنی بکریاں بخش دیں جو ایک وادی کے درمیان بھری ہوئی تھیں وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور بولا اسلام قبول کرلو بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص کی طرح مال لٹاتے ہیں جسے احتیاج کا کبھی خطرہ نہیں گذرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ صبح کو آدمی آپ کی خدمت میں صرف طمع دنیا لیکر آتا اور شام نہ ہونے پاتی کہ آپ کا دین اس کو دنیا ومافیہا سے زیادہ پیارا ہو جاتا تھا یا زیادہ معزز ہو جاتا تھا۔ (راوی کو شک ہے) (مسلم)

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ اَعْطٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَھْطًا وَاَنَا جَالِسٌ فَتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْھُمْ رَجُلاً ھُوَ اَعْجَبُھُمْ اِلَیَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالَکَ عَنْ فُلَانٍ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرَاہُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْمُسْلِمًا ذَکَرَ ذٰلِکَ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَاَجَابَہٗ بِمِثْلِ ذٰلِکَ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ وَغَیْرُہٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْہُ خَشْیَۃَ اَنْ یُّکَبَّ فِی النَّارِ عَلٰی وَجْھِہٖ. متفق علیہ فی طریق عند مسلم فساررتہ فقلت یا رسول اللہ الخ.

سعد بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے چند لوگوں کو کچھ مال تقسیم کیا اور میرے نزدیک جو شخص ان سب میں زیادہ مستحق تھا اس کو کچھ نہ دیا، میں کھڑا ہو گیا اور میں نے پوچھا آپ نے فلاں آدمی کو بھلا کیوں نہیں دیا۔ خدا کی قسم میں تو اس کو پکا مومن سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا مومن کہتے ہو یا صرف مسلمان۔ سعد نے تین بار (لوٹا لوٹا کر) یہی کہا اور ہر بار آپ نے ان کو یہی ایک جواب دیا اس کے بعد فرمایا میں ایک شخص کو مال اس لئے دیتا ہوں

حالانکہ اس سے زیادہ پیارا مجھے دوسرا شخص ہوتا ہے کہ کہیں وہ اوندھے منہ دوزخ میں نہ ڈال دیا جائے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ ابتداء اسلام میں نومسلم اور ضعیف الایمان افراد کی تالیف قلب کا بھی ایک دور گذر چکا ہے لیکن جو لوگ آپ کی پہلی ہی صحبت میں ایمان کا کیف حاصل کر چکے تھے یا بتدریج اس کی لذت سے آشنا ہو چکے تھے وہ اس قسم کی دلجوئیوں سے بہت بالاتر تھے ان کی استقامت و محبت کی آزمائش کے لئے یا تو دہکتے ہوئے پتھر تھے یا آبدار شمشیر۔ مال کی محبت درحقیقت آثار کفر کا ایک بقیہ ہے اور غناء و بے نیازی ایمان کے برکات کی ابتداء۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے جبر و اکراہ کی پالیسی کبھی اختیار نہیں کی بلکہ اس کے برعکس تالیف قلب اور دلجوئی سے کام لیا ہے حتیٰ کہ اگر کسی نومسلم نے آپ سے مال کی کوئی طمع ظاہر کی ہے تو آپ نے اس کی خواہش بھی پوری فرمادی ہے اور اس کی اس پست حوصلگی کی اصلاح بھی انداز بے نیازی میں نہیں فرمائی ہر شخص کا مزاج یکساں نہیں ہوا کرتا علمی دماغ اور بلند طبیعتیں گو ہر حقیقت کی جویاں ہوتی ہیں اور پست فطرتیں حسن سلوک اور ظاہری ہمدردی کا اثر زیادہ قبول کرتی ہیں یہاں نباض فطرت ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کی فطرت کے مناسب کیا کرتا تھا۔

بیچارے سعد کی رسائی ان دقیقہ سنجیوں تک نہ تھی اس لئے آپ نے اس کو سمجھا دیا کہ مال کی تقسیم کو میری محبت کی تقسیم کا معیار تصور کرنا غلط ہے یہاں آپ نے ان کی ایک اور بات کی بھی اصلاح فرمائی وہ یہ کہ انسان کو اپنے مقدار علم کے مطابق بات کہنی چاہئے ایمان قلب کی ایک صفت ہے اور اسلام ظاہر کی کسی کے دل کا حال کسی کو کیا معلوم اس لئے۔ ان کے لئے یہاں مومن کے بجائے مسلم کا لفظ استعمال کرنا مناسب تھا یہ ایک نوع کی گستاخی ہے کہ صاحب وحی کے سامنے کسی کے متعلق ایسے احکام لگا دیئے جائیں جن کا علم خدائے تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر خود اس کو بھی نہیں ہوتا۔

اسلام کے چیدہ چیدہ اعمال

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَسِتُّوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِیْمَانِ. (متفق علیه)

ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایمان کی ستر یا ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں (راوی کو صحیح عدد یاد نہیں رہا) سب سے افضل زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ کہنا (یعنی توحید الٰہی کا اقرار ہے) اور سب سے معمولی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا اور شرم کرنا بھی اسلام میں ایک ضروری چیز ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حدیثوں میں بعض اعمال کو ارکان اور بعض کو شعبہائے اسلامی کہا گیا ہے۔ تعبیر کے اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالنا بعید نہیں ہے کہ اس کی غرض شاید ان اعمال کے مراتب میں تفاوت کی طرف اشارہ کرنا ہو۔ جن کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حیثیت اسلام میں کچھ بلند ہو اور جن کو شعبہ کہا گیا ہے ان کی حیثیت صرف ایک شاخ کی سی رہے جس کے کٹنے سے اصلی درخت کو چنداں نقصان نہیں پہنچتا۔ صرف اس کی ظاہری زیبائش ہی میں فرق پڑتا ہے لیکن جب اس طرف بھی نظر کی جاتی ہے کہ ان شعبوں میں ایسے ایسے اہم شعبے بھی شامل ہیں جن کو اسلام سے ارکان کا سا گہرا ربط ہے اور ان کا تعلق اسلام کے صرف ظاہر تک محدود نہیں بلکہ اس کی جڑ تک پہنچتا ہے تو پھر اس نکتہ طرازی میں کچھ شبہ گذرنے لگتا ہے۔

استاد (مولانا انور شاہ کشمیری) قدس سرہ کی رائے یہ تھی کہ مذکورہ بالا لفظ کا مقصد نہ تو اسلام کی بساطت وترکب کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ہے اور نہ اعمال کے تفاوت مراتب کی طرف بلکہ ان دونوں سے ایک اور بلند حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور وہ انسان کے ایمان کے حیوۃ وموت کا معیار ہے یعنی دراصل ایمان صرف اس خشک تصدیق کا نام نہیں جس میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے بلکہ وہ اس تروتازہ ایقان واذعان کا نام ہے جس میں اعمال صالحہ کی بیشمار شاخیں سدا پھوٹتی رہیں، اس پر رنگ برنگ کی عبادات کے پھول کھلیں اور ایسے ایسے نافع اعمال کی بہار آئے کہ رہ گذر سے ایک کانٹے کا ہٹا دینا ان میں ایک ادنیٰ ترین عمل شمار ہو۔ گویا انسان باہم ہمدردی اور غمخواری کا ایک ایسا پیکر بن جائے کہ اگر کسی کے پیر میں کانٹا بھی چبھے تو اس کی چسک یہ اپنے قلب میں محسوس کرے۔ ایسا ایمان زندہ ایمان ہے لیکن جس ایمان میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے خدا کی مخلوق کے درد کا اس میں کوئی احساس نہ ہو اور باہم انس ومحبت کی اس میں کوئی لہر نہ دوڑے وہ زندہ ایمان نہیں۔ مردہ ہے۔ قلبی تصدیق اور زبانی اقرار بلاشبہ ایمان کے سب سے بڑے رکن کہلاتے ہیں مگر یہ اسی وقت پر از حقیقت سمجھے جا سکتے ہیں جبکہ اعمال صالحہ کی شہادت ان کے ساتھ موجود ہو اور اسلام کا مقدس عہد بھی اسی وقت پورا کہا جا سکتا ہے جبکہ جوارح انسانی نیکی کیلئے مضطرب نظر آئیں اگر ایسا نہیں تو یہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ قلبی تصدیق گو حاصل ہے مگر وہ کھوکھلی ہے اس میں حقیقت کی کوئی روح نہیں اور زبانی اقرار بھی گو موجود ہے مگر وہ بھی رسمی ہے اس میں بھی صداقت کی کوئی بو نہیں۔ خلاصہ یہ کہ شعبہائے اسلامی اس امر کی دلیل ہوتے ہیں کہ ایک مومن کا ایمان زندہ ہے یا اس کی روح نکل چکی ہے اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہاں شعبے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کو قرآن کریم نے ایک اور بلیغ انداز میں ادا کیا ہے مثل کلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت و فرعها فى السماء تؤتى اكلها كل حين باذن ربها۔ آیۂ مذکورہ میں کلمہ طیبہ کو ایک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے مگر اس درخت سے نہیں جس پر پھول وپھل کی کوئی رونق نہ ہو یا اس پر بہار آئے تو سال میں صرف ایک ہی بار آئے بلکہ اس درخت سے جو سدا بہار ہو اور اس پر کبھی خزاں نہ آئے وہ دوسرے درختوں کی طرح سال میں ایک ہی بار پھل نہ لائے بلکہ موسم کی قید سے آزاد ہو کر پھولوں اور پھلوں سے ہمیشہ لدا رہے۔ اب محدثین کو اختیار رہے کہ وہ اس مجموعہ کو ایمان کہیں یا اصل ایمان تصدیق کو قرار دیں اور اعمال صالحہ کو اس کے ثمرات شمار کریں۔

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شب وروز اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرے اور یہ اندازہ لگایا کرے کہ اس کا ایمان اعمال صالحہ کا کتنا تقاضا کر رہا ہے اس میں نیکی کی کتنی شاخیں پھوٹ چکی ہیں اور کونسی شاخ ایسی ہے جس کا پھوٹنا ابھی باقی ہے۔ محدثین نے اس حدیث کو اتنی اہمیت دی ہے کہ شعبہائے اسلامی کو جمع کرنے کے لئے مستقل مستقل تصنیفیں تالیف کی ہیں ان میں امام بیہقی، ابو حاتم، ابو عبداللہ حلیمی، شیخ عبدالجلیل اور اسحاق بن القرطبی جیسے اجلہ محدثین بھی شامل ہیں۔ امام ابو حفص عمر القزوینی نے بیہقی کی تصنیف شعب الایمان کی تلخیص بھی کی ہے اور اس کا نام مختصر شعب الایمان رکھا ہے۔

کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے ایذاء نہ دینا

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ

لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ وَالْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَمَا نَھَی اللّٰہُ عَنْہُ رواہ البخاری ومسلم وغیرھما وزاد الترمذی والنسائی وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ.

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پورا مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذاء سے تمام مسلمان محفوظ رہیں اور پکا مہاجر وہ ہے جو ان تمام باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے (بخاری ومسلم وغیرہما) ترمذی ونسائی نے اس حدیث میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ کامل مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان ومال کے بارے میں امانت دار سمجھیں۔

تشریح:۔ عرب کی قوم جو قرنوں سے قتل وغارت اور جنگ وبدامنی کی عادی چلی آئی تھی وہ ابھی تازہ تازہ اسلام میں داخل ہوئی ہے پیغمبر اسلام ان کی سرشت کا سب سے زیادہ نباض تھا وہ ان کو یہ بتا دینا چاہتا تھا کہ صرف ارکان اسلام ادا کر لینے اور چند مخصوص عقائد پر یقین کر لینے سے کوئی شخص مومن اور مسلم کے لقب کا مستحق نہیں ہوسکتا، اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ اب پہلے کی طرح اس کی زندگی پیام موت نہیں رہی بلکہ سرتاسر مژدۂ سلامتی بن گئی ہے۔ امانت اور امن کی اس میں وہ روح پیدا ہوگئی ہے کہ قلوب میں اس کی طرف سے خوف وہراس نکل چکا ہے۔ خدا کی مخلوق کو ہر معاملہ میں کیا جان اور کیا مال اس پر پورا پورا اعتماد حاصل ہوگیا ہے۔ یہ ہے وہ شخص جس کو اسلام مسلم اور مومن کا خطاب دیدیتا ہے اس اسلوب بیان میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسا ملکہ شعر گوئی کے بغیر کوئی شخص شاعر اور علم کے بغیر عالم نہیں کہا جاسکتا ایسا ہی سلامتی وامن کا پیکر بنے بغیر کسی کو مسلم اور مومن نہیں کہا جاسکتا یہاں ہاتھ اور زبان کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ عام طور پر ایذاء رسانی کے آلات یہی ہیں ورنہ اصل مقصد ترکِ ایذاء ہے خواہ وہ کسی ذریعہ سے بھی ہو۔ ان دو میں باہم فرق یہ ہے کہ ہاتھ کی ایذا کا تعلق صرف حاضر کے ساتھ ہوتا ہے اور زبانی ایذا کا حاضر وغائب دونوں کے ساتھ بلکہ اس میں زندہ اور مردہ کی بھی قید نہیں ہے۔ تیسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت یعنی خدا کی راہ میں گھر، در سب چھوڑ دینا اگرچہ ایک بے نظیر قربانی ہے مگر کامل مذہب ابھی کاملین کو اور مکمل بنانا چاہتا ہے وہ یہ سمجھاتا ہے کہ ہجرت کی روح صرف ترکِ وطن اور مال واولاد کے ترک سے بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کا اصل مقصد کسی کی مزاحمت کے بغیر آزادی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اپنے نفس کو ان بری صحبتوں سے نکال لینا ہے جن کی مخالفت سے اقامت دین یا اس کی حدود کے تحفظ میں کبھی تہاون کا خطرہ پیدا ہوسکتا ہو۔ پس اگر ایک شخص آبائی وطن ترک کرنے کے بعد اپنی مسافرت و غربت کے حال میں بھی وطن سے زیادہ ممنوعات شرعیہ کا خوگر بنا ہوا ہے تو اسلام کے نزدیک ابھی وہ اس لائق نہیں کہ اس کو ''مہاجر'' جیسا معزز لقب دیدیا جائے۔ اس اسلوب بیان میں حقیقی مہاجرین کو یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ وہ صرف ترک وطن کر کے مطمئن نہ ہو بیٹھیں اس لقب کی تکمیل ابھی ایک ایسی طویل ہجرت پر موقوف ہے جس کا سلسلہ تا زندگی ختم ہونے والا نہیں اور وہ یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرما چکا ہے اس کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا جائے۔ اب ہجرت کی یہ وہ وسیع مملکت ہوگی جس کے لئے کوئی نہایت نہیں خوش دلی یا تنگ دلی سے بیٹھنے کا موقعہ نہیں ہے کامل سمجھ لے کہ ان صحرائے دراز اور وادی ہائے پرخار کے طے کئے بغیر اس کا مکمل ہونا ناممکن ہے اور مکمل ہوشیار ہوجائے کہ اسلام کی شاہراہ کمال ابھی اور بہت آگے ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰذٰی مُسْلِمًا فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ. اخرجہ

الطبرانی فی الاوسط. رمز السیوطی لحسنه وفیه موسیٰ ابن خلف البصری العمی ضعفه بعضهم ووثقه بعضهم.
انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو ستائے اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ تعالیٰ کو ستانے کا ارادہ کیا۔ (طبرانی)

عَنْ اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا اَوْ مَكَرَ بِهٖ. (رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب.)

حضرت ابوبکر صدیق روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اس کو فریب دے وہ ملعون ہے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ یعنی ایک مسلمان کی ایذا رسانی صرف مخلوق کی ایذا رسانی نہیں سمجھی جاتی بلکہ وہ رسول کی ذات سے بھی گذر کر خدا تک جا پہنچتی ہے یہی حال اس کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ہے۔ رسول کی ذات بھی کیسی بلند ہوتی ہے کہ اس کی ایذاء و محبت خدائے تعالیٰ کی ایذاء و محبت سے پکاری جاتی ہے۔ مسلمان جب اپنے رسول کا پورا پورا متبع ہو جاتا ہے تو پھر یہی نسبت اس کے اور رسول کے مابین قائم ہو جاتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِیْ عَلٰى عَمَلٍ اَنْتَفِعُ بِهٖ قَالَ اِعْزِلِ الْاَذٰى عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ. (رواه ابن ماجه)

ابو برزہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے نفع دے آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دیا کرو۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ غالباً یہاں سائل کا مقصد کسی ایسے امر کا سوال کرنا تھا جس کا کرنا اس کی قدرت میں ہو کیونکہ یہی نیک عمل سے نفع اٹھانے کی صورت ہو سکتی ہے نیک عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو لیکن اگر اس پر عمل نہ ہو سکے تو وہ کس کام کا آپ نے اس کو ایسا آسان عمل بتا دیا جو اس سے بھی بسہولت ادا ہو جائے اور تمام دنیا کے لئے بھی سہولت کا موجب ہو۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ عَلِّمْنِیْ شَيْئًا لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَّنْفَعَنِیْ بِهٖ قَالَ اُنْظُرْ مَا يُؤْذِی النَّاسَ فَنَحِّهٖ عَنِ الطَّرِيْقِ. اخرجه ابن عساکر کما فی الجامع الکبیر.

ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے کچھ سکھایئے، شاید اللہ تعالیٰ مجھے اس پر عمل کی توفیق بخش دے آپ نے فرمایا جو چیز لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہو اس کا خیال رکھنا اور جہاں کہیں ایسی چیز دیکھنا اسے راستہ سے ایک طرف ڈال دینا۔ (جامع کبیر)

عَنْ اَبِیْ شَيْبَةَ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يَمْشِیْ وَرَجُلٌ مَعَهٗ فَرَفَعَ حَجَرًا عَنِ الطَّرِيْقِ فَقُلْتُ مَاهٰذَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ رَفَعَ حَجَرًا عَنِ الطَّرِيْقِ كُتِبَ لَهٗ حَسَنَةٌ وَمَنْ كَانَتْ لَهٗ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. اخرجه الطبرانی فی الکبیر قال الهیثمی رجاله ثقات.

ابو شیبہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل پیادہ پا جا رہے تھے ایک اور شخص بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا (راستہ پر انہوں

نے ایک پتھر پڑا ہوا دیکھا) تو فوراً اسے راستہ سے ہٹا دیا میں نے عرض کیا یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اگر راستہ سے کوئی شخص پتھر ہٹا دے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جس کے پاس ایک نیکی بھی ہوگی وہ بھی جنت میں جائیگا۔ (طبرانی)

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ مُعَاوِيَةُ كُنْتُ مَعَ مَعْقِلٍ فِيْ بَعْضِ الطُّرُقَاتِ فَمَرَّ بِاَذًى فَاَمَاطَهُ فَرَأَيْتُ مِثْلَهُ فَنَحَّيْتُهُ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ قُلْتُ رَأَيْتُكَ صَنَعْتَ فَصَنَعْتُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَمَاطَ اَذًى عَنْ طَرِيْقٍ كُتِبَ لَهٗ حَسَنَةٌ وَمَنْ تُقُبِّلَتْ مِنْهُ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. اخرجه البخاري في الادب المفرد قال الهيثمي سنده حسن ورمز السيوطي لحسنه.

معاویہ کہتے ہیں کہ میں معقل بن یسار کے ساتھ کسی راستہ پر جا رہا تھا ان کا کسی ایسے پتھر وغیرہ پر گذر ا ہوا جو گذرنے والوں کے لئے باعث تکلیف تھا انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا آگے چل کر میں نے بھی اسی قسم کا ایک پتھر دیکھا تو میں نے بھی اس کو ایک طرف ڈال دیا، انہوں نے مجھ سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا میں نے کہا آپ کو دیکھا تھا کہ آپ نے یہی عمل کیا تھا لہٰذا میں نے بھی آپ کے دیکھا دیکھی وہی عمل کیا ہے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو کسی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے تو اس کے حق میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جس کی ایک نیکی بھی قبول ہو جائے وہ بھی آخر کار جنت میں چلا جائے گا۔

تشریح:۔ اس روایت سے پہلی روایت کی شرح ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ مغفرت کے لئے صرف نیکی کرنا کافی نہیں اس کی قبولیت بھی شرط ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ بعض مرتبہ معمولی سی نیکی ایسی بروقت ہوتی ہے کہ دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لئے وہی ایک چھوٹی سی نیکی کافی ہو جاتی ہے اور بحرِ عصیاں کے غریق کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ لَا نَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ. (متفق علیه)

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کا کسی ایسے راستہ سے گذر ہوا جس پر درخت کی ایک شاخ پڑی ہوئی تھی اس نے دل میں کہا کہ میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹا دوں تا کہ ان کو تکلیف نہ دے بس اتنی سی نیت کی بدولت وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (متفق علیہ)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَيْتُ رَجُلاً يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِيْ شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيْقِ كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت میں صرف ایک درخت کی بدولت ٹہلتا ہوا پھر رہا ہے جو راستہ پر لوگوں کی تکلیف کا باعث بن رہا تھا اور اس نے اس کو کاٹ دیا تھا۔ (مسلم)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَيُعِيْنُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّتِهٖ

فَيَحْمِلُ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ اَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا اِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَيُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ. (متفق علیہ)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب آفتاب نکلتا ہے تو آدمی کے جسم میں جتنے جوڑ بند ہیں ان سب کی طرف سے اس پر ایک ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے (وہ اس طرح ادا ہوتا رہتا ہے) دو شخصوں کے درمیان کسی معاملہ میں فیصلہ کرا دیا یہ ایک صدقہ ہو گیا کسی سوار شخص کی کوئی مدد کر دی اس کو سوار کر دیا یہ صدقہ ہو گیا اس کا کچھ سامان نیچے سے اٹھا کر اسے پکڑا دیا یہ صدقہ ہو گیا۔ کوئی بھلی بات زبان سے نکالی یہ صدقہ ہو گیا۔ ہر قدم جو نماز کے لئے اٹھایا وہ صدقہ ہو گیا اور اگر راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز پڑی دیکھی اور ہٹا دی وہ صدقہ ہو گئی۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ سبحان اللہ! اگر خدائے تعالیٰ نے اپنے ضعیف بندوں پر بہت سے صدقات واجب فرمائے تھے تو ان کی ادائیگی کی سبیل بھی کتنی آسان نکال دی ہے یعنی اس کی ہر ہر حرکت وسکون کو ایک ایک صدقہ بنا دیا ہے اس میں یہ تعلیم بھی مضمر ہے کہ انسان کو ایسا کامل ہو جانا چاہئے کہ اس کی حرکات وسکنات بہائم چوپائے کی طرح نہ رہیں بلکہ ان میں تقرب الی اللہ کی وہ روح پیدا ہو جائے کہ اگر وہ غنی نہ ہو تو بھی محض اپنے اعمال کی بدولت بے شمار صدقات کے ثواب کا مالک بن سکے۔ اس امت میں بزرگی کا معیار غناء وفقر نہیں انسان کے اعمال ہیں اور ان میں سب سے معمولی عمل یہ ہے کہ راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز دیکھے تو اسے ہٹا دے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَيْرَ اَنَّهَا تُؤْذِىْ جِيْرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ هِىَ فِى النَّارِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ فَاِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ قِلَّةُ صِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلٰوتِهَا وَاِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلَا تُؤْذِىْ بِلِسَانِهَا جِيْرَانَهَا قَالَ هِىَ فِى الْجَنَّةِ. (رواہ احمد والبیھقی فی شعب الایمان)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں بی بی کی نماز روزے اور صدقہ وخیرات کرنے کی بڑی شہرت اڑ رہی ہے مگر اس میں ایک عیب بھی ہے وہ یہ کہ اپنے ہمسایوں کو برا بھلا کہتی ہے فرمایا وہ دوزخ میں ہے پھر اس نے کہا یا رسول اللہ اور فلانی عورت کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ روزے، نماز، اور صدقہ خیرات اس کثرت کے ساتھ تو ادا نہیں کرتی صرف پنیر کے چند ٹکڑے راہ خدا میں دیدیتی ہے لیکن اس میں ایک بڑا ہنر یہ ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی فرمایا وہ جنت میں ہے۔ (احمد۔ بیہقی)

تشریح:۔ عام انسانوں کی نظروں میں جتنا اہتمام بدنی اور مالی عبادتوں کا ہوتا ہے اتنا معاملات اور حقوق العباد کا نہیں ہوتا۔ شریعت تنبیہ کرتی ہے کہ عبادت ایک بے نیاز کا حق ہے اور معاملات باہمی محتاج انسانوں کے حقوق اس لئے ان کا اہتمام زیادہ کرنا چاہئے۔ خدا کے فرائض کے بعد جو ان میں کوتاہی کرتا ہے اس کا معاملہ خطرہ میں ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلٰى نَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكَتُوْا فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى يَارَسُوْلَ اللهِ اَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ

خَیْرُکُمْ مَنْ یُرْجٰی خَیْرُہٗ وَیُؤْمِنُ شَرُّہٗ وَشَرُّکُمْ مَنْ لَا یُرْجٰی خَیْرُہٗ وَلَا یُؤْمَنُ شَرُّہٗ. (رواہ الترمذی والبیھقی)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے آپ وہاں آ کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا بولو کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ تم میں برا شخص کون ہے اور بھلا کون۔ راوی کہتا ہے صحابہؓ اس پر خاموش ہوگئے (اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا) تین بار آپ نے یہی فرمایا اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتائیے کہ ہم میں بھلا کون ہے اور برا کون۔ آپ نے فرمایا بھلا شخص تو وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی امید کی جائے اور برائی کا کوئی خطرہ بھی نہ کیا جائے اور بدترین وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی کوئی امید نہ ہو اور برائی کا ہر وقت خطرہ لگا رہے۔ (ترمذی۔ بیہقی)

تشریح:۔ اس روایت نے بھی انسانوں میں خیر اور شر کی تقسیم صرف نماز اور روزہ میں جدوجہد پر نہیں کی بلکہ مخلوق کی ایذاء رسانی اور ترک ایذاء رسانی پر کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نفل عبادتیں بے اثر رہتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخلوق کی ایذاء رسانی کے ساتھ ان کا جوہر نہیں کھلتا اگر کاش ان کے ساتھ خلق اللہ کی خیر خواہی بھی شامل ہو جائے تو ان کا جوہر کھلے۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُلِقَ کُلُّ اِنْسَانٍ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ عَلٰی سِتِّیْنَ وَثَلَاثِمِأَۃِ مِفْصَلٍ فَمَنْ کَبَّرَ اللّٰہَ وَحَمِدَ اللّٰہَ وَهَلَّلَ اللّٰہَ وَسَبَّحَ اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰہَ وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ شَوْکَۃً اَوْ عَظْمًا اَوْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهٰی عَنْ مُنْکَرٍ عَدَدَ تِلْکَ السِّتِّیْنَ وَالثَّلٰثِمِأَۃِ بِہٖ فَاِنَّہٗ یَمْشِیْ یَوْمَئِذٍ وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَہٗ عَنِ النَّارِ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنے انسان ہیں ان سب کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ بنائے گئے ہیں (ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے) تو جس نے اللہ اکبر کہا، یا الحمدللہ، یا لا الہ الا اللہ، یا سبحان اللہ، یا استغفر اللہ کہا یہ ایک ایک صدقہ شمار ہو جاتا ہے اسی طرح جس نے لوگوں کے راستہ سے کوئی پتھر ہٹا دیا یا کانٹا یا کوئی ہڈی ہٹا دی یا نیک بات کہدی یا بری بات سے روک دیا غرض اسی تین سو ساٹھ کے عدد کے مطابق یہ عمل کر دیئے تو وہ اس دن زمین پر اس حال میں چلتا پھرے گا کہ اپنی جان کو دوزخ کے عذاب سے دور کر چکا ہوگا۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُکَ فِیْ وَجْہِ اَخِیْکَ صَدَقَۃٌ وَاَمْرُکَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃٌ وَنَهْیُکَ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ وَاِرْشَادُکَ الرَّجُلَ فِیْ اَرْضِ الضَّلَالِ لَکَ صَدَقَۃٌ وَنَصْرُکَ الرَّجُلَ الرَّدِیَٔ الْبَصَرِ لَکَ صَدَقَۃٌ وَاِمَاطَتُکَ الْحَجَرَ وَالشَّوْکَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِیْقِ لَکَ صَدَقَۃٌ وَاِفْرَاغُکَ مِنْ دَلْوِکَ فِیْ دَلْوِ اَخِیْکَ لَکَ صَدَقَۃٌ. (رواہ الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر ذرا سا مسکرا دینا بھی صدقہ ہے، کوئی نیک بات کہدینی بھی صدقہ ہے۔ تمہارا کسی کو بری بات سے روک دینا بھی صدقہ ہے کسی بے نشان زمین میں کسی کو راستہ بتا دینا بھی تمہارے لئے صدقہ ہے جس شخص کی نظر کمزور ہو اس کی مدد کر دینا بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، کانٹا اور ہڈی کا ہٹا دینا بھی تمہارے لئے ایک صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی ایک صدقہ ہے۔ (ترمذی شریف)

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَۃٌ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ یَجِدْ قَالَ فَلْیَعْمَلْ بِیَدَیْہِ فَیَنْفَعُ نَفْسَہٗ وَیَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ اَوْلَمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُعِیْنُ ذَاالْحَاجَۃِ الْمَلْھُوْفِ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ یَفْعَلْہُ قَالَ فَیَأْمُرُ بِالْخَیْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُمْسِکُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّہٗ لَہٗ صَدَقَۃٌ۔ (متفق علیہ)

ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے لوگوں نے پوچھا اگر اس کے پاس صدقہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو کیا کرے فرمایا اپنے ہاتھوں سے محنت مزدوری کرے اور اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے لوگوں نے عرض کیا اگر یہ کرنے کی طاقت نہ رکھے یا استطاعت کے باوجود نہ کرے تو فرمایا کسی غمزدہ محتاج کی مدد ہی کردے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو نیک بات ہی کہدے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے، فرمایا تو (کم ازکم) کسی نقصان رسانی سے ہی باز رہے کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں ایک قسم کا صدقہ شمار ہوگا۔ (متفق علیہ)

ایک دوسرے کو سلام کرنا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا

عَنْ اَبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔ (رواہ البخاری ومسلم وغیرھم)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اسلام میں سب سے بہتر عمل کیا ہے فرمایا (بھوکوں کو) کھانا کھلانا اور آشنا ہو یا نا آشنا سب کو سلام کرنا۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ ایک گذشتہ حدیث میں آپ کو ہجرت کی ایک وسیع شاہراہ بتائی گئی تھی یہاں اسلام کے دو اور وسیع گوشے بتادیئے گئے ہیں یعنی اطعام طعام (بھوکوں کو کھانا کھلانا) اور افشاء سلام یعنی (باہم سلام کا رواج دینا) اطعام طعام میں اتنی وسعت ہے کہ اس میں نہ کسی وقت کی کوئی قید ہے اور نہ مسلمان و کافر کی تفصیل یہاں تک کہ انسان و حیوان کی بھی کوئی تفصیل نہیں۔ اسی طرح افشاء سلام میں بھی تعارف یا عدم تعارف کا کوئی لحاظ نہیں۔ یوں تو اسلام میں ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم شعبے موجود ہیں لیکن عرب کے اس ماحول میں ان دو کی اہمیت زیادہ محسوس کی گئی تھی کیونکہ ان کی شب و روز قتل و غارت نے انسانوں کو ایسا خوف زدہ بنادیا تھا کہ جب کوئی اجنبی شخص کسی سے ملتا تو وہ اس کو موت کا ایک فرشتہ نظر آتا اور جب تک اس کی جانب سے پورا اطمینان حاصل نہ ہوجاتا اس سے خوف زدہ ہی رہتا تھا اسلام نے آکر یہ تعلیم دی کہ خوف و ہراس کا دور ختم ہوا اب سلامتی و امن کا زمانہ آگیا ہے اور اس کے اعلان کرنے کے لئے سب سے پہلے لفظ سلام مقرر کیا تاکہ پہلی ملاقات ہی میں یہ بات صاف ہوجائے کہ اب میں تمہارے لئے صدائے موت نہیں رہا پیغام سلامتی بن گیا ہوں اور اس لفظ کو چلتے پھرتے اس کثرت سے استعمال کرنے کا حکم دیا کہ خوف دنیا کے پردہ سے اٹھ جائے اور سلامتی کی برکتیں چاروں طرف سے گھیر لیں۔ ملاقات کے وقت ہر قوم کا ایک شعار ہوتا ہے اسلام نے پیغام سلامتی کو اپنا شعار مقرر کرلیا ہے۔ ابن عمرؓ اس حکم کی تعمیل میں اتنی شدت کرتے کہ صرف افشاء سلام کی خاطر بازار در بازار، کوچہ در کوچہ پھرتے اور لوگوں کو سلام کر کر کے اپنے گھر واپس آجاتے تھے۔

رہی اطعام طعام کے ارشاد کی تعمیل تو وہ بھی اس گرمجوشی سے کی گئی کہ جو اپنے پاس اپنے بچوں کی صرف ایک وقت کی خوراک رکھتا تھا اس نے بھی خود بھوکا سو رہنا اور ان کی خوراک دوسروں کو کھلا دینا پسند کرلیا۔ آیۃ ویوثرون علی انفسھم میں اسی قسم کی ایثار پیشہ جماعت کا ذکر کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن سلام جب اسلام کی تلاش میں مدینہ پہنچے ہیں تو سب سے پہلے جو کلمات نصیحت انہوں نے آپ کے دہن مبارک سے سنے وہ یہی افشاء سلام اور اطعام طعام کے کلمات تھے نیز آپ کے ایک بہت اہم خواب میں جن اعمال کو رفع درجات کا موجب بتایا گیا تھا ان میں سب سے درخشاں عمل اسی افشاء سلام اور اطعام طعام کو قرار دیا گیا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مخلوق کی ہمدردی اور باہمی مساوات کا جذبہ صرف جبر واکراہ کی راہ سے پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے دماغی تربیت اور عملی ٹریننگ کی بھی ضرورت ہے اس لئے اسلام نے لوگوں کو اپنی قوت بازو سے کمایا ہوا مال ان سے زبردستی چھین کر دوسروں کے حوالہ کر دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ ایک طرف تو کچھ حقوق فرض و واجب قرار دیدیئے ہیں اور ان کا اداء کرنا ہر شخص پر طوعاً وکرہاً لازم کر دیا ہے دوسری طرف اسی کے ہم جنس بہت سے اور حقوق رکھ دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس پر لازم قرار نہیں دیا بلکہ صرف ان کی ترغیب دیکر ان کو اس کی خوشی پر چھوڑ دیا ہے اس کا مقصد دراصل یہ آزمائش کرنی ہے کہ فرض و واجبات کی اس عملی ٹریننگ کے بعد اب اس کی فطرت میں انفاق وایثار کی کتنی اسپرٹ پیدا ہوگئی ہے اور کسی کے جبر واکراہ کے بغیر اب وہ اپنی خوشی سے دوسروں کی ہمدردی کا کتنا عادی بن چکا ہے۔

اسلام کے یہ دو مختصر شعبے اجتماعی حیات کے لئے دو اہم رکن ہیں اگر تنہا خوری اور ترک سلام کی مغرورانہ عادتیں آج بھی چھوڑ دی جائیں تو ہماری اجتماعی حیات کے چمن میں نفاق اور شقاق کے بجائے پھر گلہائے انس ومحبت کھل سکتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ اَوَّلُ مَا قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوْا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوْا الطَّعَامَ وَصِلُوْا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواہ الترمذی)

عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت میں نے آپ کا چہرۂ مبارک دیکھا اسی وقت پہچان گیا کہ یہ چہرہ تو کسی جھوٹے شخص کا ہو نہیں سکتا جو سب سے پہلی بات اس وقت آپ نے فرمائی وہ یہ تھی لوگو باہم خوب سلام کیا کرو محتاجوں کو کھانے کھلایا کرو۔ رشتہ داری کے تعلقات میں حسن سلوک کی رعایت رکھا کرو اور جب لوگ سوتے پڑے ہوں تو تم راتوں کو نمازیں پڑھا کرو جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی وغیرہ)

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَاَطْعِمُوْا الطَّعَامَ وَاَفْشُوْا السَّلَامَ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمٰن کی عبادت کیا کرو اور محتاجوں کو کھانے کھلایا کرو اور کسی تعارف کے بغیر ایک دوسرے کو سلام کیا کرو، جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

تشریح:۔ یہاں عبادت کے ساتھ رحمٰن کا اسم مبارک اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ چند حقیر اعمال کے ساتھ جنت جیسی بے بہا متاع کا ہاتھ آ جانا رحمت ہی کا کرشمہ ہوسکتا ہے۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکۃ اللہ اہل جنت کو سلام کرینگے اور اہل جنت بھی باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے حتیٰ کہ رب العزت بنفس قدسی اہل جنت کیلئے ان کو سلام فرمائے گا۔ جو لوگ اس روش کو دنیا میں قائم کرتے ہیں وہ یہاں بھی اہل جنت کے قدم پر ہیں اور فردائے قیامت میں خدائے تعالیٰ کی جنت میں داخل ہوں گے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْاِيْمَانُ فَقَالَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَبَذْلُ السَّلَامِ. (رواه الشيخان)

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایمان کی باتیں کیا کیا ہیں ارشاد فرمایا کھانا کھلانا اور کسی تعارف کے بغیر سلام کرنا (بخاری مسلم)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ فَقِيْلَ مَا بِرُّ الْحَجِّ قَالَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَطِيْبُ الْكَلَامِ. (اخرجه احمد)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج مبرور کا بدلہ جنت کے سواء اور کچھ نہیں پھر آپ سے پوچھا گیا حج مبرور میں نیک کام کیا ہیں فرمایا کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا۔ (مسند احمد)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اِذَا رَأَيْتُكَ طَابَتْ نَفْسِیْ وَقَرَّتْ عَيْنِیْ فَاَنْبِئْنِیْ عَنْ كُلِّ شَیْءٍ قَالَ كُلُّ شَیْءٍ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ قُلْتُ اَنْبِئْنِیْ بِشَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (اخرجه الامام احمد)

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری حالت یہ ہے کہ جب آپ کو دیکھ لیتا ہوں تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں مجھے یہ تو بتا دیجئے کہ یہ تمام مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی ہے فرمایا پانی سے پھر میں نے عرض کیا اچھا مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جسے میں کرلوں تو یقیناً جنت میں داخل ہو جاؤں فرمایا رحمٰن کی عبادت کر (لوگوں کو) خوب کھانے کھلایا کر، اور باہم ایک دوسرے کو کسی تعارف کے بغیر سلام کیا کر اور پھر جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (مسند احمد وغیرہ)

تشریح:۔ اس قسم کی حدیثوں کی اصل روح یہ ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ جنت تم سے کہیں بہت دور ہے، وہ تم سے صرف چند قدم کے فاصلہ پر ہے، قدم اٹھاؤ اور بڑے اطمینان کے ساتھ اس میں چلے جاؤ۔ مگر واضح رہے کہ یہ چند قدم بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جامع ہیں۔ پہلا قدم حقوق اللہ سے متعلق ہے۔ اور آخر کے دو قدم حقوق العباد سے جس نے یہ دو قدم اٹھالئے سمجھو کہ اس نے تمام حقوق اداء کر دیئے اور جس نے حقوق العباد اور حقوق اللہ ادا کر دیئے وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ معلوم رہے کہ عمل کوئی بھی ایسا نہیں جس کے صلہ میں جنت جیسی متاع بے بہا کا ملنا ضروری ہو، البتہ رحمت خداوندی نے معمولی معمولی اعمال پر جنت کا وعدہ کر کے اپنی جنت کو ارزاں کر دیا ہے اور اسی وعدہ کے بھروسہ پر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کی جرأت کی ہے۔

عَنْ مِيْنَاءَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ اَحْسِبُهُ مِنْ قَيْسٍ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِلْعَنْ حِمْيَرَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللهُ حِمْيَرَ اَفْوَاهُهُمْ سَلَامٌ وَاَيْدِيْهِمْ طَعَامٌ وَهُمْ اَهْلُ اَمْنٍ وَاِيْمَانٍ. (رواه احمد والترمذی)

میناء روایت کرتے ہیں کہ میں نے یہ بات ابو ہریرہ کو فرماتے خود سنا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جہاں تک میرا گمان ہے وہ قبیلہ قیس کا آدمی معلوم ہوتا تھا، اس نے کہا یا رسول اللہ قبیلہ حمیر پر لعنت فرمائے، آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیرلیا وہ دوسری طرف سے پھر آیا، آپ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیرلیا۔ وہ تیسری طرف سے پھر آیا آپ نے پھر منہ پھیرلیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ قبیلہ حمیر پر رحم فرمائے ان کے منہ پر السلام علیک کا لفظ رہتا ہے، ان کے ہاتھ غریبوں کو کھانا کھلانے میں مشغول رہتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو بڑے امن و ایمان والے ہیں۔ (مسند احمد و ترمذی) (سبحان اللہ خاتم المرسلین کیسی رحمت مجسم بن کر آئے لوگ ان سے لعنتوں کی درخواست کرتے تھے وہ رحمتوں کی دعائیں کردیتے تھے۔)

عَنْ هَانِئٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اَخْبِرْنِیْ بِشَیْءٍ يُوْجِبُ الْجَنَّةَ قَالَ عَلَيْکَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ وَبَذْلِ الطَّعَامِ. اخرجه البخاری فی الادب المفرد والحاكم عن هانئ ابی شریح قال الحاكم صحیح ولا علة له وعلته عندهما ان هانئا ليس له را وغير ابنه لكن له نظائر عندهما واقره الذهبی وقال الحافظ العراقی فی اماليه حديث حسن واخرج ابن ابی شيبة واحمد والطبرانی والخرائطی والبيهقی بلفظ ان من موجبات المغفرة بذل السلام وحسن الكلام قال العراقی اسناده جيد وقال الهيثمی رجال احمد رجال الصحيح.

ام ھانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل ارشاد فرمایئے جو جنت کا یقینی سبب ہو، فرمایا نرم گفتگو کرنا اور خدا کی راہ میں کھانے کھلانا۔ (مسند احمد وغیرہ)

عَنْ عَمْرِوبْنِ عَبَسَةَ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ مَاالْاِسْلَامُ قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ فَقُلْتُ مَا لْاِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ قُلْتُ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ قُلْتُ اَیُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ. (رواه احمد)

عمرو بن عبسہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کیا چیز ہے فرمایا نرم گفتگو کرنا، اور خدا تعالیٰ کی راہ میں کھانا کھلانا، میں نے عرض کیا اچھا ایمان کیا ہے فرمایا صبر کرنا اور سخاوت کرنا پھر میں نے پوچھا کونسا اسلام افضل ہے فرمایا جس شخص کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان تکلیف نہ اٹھائیں، میں نے پوچھا اور ایمان کونسا افضل ہے فرمایا اعلیٰ اخلاق۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ حسن بصریؒ صبر وسماحت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صبر سے مراد ان باتوں پر صبر کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے اور سماحۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ذوق وشوق اور فراخ دلی کے ساتھ ادا کرنا۔

عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ غُرَفًا یُرٰی ظَاھِرُھَا مِنْ بَاطِنِھَا وَبَاطِنُھَا مِنْ ظَاھِرِھَا اَعَدَّاللّٰہُ لِمَنْ اَلَانَ الْکَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّیَامَ وَصَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان وروی الترمذی عن علی نحوہ)

ابو مالک اشعری بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں بہت سے بالا خانے ایسے ہیں جو اتنے شفاف ہوں گے کہ ان کا بیرونی حصہ اندرونی حصہ سے اور ان کا اندرونی حصہ بیرونی حصہ سے نظر آئیگا ان کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو نرم گفتگو کے عادی ہوں، کھانے کھلائیں، پے درپے روزے رکھا کریں اور جب شب میں اور لوگ غفلت کی نیند سوتے رہیں تو یہ نمازیں پڑھا کریں۔ (شعب الایمان)

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (فی قصتہ) قَالَ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ تَسْلِیْمُ الْخَاصَّۃِ وَفُشُوُّ التِّجَارَۃِ حَتّٰی تُعِیْنَ الْمَرْاَۃُ زَوْجَھَا عَلَی التِّجَارَۃِ وَقَطْعُ الْاَرْحَامِ وَفُشُوُّ الْقَلَمِ وَظُھُوْرُ الشَّھَادَۃِ بِالزُّوْرِ وَکِتْمَانُ شَھَادَۃِ الْحَقِّ۔ (رواہ البخاری فی الادب المفرد)

عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے قیامت سے قبل منجملہ اور علامات کے چند یہ علامات بھی ضروری ہیں۔ سلام کا رواج خاص خاص دائروں میں محدود ہو جانا۔ تجارت کا اتنا عام طور پر رواج پا جانا کہ بی بی بھی اس میں اپنے شوہر کی مدد کرنے لگے۔ اہل و نا اہل سب کا قلم چل پڑنا۔ جھوٹی شہادت ادا کرنے میں بہادر بن جانا اور سچی شہادت کا اخفاء کرنا۔ (الادب المفرد)

تشریح:۔ یوں تو ان علامات میں ایک ایک علامت اپنی اپنی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک معجزہ ہے ان میں سے شہادت کا حال جس درجہ ابتر ہو چکا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے باہم رشتہ و ناتہ کے تعلقات ختم ہو ہی چکے ہیں تجارت کیلئے عورتیں صرف مددگار کی حیثیت سے ہی نہیں نکل پڑیں بلکہ ساہوکار کی حیثیت سے مستقل تاجر بنی بیٹھی نظر آ رہی ہیں تصنیف کا تو یہ حال ہو چکا ہے کہ اس کے لئے علم کی بھی کوئی قید نہیں رہی بس جس نے چند ناول لکھ لئے وہ انشاء پردازوں کی فہرست میں داخل ہو گیا۔ اب قرآن و حدیث میں بھی اسی کا قلم معتبر ہوتا ہے۔ لیکن ان سب میں اہم ہمارے موضوع کے مناسب آپ کی وہ پیشگوئی ہے جو سلام کے بارے میں پوری ہو رہی ہے یعنی اب سلام کی بنیاد رشتہ اسلامی کی بجائے صرف سوسائٹی پر رہ گئی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ اپنی سوسائٹی کے سوا دوسری سوسائٹی کو سلام کرنا ختم ہو گیا ہو بلکہ ایک اخلاقی جرم شمار ہونے لگا ہے حتیٰ کہ ایسا سلام کرنے والا شخص جواب کا مستحق بھی نہیں سمجھا جاتا اور جس مختصر طبقہ میں سلام کی یہ سنت رہ بھی گئی ہے اس میں بھی سلام کا وہ طریقہ نہیں رہا جو اسلام نے تعلیم کیا تھا بلکہ اس کے کچھ اور نئے نئے طریقے رواج پا گئے۔ الا ماشاء اللہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یُّسَلِّمَ الرَّجُلُ عَلَی الرَّجُلِ لَا یُسَلِّمَ اِلَّا بِمَعْرِفَۃٍ۔ (رواہ احمد)

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں علامات قیامت میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو سلام صرف

اپنے تعارف کی بنیاد پر کرے گا (نہ کہ اسلامی اخوت کی بنا پر)۔ (مسند احمد)

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ السَّلَامَ اِسْمٌ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَضَعَہُ اللّٰہُ فِی الْاَرْضِ فَافْشُوْا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ. (رواہ البخاری فی الادب المفرد)

انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں ایک اسم مبارک ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں نازل فرمایا ہے لہٰذا تم لفظ السلام کا باہم بکثرت استعمال کیا کرو۔ (الادب المفرد)

عَنْ عَائِشَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا حَسَدَکُمُ الْیَھُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ مَا حَسَدَکُمْ عَلَی السَّلَامِ وَالتَّاْمِیْنَ. (رواہ البخاری فی الادب المفرد)

حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ یہود تم پر جتنا حسد سلام اور آمین کے بارے میں کرتے ہیں اتنا کسی اور بات پر نہیں کرتے۔ (ادب المفرد)

تشریح:۔ سلام کے فضائل کچھ آپ پڑھ چکے۔ رہ گیا کلمہ آمین تو اس کی ایک مختصر فضیلت یہ ہے کہ نماز میں امام اور مقتدیوں کی آمین اگر بیک وقت ادا ہو جاتی ہے تو قدرت کو یہ اجتماعی ادا اتنی محبوب ہوتی ہے کہ اس کی رحمت کا دریا بے توقف جوش میں آجاتا ہے اور سب کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ یہود امت محمدیہ کے لئے یہ فضائل دیکھ دیکھ کر اپنی حاسدانہ خصلت کی بنا پر جلا ہی کرتے تھے اس کے سوا بھی ان کے جلنے کے کچھ اور اسباب بھی تھے بہر حال آپ نے متنبہ کیا کہ امت محمدیہ ان خصائل کو ہلکا نہ سمجھے یہ خصائل دوسری امتوں کے لئے قابل حسد ہیں۔

اَخْبَرَ الطُّفَیْلُ بْنُ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّہٗ کَانَ یَاْتِیْ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عُمَرَؓ فَیَغْدُوْا مَعَہٗ اِلَی السُّوْقِ لَمْ یَمُرَّ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عُمَرَ عَلٰی سُقَّاطٍ وَلَا صَاحِبِ بَیْعَۃٍ وَلَا مِسْکِیْنٍ وَلَا اَحَدٍ اِلَّا یُسَلِّمُ عَلَیْہِ قَالَ الطُّفَیْلُ فَجِئْتُ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عُمَرَ یَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِیْ اِلَی السُّوْقِ فَقُلْتُ مَا تَصْنَعُ بِالسُّوْقِ وَاَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَی الْبَیْعِ وَلَا تَسْئَلُ عَنِ السِّلَعِ وَلَا تَسُوْمُ بِھَا وَلَا تَجْلِسُ فِیْ مَجَالِسِ السُّوْقِ فَاجْلِسْ بِنَا ھٰھُنَا نَتَحَدَّثُ فَقَالَ لِیْ عَبْدُاللّٰہِ یَا اَبَابَطْنٍ وَکَانَ الطُّفَیْلُ ذَابَطْنٍ اِنَّمَا نَغْدُوْا مِنْ اَجْلِ السَّلَامِ عَلٰی مَنْ لَقِیْنَا. (رواہ البخاری)

طفیل بیان کرتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں آیا کرتے وہ ان کو صبح صبح اپنے ہمراہ بازار لیجاتے جس خوردہ فروش یا تاجر یا مسکین یا اور کسی شخص پر بھی ان کا گذر ہوتا وہ اس کو ضرور سلام کر لیتے۔ طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ پھر حسب دستور مجھے بازار لے جانے لگے میں نے کہا آپ بازار جا کر کیا کریں گے نہ تو آپ کسی خرید و فروخت کے لئے کہیں کھڑے ہوتے ہیں اور نہ کسی چیز کے متعلق کچھ دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ پوچھتے ہیں اور نہ بازار کی کسی اور مجلس ہی میں بیٹھتے ہیں۔ پھر آیئے یہاں بیٹھ کر ہم کچھ باتیں ہی کریں۔ اس پر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا اے ابو بطن (اس کنیت سے ان کو اس لئے خطاب فرمایا کیونکہ ان کا پیٹ ذرا بھاری تھا) ہم (صبح کو اس لئے بازار نہیں جاتے جس کے لئے تو نے سمجھا) ہم تو صرف اس لئے جاتے ہیں کہ جس سے ملاقات ہو جایا کرے اس کو سلام کر لیا کریں۔ (الادب المفرد)

شرم وحیاء کرنا

حیاء کی دوقسمیں ہیں ایک خلقی، دوم کسبی۔ پہلی قسم پیدائشی اخلاق میں شمار ہے اس میں انسان کے کسب واکتساب کو کچھ دخل نہیں ہوتا لیکن حیاء وشرم چونکہ ایسی صفت کا نام ہے جو بلند اخلاق کی محرک ہوتی ہے اور رذیل اخلاق سے روکتی ہے اس لحاظ سے اس فطری صفت کو بھی ایمان کا ایک جزء شمار کرلیا گیا ہے۔ عمران بن حصین کی حدیث **"الحیاء لایاتی الا بخیر"** میں اسی فطری حیاء کا ذکر ہے۔ یعنی یہ صفت خلقۃً بھلی باتوں ہی کی محرک ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو بڑے ریاضات اور مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی عظمت وجلال، اس کا بندوں سے قرب اور ان کے احوال پر پورے علم کے استحضار کا ثمرہ ہوتی ہے۔ یہ ایمان بلکہ مرتبہ احسان کا بھی اعلیٰ درجہ ہے اس کی طرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اشارہ ہے جو چند حدیثوں کے بعد آپ کے سامنے آرہی ہے۔ (جامع العلوم)

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَھُوَ یَعِظُ فِی الْحَیَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْہُ فَاِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ. (متفق علیہ)

ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے پاس سے گذرے وہ اس کو زیادہ شرم کرنے پر سمجھا رہا تھا (کہ زیادہ شرم نہ کرنی چاہئے) آپ نے فرمایا رہنے دے (اور اسے غلط نصیحت نہ کر) کیونکہ شرم کرنا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَاءُ لَا یَأْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ وفی روایۃ الْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ. (متفق علیہ)

عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرم کا نتیجہ بہتر ہی بہتر نکلتا ہے اور ایک روایت میں ہے شرم وحیاء تو سب ہی بہتر ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ. (رواہ البخاری)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی نبوتوں کی جو صحیح اور غیر منسوخ باتیں لوگوں تک پہنچی ہیں ان میں ایک متفق علیہ بات یہ ہے کہ جب شرم وغیرت باقی نہ رہے تو پھر جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو۔ (بخاری)

تشریح: یعنی جب انسان میں نہ حیاء مکتسب ہو نہ فطری حیاء تو اب اسے ذلیل حرکات اور برے کام کے کرنے سے کوئی امر مانع نہیں رہتا۔

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ اَلْحَیَاءُ ویروی والتَّعَطُّرُ وَالْمِسْوَاکُ وَالنِّکَاحُ. (رواہ الترمذی)

ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں رسولوں کے طریقے میں داخل ہیں شرم وحیاء (اور ایک روایت میں ختنہ کرنا ہے) خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ (ترمذی)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ

فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ. (رواه احمد والترمذی)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیاء وشرم ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور ایمان کا نتیجہ جنت ہے اور بے حیائی وفحش کلامی درشتی فطرت سے ناشی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔ (احمد، ترمذی)

تشریح:۔ انسان جنت یا دوزخ تک یک بارگی نہیں پہنچتا بلکہ درمیان میں کچھ اعمال کا سلسلہ بھی ہوتا ہے۔ اس میں ایک عمل دوسرے عمل کے ساتھ اسی طرح وابستہ ہوتا ہے جس طرح زنجیر کی کڑیاں۔ ایک سلسلہ کی ابتداء کچھ ہوتی ہے اور انتہاء کچھ، شریعت اس سلسلہ کو بتا کر یہ تنبیہ کر دیتی ہے کہ بہت سے اعمال دیکھنے میں تو معمولی ہوتے ہیں مگر وہ کسی ایسے سلسلہ کی کڑی ہوتے ہیں جس کا منتہٰی جنت یا دوزخ ہوتا ہے اس لئے ان کو معمولی نہ سمجھنا چاہئے۔ حیاء وشرم بھی اسی قسم کی ایک کڑی ہے جو بظاہر معمولی ہے اور در اصل بہت اہم ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ. (رواه مالک مرسلا وابن ماجة والبيهقی فی شعب الايمان)

زید بن طلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین کا ایک نہ ایک اخلاق ممتاز ہوتا ہے۔ ہمارے دین کا ممتاز اخلاق شرم کرنا ہے۔ (مالک)

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيْمَانَ قُرِنَا جَمِيْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ وفی رواية ابن عباس فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْاٰخَرُ (رواه البيهقی فی شعب الايمان)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء اور ایمان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں جب ان میں ایک اٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ جب ان میں ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ حمید بن زنجویہ نے کتاب الادب میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے الحياء والايمان فی قرن فاذا نزع الحياء تبعه الأخر. (جامع ص ۱۴۴) حیاء وایمان دونوں کے ہونے کی صورت میں ایک کے اٹھ جانے سے دوسرے کا اٹھ جانا تو حدیثوں میں آتا ہے مگر دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک کے آجانے سے دوسرے کا آجانا اب تک کسی حدیث میں ہماری نظر سے نہیں گذرا بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصد مومن کو شرم وحیاء کی ترغیب دینا ہے اور بے حیائی کی صورت میں اس امر سے ڈرانا ہے کہ کہیں اصل متاع ایمانی بھی اس کے ہاتھوں سے کھوئی نہ جائے اس کے لئے بھی یہی تعبیر مناسب تھی صرف ایمان وحیاء کا وجوداً وعدماً فلسفہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے تاکہ محض فلسفیانہ پہلو سے اس کا دوسرا رخ بھی زیر بحث لایا جاتا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْفُحْشُ فِيْ شَيْئٍ اِلَّا شَانَهٗ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِيْ شَيْئٍ اِلَّا زَانَهٗ. (رواه الترمذی)

انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فحش اور بے حیائی جس چیز میں بھی پیدا ہو جائے اسے عیب دار اور

16

بدنما کردیتی ہے اور شرم وحیاء جس چیز میں پیدا ہو جائے اسے خوشنما بنا دیتی ہے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ رکنیت کی حیثیت صرف ان اعمال کو حاصل ہو سکتی ہے جن کا انضباط اور صحیح اندازہ ممکن ہو۔ حیا اور دیگر اخلاقیات چونکہ پورے طور پر منضبط نہیں ہو سکتے، اس لئے ان کو رکن قرار نہیں دیا گیا باوجودیکہ ان کی اہمیت ظاہر ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۹۲)

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ الْحَيَاءَ فَاِذَا نُزِعَ مِنْهُ الْحَيَاءُ لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْاَمَانَةُ فَاِذَا اُنْزِعَتْ مِنْهُ الْاَمَانَةُ لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ فَاِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْاِسْلَامِ. (رواہ ابن ماجہ)

ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمالیتا ہے تو پہلے اس سے حیاء وشرم چھین لیتا ہے جب اس میں شرم وغیرت نہیں رہتی تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور مبغوض بن جاتا ہے جب اس کی حالت اس نوبت کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس سے امانت کی صفت بھی چھین لی جاتی ہے جب اس میں امانت داری نہیں رہتی تو وہ خیانت درخیانت میں مبتلا ہونے لگتا ہے اس کے بعد اس سے صفت رحمت اٹھالی جاتی ہے پھر تو وہ پھٹکارا ہوا مارا مارا پھرنے لگتا ہے جب تم اس کو اس طرح مارا مارا پھرتا دیکھو تو وہ وقت قریب آجاتا ہے کہ اب اس سے رشتہ اسلام ہی چھین لیا جائے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ سبحان اللہ۔ حیاء بھی اسلام کا کتنا اہم شعبہ ہے جس کے نزع کا نتیجہ سلب اسلام بھی نکل سکتا ہے مگر یہ نتیجہ یکلخت نہیں نکلتا بلکہ اس کے درمیان میں بہت سی کڑیاں ہیں ہر بعد کی کڑی پہلی سے شدید تر ہے جو پہلی کڑی کو پکڑ لیتا ہے اس کے لئے دوسری کا پکڑنا بھی لازم ہو جاتا ہے اور اس تدریجی تنزل کی وجہ سے اس کو اپنے امروز وفردا کے تنزل کا احساس بھی نہیں ہوتا حتیٰ کہ شدہ شدہ وہ اسلام کے خصوصی صفات سے خالی ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک دن وہ آجاتا ہے کہ اسلام کا عروۂ وثقیٰ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگر حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالو تو ایمان سے قبل تم کو تین صفتوں کا ذکر ملے گا۔ حیاء، امانت، رحمت۔ ان کے بعد اسلام کا نمبر ہے۔ ان صفتوں میں حیاء وامانت کا اسلام سے بہت گہرا ربط ہے اس کا تذکرہ اور مختلف حدیثوں میں بھی آیا ہے، اب رہ گئی رحمت تو یہ وہ آخری صفت ہے کہ جو اس سے محروم ہو گیا سمجھ لو کہ اس کے پلے اب کچھ نہیں رہا۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ اَسْتَحْيِيْ اَنْ اَسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ اِبْنَتِهٖ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهٗ وَيَتَوَضَّأُ. (متفق علیہ)

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شخص تھا جس کے مذی بڑی کثرت سے خارج ہوتی تھی چونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں اس لئے آپ سے براہ راست مسئلہ پوچھنے سے تو مجھے حیاء دامنگیر ہوئی اس لئے میں نے مقداد سے کہا کہ تم اس کا مسئلہ دریافت کرلو انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا صرف عضو خاص کو دھو کر وضو کر لینا کافی ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ اتنی شرم جو اہل مروت میں کمال شمار ہو اور مسئلہ معلوم کرنے میں حائل بھی نہ ہو قابل مدح ہے اور وہ شرم جو اہل دنیا کی رسم میں داخل ہو اور شرعی حکم معلوم کرنے سے مانع ہو جائے قابل مذمت ہے۔ اسلام نے بیبا کی اور گستاخی کی تعلیم بھی نہیں دی اور ادب و تعظیم میں اتنے غلو سے بھی روکا ہے جو انسان کو عبادت کے قریب کر دے اور افراط و تفریط کی دونوں راہوں سے بچا کر اس کے لئے متوسط حدود مقرر کر دی ہیں جن سے اخلاقیات کی پوری پوری تکمیل ہو جاتی ہے۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَأَتِ الْمَاءَ. (متفق علیه)

ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ ام سلیم نے پوچھا یا رسول اللہ دین کی بات بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی شرم نہیں کرتا (فرمایئے) اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر بھی غسل فرض ہے آپ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ منی دیکھ لے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ یہاں ام سلیم نے جس جملہ سے اپنے سوال کی ابتداء کی ہے وہ قرآن کریم کی ایک آیت بھی ہے اور ان کے آئندہ سوال کے ایک مناسب تمہید بھی یہ عرب کی فطری بلاغت تھی کہ اتنے مختصر جملے، پھر اتنے زوردار کہ اس پر اعتراض کی کسی کو گنجائش بھی نہ ہو۔ جو حیاء حقوق اللہ یا حقوق العباد میں تقصیر کا موجب ہو وہ حیاء نہیں وہ ضعف اور بزدلی ہے وہ عجز اور احساس کمتری ہے۔

اَنَسٍ قَالَ جَاءَ تْ اِمْرَاَةٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْرِضُ عَلَيْهِ نَفْسَهَا فَقَالَتْ هَلْ لَكَ حَاجَةٌ فِيَّ فَقَالَتْ اِبْنَتُهٗ مَا اَقَلَّ حَيَاءَ هَا فَقَال هِيَ خَيْرٌ مِنْكِ عَرَضَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسَهَا. (رواه البخاری)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہ اپنے آپ کو آپ کے نکاح کے لئے پیش کرنا چاہتی تھیں وہ بولیں، کیا میرے معاملہ میں آپ کچھ غور فرما سکتے ہیں؟ یہ سن کر انسؓ کی صاحبزادی کہنے لگیں یہ عورت کیسی بے شرم ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا تجھ سے تو زیادہ سعادت مند ہے اپنے نفس کو خدا کے رسول کی خدمت ہی کے لئے تو پیش کر رہی ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ شرم و حیاء میں اپنے اپنے ملک کے رسم و رواج کے لحاظ سے بڑا فرق ہوتا ہے پھر زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی تہذیب بھی بدلتی رہتی ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانوں کے مزاجوں میں بڑا تفاوت ہوتا ہے جہاں تک شرعی حدود نہ ٹوٹیں اس بارے میں شریعت نے پوری آزادی دی ہے یہاں کسی کو کسی پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اگر ایک عورت کسی عام شخص سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کر سکتی ہے تو اس عورت پر کسی کو اعتراض کا کیا حق تھا جس نے اپنے حق میں سب سے بڑی سعادت حاصل کرنے کا اردہ کیا تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نِعَمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ اَنْ يَّتَفَقَّهْنَ فِي الدِّيْنِ. (رواه البخاری)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ انصار کی عورتیں بھی کیا خوب عورتیں ہوتی ہیں جنکو دین کے مسائل سیکھنے میں ذرا شرم دامنگیر نہیں ہوتی۔ (بخاری)

حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ عَوْرَاتُنَا مَانَأْتِيْ مِنْهَا وَمَا نَذَرُ

قَالَ اِحْفَظْ عَوْرَتَکَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِکَ اَوْمِنْ مَامَلَکَتْ یَمِیْنُکَ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِذَا کَانَ الْقَوْمُ بَعْضُھُمْ فِیْ بَعْضٍ قَالَ اِنْ اسْتَطَعْتَ اَنْ لَایَرَاھَا اَحَدٌ فَلَا تُرِیَنَّھَا قَالَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اِذَا کَانَ اَحَدُنَا خَالِیًا قَالَ فَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ یُسْتَحْیٰ مِنَ النَّاسِ۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن.)

بہز بن حکیم اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا نبی اللہ ہم اپنے ستر کا کونسا حصہ کھول سکتے ہیں اور کونسا نہیں کھول سکتے، آپ نے فرمایا اپنا ستر چھپاؤ بجز اپنی بی بی یا اپنی باندی کے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ فرمایئے اگر اس وقت لوگ موجود ہوں (اور ضرورت پیش آئے تو میں کیا کروں آپ نے فرمایا (مختصر بات یہ ہے) کہ اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ کسی شخص کی نظر تمہارے ستر پر نہ پڑے تو نہ پڑنے دو، میں نے پوچھا اچھا تو یہ فرمایئے کہ جب ہم میں ایک شخص تنہا ہو وہاں کوئی اور نہ ہو (کیا وہ تنہائی میں ننگا ہو سکتا ہے) فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اس سے شرم و لحاظ کرنا انسانوں سے زیادہ ضروری ہے۔ (ترمذی)

اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالتَّعَرِّیْ فَاِنَّ مَعَکُمْ مَنْ لَا یُفَارِقُکُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِیْنَ یُفْضِیْ الرَّجُلُ اِلٰی اَھْلِہٖ فَاسْتَحْیُوْھُمْ وَاَکْرِمُوْھُمْ۔ (رواہ الترمذی)

ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار عریانی سے بچنا کیونکہ تمہارے ساتھ خدائے تعالیٰ کے دو فرشتے بھی رہتے ہیں جو کسی وقت تم سے جدا نہیں ہوتے بجز دو وقتوں کے ایک پاخانہ جانے کے وقت، دوسرے اس وقت جبکہ آدمی اپنی بی بی سے ہمبستر ہوتا ہے تو ان سے شرم کرو اور ان کا لحاظ رکھو۔ (ترمذی)

تشریح:۔ یہ دونوں حدیثیں حیاء اکتسابی سے متعلق ہیں پہلی حدیث میں اسلام کے مرتبہ احسان کی طرف اشارہ ہے اور اس میں یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ مومن کے قلب و دماغ میں اپنے خالق کا تصور اس درجہ غالب اور قوی رہنا چاہئے کہ اپنی خلوتوں میں بھی جہاں عام لوگوں کے ذہن میں اللہ کا تصور نہیں ہوتا تو یہ ایسا مغلوب ہو کہ جو کام دنیا مخلوق کے خوف سے سامنے میں نہ کرتی ہو یہ خدائے تعالیٰ کے خوف سے خلوت میں اکیلے بھی نہ کر سکے۔ یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ستر و غیر ستر سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر بندہ کے اختیاری آداب میں تو فرق پڑتا ہے اس پر بس اتنا ہی لازم ہے کہ اپنی حدود آداب سے تجاوز نہ کرے۔ دوسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں جن کا احترام کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے ان کے ساتھ اس آداب اور شائستگی کے ساتھ پیش آنے میں انسانی خلافت کی لاج بھی رہ جاتی ہے اور ہم پر ان کے وحشت و بدتہذیبی کے اعتراض کا جواب بھی ہو جاتا ہے اسی لئے جہاں کہیں ہمارا فرشتوں سے سابقہ پڑنے کا موقعہ آتا ہے شریعت وہیں ہم کو مؤدب اور مطیع رہنے کی ہدایت کر دیتی ہے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم اتنے ناشائستہ بھی نہیں اور نہ ایسے عاصی ہیں جتنی کہ ان کو ہماری نسبت بدظنی ہو گئی تھی۔

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّکُمْ حَیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ اِلَیْہِ اَنْ یَرُدَّھُمَا صِفْرًا۔ (رواہ الترمذی)

سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو شرم کی صفت بہت محبوب ہے، وہ بڑا کریم ہے اس کو اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ جب وہ اس کے سامنے اپنی حاجت کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھادے تو وہ ان کو خالی واپس کر دے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ خدائے قادرتوانا جب اپنے بندہ کو خالی ہاتھ واپس کرنے سے شرماتا ہے تو بندۂ عاجز کو بھی لازم ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے سامنے بے حیائی کرنے سے شرمائے۔ خلاصہ یہ کہ حیاء ان معالی اخلاق میں سے ہے جس کی نسبت قدوسیوں اور خود عالم قدس کی طرف بھی آ گئی ہے اس لئے اس صفت کی جتنی نگہداشت کی جائے وہ انسان کیلئے اتنی ہی تقدیس کا موجب ہے اور جتنی اس میں غفلت برتی جائے وہ اتنی اس کے تنزل کا باعث ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّا نَسْتَحْيِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا حَوٰى وَلْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا وَعٰى وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيَا مِنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ. (رواہ احمد)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ایسے شرماؤ جیسا اس سے شرمانا چاہئے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدائے تعالیٰ کا شکر، کہ ہم اس سے شرماتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ اصل شرمانا نہیں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے دراصل شرماتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے دماغ کو، اپنے گوش وچشم کو، اپنی زبان ودہن کو اور اپنے شکم و فرج کو تمام ناجائز باتوں سے محفوظ رکھے موت اور اس کے بعد اپنے جسم کی خستگی کو پیش نظر رکھے جو آخرت کا ارادہ کرلے اسے لازم ہے کہ دنیا کی زینت چھوڑ بیٹھے جس نے یہ سب مراحل طے کر لئے اسے سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا حق ادا کیا۔ (احمد)

تشریح:۔ اس حدیث کا مقصد نسبت احسان کی تربیت ہے۔ صحابہ نے آپ کے سوال کا جواب حیاء کے عام مفہوم کے مطابق دیدیا تھا لیکن آپ نے سمجھایا کہ میرا مقصد یہاں احسان کا وہ مرتبہ نہیں جس پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے انحراف سے شرم آنے لگتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ دائمی استحضار اور پختہ تصور مراد ہے، جس کے بعد انسان کے جسم کا ایک ایک حصہ اس کی فرمانبرداری کے لئے مضطر اور اس کی معصیت سے لرزاں وترساں نظر آنے لگتا ہے۔ قلب ودماغ میں شریعت کے خلاف سوچنے کی ہمت نہیں رہتی کانوں میں ناجائز امور کے سننے، آنکھوں میں غیر محرموں کی طرف نظر کرنے اور زبان میں شریعت کے خلاف جنبش کرنے کی طاقت نہیں رہتی آخرت کا مقصد نظروں کے سامنے اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ دنیا کی تمام عارضی زینت ایک لہو ولعب نظر آنے لگتی ہے، موت اور مابعد الموت کے مناظر اس طرح پیش نظر رہنے لگتے ہیں کہ متاع دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں رہتا۔ جب نسبت احسان کے اثرات کا دائرہ اتنا قوی اور وسیع ہو جائے تو اب سمجھو کہ جتنا تم کو اس سے شرمانا چاہئے تھا اب تم اتنا شرمانے لگے ہو یوں عام طور پر اس کی معصیت سے احتراز کرنا بھی گو اس کی دلیل ہے کہ کسی نہ کسی مرتبہ میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کی صفت تم میں پیدا ہو چکی ہے لیکن دنیوی راحتوں میں گرفتار رہنا اپنے جوارح پر پورا محاسبہ قائم نہ رکھنا اور موت اور مابعد الموت کے تصور سے گاہ گاہ غافل ہو جانا اس کی دلیل ہے کہ یہ صفت ہنوز پورے طور پر راسخ نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا جو حق تھا وہ ابھی پورا اداء نہیں ہوا یہ یاد رہے کہ اگر بالفرض کوئی خوش نصیب اس نعمت عظمٰی سے فائز ہو جائے تو بھی اسے یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک بے مایہ انسان کی صرف ایک بے قیمت جدوجہد ہے اور اس مغالطہ میں نہ پڑنا چاہئے کہ اپنی اس بے قیمت جدوجہد سے اس نے مالک علی الاطلاق کے حق کا کوئی حصہ ادا کر دیا ہے یہ اس کا

کرم ہے کہ وہ ایک عاجز انسان کی صرف سعی ناتمام پر اپنے حقوق سے بے باکی کا اعلان کر دیتے ہیں۔

جان دی۔ دی ہوئی اس کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

غیرت

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَغَارُ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغَارُ وَغَيْرَةُ اللّٰهِ اَنْ لَا يَأْتِیَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ. (متفق علیه)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے اور بندۂ مومن کو بھی غیرت آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ اس کا مومن بندہ اس چیز کا ارتکاب کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ انسان غیرت ضرور کرتا ہے مگر اس میں وہ راہ اعتدال پر قائم نہیں رہتا جیسا کہ حضرت سعد کے آئندہ قصہ سے واضح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی شان اعلیٰ و ارفع ہے اس کی ہر شان شان کمال ہے اس کی غیرت کا مصداق ہر حال قابل مدح رہتا ہے۔ (الجواب الکافی ص ۸۷)

عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ اِمْرَأَتِیْ لَضَرَبْتُهٗ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللّٰهِ لَاَنَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ اَغْيَرُ مِنِّیْ وَمِنْ اَجْلِ غَيْرَةِ وَاللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا اَحَدَ اَحَبَّ اِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنَ اللّٰهِ وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ بَعَثَ الْمُنْذِرِيْنَ وَالْمُبَشِّرِيْنَ وَلَا اَحَدَ اَحَبَّ اِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ. (متفق علیه)

مغیرہ روایت کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے فرمایا اگر کہیں میں اپنی بی بی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ مشتبہ حالت میں دیکھ پاؤں تو میں تو فوراً اس کے تلوار مار دوں وہ بھی چپٹی نہیں بلکہ دھار کی طرف سے۔ ان کی یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا تم کو سعد کی غیرت پر کیا تعجب ہے بخدا میں ان سے کہیں زیادہ با غیرت ہوں اور مجھ سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کو غیرت کرنا پسند ہے یہی تو وجہ ہے کہ اس نے کھلے اور ڈھکے تمام بے حیائیوں سے منع فرمایا ہے اور خدا سے بڑھ کر کوئی ایسا نہیں جس کو عذر کرنا زیادہ پسند ہو۔ یہی تو وجہ ہے کہ اس نے پہلے سے اپنی جانب سے خدائے تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے اور اس کے ثواب کی بشارت دینے والے رسول بھیج دیئے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو اپنی تعریف بھی پسند نہیں یہی تو وجہ ہے کہ اس نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَزْنِیَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِیَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ

مُحَمَّدٍ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا. (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج گرہن میں نماز کا قصہ) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے مطابق ذکر فرمایا۔اس میں یہ بھی ذکر کیا کہ آپ نے اس نماز میں سجدہ کیا اور بڑا لمبا سجدہ کیا اس کے بعد جب آپ فارغ ہو گئے تو آفتاب صاف ہو چکا تھا۔آپ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ آفتاب و ماہتاب خدا کی نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں نہ تو ان کوکسی کی موت پر گرہن لگتا ہے نہ پیدائش پر، جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو خدا کی یاد اور اس کی بزرگی بیان کرو، نماز پڑھو، اور صدقہ دو، اس کے بعد فرمایا اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ سے زیادہ غیرت کی صفت کسی کو محبوب نہیں اس کو بڑی غیرت آتی ہے کہ کوئی عورت یا مرد اس کی مخلوق ہو کر زنا کرے اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو جو پیش آمدنی خطرات میں جانتا ہوں اگر تم بھی جان لیتے تو ہنستے بہت کم اور روتے بہت۔ (متفق علیہ)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهٖ فَاَرْسَلَتْ اِحْدٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِصَحْفَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيْهَا الطَّعَامَ الَّذِيْ كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَيَقُوْلُ غَارَتْ اُمُّكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتّٰى اُتِيَ بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيْحَةَ اِلَى الَّتِيْ كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَاَمْسَكَ الْمَكْسُوْرَةَ الَّتِيْ كُسِرَ. (رواہ البخاری)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بی بی کے گھر تھے اس وقت امہات المؤمنین میں سے کسی نے آپ کی خدمت میں ایک پیالہ میں کچھ کھانا بھیجا جس بی بی صاحبہ کے گھر میں آپ رونق افروز تھے، انہوں نے خادم کے ہاتھ کو ذرا اشارہ دیدیا پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے ٹکڑے جوڑنے لگے اس کے بعد جو کھانا اس پیالہ میں رکھا ہوا تھا اس کو جمع کیا اور فرمایا (کچھ نہیں) تمہاری ماں کو اس وقت سوتن کی فطری غیرت آ گئی تھی اس کے بعد خادم کو ٹھیرا لیا اور جن کے گھر اس وقت آپ تشریف فرما تھے ان کے یہاں سے ایک اچھا پیالہ منگا کر جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا ان کے لئے دیدیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ ان کے گھر رکھ لیا جنہوں نے توڑا تھا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔غیرت حیاء کے علاوہ ایک اور صفت ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی ہی مطلوب ہے جیسی حیاء اور افراط و تفریط۔اس میں بھی ایسی ہی ناپسندیدہ ہے جیسی حیاء میں اسلام نے خلقی اور طبعی صفتوں میں ترمیم نہیں کی بلکہ صرف ان کی حدود مقرر فرمادی ہیں۔ان صفات کے عالم قدس کی طرف انتساب میں ان کی برتری اور پسندیدگی کا اظہار منظور ہے اور یہ سمجھانا ہے کہ جو صفت اس بے نیاز کی جناب میں ثابت ہو سکے ایک نیاز والی مخلوق کے لئے وہ کس درجہ موجب فخر ہونی چاہئے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ کمال یہ نہیں کہ اس میں اپنے نفس کی آزادی قائم رکھی جائے وہ اسی حد تک قابل تعریف ہے جہاں دوسروں کے حقوق اس کی زد میں نہ آ جائیں اور جب اس میں دوسروں کے حقوق تلف ہونے لگیں تو اب وہی صفت قابل تعریف ہونے کی بجائے قابل مذمت ہو جائے گی۔سعد کی غیرت بیشک بڑی قابل تعریف تھی اگر شرعی حدود سے متجاوز نہ ہو جاتی اسی لئے

آپ کا انداز بیان یہاں وہ نہیں جو صریح منکرات پر ہونا چاہئے بلکہ اس میں مدح کا بھی ایک پہلو نکل رہا ہے اسی طرح آپ نے ایک بی بی صاحبہ کے ایسے فعل پر جو اگر اس محل کے سوا کسی اور محل پر ہوتا تو شاید زیادہ قابل نکیر ہوتا زیادہ سخت گیری نہیں فرمائی بلکہ ایک سوتن کے لئے صبر آزما منظر کا عذر پیش کر کے جو اضطراری طور پر ان سے دوسرے کی حق تلفی ہوگئی تھی اس کی مکافات فرمادی۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں خدائے تعالیٰ کی میزان ہوتے ہیں یہاں ایک ایک ذرہ عدل وانصاف کی ترازو میں برابر رہتا ہے۔ معقول عذر نا مقبول نہیں ہوتا کسی کا نقصان گوارا نہیں ہوتا اور کسی کی مجبوری کو بالکل نظر انداز کر دینا بھی پسند نہیں ہوتا۔

سب کے حق میں مجسم خیر خواہی بن جانا

عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ثَلَاثًا قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ. (رواہ مسلم)

تمیم داری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا خیر خواہی کرنا دین کا خلاصہ ہے، ہم نے عرض کیا کس کی۔ فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، ائمہ مسلمین کی، اور سب مسلمانوں کی۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ کتاب اللہ کی نصیحت کے معنی یہ ہیں کہ پورے آداب کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے، بدل وجان اس کے معانی کی تصدیق کی جائے، اس کے علوم کی نشر واشاعت کی جائے، اس کی پیروی کی تمام عالم کو دعوت دی جائے اور اس کے ہر ہر امر ونہی کے سامنے اعتراف وتسلیم کا سر خم کر دیا جائے۔

رسول کی نصیحت یہ ہے کہ اس کی رسالت کی تصدیق کی جائے جو دین وہ لیکر آیا ہے اس کا ایک ایک حرف مانا جائے ہر موقعہ پر اس کی نصرت کے لئے سر بکف حاضر رہے اس کے اصحاب اور اس کے اہل بیت کی محبت اور ان کا ادب پورے طور پر ملحوظ رہے۔

ائمہ مسلمین کی نصیحت یہ ہے کہ ہر حق معاملے میں ان کی اعانت کی جائے، ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کی جائے، ان کے پیچھے نمازیں ادا کی جائیں جو صدقات بیت المال کا حق ہیں وہ ان کو ایمانداری کے ساتھ بآسانی پہنچا دیئے جائیں اور ان کے ساتھ غداری نہ کی جائے۔ عام مسلمانوں کی نصیحت کے یہ معنی ہیں کہ دنیوی اور اخروی سب مصلحتیں ان کو بتادی جائیں، ان کو ایذاء نہ دی جائے، ان کے عیوب کی پردہ پوشی کی جائے اور خیر خواہی میں ان کو اپنے نفس کے برابر سمجھا جائے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَا يَهْتَمُّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُمْسِ وَيُصْبِحْ نَاصِحًا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِكِتَابِهٖ وَلِاِمَامِهٖ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ. (اخرجہ الطبرانی)

حذیفہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے معاملات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں اور جس شخص نے صبح سے شام یا شام سے صبح تک خدائے تعالیٰ، اس کے رسول، اس کی کتاب اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی سے غفلت اختیار کی اس کا بھی مسلمانوں سے کوئی رشتہ نہیں۔ (طبرانی)

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَحَبُّ مَا تَعَبَّدَنِيْ بِهٖ عَبْدِيْ النُّصْحُ لِيْ. (احمد)

ابوامامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ سب سے زیادہ پیارا طریق جو میرا بندہ میری فرمانبرداری کے لئے اختیار کرتا ہے میری خیر خواہی کرنی ہے۔ (مسند احمد)

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ اَبِیْ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَنْصَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ. (اخرجه احمد)

ابو یزیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی شخص اپنے بھائی سے خیر خواہی کا مشورہ طلب کرے تو اسے لازم ہے کہ اس سے وہی بات کہے جو اس کی خیر خواہی کی ہو۔ (مسند احمد)

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ خُطْبَتِهٖ بِالْخِيْفِ مِنْ مِنٰى ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَمُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْاَمْرِ وَلُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ. (رواه احمد وقد اخرجه الدارقطني في الافراد باسناد جيد)

جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منٰی کی مسجد خیف کے خطبہ میں فرمایا تین باتیں ایسی ہیں جن پر مسلمان آدمی کا دل کبھی کینہ نہیں رکھ سکتا، خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنا۔ حکام کی خیر خواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا۔ (مسند احمد۔ دارقطنی)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا يَرْضٰى لَكُمْ اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاَنْ تَنَاصَحُوْا مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ اَمْرَكُمْ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین باتیں پسند فرمائی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ دوسرے یہ کہ سب مل کر اللہ تعالےٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور تیسرے یہ کہ جو تمہارا حاکم ہو اس کی خیر خواہی کرتے رہو۔ (مسلم)

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً ثُمَّ لَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيْحَةٍ اِلَّا لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ. (متفق عليه)

معقل بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے کسی قسم کی نگرانی سپرد کی ہو پھر وہ اس میں پوری پوری خیر خواہی کا لحاظ نہ رکھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ ان احادیث میں کچھ حدیثیں عام مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھ حکام سے ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ سے لیکر رعایا تک فریضہ خیر خواہی میں سب مشترک ہیں اگر رعایا میں کوئی شخص اس میں غفلت اختیار کرتا ہے تو وہ قصوروار ہے اور اگر حاکم وقت اس میں غفلت کرتا ہے تو وہ قصوروار ہے جس مذہب میں باہم خیر خواہی کرنا اتنا اہم فرض ہو آج وہی قوم خیر خواہی سے اتنی خالی ہو جائے کہ کوئی کسی کا خیر خواہ ہی نظر نہ آئے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهٖ

وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ اللهِ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ. (متفق علیہ)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام جب اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے اور اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دوگنا ثواب ملتا ہے۔ (متفق علیہ)

خیر خواہی کرنے میں اپنے اور بیگانہ کا امتیاز اٹھا دینا

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (رواه الخمسة الا ابوداؤد)

حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا پورا مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے نفس کیلئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:۔ کہنے کو تو یہ مختصر سی بات ہے لیکن اس پر عمل کی توفیق اس وقت تک میسر نہیں آ سکتی جب تک کہ انسان کا ایمان کامل نہ ہو جائے۔ یہ صفت انسانی کمالات کی ایک معراج ہے اور اس کی دلیل ہے کہ اب اس کا نفس پورے طور پر مدارج تہذیب طے کر چکا ہے اس میں خود غرضی اور طمع کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہا۔ اسی کے لئے تمام ریاضات و مجاہدات کئے جاتے ہیں اور یہی شریعت کے اوامر و نواہی کا بلند مقصد ہے۔ غالبًا صوفیاء کرام اسی کو مرتبہ فنا سے تعبیر کرتے ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ یہ صفت بھی فناء کے اثرات میں ایک اثر ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَأْخُذُ عَنِّيْ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ قُلْتُ اَنَا يَارَسُوْلَ اللهِ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ وَاَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ. (رواه احمد والترمذی وقال هذا حديث غريب)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے ایسا شخص جو ان باتوں پر خود عمل کرے یا کم از کم ان لوگوں ہی کو بتا دے جو ان پر عمل کریں میں بولا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ پانچ باتیں شمار کرائیں فرمایا حرام باتوں سے دور رہنا بڑے عبادت گذار بندے شمار ہو گے اللہ تعالیٰ جو تمہاری تقدیر میں لکھ چکا ہے اس پر راضی رہنا بڑے بے نیاز بندوں میں ہو جاؤ گے اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرتے رہنا مومن بن جاؤ گے اور جو بات اپنے لئے چاہتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرنا کامل مسلمان بن جاؤ گے اور بہت قہقہے نہ لگانا کیونکہ یہ دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ (مسند احمد۔ ترمذی)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِيْ ذِكْرِ اللهِ قَالَ وَمَاذَا يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ. (رواه احمد)

معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ایمان کے متعلق دریافت کیا جو بہتر سے بہتر ہو، آپ نے فرمایا اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھنا اور اپنی زبان کو ہمہ وقت یاد الٰہی میں لگائے رکھنا، پھر عرض کیا یا رسول اللہ اور کیا عمل بہتر ہے فرمایا جو اپنے لئے پسند کرنا وہی سب کے لئے پسند کرنا اور جو اپنے لئے برا سمجھنا وہی سب کے لئے برا سمجھنا۔ (مسند احمد)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحَاسِنُھُمْ اَخْلَاقًا الْمُوَطِّئُوْنَ اَکْنَافًا فَلَمْ یَبْلُغْ عَبْدٌ حَقِیْقَۃَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ وَحَتّٰی یَأْمَنَ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ. اخرجه ابن عساکر وفیه کوثر بن حکیم متروک لکن له شواهد بلغه مرتبة الحسن.

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام مومنوں میں ایمان کے لحاظ سے سب سے افضل مومن وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو ہر ایک کے سامنے متواضع اور جھکنے والے ہیں۔ کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ سب کیلئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے مامون نہ ہو جائے۔ (ابن عساکر)

تشریح:۔ اپنے نفس اور عام مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھنا درحقیقت نصح اور خیر خواہی کا سب سے بڑا جز ہے یہ صفت اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جبکہ سینہ حسد، بغض، کینہ اور ہر قسم کے کھوٹ سے پاک وصاف ہو جائے گویا اس ایک ہی صفت کا ظہور بہت سے کمالات کے ثبوت اور بہت سے عیوب کے ازالہ کا محتاج ہے اسی لئے اس صفت کو ایمان کی حقیقت، جنت کیلئے موقوف علیہ، کمال ایمانی کا معیار اور آپ کی وصیت میں جزء اہم قرار دیا گیا ہے۔ یہ مختلف الفاظ نہیں بلکہ متعدد حقیقتیں ہیں جو اسی ایک صفت میں پنہاں ہیں۔

عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَسِیْدٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتُحِبُّ الْجَنَّۃَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَحِبَّ لِاَخِیْکَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ. (اخرجه البخاری)

یزید بن اسید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تم کو جنت پسند ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اچھا تو جو بات اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے پسند کیا کرو۔ (بخاری)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بطوله الٰی ان قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْصِنِیْ قَالَ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ کُلِّہٖ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَیْکَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَذِکْرِاللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّہٗ ذِکْرٌلَکَ فِی السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَکَ فِی الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَیْکَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّہٗ مَطْرَدَۃٌ لِلشَّیْطَانِ وَعَوْنٌ لَکَ عَلٰی اَمْرِ دِیْنِکَ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ وَاِیَّاکَ وَکَثْرَۃَ الضِّحْکِ فَاِنَّہٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَیُذْھِبُ بِنُوْرِ الوجه قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لَا تَخَفْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لِیَحْجُزْکَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِکَ. (رواہ البیهقی فی شعب الان)

ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پھر اس کی پوری تفصیل بیان کی، اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذکر کی کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے آپ نے فرمایا میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہر معاملہ میں خدائے تعالیٰ کا خوف رکھنا۔ بس اسی ایک بات سے تیرا سب دین مزین ہو جائے گا میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمائیے ارشاد فرمایا قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ کیا کرنا کیونکہ یہ عادت آسمان میں تمہارے ذکر کا موجب اور زمین میں نور کا سبب ہوگی میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد فرمایا اکثر اوقات خاموشی کے ساتھ بسر کرنا کیونکہ یہ عادت شیطان کو پاس پھٹکنے نہیں دیتی اور تمہارے لئے دین کے ہر معاملہ میں معاون ہوگی، میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد فرمایا زیادہ قہقہے نہ لگانا کیونکہ اس حرکت سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرہ کا نور جاتا رہتا ہے میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمائیے ارشاد فرمایا حق بات کہنا اگرچہ تلخ ہی کیوں نہ ہو میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے، ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھانا۔ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد ہوا اچھا جو عیب تم جانتے ہو کہ خود تم میں موجود ہیں اس پر نکتہ چینی سے لوگوں کو بھی معاف رکھنا۔ (بیہقی)

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهُ وَيُجِيْبُهُ اِذَا دَعَاهُ وَيُشَمِّتُهُ اِذَا عَطِسَ وَيَعُوْدُهُ اِذَا مَرِضَ وَيَتَّبِعُ جَنَازَتَهُ اِذَا مَاتَ وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواه الترمذی والدارمی)

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلامی آئین میں ایک مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں جب ملاقات ہو تو اس کو سلام کرنا، جب بلائے تو اس کے یہاں چلا جانا، جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا، جب بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرنا جب مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ جانا اور جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرنا۔ (ترمذی۔ دارمی)

عَنْ اَبِی الْوَلِيْدِ الْقُرَشِيِّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ بِلَالِ بْنِ اَبِیْ بُرْدَةَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَقَالَ اَصْلَحَ اللّٰهُ الْاَمِيْرَ اِنَّ اَهْلَ الطَّفِّ لَا يُؤَدُّوْنَ زَكَاتَهُمْ وَقَدْ عَلِمْتُ ذٰلِكَ فَاَخْبَرْتُ الْاَمِيْرَ قَالَ بِلَالٌ مِمَّنْ اَنْتَ قَالَ مِنْ عَبْدِالْقَيْسِ قَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ فَكَتَبَ لِصَاحِبِ شُرْطَتِهٖ يَسْأَلُ عَنْهُ عَبْدَالْقَيْسِ فَقَالَ وَجَدْتُهُ يَعْمُرُ فِیْ حِسْبَةٍ فَقَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ اَبِیْ مُوْسٰى عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (رواه الطبرانی)

ابوالولید قرشی بیان کرتے ہیں کہ میں بلال بن ابی بردہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص آیا اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو ہمیشہ صحیح وسلامت رکھے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ طف کے باشندے اپنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس لئے (از راہِ خیرخواہی) میں نے اس بات کی امیر المؤمنین کو اطلاع کر دی ہے۔ اس پر بلال بن ابی بردہ نے پوچھا تو کس قبیلہ کا آدمی ہے اس نے کہا قبیلہ عبدالقیس کا پھر پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا فلاں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے گورنر کو لکھ بھیجا کہ وہ اس کے متعلق

عبدالقیس سے تحقیق کریں انہوں نے جواب دیا میں نے ان کو بہت نیک نیت پایا ہے۔ اس پر انہوں نے تعجب سے اللہ اکبر کہا اور ابوموسیٰ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (طبرانی)

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَیَدْخُلَ الْجَنَّۃَ فَلْتُدْرِکْہُ مَنِیَّتُہٗ وَھُوَ مُؤْمِنٌ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَأْتِی اِلَی النَّاسِ الَّذِیْ یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی اِلَیْہِ. (رواہ مسلم)

عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کو دوزخ سے بہت دور رکھا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی موت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان کے ساتھ ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کو وہی معاملہ کرنا چاہئے جو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کریں۔ (مسلم)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ اِنِّیْ اَرَاکَ ضَعِیْفًا وَاِنِّیْ اُحِبُّ لِنَفْسِیْ لَا تَتَأَمَّرَنَّ عَلٰی اِثْنَیْنِ وَلَا تُوَلِّیَنَّ مَالَ یَتِیْمٍ. (رواہ مسلم)

ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ابوذر؟ تم مجھے ایک سیدھے سادے انسان معلوم ہوتے ہو اور میں تمہاری ذات کے لئے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنی ذات کے لئے دیکھو دو شخصوں کے بھی ہرگز امیر نہ بننا اور کسی یتیم کا مال اپنی ذمہ داری میں کبھی نہ لینا۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ ابوذر فطرۃً ایک نہایت عابد (عبادت کرنیوالے) وزاہد اور یکسو مزاج صحابی تھے کسی مال کی تولیت کی ذمہ داری کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان میں پورے طور پر موجود نہ تھے اسی کو آپ نے ان کے ضعف سے ادا فرمایا ہے اور یہ ضعف جس میں بھی ہوگا اس کے لئے تولیت کا منصب مناسب نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہان کی تولیت کا بار اٹھانے کی استعداد عطا فرمائی تھی اس لئے آپ نے اس بار کو اٹھایا اور اس خوبی سے اٹھایا جو اس کا حق تھا۔ اگر ابوذر میں بھی آپ کسی مرتبہ کی تولیت سنبھال لینے کی استعداد دیکھ لیتے تو کوئی ذمہ داری ان کے بھی سپرد کر دی جاتی۔ پس آپ کی خیر خواہی کا اصل نقطہ تمام صحابہ میں مشترک تھا اگر کسی کو کوئی ولایت دی گئی تو وہ بھی اس کے نفس کی خیر خواہی پر مبنی تھی اور اگر نہیں دی گئی تو اس کو بھی یقین رکھنا چاہئے کہ اس میں بھی اسی کی خیر خواہی مضمر تھی۔

عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَلِیُّ اِنِّیْ اُحِبُّ لَکَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ وَاَکْرَہُ لَکَ مَا اَکْرَہُ لِنَفْسِیْ لَا تَقْعِ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ. (رواہ الترمذی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ دیکھو جو میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے پسند کرتا ہوں اور جو اپنے حق میں ناپسند کرتا ہوں وہ تمہارے حق میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح نہ بیٹھا کرو جیسا کتا اپنے سرین زمین پر رکھ کر دونوں پیر کھڑے کر کے بیٹھتا ہے۔

تشریح:۔ اسلامی مساوات صرف دوسری مخلوق کے دائرہ تک ہی محدود ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ اس کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ خود اپنی جان اور دوسری مخلوق کے درمیان بھی اس کا پورا لحاظ رکھتا ہے اسی لئے بڑی سے بڑی خصوصیت کے موقعہ پر بھی اسلام کی یہ عمومی سنت غیر اختیاری طور پر زبان سے نکلی چلی جاتی ہے گویا اہم سے اہم بات ذہن نشین کرنے کے لئے مؤثر سے مؤثر تعبیر صرف یہ ہے کہ مخاطب کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ متکلم اس کے اور اپنے نفس میں ایک ذرہ برابر دوئی نہیں سمجھتا جب تک اغراض نفسانی کا کوئی شائبہ بھی باقی ہے اس مقام رفیع تک رسائی مشکل ہے۔

محبت کا نباہ اور اس کا لحاظ پاس رکھنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ تْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجُوْزٌ فَقَالَ مَنْ اَنْتِ قَالَتْ جَثَّامَةُ الْمُزَنِيَّةُ قَالَ بَلْ اَنْتِ حَسَّانَةُ الْمُزَنِيَّةُ كَيْفَ حَالُكُمْ كَيْفَ كُنْتُمْ بَعْدَنَا قَالَتْ بِخَيْرٍ فَلَمَّا خَرَجَتْ قُلْتُ تُقْبِلُ هٰذَا الْاِقْبَالَ عَلٰى هٰذِهٖ قَالَ اِنَّهَا كَانَتْ تَأْتِيْنَا اَيَّامَ خَدِيْجَةَ وَاِنَّ حُسْنَ الْعَهْدِ مِنَ الْاِيْمَانِ. (اخرجه الحاكم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تم کس قبیلہ کی ہو؟ اس نے عرض کیا میں جثامہ مزنیہ ہوں آپ نے فرمایا بلکہ تم تو حسانہ مزنیہ ہو اچھا کہو ہمارے بعد تمہارے حالات کیسے گزرے اس نے عرض کیا سب خیریت رہی۔ جب وہ چلی گئیں تو میں نے عرض کیا ایک معمولی بڑھیا اور اس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتنی توجہ' آپ نے فرمایا کہ یہ (حضرت) خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں ہمارے گھر آیا کرتی تھیں اور قدیم شناسائی کے حقوق کی رعایت کرنی بھی ایمان کی ایک بات ہے۔ (حاکم)

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ ایمان کے شعبے کچھ عبادات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے گذر کر حسن معاملہ اور حسن معاشرت جیسی جزئیات تک بھی پھیلتے ہیں۔ اس قسم کی حدیثوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایمان و اسلام کا احاطہ کتنا وسیع ہے۔

گاہ بگاہ ترکِ زینت

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ اِيَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ ذَكَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عِنْدَهُ الدُّنْيَا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ الْبَذَاذَةُ مِنَ الْاِيْمَانِ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ. (اخرجه احمد وابن ماجه والحاكم)

ابوامامہ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں دنیا کا ذکر آ گیا تو آپ نے فرمایا سن لو اور خوب غور سے سن لو کہ زینت نہ کرنا اور گاہ بگاہ شکستہ حالت میں رہنا بھی ایمان کا اثر ہے۔ (ابن ماجہ۔ حاکم)

تشریح:۔ اسلام نے بناؤ سنگھار کرنا کسی وقت بھی پسند نہیں کیا اور ناز و نعمت اور عیش و طرب (خوشحالی) کی زندگی اگرچہ جائز حدود میں رہ کر ہو، اس کو بھی مکروہ سمجھا ہے اسی طرح اس کے مقابلہ میں رہبانیت (خلوت نشینی) اور بدحالی اور عام طور پر تقشف سے بھی روکا ہے۔ جمال کی ترغیب دی ہے اور اسی کے ساتھ گاہ بگاہ (کبھی کبھار) ایسی زندگی گذارنے کی بھی ہدایت کی ہے جس کی وجہ سے جمال و زینت کے ساتھ تکبر و غرور کی صفت پیدا نہ ہونے پائے اسلام جہاں غرور و تکبر سے روکتا ہے اسی کے ساتھ ذلت و خواری

کی زندگی سے بھی منع کرتا ہے وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی عزت صرف مسلمان کے لئے ہے اس لئے نہ وہ ایسے عمل کو پسند کرتا ہے جو اپنے نفس میں غرور و تکبر کا اثر پیدا کرے اور نہ اس کو جو انسان کے لئے سوسائٹی میں موجب ذلت ہو۔ اس دعاء کو ملاحظہ فرمایئے اور اسلام کے اصلی مقصد کو پہنچ جایئے۔ **اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً و فی اعین الناس کبیرا۔** ''اے اللہ تو مجھے اپنی نظروں میں تو پست کر دے اور اپنی مخلوق کی نظروں میں معزز و بلند کر دے۔'' پس تواضع کی نیت سے گاہ بگاہ (کبھی کبھار) زینت ترک کر دینا یقیناً انسان کے ایمان ہی کا تقاضا ہوسکتا ہے۔ اس باب میں دونوں قسم کی حدیثیں ملتی ہیں اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زینت اختیار کرو تو اس میں تحدیث نعمت کی نیت ہونی چاہئے اور اگر اس کو ترک کرو تو اس میں تواضع اور اپنے نفس کی شکستگی کی نیت ہونی چاہئے تکبر کی نیت سے زینت اور احساس کمتری کی بناء پر بذاذت دونوں بلند اخلاق سے گری ہوئی باتیں ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھ لو کہ جب انسان کی عملی حالت میں گاہ گاہ بذاذت نظر آنے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب اس کے نفس میں اصلاح کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اس کی یہ ترک زینت احساس کمتری کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی نظروں میں دنیا کی حقارت کا اثر ہے اور اسی طرح اس کی زینت تکبر کی بناء پر نہیں۔ بلکہ ایک عبد کی اپنے مولیٰ کی نعمتوں کی شکر گذاری کے لئے ہے پس اپنے نفس کو ذلیل کرنا اور اس میں ذلیل خصائل و ملکات پیدا کرنا ہرگز اسلام کا مقصد نہیں۔ **ان اللہ یحب معالی الھمم۔** اللہ تعالیٰ بلند ہمت کو پسند کرتا ہے اور ایک مسلمان کے نفس میں بلند حوصلگی پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تکبر و وقار اور تواضع و ذلت میں بڑا فرق ہے ان میں ایک دوسرے کے ساتھ التباس (فرق نہ سمجھنا) پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ وقار ایک مطلوب صفت ہے اور تکبر انتہاء درجہ مذموم اسی طرح تواضع انتہا درجہ مطلوب ہے اور ذلت اسی درجہ مکروہ حتیٰ کہ ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں **ان المؤمن لا یذل نفسہ۔** مومن اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرتا اور کیسے ذلیل کرسکتا ہے جبکہ خود رب العزت نے اس کو عزیز بنایا ہے۔ مومن کے متعلق ذلت کا تخیل (خیال کرنا) نفاق کا ایک شعبہ ہے۔ جب رئیس المنافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے متعلق یہ کلمہ زبان سے نکالا **لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل۔ الآیۃ۔** تو ان کے بیٹے جو اس وقت حلقہ بگوش اسلام (اسلام میں داخل) ہو چکے تھے فوراً تلوار کھینچ کر سامنے آ گئے اور فرمایا خدا کی قسم جب تک تو یہ اقرار نہ کرے کہ ذلیل تو ہے اور عزت والے صرف آپ کے صحابہ ہیں اس وقت تک تیری خیر نہیں۔ آخر اس سے یہ اقرار لیکر چھوڑا پس تواضع اور ذلت میں بڑا فرق ہے۔

اچھا طور وطریق، متانت اور میانہ روی

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ سَرْجَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتَّؤَدَۃُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ اَرْبَعٍ وَعِشْرِیْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّۃِ۔ (رواہ الترمذی)

عبداللہ بن سرجس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اچھا طور وطریق متانت اور میانہ روی نبوۃ کا چوبیسواں جزء ہے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ انسان کی معاشی اور معاشرتی زندگی ان ہی اجزاء کے اختیار کرنے سے سنور جاتی ہے اور ان کے ترک کرنے سے بگڑ جاتی ہے۔ اس حدیث کا ایک ایک لفظ انسان کی معاش اور معاشرت کا مستقل ایک ایک باب ہے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْھَدْیَ الصَّالِحَ وَالسَّمْتَ الْحَسَنَ وَالْاِقْتِصَادَ جُزْءٌ مِنْ خَمْسٍ وَعِشْرِیْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّۃِ۔ (رواہ ابوداؤد)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طریقہ اور سمت حسن اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں جزء ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ ان دونوں روایتوں میں صرف ایک جزء کا اختلاف ہے، یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے دوسری احادیث میں سچے خوابوں کو نبوۃ کا چھیالیسواں جزء قرار دیا گیا ہے۔

سمت حسن انسان کی قوت عاملہ کی تکمیل کا نتیجہ ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ تحریر فرماتے ہیں۔ جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

حق تعالیٰ جس طرح نبی کی قوت عاقلہ (عقل کا طاقت ور ہونا) میں زیادتی عطا فرماتا ہے اسی طرح اس کی قوت عاملہ (کام سرانجام دینے کی قوت) میں بھی زیادتی مرحمت فرماتا ہے اور اسی وجہ سے سمت صالح اس کے نصیب میں آجاتی ہے پھر وہ سیاست مدینہ، تدبیر منزل اور جملہ آداب و عادات کی رعایت اس طور پر کرنے لگتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی کے خیال میں نہیں آسکتی اس کو اخلاق، بہادری اور سیاست وعدالت اور ہر وقت و محل کے مناسب نامناسب مصلحتوں کی معرفت بھی بخش دیتا ہے اسی جزء کی طرف حدیث السمت الصالح میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (قرۃ العینین ص ۴۱)

شاہ صاحبؒ کے اس بیان سے سمت حسن کی تفسیر معلوم ہوگئی اور اسی سے اس کے اجزاء نبوت ہونے کے معنی بھی واضح ہوگئے۔

یہ بات قابل یادداشت ہے کہ شعب اسلامیہ (اسلام کے مختلف شعبے) میں جن اعمال کو اجزاء نبوت یا سنۃ نبوت کہا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونا سہل ممتنع (آسان لیکن مشکل) کے قریب ہے ان اعمال کا خاصہ قرب ولایت نہیں قرب نبوت ہے ارباب حقائق (حقیقتوں کے جاننے والے) نے اعمال صالحہ سے جو قرب نصیب ہوتا ہے اس کی بھی دو قسمیں کی ہیں اس لئے جن سعید اور بلند طبائع میں قرب نبوت سے مناسبت ہو انہیں ان اعمال کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہئے۔ اور ان حدیثوں کو محض ایک اسلوب تاکید خیال کر کے معمولی نہ سمجھنا چاہئے۔



اخلاص کی اہمیت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِءٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَءَةٍ يَّتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ: ''سب انسانی اعمال کا دارو مدار بس نیتوں پر ہے اور آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے، تو جس شخص نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی (اور خدا اور رسول کی رضا جوئی واطاعت کے سوا اس کی ہجرت کا اور کوئی باعث نہ تھا) تو اس کی ہجرت درحقیقت اللہ ورسول ہی کی طرف ہوئی (اور بےشک وہ اللہ ورسول کا سچا مہاجر ہے اور اس کو اس ہجرت الی اللہ والرسول کا مقرر اجر ملے گا) اور جو کسی دنیاوی غرض کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر ''مہاجر'' بنا تو (اس کی ہجرت اللہ ورسول کے لئے نہ ہوگی، بلکہ) فی الواقع جس دوسری غرض اور نیت سے اس نے ہجرت اختیار کی عند اللہ بس اسی کی طرف اس کی ہجرت مانی جائے گی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا وہ خود مطلب خیز ہے اور نفس مفہوم کے بیان کے لئے اس کے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں، لیکن اس کی خصوصی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ اس کے مطالب وفوائد پر کچھ اور بھی لکھا جائے۔

حدیث کا اصل منشاء امت پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ تمام اعمال کے صلاح وفساد اور مقبولیت ومردودیت کا مدار نیت پر ہے، یعنی عمل صالح وہی ہوگا اور اُسی کی اللہ کے یہاں قدر وقیمت ہوگی جو صالح نیت سے کیا گیا ہو۔ اور جو ''عمل صالح''، کسی بُری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو وہ صالح اور مقبول نہ ہوگا، بلکہ نیت کے مطابق فاسد اور مردود ہوگا، اگر چہ ظاہری نظر میں ''صالح'' ہی معلوم ہو۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ عمل کے ساتھ نیت کا اور ظاہر کے ساتھ باطن کا بھی دیکھنے والا ہے اس کے یہاں ہر عمل کی قدر وقیمت عمل کرنے والے کی نیت کے حساب سے لگائی جائے گی۔

ایک اہم وضاحت

کسی کو اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جب دارومدار نیت ہی پر ہو تو اگر برے کام بھی کسی اچھی نیت سے کئے جائیں تو وہ اعمال صالحہ ہو جائیں گے اور ان پر بھی ثواب ملے گا مثلاً، اگر کوئی شخص اس نیت سے چوری اور ڈاکہ زنی کرے کہ جو مال اس سے حاصل

ہوگا، اس سے وہ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرے گا تو وہ بھی ثواب کا مستحق ہو سکے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ جو کام فی نفسہٖ برے ہیں اور جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے ان میں حُسنِ نیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، وہ تو بہر حال قبیح اور موجب غضب الٰہی ہیں بلکہ ان کے ساتھ اچھی نیت کرنا اور اُن پر ثواب کی امید رکھنا شاید ان کی مزید قباحت کا اور سزا میں زیادتی کا باعث ہو کیونکہ یہ اللہ کے دین کے ساتھ ایک قسم کا تلاعب (کھیل) ہوگا، بلکہ حدیث کا منشاء "اعمال صالحہ" کے متعلق یہ جتلانا ہے کہ وہ بھی اگر کسی بری نیت سے کئے جائیں گے تو پھر "اعمال صالحہ" نہیں رہیں گے، بلکہ بُری نیت کی وجہ سے ان کا انجام بُرا ہی ہوگا۔ مثلاً جو شخص نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتا ہے جس کو ہم اعلیٰ درجہ کا عمل صالح سمجھتے ہیں وہ اگر یہ خشوع و خضوع اس لئے کرتا ہے کہ لوگ اس کی دینداری اور خدا پرستی کے متعلق اچھی رائے قائم کریں اور اس کا اعزاز و اکرام کیا جائے تو اس حدیث کی رو سے اس کی یہ خشوع و خضوع والی نماز اللہ کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی، یا مثلاً ایک شخص دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت کرتا ہے اور اس کے لئے ہجرت کی ساری مشقتیں اور مصیبتیں سہتا ہے لیکن اس کی غرض اس ہجرت سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی نہیں بلکہ کوئی اور دُنیاوی غرض پوشیدہ ہے، مثلاً دار الہجرت میں رہنے والی کسی عورت سے نکاح کی خواہش اس ہجرت کے لئے محرک ہوئی ہے تو یہ ہجرت ہجرت اسلام نہ ہوگی اور اللہ کے ہاں اس کا کوئی اجر نہ ہوگا، بلکہ اُلٹا گناہ ہوگا، بس یہی ہے اس حدیث کا اصل منشاء۔

ریاکاری کی نحوست

ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین شخصوں کے متعلق عدالت الٰہیہ سے جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا۔ سب سے پہلے ایسے شخص کی پیشی ہوگی جو جہاد میں شہید ہوا ہوگا۔ وہ جب حاضر عدالت ہوگا تو اللہ تعالیٰ پہلے اس کو اپنی نعمتیں جتائے گا اور یاد دلائے گا وہ اس کو یاد آجائیں گی پھر اس سے فرمایا جائے گا بتلا تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اور کیا عمل کئے؟ وہ عرض کرے گا خداوند میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور تیری رضا طلبی میں جان عزیز تک قربان کردی، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے تو نے تو صرف اس لئے جہاد کیا تھا کہ تو بہادر مشہور ہو، تو دنیا میں تیری بہادری کا چرچا ہو چکا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اسی طرح ایک "عالم دین" اور "عالم قرآن" حاضر عدالت کیا جائے گا اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو نے کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں نے تیرے دین اور تیری کتاب کے علم کو پڑھا اور پڑھایا، اور یہ سب تیری رضا کے لئے کیا، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے تو عالم، قاری اور مولانا کہلانے کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا، پھر بحکم خداوندی اس کو بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد ایک شخص پیش ہوگا جس کو اللہ نے بہت کچھ مال و دولت دیا ہوگا اس سے بھی سوال کیا جائے گا کہ تو نے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ خداوند میں نے خیر کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں تیری رضا جوئی کے لئے اپنا مال خرچ نہ کیا ہو، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے صرف اس لئے مال خرچ کیا تھا کہ دُنیا تجھ کو سخی کہے تو دنیا میں تیری سخاوت کا خوب چرچا ہو لیا۔ پھر اس کو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

الغرض اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی عمل کام آئے گا جو صالح نیت سے یعنی محض رضائے الٰہی کے لئے کیا گیا ہو، دین کی خاص اصطلاح میں اسی کا نام اخلاص ہے۔

اخلاص دین کا تہائی حصہ

یہ حدیث اُن ''جوامع الکلم'' میں سے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن مختصر مگر جامع اور وسیع المعنی ارشادات میں سے جو مختصر ہونے کے باوجود دین کے کسی بڑے اہم حصہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں اور ''دریا بکوزہ'' کے مصداق ہیں۔ یہاں تک کہ بعض آئمہ نے کہا کہ ''اسلام'' کا ایک تہائی حصہ اس حدیث میں آ گیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ان آئمہ نے فرمایا مبالغہ نہیں ہے بلکہ عین حقیقت ہے، کیونکہ اصولی طور پر اسلام کے تین ہی شعبے ہیں۔ ایمان (یعنی اعتقادیات) اعمال اور اخلاص۔ چونکہ یہ حدیث اخلاص کے پورے شعبہ پر حاوی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسلام کا ایک تہائی حصہ اس میں آ گیا ہے......اور پھر اخلاص وہ چیز ہے جس کی ضرورت ہر کام میں اور ہر قدم پر ہے، خاص کر جب بندہ کوئی اچھا سلسلہ شروع کرے خواہ وہ علمی ہو یا عملی تو وہ اس کا حاجت مند ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اس کے سامنے ہو، اسی لئے بعض اکابر نے اپنی مؤلفات کو اسی حدیث سے شروع کرنا بہتر سمجھا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی ''جامع صحیح'' کو اور ان کے بعد امام بغوی نے ''مصابیح'' کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے، گویا اسی کو ''فاتحۃ الکتاب'' بنایا ہے اور حافظ الحدیث ابن مہدیؒ سے منقول ہے کہ جو شخص کوئی دینی کتاب تصنیف کرے اچھا ہو کہ وہ اسی حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز کرے (آگے فرمایا) اور اگر میں کوئی کتاب لکھوں تو اس کے ہر باب کو اسی حدیث سے شروع کروں گا۔ (فتح الباری)

حدیث جبرائیل علیہ السلام

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِسْلَامِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا، قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْاَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ؟ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ، قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ؟ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ، قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَتِهَا قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا عُمَرُ اَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ؟ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرَئِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ. (رواہ مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے (اسی حدیث کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مجلس مبارک میں صحابہ کا ایک مجمع تھا اور حضرت اُن سے خطاب فرما رہے تھے۔ فتح) کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا، جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے، اور اُس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا، (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی شخص اس نو وارد کو پہچانتا نہ تھا (جس سے خیال ہوتا تھا یہ کوئی باہر کا آدمی ہے، تو یہ حاضرین کے حلقہ میں سے گزرتا ہوا آیا) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر دوزانو اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آنحضرت کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا اے محمدؐ! مجھے بتلائیے کہ "اسلام" کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "اسلام" یہ ہے (یعنی اس کے ارکان یہ ہیں کہ دل و زبان سے) تم یہ شہادت ادا کرو کہ "اللہ" کے سوا کوئی 'الٰہ' (کوئی ذات عبادت و بندگی کے لائق) نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور ماہ رمضان کے روزے رکھو، اور اگر حج بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو، اس نو وارد سائل نے آپ کا یہ جواب سن کر کہا، آپ نے سچ کہا۔ راویٔ حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے، اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا اب مجھے بتلائیے کہ "ایمان" کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخر یعنی روز قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر و شر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو، (یہ سن کر بھی) اس نے کہا، آپ نے سچ کہا۔ اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا، مجھے بتلائیے کہ احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی تم اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر چہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو پر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے، پھر اُس شخص نے عرض کیا مجھے قیامت کی بابت بتلائیے (کہ وہ کب واقع ہوگی) آپ نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی، (اور دوسری نشانی یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے، اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے یہ نو وارد شخص چلا گیا، پھر مجھے کچھ عرصہ گزر گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اے عمرؓ! کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ جبرئیل تھے، تمہاری اس مجلس میں اس لئے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھا دیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ امور کا بیان فرمایا ہے، اسلام، دوسرے ایمان، تیسرے احسان، چوتھے قیامت کے متعلق انتباہ کہ اس کا وقتِ خاص اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں، اور پانچویں قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی بعض علامات ان پانچوں چیزوں کے متعلق جو کچھ اس حدیث میں بیان فرمایا ہے وہ تشریح طلب ہے۔

اسلام کیا ہے؟

اسلام کے اصل معنی ہیں اپنے کوکسی کے سپرد کر دینا اور بالکل اُسی کے تابع فرمان ہو جانا......اور اللہ کے بھیجے ہوئے اور اس کے رسولوں کے لائے ہوئے ''دین'' کا نام اسلام اسی لئے ہے کہ اُس میں بندہ اپنے آپ کو بالکل مولا کے سپرد کر دیتا ہے، اور اس کی مکمل اطاعت کو اپنا دستور زندگی قرار دے لیتا ہے اور یہی اصل حقیقت ''دین اسلام'' کی اور اسی کا مطالبہ ہے ہم سے۔ فرمایا گیا'' فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا'' (حج ۲۲:۳۴) (تمہارا! اللہ وہی الہ واحد ہے، لہٰذا تم اسی کے ''مسلم'' یعنی مطیع ہو جاؤ) اور اسی اسلام کے متعلق فرمایا گیا ہے ''وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ'' (نساء۴:۱۲۵) (اور اس سے بہتر کون ہوسکتا ہے جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور وہ اس طرح ''مسلم بندہ'' ہو گیا) اور اسی اسلام کے متعلق اعلان فرمایا گیا ہے ''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ'' (آل عمران۳:۸۵) (یعنی جس نے ''اسلام'' کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہا تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا، اور وہ آدمی آخرت میں بڑے گھاٹے اور ٹوٹے والوں میں سے ہوگا) بہر حال ''اسلام'' کی اصل روح اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ اپنے کو کلی طور پر اللہ کے سپرد کر دے اور ہر پہلو سے اس کا مطیع فرمان بن جائے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں میں اس ''اسلام'' کے لئے کچھ مخصوص ارکان بھی ہوتے ہیں جن کی حیثیت اس ''حقیقتِ اسلام'' کے ''پیکر محسوس'' کی سی ہوتی ہے، اور اس حقیقت کا نشوونما اور اس کی تازگی بھی انہی سے ہوتی ہے، اور وہ صرف تعبدی امور ہوتے ہیں، اور ظاہری نظر انہی ''ارکان'' کے ذریعہ فرق وامتیاز کرتی ہے۔ ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے اپنا دستور حیات ''اسلام'' کو بنایا ہے، اور ان کے درمیان جنہوں نے نہیں بنایا۔

تو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''اسلام'' کا جو آخری اور مکمل دستور ہمارے پاس آیا ہے اس میں توحید خداوندی اور رسالت محمدی کی شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بیت اللہ کو ''ارکان اسلام'' قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے ''بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ الخ'' (یعنی اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر ہے)

بہر حال یہ پانچ چیزیں جن کو آپ نے یہاں اس حدیث میں ''اسلام'' کے جواب میں بیان فرمایا ''ارکان اسلام'' ہیں اور یہی گویا ''اسلام'' کے لئے ''پیکر محسوس'' ہیں۔ اسی واسطے اس حدیث میں انہی کے ذریعہ اسلام کا تعارف کرایا گیا ہے۔

ایمان کیا ہے؟

ایمان کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی حق بات کو سچ ماننے کے ہیں۔

ں (فى التنزيل وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ۔ سورۂ یوسف۱۲:۱۷)

اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر! ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلاتِ ادراک کے حدود سے ماوراء ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کر لیں۔ بہر حال شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امورِ غیب ہی سے ہوتا ہے

جن کو ہم اپنے آلاتِ احساس وادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعے معلوم نہیں کر سکتے۔

(اسی واسطے "ایمان" کے ساتھ بالغیب کی قید بھی لگائی جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ یُؤمِنُونَ بِالْغَیْبِ۔)

مثلاً اللہ اور اس کی صفات اور اس کے احکام اور رسولوں کی رسالت اور ان پر وحی کی آمد اور مبداء و معاد کے متعلق ان کی اطلاعات، وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول نے بیان فرمائیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے، اور پیغمبر کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتی ہے۔

جو لوگ اللہ کے کسی پیغمبر کی حیات مقدسہ میں براہ راست ان کی زبان سے ان کی ہدایت اور تعلیم سنیں ان کے لئے تو ان کی ہر اس بات کی تصدیق شرط ایمان ہے جو پیغمبر ان کے سامنے اللہ کی طرف سے بیان کریں۔ اگر وہ ان کی ایسی ایک بات کا بھی انکار کریں گے تو مومن نہ رہیں گے لیکن جب پیغمبر اس دنیا میں نہ رہیں تو صرف ان باتوں کی تصدیق کرنا شرط ایمان ہے جن کا ثبوت ان پیغمبر سے ایسے یقینی قطعی اور بدیہی طریقہ سے ہو، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دین کی ایسی تعلیمات کو خاص علمی اصطلاح میں ضروریاتِ دین کہتے ہیں، ان سب پر ایمان لانا شرط ایمان ہے، اگر ان میں سے کسی کا بھی کوئی انکار کرے تو مؤمن نہیں رہے گا اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اسلام سے اس کا رشتہ کٹ جائے گا۔

پس آدمی کے مؤمن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ "کُلُّ مَا جَاءَ بِهِ الرَّسُوْلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کی (یعنی تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے) تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے۔ لیکن ان سب چیزوں کی پوری تفصیل معلوم ہونی ضروری نہیں ہے، بلکہ نفسِ ایمان کے لئے یہ اجمالی تصدیق بھی کافی ہے، البتہ کچھ خاص اہم اور بنیادی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ایمانی دائرہ میں آنے کے لئے ان کی تصدیق تعین کے ساتھ ضروری ہے۔

چنانچہ حدیث زیرِ تشریح میں ایمان سے متعلق سوال کے جواب میں جن امور کا ذکر فرمایا گیا ہے (یعنی اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابیں، اللہ کے رسول، روز قیامت اور ہر خیر وشر کی تقدیر) تو ایمانیات میں سے یہ وہی اہم اور بنیادی امور ہیں جن پر تعین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ذکر صراحۃً اور تعین کے ساتھ فرمایا، اور قرآن پاک میں بھی یہ ایمانی امور اسی تفصیل اور تعین کے ساتھ مذکور ہیں۔ سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں ارشاد ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ. (بقرہ ۲: ۲۸۵)

رسول پر جو ہدایت اور تعلیم نازل ہوئی خود رسول کا بھی اس پر ایمان ہے اور سب مؤمنوں کا بھی، یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ۱۲۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا. (نساء: ۴: ۱۳۶)

جو بھی اللہ اور اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخر سے کفر کرے یعنی ان پر ایمان نہ لائے وہ بہت ہی زیادہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا ۱۲۔

ان امورِ ششگانہ میں سے ''تقدیر خیر وشر'' کا ذکر قرآن پاک میں اگر چہ ان ایمانیات کے ساتھ ان آیات میں نہیں آیا ہے، لیکن دوسرے موقع پر قرآن پاک نے اس کو بھی صراحۃً بیان فرمایا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے: قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ. (نساء: ۴:۷۸)

(اے پیغمبر! آپ اعلان فرمادیجئے کہ ہر چیز خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہے ۱۲) اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَمَنْ يُّرِدِاللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا. الآية. (انعام ۶:۱۲۵)

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے ''اسلام'' کے ماننے اور قبول کرنے کے لئے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جس کے متعلق اس کا فیصلہ ضلالت کا ہوتا ہے اس کے سینے کو بھینچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے۔۱۲۔

اب مختصراً یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ ان سب پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

سو اللہ پر ایمان لانے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے موجود وحدہٗ لاشریک خالق کائنات اور ربّ العالمین ہونے کا یقین کیا جائے، عیب ونقص کی ہر بات سے پاک اور ہر صفتِ کمال سے اس کو متصف سمجھا جائے۔

اور ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ مخلوقات میں ایک مستقل نوع کی حیثیت سے ان کے وجود کو حق مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ کی ایک پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۔ (انبیاء ۲۱:۲۶) (بلکہ وہ محترم اور باعزت بندے ہیں ۱۲)

جس میں شر اور شرارت اور عصیان و بغاوت کا عنصر ہی نہیں بلکہ ان کا کام صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے (لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ) (تحریم ۶۶:۶)

(وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے، جو حکم ان کو دیا جاتا ہے وہ اس کے مطابق ہی کرتے ہیں ۱۲)

ان کے متعلق کام ہیں اور ان کی ڈیوٹیاں (فرائض) ہیں جن کو وہ خوبی سے انجام دیتے ہیں)

احسان کی وضاحت

احسان۔ اسلام وایمان کے بعد سائل نے تیسرا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ''احسان'' کے متعلق کیا تھا کہ ''مَا الْاِحْسَانُ؟'' یعنی ''احسان'' کی کیا حقیقت ہے؟

یہ ''احسان'' بھی ایمان واسلام کی طرح خاص دینی اور بالخصوص قرآنی اصطلاح ہے۔ فرمایا گیا ہے ''بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ'' وہاں جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور اس کے ساتھ ''احسان'' کا وصف بھی اس میں ہوا تو اس کے رب کے پاس اس کے لئے خاص (اجر ہے)۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: ''وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ'' (اور اس سے اچھا دین میں کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور ساتھ ہی وہ محسن (یعنی صاحب احسان بھی ہے)

ہماری زبان اور ہمارے محاورہ میں تو ''احسان'' کے معنی کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ہیں لیکن یہاں جس

''احسان'' کا ذکر ہے وہ اس کے علاوہ ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کی حقیقت وہی ہے جو حدیث زیر تشریح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی یعنی خدا کی بندگی اس طرح کرنا جیسے کہ وہ قہار وقدوس اور ذوالجلال و الجبروت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں۔

اس کو یوں سمجھئے کہ غلام ایک تو اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرتا ہے جبکہ وہ اس کے سامنے موجود ہو اور اس کو یقین ہو کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ایک رویہ اس کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ آقا کی غیر موجودگی میں کام کرتا ہے، عموماً ان دونوں وقتوں کے طرز عمل میں فرق ہوتا ہے اور عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جس قدر دلی دھیان اور محنت اور خوبصورتی کے ساتھ وہ آقا کی آنکھوں کے سامنے کام کرتا اور جس خوش اسلوبی سے اس وقت وظائف خدمت کو انجام دیتا ہے، مالک کی عدم موجودگی میں اس کا حال وہ نہیں ہوتا، یہی حال بندوں کا اپنے حقیقی مولیٰ کے ساتھ بھی ہے جس وقت وہ بندہ یہ محسوس کرے کہ میرا وہ مولیٰ حاضر ناظر ہے، میرے ہر کام بلکہ میری ہر ہر حرکت اور ہر ہر سکون کو وہ دیکھ رہا ہے، تو اس کی ایک خاص کیفیت اور اس کی بندگی میں ایک خاص شان نیازمندی ہوگی، جو اُس وقت میں نہیں ہوسکتی جب کہ اس کا دل اس تصور اور اس احساس سے خالی ہو تو ''احسان'' یہی ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کی جائے گویا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم اس کے سامنے ہیں اور وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ:

(الاحسان) اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ.

احسان اسکا نام ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ اسکو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر چہ تم اسکو نہیں دیکھتے ہو مگر وہ تم کو دیکھتا ہی ہے۔

قیامت اور اس کی علامات

یعنی ''قیامت''، اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق سوالوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سائل نے عرض کیا تھا **''فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَةِ ؟''** (یعنی مجھے قیامت کی بابت بتلائیے کہ کب آئے گی؟) آپ صلی اللہ نے جواب دیا **''مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ''** (یعنی جس سے سوال کیا جارہا ہے اس کو خود اس بارے میں سائل سے زیادہ علم نہیں ہے) یعنی قیامت کے وقت خاص کا علم جس طرح سائل کو نہیں ہے مجھے بھی نہیں ہے۔ اس حدیث کی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں (جو صحیح بخاری میں بھی ہے) اس موقع پر یہ الفاظ اور ہیں **''فِیْ خَمْسٍ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ''** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمانے کے بعد کہ قیامت کے بارے میں (میرا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) یہ مزید افادہ فرمایا کہ یہ (وقت قیامت تو) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کے متعلق قرآن کریم کی اس آیت **''اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الخ''**، میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے سوال کے جواب میں بجائے یہ فرمانے کے کہ ''مجھے اس کا علم نہیں''، یہ پیرایہ بیان (کہ اس بارے میں مسئول عنہ کا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) اس لیے اختیار فرمایا کہ لوگوں کو معلوم ہو

جائے کہ کسی سائل اور کسی مسئول کو بھی اس کا علم نہیں ہے اور آیت قرآنی تلاوت کر کے آپ نے اس کو اور زیادہ محکم فرمادیا۔

وقت قیامت کے متعلق مذکورہ بالا جواب پانے کے بعد سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ "فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِهَا" (مجھے قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتلائیے؟) اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خاص نشانیاں بیان فرمائیں۔

ایک یہ کہ "لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی" اور دوسری یہ کہ نادار اور ننگے اور بھوکے لوگ جن کا کام بکریاں چرانا ہوگا وہ بھی بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنائیں گے۔

پہلی جو نشانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اس کا مطلب شارحین حدیث نے کئی طرح سے بیان کیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ راجح توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قرب قیامت میں ماں باپ کی نافرمانی عام ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ لڑکیاں جن کی سرشت میں ماؤں کی اطاعت اور وفاداری کا عنصر بہت غالب ہوتا ہے اور جن سے ماں کے مقابلہ میں سرکشی بظاہر بہت ہی مشکل اور مستبعد ہے وہ بھی نہ صرف یہ کہ ماؤں کے مقابلہ میں نافرمان ہو جائیں گی بلکہ الٹی اس طرح ان پر حکومت چلائیں گی جس طرح ایک مالکہ اور سیدہ اپنی زر خرید باندی پر حکومت کرتی ہے۔ اسی کو حضرت نے اس عنوان سے تعبیر فرمایا ہے کہ "عورت اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی"۔ یعنی عورت سے جو لڑکی پیدا ہوگی وہ بڑی ہو کر خود اس ماں پر اپنی حکومت چلائے گی اور کوئی شک نہیں کہ اس نشانی کے ظہور کی ابتداء ہو چکی ہے۔

اور دوسری جو نشانی حضرت نے بیان فرمائی کہ "بھوکے ننگے اور بکریوں کے چرانے والے اونچے اونچے محل بنوائیں گے۔" تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں دنیاوی دولت و بالاتری ان اراذل کے ہاتھوں میں آئے گی جو ان کے اہل نہ ہوں گے اور ان کو بس اونچے اونچے شاندار محل بنوانے سے شغف ہوگا اور اسی کو وہ سرمایہ فخر و مباہات سمجھیں گے اور اس میں اپنی اولوالعزمی دکھائیں گے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔

ایک دوسری حدیث میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے "اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ" (یعنی جب حکومتی اختیارات اور مناصب و معاملات نااہلوں کے سپرد ہونے لگیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو)

زیر تشریح حدیث کے آخر میں ہے کہ اس سائل کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ سائل جبرئیل امین تھے اور اس لیے سائل بن کر آئے تھے کہ اس سوال و جواب کے ذریعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دین کی تعلیم و تذکیر ہو جائے۔

اس حدیث کی بعض روایات میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ آمد اور گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے آخری حصہ میں ہوئی تھی۔ (فتح الباری وعمدۃ القاری)

گویا تیئس سال کی مدت میں جس دین کی تعلیم مکمل ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ جبرئیل علیہ السلام کے ان سوالات کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پورے دین کا خلاصہ اور لب لباب بیان کرا کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے علم کی تکمیل کر دی جائے اور ان کو اس امانت کا امین بنا دیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ دین کا حاصل بس تین ہی باتیں ہیں:

۱) یہ کہ بندہ اپنے کو بالکل اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بنا دے اور اس کی بندگی کو اپنی زندگی بنا لے اور اسی کا نام

اسلام ہے اور ارکان اسلام اسی حقیقت کے مظاہر ہیں۔

۲) ان اہم غیبی حقیقتوں کو مانا جائے اور ان پر یقین کیا جائے جو اللہ کے پیغمبروں نے بتلائیں اور جن کو ماننے کی دعوت دی اور اسی کا نام ایمان ہے۔

۳) اور اللہ نصیب فرمائے تو اسلام و ایمان کی منزلیں طے کر لینے کے بعد تیسری اور آخری تکمیلی منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایسا استحضار اور دل کو مراقبہ حضور و شہود کی ایسی کیفیت نصیب ہو جائے کہ اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی فرمانبرداری و بندگی اس طرح ہونے لگے کہ گویا اپنے پورے جمال و جلال کے ساتھ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے اور اسی کیف و حال کا نام احسان ہے۔

اسی طرح اس سوال و جواب میں گویا پورے دین کا خلاصہ اور عطر آ گیا اور اسی لیے اس حدیث کو علماء نے ''اُم السنہ'' بھی کہا ہے۔ گویا جس طرح قرآن مجید کے تمام اہم مطلب اور مضامین پر بالا جمال حاوی ہونے کی وجہ سے سورۂ فاتحہ کا نام ''اُم الکتاب'' ہے اسی طرح یہ حدیث اپنی اس جامع حیثیت کی وجہ سے ''اُم السنہ'' کہی جانے کی مستحق ہے اور اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے امام مسلم نے اپنی جلیل القدر کتاب صحیح مسلم کو مقدمہ کے بعد اسی حدیث سے شروع کیا ہے اور امام بغوی نے بھی اپنی دونوں تالیفوں ''مصابیح'' اور ''شرح السنہ'' کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے۔

یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے جس طرح کہ یہاں نقل کی گئی صحیح مسلم میں ہے اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی یہ واقعہ مروی ہے اور دوسری کتب حدیث میں اور بھی چند صحابہ کرامؓ سے یہ واقعہ روایت کیا گیا ہے۔

اسلام کے پانچ ارکان

عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ. (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے۔ ایک اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں' (کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ دوسرے نماز قائم کرنا' تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا' چوتھے حج کرنا' پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔'' (بخاری)

تشریح:...... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعارہ کے طور پر اسلام کو ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے جو چند ستونوں پر قائم ہو اور بتلایا ہے کہ عمارت اسلام ان پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ان ارکان کے ادا کرنے اور قائم کرنے میں غفلت کرے کیونکہ یہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔ واضح رہے کہ اسلام کے فرائض ان ارکان خمسہ ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں۔ مثلاً جہاد فی سبیل اللہ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ لیکن جو اہمیت اور جو خصوصیت ان پانچ کو حاصل ہے وہ چونکہ اوروں میں نہیں ہے اس لیے اسلام کا رکن صرف ان ہی کو قرار

دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ "ارکان خمسہ" اسلام کے لیے بمنزلہ پیکر محسوس کے ہیں۔ نیز یہی وہ خاص تعبدی امور ہیں جو بالذات مطلوب و مقصود ہیں اور ان کی فرضیت کسی عارض کی وجہ سے اور کسی خاص حالت سے وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ مستقل اور دوامی فرائض ہیں بخلاف جہاد اور امر بالمعروف کے کہ ان کی یہ حیثیت نہیں ہے اور وہ خاص حالات میں اور خاص موقعوں پر فرض ہوتے ہیں۔

ارکانِ اسلام کی فضیلت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ نُهِيْنَا اَنْ نَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ فَكَانَ يُعْجِبُنَا اَنْ يَجِيَّ الرَّجُلُ مِنَ اَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْئَلُهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدًا اَتَانَا رَسُوْلُكَ فَزَعَمَ لَنَا اَنَّكَ تَزْعُمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ' قَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ قَالَ اللّٰهُ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ قَالَ اللّٰهُ قَالَ فَمَنْ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيْهَا مَا جَعَلَ قَالَ: اللّٰهُ قَالَ فَبِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْاَرْضَ وَنَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ اللّٰهُ اَرْسَلَكَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ يَوْمِنَا وَلَيْلَتِنَا قَالَ صَدَقَ' قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا زَكٰوةً فِيْ اَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا حَجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقَ' قَالَ ثُمَّ وَلّٰى قَالَ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُنَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ. (رواه البخاری و مسلم شریف)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ممانعت کردی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بلا خاص ضرورت کے) کچھ پوچھیں تو ہم کو اس بات سے خوشی ہوئی تھی کہ کوئی سمجھدار بدوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے کچھ پوچھے اور ہم سنیں تو ان ہی ایام میں ایک بدوی خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "اے محمدؐ! تمہارا قاصد (یا مبلغ) ہمارے پاس پہنچا تھا' اس نے ہم سے بیان کیا کہ تمہارا کہنا ہے کہ اللہ نے تم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس نے تم سے ٹھیک کہا۔ اس کے بعد اس بدوی نے کہا تو بتلاؤ کہ آسمان کس نے بنایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے! اس نے کہا: زمین کس نے بنائی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ نے۔ اس نے کہا زمین پر یہ پہاڑ کس نے کھڑے کیے ہیں اور ان پہاڑوں میں اور جو کچھ بنا ہے وہ کس نے بنایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے' اس کے بعد اس بدوی سائل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا' پس! قسم ہے اُس ذات کی جس نے آسمان بنایا' زمین بنائی اور اس پر پہاڑ نصب کیے کیا اللہ ہی نے تم کو بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' بیشک مجھے اللہ ہی نے بھیجا ہے۔ پھر اس نے کہا تمہارے اُس قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا تھا کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں بھی فرض ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اس نے تم سے ٹھیک کہا۔ اس بدوی نے کہا' تو قسم ہے آپ کے بھیجنے والے کی' کیا اللہ نے ہی آپ کو ان نمازوں کا بھی حکم کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا' ہاں! یہ اللہ ہی کا حکم ہے۔ پھر بدوی نے کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ ہمارے مالوں میں زکوٰۃ بھی مقرر کی گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ بھی اس نے تم سے سچ کہا۔ اعرابی نے کہا: تو قسم ہے آپ کو بھیجنے والے کی' کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ پھر اس اعرابی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ سال میں ماہ رمضان کے روزے بھی ہم پر فرض ہوئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اس نے سچ کہا۔ اعرابی نے عرض کیا: تو قسم ہے آپ کے بھیجنے والے کی' کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ اس کے بعد اعرابی نے کہا' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا کہ ہم میں سے جو حج کے لیے مکہ پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر بیت اللہ کا حج بھی فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اس نے سچ کہا۔" (راوی کا بیان ہے کہ) یہ سوال و جواب ختم کر کے وہ اعرابی چل دیا اور چلتے ہوئے اس نے کہا: "اُس ذات کی قسم! جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' میں ان میں نہ کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کوئی کمی۔" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "اگر یہ صادق ہے تو ضرور جنت میں جائے گا۔" (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح: ...... شروع حدیث میں "سوال کی ممانعت" کا جو ذکر آیا ہے اس کا اشارہ قرآن پاک کی آیت "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ" کی طرف ہے۔ بات یہ ہے کہ نئے نئے سوالات کرنا انسان کی فطرت ہے لیکن اس عادت کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طبائع کا رُجحان موشگافیوں ہی کی طرف زیادہ بڑھ جاتا ہے اور ان میں باتوں کی کھود کرید زیادہ پیدا ہو جاتی ہے اور عمل اسی نسبت سے کم۔ نیز اس میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور بالخصوص پیغمبر وقت سے زیادہ سوال کرنے میں ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کی جانب سے جواب ملنے کے بعد اُمت کی پابندیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ غرض ان ہی وجوہ سے غیر ضروری سوالات کرنے کی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی ممانعت فرمادی گئی تھی جس کے بعد وہ بہت ہی کم سوال کرتے تھے اور اس کے آرزومند رہا کرتے تھے کہ کوئی بدوی آئے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھے تو ہم کو بھی کچھ سننے کو مل جائے کیونکہ بیچارے بدویوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بڑی وسعت تھی اور اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی یہ تصریح بھی اس بارے میں مروی ہے کہ "بدوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سوالات میں بڑے جری تھے اور جو چاہتے تھے بے دھڑک پوچھتے تھے۔" (فتح الباری بحوالہ صحیح ابی عوانہ)

عَنْ اَبِیْ اَيُّوْبَ اَنَّ اَعْرَابِيًّا عَرَضَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِیْ سَفَرٍ فَاَخَذَ بِخِطَامِ نَاقَتِهٖ (اَوْ بِزِمَامِهَا) ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اَوْ يَا مُحَمَّد) اَخْبِرْنِیْ بِمَا يُقَرِّبُنِیْ مِنَ الْجَنَّةِ وَ يُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ؟ قَالَ فَكَفَّ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَظَرَ فِیْ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ وُفِّقَ (اَوْ لَقَدْ هُدِیَ) قَالَ كَيْفَ قُلْتَ؟ فَاَعَادَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِی الزَّكٰوةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ دَعِ النَّاقَةَ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک بدوی سامنے آ کھڑا ہوا اور

اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ کی مہار پکڑ لی، پھر کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر کہا اے محمدؐ!) مجھے وہ بات بتاؤ جو جنت سے مجھے قریب اور آتش دوزخ سے دور کر دے؟ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کا جواب دینے کے لیے اپنی ناقہ کو روک لیا) پھر اپنے رفقاء کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور (ان کو متوجہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس کو اچھی توفیق ملی (یا فرمایا کہ اس کو خوب ہدایت ملی) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سائل سے فرمایا کہ "ہاں! ذرا پھر کہنا تم نے کس طرح کہا؟ سائل نے اپنا وہی سوال پھر دُہرایا (مجھے وہ بات بتادو جو جنت سے مجھے نزدیک اور دوزخ سے دور کر دے؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عبادت اور بندگی کرتے رہو صرف اللہ کی اور کسی چیز کو اس کے ساتھ کسی طرح بھی شریک نہ کرو اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور صلہ رحمی کرو۔" (یعنی اپنے اہل قرابت کے ساتھ حسب مراتب اچھا سلوک رکھو اور ان کے حقوق ادا کرو) یہ بات ختم فرما کر حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بدوی سے فرمایا کہ "اب ہماری ناقہ کی مہار چھوڑ و۔" (مسلم شریف)

تشریح:......اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت سے قریب اور جہنم سے بعید کرنے والے اعمال میں سے صرف اللہ کی خالص عبادت، اقامت صلوٰۃ وادائے زکوٰۃ اور صلہ رحمی ہی کا ذکر فرمایا۔ حتیٰ کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں کیا، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کے لیے بس یہی چار باتیں کافی ہیں اور ان کے علاوہ جو فرائض وواجبات ہیں وہ غیر ضروری یا غیر اہم ہیں۔ ایسا سمجھنا اور احادیث میں اس قسم کی موشگافیاں پیدا کرنا فی الحقیقت سلامت فہم اور خوش مذاقی سے بہت دور ہے۔ حدیث کے طالب علم کو یہ اصول ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے لیے ایک شفیق معلم اور مشفق مربی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مصنف اور مؤلف نہیں ہیں اور شفیق معلم کا طریقہ یہی ہوتا ہے اور یہی اُس کے لیے صحیح بھی ہے کہ وہ جس موقع پر جس بات کی تلقین وتعلیم زیادہ مناسب سمجھتا ہے بس اس وقت اتنی ہی بات بتلاتا ہے۔ یہ طریقہ "مصنفوں" کا ہے کہ جہاں وہ جس موضوع پر کلام کرتے ہیں اس کے تمام اطراف وجوانب اور مالہ وماعلیہ کو اُسی جگہ بیان کرتے ہیں کسی شفیق ومعلم مربی کی تعلیم وتلقین میں بھی مصنفین وارباب فنون کا یہی طرز بیان تلاش کرنا درحقیقت خود اپنی بدذوقی ہے۔ پس روزہ، حج اور جہاد وغیرہ کا اس حدیث میں جو ذکر نہیں ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اُس وقت اس سائل کو ان ہی چار باتوں کی تذکیر وترغیب کی خاص ضرورت تھی اور شاید اس کا سبب یہ ہو کہ عموماً ان ہی چار چیزوں میں لوگوں سے کوتاہی زیادہ ہوتی ہے۔ یعنی اقامت صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ اور صلہ رحمی میں غفلت وکوتاہی اور اللہ کے ساتھ شرک کا خطرہ دوسری قسم کی کوتاہیوں سے زیادہ رہتا ہے۔ آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ روزہ اور حج جن پر فرض ہے ان میں ان کے تارک اتنے نہیں ہیں جتنے نماز وزکوٰۃ اور صلہ رحمی وغیرہ حقوق العباد کی ادائیگی میں غفلت کرنے والے ہیں یا جو کسی قسم کے جلی یا خفی شرک میں ملوث ہیں ایسے آدمی تو شاید تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکیں جو نماز وزکوٰۃ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے تو کماحقہ پابند ہوں لیکن روزہ اور حج باوجود فرضیت کے ادا نہ کرتے ہوں لیکن آپ ایسوں کو گن بھی نہیں سکتے جو رمضان آنے پر روزے تو رکھ لیتے ہیں مگر نماز کے پابند نہیں یا اگرچہ حج تو انہوں نے کرلیا ہے لیکن زکوٰۃ اور صلہ رحم جیسے حقوق عباد کے معاملے میں وہ سخت کوتاہ کار ہیں۔ الغرض بہت ممکن ہے کہ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے اُس وقت صرف ان ہی چار باتوں کی تلقین پر اکتفا فرمایا ہو۔ واللہ اعلم

صحیح مسلم ہی کی اس حدیث کی دوسری روایت کے آخر میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ جب وہ اعرابی چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر یہ مضبوطی سے ان احکام پر عمل کرتا رہا تو یقیناً جنت میں جائے گا۔"

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهٖ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى دَنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوٰاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهٗ فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَ ذَكَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنْ صَدَقَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ایک شخص جو علاقہ نجد کا رہنے والا تھا اور اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے (کچھ کہتا ہوا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کو آیا' ہم اس کی بھنبھناہٹ (گونج) تو سنتے تھے مگر (آواز صاف نہ ہونے کی وجہ سے اور شاید فاصلے کی زیادتی بھی اس کی وجہ ہو) ہم اس کی بات کو سمجھ نہیں رہے تھے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گیا' اب وہ سوال کرتا ہے اسلام کے بارے میں (یعنی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "مجھے اسلام کے وہ خاص احکام بتلائیے جن پر عمل کرنا بحیثیت مسلمان کے میرے لیے اور ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے") آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پانچ تو نمازیں ہیں دن رات میں (جو فرض کی گئی ہیں اور اسلام میں یہ سب سے اہم اور اول فریضہ ہے") اس نے عرض کیا کہ "کیا ان کے علاوہ اور کوئی نماز بھی میرے لیے لازم ہوگی؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں! (فرض تو بس یہی پانچ نمازیں ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنی طرف سے اور اپنے دل کی خوشی سے (ان پانچ فرضوں کے علاوہ) اور بھی زائد نمازیں پڑھو (اور مزید ثواب حاصل کرو)" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اور سال میں پورے مہینے رمضان کے روزے فرض کیے گئے ہیں (اور یہ اسلام کا دوسرا عمومی فریضہ ہے)۔ اس نے عرض کیا' کیا رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ بھی میرے لیے لازم ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' نہیں! (فرض تو بس رمضان ہی کے روزے ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم اور نفلی روزے رکھو (اور اللہ تعالیٰ کا مزید قرب اور ثواب حاصل کرو) راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فریضہ زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا' اس پر بھی اس نے یہی کہا کہ "کیا زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور صدقہ ادا کرنا بھی میرے لیے ضروری ہوگا؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! (فرض تو بس زکوٰۃ ہی ہے) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم نفلی صدقے دو (اور مزید ثواب حاصل کرو۔)" راوی حدیث طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ سوال کرنے والا شخص واپس لوٹ گیا اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ (مجھے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے) میں اس میں (اپنی طرف سے) کوئی زیادتی کمی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی یہ بات سن کر) فرمایا: "فلاح پا لی اس نے اگر یہ سچا ہے۔" (بخاری ومسلم)

ارکانِ اسلام کی دعوت کا دستور العمل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِيْنَ بَعَثَهُ اِلَى الْيَمَنِ اِنَّكَ سَتَأْتِيْ قَوْمًا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَإِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ اِلَى اَنْ يَّشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذَالِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذَالِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ، فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذَالِكَ فَاِيَّاكَ وَكَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے) ان سے فرمایا: ”تم وہاں اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس پہنچو گے، پس جب تم ان کے پاس جاؤ تو (سب سے پہلے) ان کو اس کی دعوت دینا کہ وہ شہادت دیں (یعنی دل و زبان سے قبول کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں اور یہ شہادت ادا کریں تو پھر ان کو بتلانا کہ اللہ نے دن رات میں تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں؟ پھر جب وہ اس میں بھی تمہاری اطاعت کریں تو اس کے بعد تم ان کو بتلانا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو قوم کے مالداروں سے لی جائے گی اور اسی کے فقراء و مساکین کو دے دی جائے گی پھر اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو پھر (زکوٰۃ وصول کرتے وقت چھانٹ چھانٹ کے) ان کے نفیس نفیس اموال نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بہت بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔“ (بخاری و مسلم شریف)

تشریح:...... امام بخاری وغیرہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق ۱۰ ھجری میں اور اکثر علماء سیر و اہل مغازی کے نزدیک ۹ ھجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور رخصت کرتے وقت اہل یمن کو اسلام کی دعوت دینے کے متعلق آپ نے ان کو یہ ہدایات دی تھیں...... بعض لوگوں کو اس حدیث میں بھی یہ اشکال ہوا ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف نماز اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا حالانکہ اس وقت روزہ اور حج کی فرضیت کا حکم بھی آ چکا تھا۔ شارحین نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ اس ناچیز کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ قرین قیاس توجیہ یہ ہے کہ حضرت معاذ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ہدایت دی۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اسلام کے ان تمام احکام و فرائض کو بتلانا نہ تھا جو اسلام لانے کے بعد ایک مسلمان پر عائد ہوتے ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد و مطلب صرف یہ تھا کہ دین کی دعوت اور اسلام کی تعلیم میں داعی اور معلم کو جو ترتیب اور تدریج اختیار کرنی چاہیے وہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتلا دیں اور وہ یہ ہے کہ ایک دم سارے اسلامی احکام و مطالبات اور شریعت کے تمام اوامر و نواہی لوگوں کے سامنے نہ رکھے جائیں، اس صورت میں اسلام کو قبول کرنا ان کے لیے بڑا مشکل ہوگا بلکہ سب سے پہلے ان کے سامنے توحید و رسالت کو پیش کیا جائے، جب وہ اس کو مان لیں تو انہیں بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمارا اور تمہارا واحد رب اور لاشریک مالک و مولیٰ ہے اس نے ہم سب پر پانچ

وقت کی نماز فرض کی ہے پھر جب وہ اس کو مان لیں تو ان کو بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں میں زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو قوم کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور اس کے حاجت مند طبقہ میں تقسیم کردی جائے گی۔

بہرحال حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ہدایت دینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد دعوت وتعلیم میں ترتیب و تدریج کا حکیمانہ اصول ان کو بتلانا تھا' باقی اسلام کے ضروری احکام و ارکان حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہی تھے اس لیے اس موقع پر سب کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

اسلام کی دعوت وتعلیم کے متعلق یہ ہدایت دینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک نصیحت فرمائی کہ جب زکوٰۃ کی وصولی کا وقت آئے تو ایسا نہ کیا جائے کہ لوگوں کے اموال (مثلاً پیداوار اور چوپایوں) میں سے بہتر زکوٰۃ میں لینے کے لیے چھانٹ لیے جائیں بلکہ جیسا مال ہو اسی کے اوسط سے زکوٰۃ وصول کی جائے۔

سب سے آخری نصیحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ دیکھو! مظلوم کی بددعا سے بچنا (مطلب یہ ہے کہ تم ایک علاقے کے حاکم بن کر جارہے ہو' دیکھو کبھی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا) کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ وہ قبول ہو کے رہتی ہے۔

بلکہ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:

دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ مُسْتَجَابَةٌ وَاِنْ كَانَ فَاجِرًا فَفُجُوْرُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مظلوم کی دعا قبول ہی ہوتی ہے اگرچہ وہ بدکار بھی ہو تو اسکی بدکاری کا وبال اسکی ذات پر ہے۔" (فتح وعمدہ)
(یعنی فسق وفجور کے باوجود ظالم کے حق میں اس کی بددعا قبول ہوتی ہے)

اور مسند احمد ہی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ مُسْتَجَابَةٌ وَاِنْ كَانَ كَافِرًا لَيْسَ دُوْنَهٗ حِجَابٌ.

"مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس کے لیے کوئی روک نہیں ہے۔" (عمدہ)

نجات کیلئے دین اسلام پر ایمان لانا ضروری ہے

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِىْ اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِىٌّ وَلَا نَصْرَانِىٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِىْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے' اس امت کا (یعنی اس دور کا) جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سن لے (یعنی میری نبوت ورسالت کی دعوت اس تک پہنچ جائے) اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مرجائے تو ضرور وہ دوزخیوں میں ہوگا۔" (مسلم)

تشریح:......اس حدیث میں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر اور یہ ظاہر کرنے کے واسطے کیا گیا ہے کہ

جب یہود و نصاریٰ جیسے مسلم اہل کتاب بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر اور ان کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات نہیں پا سکتے تو دوسرے کافروں، مشرکوں کا انجام اسی سے سمجھ لیا جائے۔

بہرحال حدیث کا مضمون عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس دورِ محمدی میں (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا) جس شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دعوت پہنچ جائے اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے اور اسی حال میں مرجائے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ اگرچہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اس کی کتاب و شریعت کا ماننے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو، الغرض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات ممکن نہیں ہاں جس بیچارہ کو آپ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی وہ معذور ہے۔ یہ مسئلہ دین اسلام کے قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے جس میں شک وشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی حیثیت کو نہ سمجھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ رَجُلاً مِنَ النَّصَارٰى مُتَمَسِّكًا بِالْاِنْجِيْلِ وَرَجُلاً مِنَ الْيَهُوْدِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرَاةِ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِيْ مِنْ يَهُوْدِيٍّ اَوْ نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِيْ فَهُوَ فِي النَّارِ. (اخرجه الدارقطنى فى الافراد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک نصرانی شخص ہے جو انجیل کے موافق عمل کرتا ہے اور اسی طرح ایک یہودی شخص ہے جو تورات کے احکام پر چلتا ہے اور وہ اللہ پر ان کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کی شریعت پر نہیں چلتا تو فرمائیے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس یہودی یا نصرانی نے میری بات کو سن لیا (یعنی میری دعوت اُس تک پہنچ گئی) اور اس کے بعد بھی اس نے میری پیروی اختیاری نہیں کی تو وہ دوزخ میں جانے والا ہے۔" (دارقطنی)

ایمان پر نجات

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَوْ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ (شَكَّ الْاَعْمَشُ) قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَذِنْتَ لَنَا فَنَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا فَاَكَلْنَا وَادَّهَنَّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْعَلُوْا، قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ فَعَلْتَ قَلَّ الظَّهْرُ وَلٰكِنِ ادْعُهُمْ بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ ثُمَّ ادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَ فِيْ ذٰلِكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَدَعَا بِنِطَعٍ فَبُسِطَ ثُمَّ دَعٰى بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ قَالَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُجِيْئُ بِكَفِّ ذُرَّةٍ قَالَ وَجَعَلَ وَيَجِيْئُ الْاٰخَرُ بِكَفِّ تَمْرٍ قَالَ وَيُجِيْئُ الْاٰخَرُ بِكِسْرَةٍ حَتّٰى اجْتَمَعَ

عَلَى النِّطْعِ مِنْ ذَالِكَ شَيْءٌ يَسِيرٌ قَالَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِهِمْ حَتّٰى مَاتَرَكُوْا فِي الْعَسْكَرِ وِعَاءً اِلَّا مَلَئُوْهُ قَالَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فَيُحْجَبُ عَنِ الْجَنَّةِ. (رواه مسلم)

اعمش تابعی نے اپنے استاذ ابوصالح سے اس شک کے ساتھ نقل کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا تھا یا (ابوسعید خدریؓ سے) کہ غزوۂ تبوک کے دنوں میں (جب سامان خوراک ختم ہوگیا اور) لوگوں کو بھوک نے ستایا تو انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ ''حضرتؐ! اگر اجازت دیں تو ہم پانی لانے والے اپنے اونٹوں کو ذبح کرلیں؟ پھر ان کو کھا بھی لیں اور ان سے روغن بھی حاصل کرلیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا کرلو!'' راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپؐ نے ایسا کیا (یعنی لوگوں کو اگر اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیدی اور لوگوں نے ذبح کرڈالے) تو سواریاں کم ہوجائیں گی (لہٰذا ایسا تو نہ کیا جائے) البتہ لوگوں کو آپ ان کے بچے کھچے سامان خوراک کے ساتھ بلا لیجئے' پھر ان کے واسطے اللہ سے اسی میں برکت کردینے کی دُعا کیجئے' اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں برکت فرمادے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ نے فرمایا: ''ہاں ٹھیک ہے'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا بڑا دسترخوان طلب فرمایا' پس وہ بچھا دیا گیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ان کا بچا کھچا سامان خوراک منگوایا' پس کوئی آدمی مٹھی چینا کے دانے ہی لیے آرہا ہے' کوئی ایک مٹھی کھجوریں لا رہا ہے اور کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا ہی لیے چلا آرہا ہے حتیٰ کہ دسترخوان پر تھوڑی سی مقدار میں یہ چیزیں جمع ہوگئیں۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر برکت کی دُعا فرمائی' اس کے بعد فرمایا: اب تم سب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں بھرلو۔ چنانچہ سب نے اپنے اپنے برتن بھرلیے حتیٰ کہ (قریباً ۳۰ ہزار کے لشکر میں) لوگوں نے ایک برتن بھی بغیر بھرے ہوئے نہیں چھوڑا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر سب نے کھایا' حتیٰ کہ خوب سیر ہوگئے اور کچھ فاضل بھی بچ رہا۔ اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' نہیں ہے کوئی بندہ جو بغیر کسی شک وشبہ کے کامل یقین واذعان کے ساتھ ان دو شہادتوں کے ساتھ اللہ کے سامنے جائے' پھر وہ جنت سے روکا جائے۔'' (مسلم)

تشریح: حدیث کا مضمون ظاہر ہے۔ جس مقصد سے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے اس کا تعلق حدیث کے صرف آخری جزء سے ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی شہادت ادا کرکے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص بھی ان دو شہادتوں کو مخلصانہ طور پر ادا کرے اور شک شبہ کی کوئی بیماری اس کے دل دماغ کو نہ ہو اور اسی ایمانی حال میں اس کو موت آئے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

جو لوگ قرآن حدیث کے محاورہ اور طرز بیان سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر ''اللہ کی توحید اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی شہادت'' ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت ایمان کو قبول کرلینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کو اپنا دین بنالینا ہوتا ہے اور اسی لیے ان دو شہادتوں کے ادا کرنے کا مطلب ہمیشہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ

اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانی دعوت کو قبول کرلیا اور اسلام کو اپنا دین بنالیا۔ پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہی ہے کہ جو شخص "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اور مُحَمَّد رَّسُوْلُ اللّٰه" کی شہادت ادا کر کے میری ایمانی دعوت کو قبول کرلے اور اسلام کو اپنا دین بنالے اور اس بارے میں وہ مخلص اور صاحب یقین ہو تو اگر اسی حال میں وہ مرجائے گا تو جنت میں ضرور جائے گا۔

پس اگر کوئی شخص "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّد رَّسُوْلُ اللّٰه" کا اقرار کرے لیکن اسلام کو اپنا دین نہ بنائے بلکہ کسی اور دین و مذہب پر قائم رہے یا توحید و رسالت کے علاوہ دوسرے ایمانیات کا انکار کرے مثلاً قیامت کو یا قرآن مجید کو نہ مانے تو وہ ہرگز اس بشارت کا مستحق نہ ہوگا۔

الغرض اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کرنا اور اسلام کو اپنا دین بنانا ہے۔ اسی طرح جن حدیثوں میں صرف توحید پر اور صرف "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کے اقرار پر جنت کی بشارت دی گئی ہے ان کا مطلب بھی یہی ہے۔ دراصل یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمان کو قبول کرلینے اور اسلام کو اپنا دین بنالینے کے بعد مشہور و معروف عنوانات ہیں۔ ان شاء اللہ اس کی کچھ مزید تفصیل اگلی حدیثوں کی تشریح میں بھی کی جائیگی۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر اور بھی چند سبق ملتے ہیں:

۱)...... اگر کوئی بڑا حتیٰ کہ اللہ کا نبی و رسول بھی کسی معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرے اور کسی صاحب رائے خادم کو اس میں مضرت کا کوئی پہلو نظر آئے تو وہ ادب کے ساتھ اپنی رائے اور اپنا مشورہ پیش کرنے سے دریغ نہ کرے اور اس بڑے کو چاہیے کہ وہ اس پر غور کرے اور اگر وہی رائے بہتر اور اُنسب معلوم ہو تو اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اُس کو اختیار کرنے میں ادنیٰ تامل نہ کرے۔

۲) دُعا کا قبول ہونا اور بالخصوص اس قبولیت کا خرق عادت کی شکل میں ظاہر ہونا اللہ کی نشانیوں اور مقبولیت اور تعلق باللہ کی خاص علامتوں میں سے ہے جس سے مؤمنین کے انشراح صدر اور اطمینان قلبی میں ترقی ہونا برحق بلکہ نبوت کی میراث ہے۔ (جیسا کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ شہادت پڑھنے سے ظاہر ہے) پس جن لوگوں کو اس طرح کے انعامات الٰہیہ کے تذکرہ سے بجائے انشراح کے انقباض ہوتا ہے یا جو اس قسم کے خوراق کو طنز و تضحیک اور استخفاف و استحقار کے لائق سمجھتے ہیں ان کے دل ایک بڑی بیماری کے بیمار ہیں۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (رواه مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ "جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، تو اللہ نے اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کردی ہے۔" (مسلم)

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ اِلَّا مُؤَخَّرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ فَقُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذَ بْنَ

جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ قَالَ ھَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ عَلَی الْعِبَادِ قَالَ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَّعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا ثُمَّ سَارَ سَاعَۃً ثُمَّ قَالَ یَا مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ قَالَ ھَلْ تَدْرِیْ مَاحَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ اِذَا فَعَلُوْا ذَالِکَ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ اَنْ لَا یُعَذِّبَھُمْ۔ (رواہ البخاری و مسلم واللفظ لہ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر تھا اور میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کجاوے کے پچھلے حصے کے سوا اور کوئی چیز حائل نہ تھی (یعنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بالکل ملا ہوا بیٹھا تھا کہ چلتے ہی چلتے) آپ صلی الہ علیہ وسلم نے مجھے پکارا اور فرمایا: معاذ بن جبل!...... میں نے عرض کیا: ''لبیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وسعدیک'' (یعنی میں حاضر ہوں' ارشاد فرمائیں)...... پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: ''لبیک یا رسول اللہ وسعدیک'' پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''معاذ بن جبل!'' میں نے عرض کیا ''لبیک یا رسول اللہ وسعدیک'' (اس تیسری دفعہ میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟'' میں نے عرض کیا: اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی زیادہ علم ہے۔ ارشاد فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت و بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا ''لبیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وسعدیک'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم جانتے ہو کہ جب بندے اللہ کا یہ حق ادا کریں تو پھر اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ انہیں عذاب میں نہ ڈالے۔''

تشریح:......اس حدیث میں چند چیزیں قابل توجہ ہیں:

ا) حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر سوار ہونے اور آپ کے پیچھے آپ سے مل کر بیٹھنے کو جس خاص انداز سے بیان کیا ہے اس کی چند وجہیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خاص شفقت اور عنایت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تھی اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو خاص مقام قرب ان کو حاصل تھا' وہ سامعین کے پیش نظر رہے تاکہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ایسی بات کیوں فرمائی جس کی عوام مسلمین میں اشاعت کے آپ روادار نہ تھے جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔

دوسری بات اس کی توجیہ میں یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد اس تفصیل کے بیان کرنے سے اس حدیث کے بارے میں اپنا اتقان بھی ظاہر کرنا ہو یعنی لوگوں پر یہ واضح کرنا ہو کہ مجھے یہ حدیث ایسی یاد ہے کہ اس وقت کی یہ جزئی باتیں بھی مجھے محفوظ ہیں۔

اور تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح عشاق ومحبین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ محبت کی یادگار صحبتوں کو والہانہ

انداز میں اور مزے لے لے کر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اسی جذبے کے ماتحت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے سوار ہونے کی یہ تفصیل بیان کی ہو۔

۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین دفعہ مخاطب کیا اور پھر جو کچھ آپ فرمانا چاہتے تھے اس کا ایک حصہ آپ نے تیسری دفعہ فرمایا اور دوسرا جز کچھ دیر توقف کے بعد چوتھی دفعہ فرمایا...... اس کی توجیہ میں شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرمانا چاہتے تھے تاکہ وہ ہمہ تن گوش ہوکر پوری رغبت وتوجہ اور غور وتام کے ساتھ آپ کا ارشاد سنیں...... دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں تردد اور توقف تھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ بات بیان کردی جائے یا نہ کی جائے اس وجہ سے آپ نے ابتداء میں تو تین دفعہ توقف فرمایا اور جب بیان فرمادینے ہی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر ہوگیا تب آپؐ نے بیان فرمایا...... لیکن ان دونوں توجیہوں میں تکلف ہے اور زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت کوئی خاص استغراقی حالت طاری تھی، آپؐ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے تھے اور کچھ فرمانے سے پہلے پھر اسی کیفیت میں استغراق ہوجاتا تھا، اس وجہ سے درمیان میں یہ وقفے ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳) اصل حدیث کا حاصل صرف یہ ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت اور بندگی کریں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں اور جب وہ اللہ کا یہ حق ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق اپنے پر مقرر کرلیا ہے کہ وہ ان کو عذاب میں نہ ڈالے گا۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ مَعَاذٌؓ رَدِیْفُہٗ عَلَی الرَّحْلِ قَالَ یَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَسَعْدَیْکَ، قَالَ یَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ قَالَ یَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَسَعْدَیْکَ، ثَلاَ ثًا قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ، قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَفَلاَ اُخْبِرُ بِہِ النَّاسَ فَیَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا یَتَّکِلُوْا فَاَخْبَرَبِھَا مَعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِہٖ تَاَثُّمًا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی کجاوے پر سوار تھے، پکارا اور فرمایا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: ”لبیک یارسول اللہ وسعدیک“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: ”لبیک یارسول اللہ وسعدیک“۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پکارا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: ”لبیک یارسول اللہ وسعدیک“ تین دفعہ ایسا ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس آخری دفعہ میں فرمایا) ”جو کوئی سچے دل سے شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں تو اللہ نے دوزخ پر ایسے شخص کو حرام کردیا ہے۔“ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یہ خوش خبری سن کر) عرض کیا: ”کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کردوں تاکہ وہ سب خوش ہوجائیں؟“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پھر وہ اسی پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائیں گے۔“ پھر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے کتمان علم کے گناہ کے خوف سے اپنے آخری وقت میں یہ حدیث لوگوں سے بیان کی۔ (رواہ البخاری ومسلم)

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَفَاتِیْحُ الْجَنَّۃِ شَھَادَۃُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. (رواہ احمد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''لا الہ الا اللہ'' کی شہادت دینا جنت کی کنجی ہے۔ (مسند احمد)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْہِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ وَھُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَیْتُہٗ وَقَدِ اسْتَیْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذَالِکَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرَقَ، قَالَ وَ اِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں (ایک دن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سوئے ہوئے تھے، پھر (کچھ دیر بعد) میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو چکے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی بندہ لا الہ الا اللہ کہے اور پھر اسی پر اس کو موت آ جائے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔'' ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، اگر چہ اس نے چوری کی ہو'' (ابوذر کہتے ہیں) میں نے پھر عرض کیا ''اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: ''ہاں! اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، اگر چہ اُس نے چوری کی ہو۔'' (ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں نے (پھر تعجب سے) عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والا جنت میں ضرور جائے گا) اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: ''(ہاں!) ابوذر کے علی الرغم (وہ جنت میں جائے گا) اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، اگر چہ اس نے چوری کی ہو۔'' (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح: ...... اس حدیث میں بھی ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہنے سے مراد پورے دین توحید (یعنی اسلام) پر ایمان لانا اور اس کو اختیار کرنا ہے اور بیشک جو شخص اس دین توحید پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوگا وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ اب اگر بالفرض ایمان کے باوجود اس نے گناہ بھی کیے ہوں گے تو اگر کسی وجہ سے وہ معافی کا مستحق ہوگا تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما کے بغیر کسی عذاب ہی کے اُس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اگر وہ معافی کا مستحق نہ ہوگا تو گناہوں کی سزا پانے کے بعد وہ جنت میں جا سکے گا۔ بہر حال دین اسلام پر صدق دل سے ایمان رکھنے والا ہر شخص جنت میں ضرور جائے گا، اگر چہ دوزخ میں گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ہی جائے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کا مطلب اور مفاد یہی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بار بار اپنا سوال دُہرایا تو اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ چوری اور زنا کو سخت ناپاک گناہ جاننے کی وجہ سے اُن کو اس پر تعجب تھا کہ ایسے ناپاک گناہ کرنے والے بھی جنت میں جا سکیں گے۔ گویا اُس وقت تک انہیں یہ

مسئلہ معلوم نہ تھا، آج ہم جیسوں کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس تعجب اور اس سوال کی وجہ سمجھنا اس لیے مشکل ہو گیا ہے کہ ہم نے اسلام ہی میں آنکھ کھولی ہے اور یہ موٹی موٹی باتیں ہم کو گھروں ہی میں معلوم ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه مسلم)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو وہ جنت میں جائے گا۔'' (مسلم)

تشریح: ...... اس حدیث میں بھی ''لا الہ الا اللہ'' پر یقین ہونے سے مراد وہی دین توحید پر ایمان رکھنا ہے اور دخول جنت کے وعدہ کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ اپنے پورے اعمال نامہ کے تقاضے کے مطابق اللہ کی رحمت سے ابتداء ہی میں، یا گناہوں کی کچھ سزا بھگت کر ہر صاحب ایمان جنت میں ضرور ہو جائے گا۔

عَنْ عُتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ (وَهُوَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْاَنْصَارِ) اَنَّهُ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَنْكَرْتُ بَصَرِيْ وَاَنَا اُصَلِّيْ لِقَوْمِيْ فَاِذَا كَانَتِ الْاَمْطَارُ سَالَ الْوَادِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ لَمْ اَسْتَطِعْ اَنْ اٰتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَاُصَلِّيْ بِهِمْ وَوَدِدْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ تَاْتِيْنِيْ فَتُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ فَاَتَّخِذُهُ مُصَلًّى قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَفْعَلُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ عُتْبَانُ فَغَدَا عَلَيَّ وَاَبُوْ بَكْرٍ حِيْنَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَاسْتَاْذَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حِيْنَ دَخَلَ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ اَيْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ قَالَ فَاَشَرْتُ لَهُ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، قَالَ وَحَبَسْنَاهُ عَلٰى خَزِيْرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهُ قَالَ فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ اَهْلِ الدَّارِ ذَوُوْعَدَدٍ فَاجْتَمَعُوْا فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ اَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ اَوِ ابْنُ الدُّخْشُنِ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَالِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُلْ ذَاكَ اَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يُرِيْدُ بِذَالِكَ وَجْهَ اللّٰهِ؟ قَالَ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّا نَرٰى وَجْهَهُ وَنَصِيْحَتَهُ اِلَى الْمُنَافِقِيْنَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِذَالِكَ وَجْهَ اللّٰهِ. (رواه البخاری و مسلم شریف)

عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحابؓ میں سے ہیں جو انصار میں سے غزوہ بدر میں شریک تھے) کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری نگاہ میں فرق آ گیا ہے (یعنی مجھے کم دکھائی دینے لگا ہے) اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں۔ سو جب بارشیں ہوتی ہیں اور میرے اور میری قوم والوں کے درمیان جو نالہ ہے وہ بہنے لگتا ہے تو میں ان کی مسجد تک جا کر نماز نہیں پڑھا سکتا اور یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری

یہ خواہش ہے کہ حضورؐ میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تاکہ میں اُسی جگہ کو اپنی مستقل نماز گاہ بنالوں۔ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ میں ایسا کروں گا۔ عتبان کہتے ہیں کہ صبح ہی کو جب کچھ دن چڑھا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے یہاں پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے آپ کو اجازت دی۔ پس جب آپ گھر میں تشریف لائے تو بیٹھے نہیں اور مجھ سے فرمایا: تم اپنے گھر میں سے کون سی جگہ پسند کرتے ہو کہ میں وہاں پڑھوں؟ کہتے ہیں کہ میں نے گھر کی ایک جانب کی طرف اشارہ کردیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کردی۔ ہم بھی صف باندھ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر دیا۔ عتبان کہتے ہیں اور ہم نے آپ کو خزیرہ کھانے کے لیے روک لیا جو آپ کے واسطے ہم نے تیار کیا تھا اور (آپ کی اطلاع پاکے) محلہ والوں میں سے بھی چند آدمی آکے جڑ گئے۔ پس انہی میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دخیشن (یا ابن دخشن) کہاں ہے؟ انہی میں سے کسی نے جواب دیا کہ وہ تو منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے محبت ہی نہیں ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ مت کہو! کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ ''لا الہ الا اللہ'' کا قائل ہے اور اس سے وہ اللہ کی رضا ہی چاہتا ہے۔ اس کہنے والے شخص نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی زیادہ علم ہے، ہم تو اُس کا رخ اور اس کی خیر خواہی منافقوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یقیناً اللہ عزوجل نے دوزخ کی آگ پر اُس شخص کو حرام کردیا ہے جس نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہا ہو اور اُس کا ارادہ اس کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا ہی ہو۔'' (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں بھی لا الٰہ الا اللہ کہنے والے پر آتش دوزخ حرام ہونے کا مطلب وہی ہے جو اسی مضمون کی سابقہ احادیث کی تشریح کے ضمن میں تفصیل سے لکھا جاچکا ہے بلکہ اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں بجائے "قال لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کے "یشھد اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَاَنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ" ہے اور مراد ان دونوں ہی عنوانوں سے دعوت اسلام کو قبول کرنا اور دین اسلام کو بحیثیت دین کے اختیار کرلینا ہے۔ دراصل جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے عہد نبویؐ میں اسلام قبول کرنے اور اسلام کو اختیار کرنے کی یہ عام تعبیر تھی۔

یہاں ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جن صحابی نے مالک بن دخشن کو منافق کہا تھا اُن کی نظر میں بھی مالک بن دخیشن میں نفاق یا فسق و فجور کی کوئی بات اس کے سوا نہ تھی کہ اُن کے خیال میں مالک بن دخشن منافقین سے تعلقات اور میل ملاقات رکھتے تھے۔

اس سے ایک طرف تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمانی جذبے کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی سی بات سے بھی اس قدر ناراض ہوتے تھے اور اس کو منافقت سمجھتے تھے اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ سے سبق ملتا ہے کہ جن لوگوں میں اس طرح کی کچھ کمزوریاں ہوں مگر اپنے ایمان اور توحید و رسالت کی شہادت میں وہ مخلص ہوں تو ان کے بارے میں ایسی بدگمانیاں اور اتنی سخت باتیں کرنی جائز نہیں بلکہ ایمان کا پہلو زیادہ قابل لحاظ اور واجب الاحترام ہے۔

یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ یہ مالک بن دخیشن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ میں سے ہیں جو عام غزوات میں حتیٰ کہ بدر میں بھی شریک رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ منافقین سے تعلقات رکھنے میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان کی بھی کچھ مجبوریاں ہوں۔ واللہ اعلم

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فِیْ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ اَظْهُرِنَا فَاَبْطَأَ عَلَيْنَا وَخَشِيْنَا اَنْ يُّقْتَطَعَ دُوْنَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ ...... اَبْتَغِیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَتَيْتُ حَائِطًا لِّلْاَنْصَارِ لِبَنِی النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِهٖ هَلْ اَجِدُ لَهٗ بَابًا فَلَمْ اَجِدْ فَاِذَا رَبِيْعٌ يَدْخُلُ فِیْ جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ (وَالرَّبِيْعُ الْجَدْوَلُ) قَالَ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا شَانُکَ؟ قُلْتُ كُنْتَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَاَبْطَأْتَ عَلَيْنَا فَخَشِيْنَا اَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَاَتَيْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَهٰٓؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِیْ فَقَالَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَعْطَانِیْ نَعْلَيْهِ فَقَالَ اِذْهَبْ بِنَعْلَیَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيَکَ مِنْ وَرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ اَوَّلَ مَنْ لَقِيْتُ عُمَرَ، فَقَالَ مَاهَا تَانِ النَّعْلَانِ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِیْ بِهِمَا مَنْ لَقِيْتُ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشَّرْتُهٗ بِالْجَنَّةِ، فَضَرَبَ عُمَرُ بَيْنَ ثَدْيَیَّ فَخَرَرْتُ لِاِسْتِیْ فَقَالَ اِرْجِعْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ وَرَكِبَنِیْ عُمَرُ وَاِذَا هُوَ عَلٰى اِثْرِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَکَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قُلْتُ لَقِيْتُ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهٗ بِالَّذِیْ بَعَثْتَنِیْ بِهٖ فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَیَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاِسْتِیْ فَقَالَ ارْجِعْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عُمَرُ مَاحَمَلَکَ عَلٰى مَا فَعَلْتَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ اَبَعَثْتَ اَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْکَ مَنْ لَقِیَ يَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشَّرَهٗ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَاِنِّیْ اَخْشٰى اَنْ يَّتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَلِّهِمْ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں حاضر تھے اور) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہمارے ساتھ ہی اس مجلس میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اُٹھے (اور کسی طرف کو نکل گئے) اور پھر آپ کی واپسی میں بہت دیر ہوگئی تو ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں ہم سے علیحدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے (یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن وغیرہ سے آپ کو کوئی ایذاء نہ پہنچ جائے) پس اس خیال سے ہمیں سخت گھبراہٹ اور فکر لاحق ہوئی اور ہم لوگ (آپ کی جستجو میں) نکل کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں ہی گھبرا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ انصار کے خاندان بنی النجار کے ایک باغ پر پہنچ گیا جو چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا اور میں نے اس کے چاروں طرف چکر لگایا کہ اندر جانے کے لیے

مجھے راستہ مل جائے لیکن نہیں ملا، پھر مجھے پانی کی ایک گول (چھوٹی سی نہر) نظر پڑی جو باہر کے ایک کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی (ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں سمٹ اور سکڑ کر اس میں سے باغ کے اندر گھس گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: تم کیسے آئے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے، پھر وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے اور جب دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی نہیں ہوئی تو ہمیں خطرہ ہوا کہ مبادا ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی ایذاء پہنچائی جائے۔ اسی خطرے سے گھبرا کے ہم سب چل پڑے اور سب سے پہلے گھبرا کے میں ہی نکلا تھا یہاں تک کہ میں اس باغ تک پہنچا اور (جب مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا تو) لومڑی کی طرح سمٹ سکڑ کے میں (اس گول میں سے کس طرح) گھس آیا ہوں اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ ''میرے یہ جوتے لے کر جاؤ اور اس باغ سے نکل کے جو آدمی بھی تمہیں ایسا ملے جو دل کے پورے یقین کے ساتھ لا الٰہ اِلا اللہ کی شہادت دیتا ہو اس کو جنت کی خوشخبری سنا دو۔'' (ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں وہاں سے چلا) تو سب سے پہلے میری ملاقات عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا ابو ہریرہؓ! تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا' یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے کہ جو کوئی بھی دل سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت دینے والا مجھے ملے' میں اس کو جنت کی خوشخبری سنا دوں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا جس سے میں اپنی سرینوں کے بل پیچھے کو گر پڑا اور مجھ سے انہوں نے کہا ''پیچھے کو لوٹو'' میں روتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا اور عمر بھی میرے پیچھے پیچھے آئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا: ''ابو ہریرہ! تمہیں کیا ہوا؟'' میں نے عرض کیا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ملے تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا تھا میں نے وہ اُنہیں بتلایا تو انہوں نے میرے سینے پر ایک ایسی ضرب لگائی جس سے میں اپنی سینوں کے بل گر پڑا اور مجھ سے کہا کہ پیچھے کو لوٹو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟'' انہوں نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں' کیا آپ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے نعلین مبارک دے کر اس لیے بھیجا تھا کہ جو کوئی بھی دل کے یقین کے ساتھ ''لا الٰہ اِلا اللہ'' کی شہادت دینے والا ان کو ملے وہ اس کو جنت کی بشارت دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! میں نے ہی یہ کہہ کر بھیجا تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ''حضور! ایسا نہ کیجئے' مجھے خطرہ ہے کہ کہیں لوگ بس اس شہادت ہی پر بھروسہ کر کے (سعی و عمل سے بے پرواہ ہو کے) نہ بیٹھ جائیں۔ لہٰذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو جانے دو!''۔ (مسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں چند چیزیں وضاحت طلب ہیں:

۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نعلین مبارک کیوں عطا فرمائیں؟ شارحین نے اس کی توجیہ میں اگرچہ کئی باتیں کہی ہیں لیکن ان سب میں زیادہ قرین قیاس یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے جس بشارت عظمیٰ کے اعلان کے لیے بھیجا تھا اس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے آپ نے اپنی کوئی خاص نشانی بھی ان کے ساتھ کر دینا مناسب سمجھا اور اس وقت آپ کے پاس ایسی چیز جو اس مقصد کے لیے آپ ان کو دے سکتے تھے یہ نعلین مبارک ہی تھیں اس لیے وہی آپ نے ان کو عطا فرما دیں۔ واللہ اعلم

۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو سختی کا معاملہ فرمایا اس کی صحیح نوعیت کو سمجھنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس امتیازی حیثیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت میں ان کو حاصل تھی یعنی وہ (اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی) حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاص شریک کار، محرم راز، مشیر خصوصی اور گویا آپ کے وزیر و نائب تھے اور صحابہ کرامؓ عام طور سے ان کے اس امتیازی مقام کو پہچانتے تھے اور جس طرح ہر جماعت اور ہر خاندان کا بڑا اپنے چھوٹوں کو تنبیہ اور سرزنش کا حق رکھتا ہے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہ حق رکھتے تھے اور بسا اوقات حسب ضرورت اس حق کو آپ استعمال بھی فرماتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ چھوٹوں کی اصلاح و تربیت کے لیے بڑوں کے واسطے اس حق کا ماننا ضروری بھی ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو تشدد کیا وہ درحقیقت اسی قبیل سے ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء ان سے واپس ہونے کو کہا ہوگا لیکن وہ چونکہ تمام اہل ایمان کے لیے ایک بشارت عظمیٰ کا پروانہ لے کر آ رہے تھے اور اُن کے نزدیک یہ ایک بڑی سعادت تھی جو انہیں حاصل ہو رہی تھی اس لیے انہوں نے واپس ہونے سے انکار کیا ہوگا اور بالآخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو واپس لوٹانے کے لیے اس جبر و تشدد سے کام لیا ہوگا کیونکہ ان کو مقام نبوت اور شئون نبوت کی پوری شناسائی کی وجہ سے اس کا کامل یقین تھا کہ اس بشارت عامہ کا مضر پہلو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے گا تو آپ بھی اس کو خلاف مصلحت ہی سمجھیں گے اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی عام اشاعت سے منع فرما دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ایسی ہی بشارت سنائی تھی (وہ حدیث اوپر گزر چکی ہے) اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تھی کہ وہ سب مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنا دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی تھی اور اجازت نہ دینے کی وجہ یہی بیان فرمائی تھی کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے دینی ترقیوں سے رہ جائیں گے۔

۳) اس حدیث میں بھی صرف ''لا الٰہ اِلا اللہ'' کی شہادت پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے' سو اس کی ایک عام توجیہ تو وہی ہے جو مندرجہ بالا احادیث کے ذیل میں ذکر کی جا چکی ہے۔ ماسوا اس کے اس حدیث کے الفاظ میں اس احتمال کی بھی کافی گنجائش ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطلب اس ارشاد سے صرف یہ ہو کہ جو کوئی ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت دے یعنی صدق دل سے دین توحید (اسلام) پر ایمان لائے اس کو خوشخبری دے دی جائے کہ وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ اگرچہ گناہوں کی سزا پانے کے بعد ہی جائے' اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

اس کے سوا ایک خاص نکتہ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مقربین بارگاہِ قدس پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے بے پناہ قہر و جلال

اور شانِ غضب و انتقام کا جب خاص انکشاف ہوتا ہے تو ان پر ہیبت اور خوف کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اُس وقت کا ادراک و احساس یہ ہوتا ہے کہ شاید کسی بھی نافرمان کی نجات نہ ہو سکے گی اور اس خاص حال میں ان کے ارشادات اس طرح کے ہوتے ہیں کہ جو یہ گناہ کرے گا جنت میں نہیں جا سکے گا' جو وہ گناہ کرے گا' جنت کی ہوا بھی نہیں پا سکے گا' وغیرہ وغیرہ...... اور اسی طرح جب دوسرے بعض اوقات میں ان پر اللہ تعالیٰ کی شان رحمت اور اس کے بے حساب اور بے اندازہ فضل و کرم کا انکشاف ہوتا ہے تو ان پر رجاء اور اُمیدِ رحمت کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اس عالم میں ان کا ادراک و احساس یہ ہوتا ہے کہ جس میں کچھ بھی ذرہ خیر ہو گا وہ بخشا ہی جائے گا اور ایسے ہی احوال میں ان حضرات کی زبانوں سے اس طرح کی عام بشارتیں نکلتی ہیں۔

پس حدیث مندرجہ بالا کے بارے میں یہ بھی بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت بنی النجار کے اس باغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے ہوں تو اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شیونِ رحمت اور تجلیات کرم کے مراقبے و مشاہدے میں مستغرق ہوں اور اسی حالت میں آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور نشانی اپنی نعلین مبارک عطا فرما کر ہر شاہد توحید کو جنت کی خوشخبری سنا دینے کا حکم دے دیا ہو لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اس پوری حقیقت کے راز داں اور ان احوال و کیفیات کے اُتار چڑھاؤ سے باخبر تھے اس لیے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست مراجعت و تحقیق تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے اعلان عام سے روکا ہو۔ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی اس خاص کیفیت (یعنی غلبہ رجا و رحمت) کا انکشاف منجانب اللہ ہو چکا تھا اور ان کو اپنے نورِ فراست سے اس بات کا یقین تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کیفیت کا غلبہ نہیں رہے گا اور اس اعلان کا دوسرا پہلو آپ کے سامنے رکھا جائے گا تو خود آپ اس کو منع فرما دیں گے۔ جیسا کہ ظہور میں آیا۔ اس طرح کے موافق پر صحیح حقیقت کا ادراک و انکشاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امتیازی فضیلت ہے جس کو حدیث نبویؐ میں ''مقام محدثیت'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَکَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَیْرِ مَا یَزِنُ شَعِیْرَةً ثُمَّ یُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَکَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَیْرِ مَا یَزِنُ بُرَّةً ثُمَّ یُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَکَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَیْرِ مَا یَزِنُ ذَرَّةً. (رواہ البخاری و مسلم واللفظ لہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دوزخ میں سے وہ سب لوگ نکال لیے جائیں گے جنہوں نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا اور ان کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی، پھر وہ لوگ بھی نکالے جائیں گے جنہوں نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا اور ان کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی اور اس کے بعد وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنہوں نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا اور اُن کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی تھی۔'' (رواہ البخاری ومسلم واللفظ لہ)

تشریح: اس حدیث سے دو نہایت اہم باتیں جو اہل حق کے خاص اجماعی عقائد میں سے ہیں پوری صراحت اور صفائی کیساتھ معلوم ہو جاتی ہیں۔
ایک یہ کہ بہت سے لوگ کلمہ اسلام پڑھنے کے باوجود اپنی بد اعمالیوں کے سبب دوزخ میں بھی ڈالے جائیں گے۔

اور دوسرے یہ کہ اگر ان کے دلوں میں خفیف سے خفیف اور ضعیف سے ضعیف حتیٰ کہ (حدیث کی تصریح کے مطابق) ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا تو بالآخر وہ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کا مؤمن بھی کافروں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے۔ اگر چہ وہ اعمال کے لحاظ سے کیسا ہی فاسق وفاجر کیوں نہ ہو۔

اسلام کی برکات سے سابقہ گناہ معاف

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ فِیْ قَلْبِیْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اُبْسُطْ یَمِیْنَکَ فَلْاُبَایِعْکَ فَبَسَطَ یَمِیْنَهٗ فَقَبَضْتُ یَدِیْ فَقَالَ مَالَکَ یَا عَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ قُلْتُ اَنْ یُّغْفَرَلِیْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ یَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ. (رواہ مسلم)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کا خیال میرے دل میں ڈالا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا' اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کروں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ آگے کر دیا۔ پس میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' عمرو! تمہیں کیا ہوا؟ (یعنی تم نے اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟) میں نے عرض کیا' میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا' یہ کہ میری خطائیں بخش دی جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اسلام قبول کرنا پہلے سب گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج بھی پہلے گناہوں کو زائل کر دیتا ہے۔ (رواہ مسلم)

تشریح:..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں کی مغفرت کے بارے میں اسلام کے علاوہ ہجرت اور حج کی تاثیر کا ذکر اس موقع پر یہ ظاہر کرنے کے لیے فرمایا کہ اسلام تو اسلام اس کے بعض اعمال میں بھی گناہوں سے پاک صاف کر دینے کی خاصیت ہے لیکن دو باتیں یہاں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام لانے اور ہجرت یا حج کرنے کی یہ تاثیر اس صورت میں ہے جبکہ یہ کام صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ کیے جائیں۔ دوسرے یہ کہ دلائل شرعیہ سے یہ بات اپنی جگہ ثابت شدہ ہے کہ اگر کسی کے ذمے اللہ کے بندوں کے حقوق ہیں' خصوصاً مالی حقوق تو اسلام یا ہجرت یا حج سے وہ معاف نہیں ہوتے' ان کا معاملہ حق داروں ہی سے صاف کرنا ضروری ہے۔

کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہوکر اسلام قبول کرنے والوں کے پچھلے گناہوں کی معافی کا وعدہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: "قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ." (الانفال: ۳۸)

(اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا کہ اگر وہ باز آجائیں تو انکے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ یُکَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ کُلَّ سَیِّئَةٍ کَانَ زَلَّفَهَا وَکَانَ بَعْدَ ذَالِکَ الْقِصَاصُ اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِاْئَةِ ضِعْفٍ وَالسَّیِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ یَّتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا. (رواہ البخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "جب بندہ اسلام قبول کر لیتا ہے اور اس کا اسلام اچھا ہوتا ہے تو جو برائیاں اس نے پہلے کی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اسلام کی برکت سے ان سب کو معاف کر دیتا ہے اور اس کے بعد اس کی نیکیوں اور بدیوں کا حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی پر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ثواب دیا جاتا ہے اور برائی کرنے پر وہ اُسی ایک برائی کی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر فرمائے اور معاف ہی فرما دے۔" (البخاری)

تشریح:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے دین (اسلام) کو اپنا دین بنانے سے اور مسلمان ہو جانے سے پچھلے گناہ معاف ہونے کی یہ شرط ہے کہ اسلام کا حسن بھی زندگی میں آ جائے (یعنی اس کا قلب و باطن نورِ اسلام سے منور اور قالب وظاہر اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری سے مزین اور آراستہ ہو جائے۔ "فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ" کا یہی مطلب ہے۔ پس اگر کسی شخص کی زندگی اسلام میں آ جانے کے بعد بھی نورِ اسلام اور اسلام کے حسن سے خالی رہی اور اُس کے ظاہر و باطن پر اسلام کا رنگ نہیں چڑھا تو پچھلے سب گناہوں سے معافی کا یہ اعلان اُس کے لیے نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک دیئے جانے کا انعامی قانون بھی انہی بندوں کے لیے ہے جنہوں نے اسلام کا کچھ حسن اپنے اندر پیدا کر لیا ہو اور اس حسن کی کمی بیشی کے حساب سے ہی نیکیوں کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ملے گا۔

ایمان کے بعد جان و مال معصوم و محفوظ

عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کے قائل نہ ہو جائیں پس جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا اس نے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کر لیا' سوائے اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح:...... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کی روایت اس مکالمہ کے ضمن میں آتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کرنے والے بعض قبائل کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں ان کے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ہوا تھا۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جنگ کے متعلق ایک نہایت اہم اور اصولی اعلان بھی فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہماری جنگ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی بندگی کے رستے پر لگایا جائے اور ان کو عذاب ابدی سے نجات دلائی جائے۔ لہٰذا جو کوئی اللہ کے دین کو قبول کر لے اور اللہ ہی کی بندگی کا اقرار کر کے اُس کے مقرر کیے ہوئے طریقہ زندگی (دین اسلام) کو اپنا دین بنا لے اس کے جان و مال کو ہماری طرف سے بالکل امن ہے۔

"اِلَّا بِحَقِّهٖ" کا مطلب یہ ہے کہ البتہ اگر اس نے اسلام اختیار کرنے کے بعد کوئی ایسا جرم کیا کہ خود اللہ کے قانون کا تقاضا اُس کو جانی یا مالی سزا دینے کا ہوا تو خداوندی حکم کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی اور "لا الٰہ الا اللہ" کہنے اور مسلمان کہلانے کی وجہ سے وہ اس قانونی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

"وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کلمہ اسلام پڑھ کے اپنا ایمان لانا ہمارے سامنے ظاہر کرے گا ہم اس کو مؤمن اور مسلم تسلیم کر کے اس کے خلاف جنگ بند کر دیں گے اور اس کے ساتھ ایمان و اسلام ہی کا معاملہ کریں گے لیکن اگر فی الواقع اُس کی نیت میں کوئی برائی اور اس کے دل میں کوئی کھوٹ ہوگی تو اُس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ پر ہے جو "عَالِمُ الْغَيْبِ اور عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر" ہے۔ وہ ہی اُس سے حساب کر لے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طارق اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بھی روایت کیا ہے جس سے اس حدیث کے مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے، ہم ان میں سے بعض روایات ذیل میں درج بھی کرتے ہیں۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيُؤْمِنُوْا بِىْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَائَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دیں اور مجھ پر اور جو ہدایت میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لے آئیں، سو جب وہ ایسا کرلیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا، سوائے اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" (مسلم)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں، اس وقت تک کہ وہ اس بات کی شہادت ادا کریں (یعنی اس کا اقرار و اعلان کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں۔ پس جب وہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا سوائے حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" (بخاری و مسلم شریف)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا وَصَلُّوْا صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَاَكَلُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ

عَلَيْنَا دِمَائُهُمْ وَاَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ. (رواہ البخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں، یہاں تک کہ وہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کے قائل ہو جائیں۔ پس جب وہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کے قائل ہو جائیں اور ہماری نمازیں پڑھنے لگیں اور (اپنی نمازوں میں) ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرنے لگیں اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں تو ان کے خون اور ان کے مال ہم پر حرام ہو گئے سوائے اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔'' (بخاری)

تشریح:......اس حدیث میں شہادت توحید کے ساتھ نماز پڑھنے اور نماز میں قبلہ اسلام کی طرف رُخ کرنے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھانے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ درحقیقت ان تمام چیزوں کا ذکر بھی بطور علامات اور نشانیوں ہی کے کیا گیا ہے اور اصل مقصد اس حدیث کا بھی احادیث مندرجہ بالا کی طرح صرف اتنا ہی ہے کہ ہماری جنگ جس کسی سے بھی ہے صرف دین کی خاطر اور لوگوں کو کفر و شرک کی گمراہی سے نکال کر راہِ حق پر لانے کے لیے ہے۔ پس جو لوگ بے راہ روی چھوڑ کر اللہ کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ اختیار کر لیں اور دینِ حق کی دعوت کو قبول کر لیں، ان کے جان و مال سے تعرض کرنا ہمارے لیے حرام ہے اور چونکہ اس زمانہ اور اس ماحول میں ایمان و اسلام کی ظاہری علامات یہی تھیں کہ آدمی مسلمانوں کے طریقے پر نماز پڑھنے لگے اور نماز میں کعبہ کی طرف رُخ کرنے لگے اور مسلمانوں کے ذبیحہ سے پرہیز نہ کرے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات ہی کے طور پر ان چیزوں کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

ایمان و اسلام کی چند علامات

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَالِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ. (رواہ البخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس یہ وہ مسلم ہے جس کے لیے اللہ کی امان ہے اور اللہ کے رسول کی امان ہے، سو تم اللہ کے عہد نہ توڑو اس کی امان کے بارے میں۔'' (بخاری)

تشریح:......اس حدیث کا مقصد سمجھنے کے لیے یہ حقیقت پیش نظر رکھ لینی چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں جب دعوت اسلام طاقت اور قوت کے ساتھ بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی تو بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے کہ بعض لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے لیکن خاص حالات میں ان کے متعلق اس شبہ کی گنجائش رہتی تھی کہ شاید انہوں نے حقیقی طور پر اور دل سے اسلام کو اختیار نہیں کیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا خاص تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہے اور آپ کا مقصد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو یہ جتلانا ہے کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور موٹی موٹی علامتیں دیکھو کہ وہ اسلامی طریقے پر نماز پڑھتا ہے اور نماز میں قبلہ مسلمین کی طرف ہی رُخ کرتا ہے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھاتا ہے تو اس کو مسلمان ہی سمجھو اور اس کے جان و مال کو اللہ اور اس کے رسول کی امان میں سمجھو یعنی خواہ مخواہ اس قسم کی کسی بدگمانی کی بناء پر کہ اس کے دل میں اسلام نہیں ہے بلکہ اس نے صرف منافقانہ طور پر ان اسلامی شعائر کو اختیار کر لیا ہے، اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کرو،

بہر حال اس حدیث کا مقصد اسی بارے میں مسلمانوں کو تنبیہ کرنا ہے۔

پس بعض لوگوں کا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا مقصد حدیث سے ناواقفی اور سخت جاہلانہ گمراہی ہے کہ جس شخص میں اسلام کی یہ ظاہری علامتیں موجود ہوں (یعنی نماز پڑھنا' قبلہ کی طرف رُخ کرنا اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا) پھر خواہ وہ کیسے ہی خلاف اسلام عقائد وخیالات رکھے اور خواہ کیسے ہی کافرانہ ومشرکانہ اعمال کرے' بہر حال وہ مسلمان ہی رہتا ہے۔

دراصل اس قسم کے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے اور ایسے لوگوں کو مسلمان قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اسلام صرف ان ظاہری اعمال اور علامات ہی کا نام ہے اور ایمان واعتقاد کی اس میں کوئی اہمیت ہی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام کے بارے میں اس سے زیادہ جہالت اور گمراہی کی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

مسلمان کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے کافر نہیں ہوجاتا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَّلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ، وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُذْبَعَثَنِىَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُّقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهٗ جَوْرُ جَائِرٍ وَّلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَّالْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین باتیں اصول اسلام میں داخل ہیں' ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الٰہ اِلا اللہ کا قائل ہو اس کے بارے میں زبان کو روکا جائے یعنی کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے اور کسی بدعملی کی وجہ سے اس کو خارج از اسلام قرار نہ دیا جائے...... دوسری چیز (اصول اسلام میں سے) جہاد ہے وہ اس وقت سے جاری ہے' جب مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور اس آخری زمانہ تک جاری رہے گا جبکہ اس اُمت کا آخری طبقہ دجال سے جنگ کرے گا (مسلمانوں کے حکمران خواہ ظالم ہوں یا منصف' جہاد بہر حال جاری رہے گا) کسی ظالم حکومت کا ظلم اور عادل حکمران کا عدل اس کو ختم نہیں کرے گا اور (اصول اسلام میں سے تیسری چیز) تقدیر پر ایمان لانا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح:...... اس حدیث میں تین باتوں کو اصول اسلام میں سے بتلایا گیا ہے اول یہ کہ کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے کسی ایسے شخص کی تکفیر نہ کی جائے اور اس کے خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائے جو کلمہ لا الٰہ اِلا اللہ کا قائل ہو۔ اس کے بارے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رکھنے کی ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہونے کا مطلب وہی ہے جو پہلے بھی بار بار بیان کیا جاچکا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی دعوت کو قبول کرکے مسلمان ہوجانا۔ پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ عہد نبویؐ میں کلمہ لا الٰہ اِلا اللہ کا قائل ہوجانا' اسلام قبول کرلینے کا عنوان تھا' خود ہماری زبان اُردو میں بھی اسی محاورہ کے مطابق "کلمہ پڑھ لینے" کا مطلب اسلام قبول کرلینا سمجھا جاتا ہے۔

دوسری بات یہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ اس حدیث میں کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے "کلمہ گو" کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے اُمت کو اس غلطی اور گمراہی سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہوئے' وہ صرف معاصی اور بداعمالیوں کی بناء پر بھی آدمی کو اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور اہل سنت کا مسلک اس حدیث نبویؐ کے مطابق یہی ہے کہ کوئی مسلمان صرف اپنی بدعملی اور اپنے معاصی کی وجہ سے اسلام سے نہیں نکلتا اور کافر نہیں ہوجاتا۔

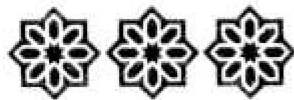
الغرض حدیث کے اس جز کا مقصود و مدعا یہی ہے کہ جب ایک شخص کلمہ پڑھ کر ایمان لے آیا اور اسلام کو اس نے اپنا دین بنالیا تو اس کے بعد اگر اس سے گناہ سرزد ہوں اور وہ بداعمالیوں میں مبتلا دیکھا جائے تو صرف عمل کی اس خرابی کی وجہ سے اس کو کافر اور خارج از اسلام نہ قرار دیا جائے...... پس ایسے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے جو کسی ایسی چیز کا انکار کر کے خود ایمان و اسلام کے دائرے سے نکل جائیں جس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔

اس حدیث میں جہاد کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ میری بعثت سے لے کر وہ اس وقت تک جاری رہے گا جبکہ میری اُمت کا آخری طبقہ دجال کے خلاف جہاد کرے گا، کسی ظالم کا ظلم اور منصف کا عدل و انصاف اس کو ختم نہیں کرے گا۔ اس آخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کی حکومت کا نظام غلط ہاتھوں میں ہو اور حکمران غلط قسم کے اور ظالم ہوں، تب بھی جہاد ساقط نہ ہوگا اور کسی کے لیے یہ عذر کرنا صحیح نہ ہوگا کہ ہم ان غلط کار حاکموں کی ماتحتی میں جہاد نہیں کریں گے بلکہ حکومت پر تسلط خواہ اچھوں کا ہو یا بروں کا بہر حال ان کی ماتحتی میں جہاد کرنا ہوگا۔

دین کے شعبے

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ایمان کی ستر سے بھی کچھ اوپر شاخیں ہیں اور ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل تو ''لا الہ الا اللہ'' کا قائل ہونا یعنی توحید کی شہادت دینا ہے اور ان میں ادنیٰ درجے کی چیز اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے۔'' (رواہ البخاری و مسلم)



اسلام پر بیعت کی اہمیت

اسلام پر بیعت کرنا خدا کی اسٹیٹ میں حلف وفاداری کے ہم معنی ہے

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ (وَكَانَ شهد بدرا وهو احد النقباء ليلة العقبة) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ بَايِعُوْنِىْ عَلٰى اَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِىْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فِى الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهٗ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ اِلَى اللهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ. (رواه البخاری)

عبادہ بن صامت سے روایت ہے (یہ بدر میں شریک تھے اور لیلۃ العقبہ میں بیعت کرنے والوں میں شامل تھے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کی ایک مختصر جماعت بیٹھی ہوئی تھی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کرو گے، دیدہ ودانستہ کسی پر افتراء پردازی نہیں کرو گے اور ان احکام میں جو شریعت کے مطابق ہوں میری نافرمانی نہیں کرو گے، جو شخص تم میں اس عہد کو پورا کرے گا اس کا ثواب خدا کے ذمہ ہے اور جو (حسب الاتفاق) ان باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے گا پھر دنیا میں اس کی سزا مل جائے گی تو یہ سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی اور اگر اس کو (سزا نہ ملی اور) اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کی پردہ پوشی فرمائی تو اب یہ اس کی مرضی پر منحصر ہوگا اگر چاہے تو آخرت میں بھی درگذر فرمائے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔ ہم نے ان سب شرطوں پر آپ سے بیعت کر لی۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ یہ ایک عام دستور ہے کہ ہر اسٹیٹ کی ابتداء اس کے ساتھ حلف وفاداری اٹھانے سے ہوتی ہے کیونکہ جب تک کسی اسٹیٹ اور کسی نظام حکومت کے ساتھ پوری وفاداری کا عہد نہ کیا جائے اس نظام کا چلنا ہی ممکن نہیں۔ اس عہد کو کرنے کے بعد نہ صرف یہی کہ اس نظام حکومت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے بلکہ سرمو اس کی مخالفت کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اس کے ساتھ عملاً پوری ہمدردی کرنا بھی فرائض میں شمار ہوتا ہے اسی طرح اسلامی نظام حکومت بھی اپنے ہمنواؤں سے سب سے اول اپنے ساتھ حلف وفاداری اٹھانے کا مطالبہ کرتا ہے اس کی صورت یہاں کلمہ توحید اور رسالت کی شہادت مقرر کی گئی ہے اسی کا نام ایمان و

اسلام ہے اور اسی عہد کو اور زیادہ مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے بیعت لی جاتی ہے۔ پس ایمان اگرچہ بظاہر صرف رسالت اور توحید کے اقرار کا نام ہے مگر درحقیقت وہ پوری اسلامی اسٹیٹ کے ساتھ وفاداری کا ایک مؤکد اور مضبوط اقرار ہے اس لیے صرف ایمان لانے سے اسلام کے تمام احکام کا تسلیم کرنا بلکہ اس کی مشنری کا خود ایک پرزہ بن جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ رسول خدا کی احتیاط کی یہ حد ہے کہ جب کسی کو بیعت فرماتے تو الفاظ بیعت میں یہ قید لگا دیتے کہ آپ کی اطاعت کی حدود بھی صرف معروف کے اندر اندر محدود رہیں گی حالانکہ آپ کے متعلق معروف کے سوا منکر کے حکم دینے کا خطرہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اصل مقصود یہ بتانا تھا کہ جب خدا کی نافرمانی کی سرحد آ جائے تو اب خدا کی مخلوق میں کسی بڑے سے بڑے کی اطاعت بھی نہیں کی جائے گی بلکہ اب اس کی اطاعت اسلامی اسٹیٹ کے ساتھ غداری تصور کی جائے گی۔

یہاں بیعت کے مذکورہ بالا الفاظ میں قتل اولاد وغیرہ کا ذکر بھی آ گیا ہے یہ صرف اس زمانہ کے ماحول کی رعایت تھی اب امام کیلئے اپنے زمانہ کے تقاضوں کی رعایت کر لینا مناسب ہے اور اس قسم کے جرائم پر بیعت لینا مناسب ہے جو اسکے زمانہ میں زیادہ پھیل چکے ہوں۔

امام کو لوگوں سے کن باتوں پر بیعت لینا چاہیے؟

عَنْ قَيْسٍ سَمِعْتُ جَرِيْرًا يَقُوْلُ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. (بخاری)

قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے جریر سے خود سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے (امام) کی بات سننے اور اس کے احکام ماننے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی۔ (بخاری)

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَاَنْ نَّقُوْمَ اَوْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ حَيْثُ مَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ. (بخاری)

عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے حکم سننے اور ماننے پر بیعت کی تھی خوشی اور ناخوشی دونوں حالوں میں اور اس پر کہ خلافت کے معاملہ میں ہم کسی حق دار شخص سے کوئی جھگڑا نہیں کریں گے، حق کو قائم رکھیں گے (راوی کو یہاں شک ہے کہ یا یہ لفظ تھے کہ حق کہتے رہیں گے) جہاں بھی ہم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھائیں گے۔ (بخاری)

تشریح۔ اسلام میں مرکزی طاقت امیر وخلیفہ کو سمجھا گیا ہے۔ طاقت کو محفوظ رکھنے اور اس کی وحدت کو انتشار سے بچانے کے لیے مسلمانوں پر پہلا فرض یہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ امیر کا حکم خوشی اور ناخوشی کی بحث سے علیحدہ ہو کر ہر حال مانیں بشرطیکہ اس میں خدا کی نافرمانی کا کوئی پہلو نہ ہو اور دوسرا یہ کہ جب اس منصب کی کوئی اہل ہستی سامنے آ جائے تو اس کی راہ میں ہرگز آڑے نہ آئیں۔ تیسرا فرض جو اس مرکزی وحدت کا سب سے بڑا مقصد ہے وہ دنیا میں حق کا قیام ہے اس لیے اس کو بھی بیعت کا ایک اہم

ترین عنصر قرار دیا گیا ہے۔اس تیسرے جزء سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اس بیعت کے پہلے جملوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ مرکزی طاقت کے خلاف کسی نفسانیت یا نافہمی کی بناء پر ہنگامہ آرائی نہ کی جائے اسی لیے جہاں ایک طرف اس خاموشی کی تعلیم دی گئی ہے۔اسی کے ساتھ اس صاف گوئی کا عہد بھی لیا گیا ہے جس میں امیر وغریب، مالک و آقا اور بادشاہ ورعایا کا کوئی فرق نہیں ہے۔عہد سلف کی تاریخ آج بھی مسلمانوں کی اس صاف گوئی کی شاہد ہے۔اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے منصف اور بارعب امیر پر بھی کوئی ادنیٰ شبہ ہو گیا ہے تو بر سر منبران کو ٹوک دینے میں ذرا تامل نہیں کیا گیا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا اِذَا بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُوْلُ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُمْ. (بخاری)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام سننے اور ماننے پر بیعت کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے کہتے کہ (یہ قید لگالو کہ) جتنی تم میں طاقت ہوگی۔

دنیا کے لیے کسی سے بیعت کرنا نہیں چاہیے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَجُلٌ عَلٰى فَضْلِ مَاءٍ بِالطَّرِيْقِ يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِيْلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ اِمَامًا لَا يُبَايِعُهٗ اِلَّا لِلدُّنْيَا فَاِنْ اَعْطَاهُ مَا يُرِيْدُ وَفٰى لَهٗ وَاِلَّا لَمْ يَفِ لَهٗ وَرَجُلٌ يُبَايِعُ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ اُعْطِيَ بِهَا كَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهٗ وَلَمْ يُعْطَ بِهَا. (رواہ البخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت میں بات بھی نہ کرے گا، نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ایک وہ شخص جو لب راہ اپنی حاجت سے زائد پانی رکھتا ہے اور مسافروں کو اس میں سے استعمال کرنے نہیں دیتا۔دوسرا وہ شخص ہے جو امام وقت سے صرف دنیا کے لیے بیعت کرتا ہے اگر اس نے اس کے خیال کے مطابق کچھ دے دیا تب تو اس نے اس کے ساتھ وفا کی ورنہ نہ کی۔تیسرا وہ شخص جس نے عصر کے بعد کسی کے ہاتھ مال بیچا اور (جھوٹی) قسم کھائی کہ اس چیز کی اس کو اتنی قیمت دی جاتی تھی حالانکہ اس کو وہ قیمت نہیں دی جاتی تھی اس بیچارہ نے اس کی بات کو سچ سمجھا (اور اس قیمت کو لے لیا) (بخاری شریف)

تشریح۔اسلامی بیعت کا تعلق چونکہ امیر وقت اور مرکز سے وابستہ ہے اس لیے یہاں انسانی نیت میں بہت سی کمزوریاں داخل ہو سکتی ہیں، اس کی سب سے بڑی کمزوری دنیا طلبی ہے اس لیے یہاں اس پر متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اتنے اہم عمل کا مقصد اتنا ادنیٰ نہ بنانا چاہیے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا سیاسی نظام اس کے مذہبی نظام سے جدا نہیں بلکہ ان ہی تمام ہدایتوں کے نیچے ہے جس کے تحت مذہبی نظام ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام کی سیاست میں بھی ہمیشہ وہی اسپرٹ کارفرما رہی ہے جو مذہب میں ہوا کرتی ہے اور اسی بناء پر کسی کو یہ دھوکا لگ گیا ہے کہ آسمانی مذاہب بھی درپردہ انسانوں کی سیاست کا ایک صرف نقاب تھے۔

عورتوں کی بیعت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَايِعُ النِّسَآءَ بِالْكَلَامِ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا قَالَتْ وَمَا مَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَامْرَءَةٍ اِلَّا امْرَءَةً يَمْلِكُهَا (بخاری)

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو یہ آیت پڑھا کر صرف زبانی بیعت فرمالیا کرتے تھے ''کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی'' خدا کی قسم کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک سوائے آپ کی مملوکہ عورتوں کے کسی اجنبی عورت کو نہیں لگا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ معلوم نہیں کہ جب دنیا کی اس سب سے مقدس ہستی نے بھی عورتوں کو بیعت کرنے کے وقت ہاتھ نہیں لگایا تو پھر کسی اور شخص کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں اچھی اور بری نیت کا سوال نہیں ہے بلکہ بیعت کے وقت عورت کو ہاتھ لگانا خواہ کسی نیت سے ہو آئین بیعت ہی نہیں رکھا گیا۔ درحقیقت شریعت کی یہ بڑی پرحکمت نظر ہے کہ جن مقامات پر انسان کوئی ادنیٰ خیانت بھی کرسکتا ہے اس نے مدار کار صرف ظاہری عمل پر رکھ دیا ہے اور نیت سے کوئی بحث نہیں کی۔

بچے کی بیعت

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ هِشَامٍ وَكَانَ قَدْ اَدْرَكَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَتْ بِهٖ اُمُّهٗ زَيْنَبُ بِنْتُ حُمَيْدٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَايِعْهُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ صَغِيْرٌ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ وَدَعَا لَهٗ. (رواه البخاری)

عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا اور انکی والدہ زینب انکو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی تھیں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس لڑکے کو بیعت فرمالیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بچہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کیلیے دعا فرمائی۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ بیعت کا مقصد شریعت پر عمل کرنے کا عہد لینا جس پر ابھی خود اللہ تعالیٰ نے عمل کرنے کا بوجھ نہیں ڈالا اس پر عمل کا بوجھ آپ ؐ کیسے ڈال سکتے تھے ہاں رحمۃ للعالمین نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ اس کو دعاء برکت دیئے بغیر یونہی رخصت کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں شانیں حکمت وشفقت سے لبریز نظر آتی ہیں۔

غلام کی بیعت

عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَا يَشْعُرُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهٗ يُرِيْدُهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِيْهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ اَسْوَدَيْنِ ثُمَّ لَمْ يُبَايِعْ اَحَدًا بَعْدُ حَتّٰى يَسْأَلَهٗ اَعَبْدٌ هُوَ. (رواه الترمذی وقال حديث حسن صحيح)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہجرت پر بیعت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ غلام ہے اس کے بعد اس کا مالک اس کو لینے کے لیے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اس کو میرے ہاتھ فروخت کردو اور سیاہ رنگ کے دو غلام دے کر اس کو خرید لیا اور آئندہ کبھی کسی کو اس وقت تک بیعت نہ کیا جب تک کہ یہ تحقیق نہ کرلی کہ کہیں وہ غلام تو نہیں ہے۔ (ترمذی)

تشریح۔ یہاں ایک مشکل تو یہ درپیش تھی کہ اس غلام کو تحقیق سے قبل بیعت کر لینا یہ تقاضہ کر رہا تھا کہ اس کو فوراً اس کے مالک کے حوالہ کر دیا جاتا۔ دوسری مشکل اپنی بیعت کے احساس ذمہ داری کی تھی۔ جس کو بیعت کر کے ایک مرتبہ اپنی پناہ میں لے لیا گیا تھا اس کو دشمن کے حوالہ کر دینا خوشی سے کیونکر گوارا کر لیا جائے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پہلوؤں کو نبھایا اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ نبھایا۔ مالک کو یوں خوش کر دیا کہ ایک غلام کے بدلہ دو غلام دے دیئے اور غلام کے بیعت کی یوں لاج رکھ لی کہ اس کی حمایت میں جائز طور پر جو قدم بھی اٹھایا جا سکتا تھا اٹھا دیا۔ لیکن آئندہ کے لیے اپنا یہ دستور العمل ٹھیرا لیا کہ جب کسی کے متعلق ذرا شبہ پڑتا تو بیعت کرنے سے پہلے یہ تحقیق فرما لیتے کہ کہیں وہ کسی کا غلام تو نہیں۔ اس قسم کے روزمرہ کے واقعات سے یہ اندازہ کر لینا چاہیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عام معاملات میں بھی جبر واکراہ سے کتنی دور رہتے تھے اور حقوق کی ادائیگی کے بارے میں اپنے اور پرائے مسلمان اور کافر کا کوئی امتیاز نہ کرتے تھے۔

بادیہ نشینوں کی بیعت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ اَنَّ اَعْرَابِیًّا بَایَعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْاِسْلَامِ فَاَصَابَہٗ وَعَکٌ فَقَالَ اَقِلْنِیْ بَیْعَتِیْ فَاَبٰی ثُمَّ جَاءَہٗ فَاَبٰی ثُمَّ جَاءَہٗ فَاَبٰی فَخَرَجَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃُ کَالْکِیْرِ تَنْفِیْ خَبَثَھَا وَتُنَصِّعُ طَیِّبَھَا۔ (رواہ البخاری)

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک گنوار آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر بیعت کی، اتفاق یہ کہ اس کو بخار ہو گیا، اس نے کہا آپ میری بیعت واپس فرما دیجئے آپ نے انکار کیا وہ پھر آپ کے پاس آیا آپ نے پھر انکار کیا وہ پھر آیا آپ نے پھر انکار کیا آخر وہ مدینہ سے نکل گیا۔ آپ نے فرمایا مدینہ مثل ایک بھٹی کے ہے اپنے میل کچیل کو دفع کر دیتا ہے اور عمدہ کو اور خالص کر دیتا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ ایک گنوار وہ بھی عرب کا باشندہ جس کی فطرت میں بدفالی و نیک فالی کا عقیدہ رچا ہوا تھا بیعت اسلام کے بعد اتفاقاً بیمار پڑتا ہے تو العیاذ باللہ اس کو اپنے اسلام کی نحوست تصور کر لیتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ اس کا علاج اب اس بیعت کو فسخ کر ڈالنے کے سوا کچھ نہیں۔ ایسے کم علم اور نافہم کو آپ سمجھاتے بھی تو کیا سمجھاتے اور اسلام کی بیعت واپس کرنے کا اقرار بھی کرتے تو کیسے۔ یہ بیعت کوئی خرید و فروخت کی معمولی بیعت تو نہ تھی کہ جب چاہی کر لی اور جب چاہی فسخ کر ڈالی، یہ تو متاع حیوٰۃ گنوانے یا ٹھکانے لگانے کا سودا تھا۔ خدا سے محبت، اس کے احکام کی بجا آوری پر عہد لینے اور عہد کرنے کی اہم بیعت تھی۔ اگر یہ احمق اس کو واپس کرتا ہے تو کر دے لیکن داعی اسلام سے فسخ بیعت پر دستخط کر دینے کی تمنا کیوں کرتا ہے۔ آپ کی دعوت و ارشاد کا یہ پہلو بھی عجب پر حکمت ہے کہ اس قسم کے احمقوں سے نہ تو ان کے ناسزاء کلمات کی کبھی آپ تحقیق فرماتے اور نہ ان پر کچھ مواخذہ ہی کرتے بلکہ کوئی ایسا حقیقت اور

نصیحت سے بھرا ہوا کلمہ ارشاد فرما دیتے جو اس کی نصیحت آموزی اور دوسروں کی عبرت پذیری کے لیے کافی ہو جاتا۔ یہاں بھی آپ صرف یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ مدینہ چھوڑ کر باہر چلا جانا اور اس کے سرد وگرم کی برداشت نہ کرنا اچھی علامت نہیں۔ یہاں کی تنگی و ترشی پر جو صبر کر گیا وہ گناہوں کی آلائشوں سے پاک وصاف ہو گیا اور جو ان پر صبر نہ کر سکا اور گھبرا کر باہر نکل گیا وہ جیسا نجاست آلودہ داخل ہوا تھا ویسا ہی نجاست آلودہ چلا گیا۔ سوچو اور انصاف کرو کہ پورے اقتدار کے باوجود نہ تو اس کے اس طرز عمل پر آپ کوئی ادنیٰ سرزنش فرماتے ہیں اور نہ اس کو اسلامی بیعت قائم رکھنے پر مجبور ہی کرتے ہیں اور نہ اس تحقیق میں پڑنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں کہ اس فقرہ سے اس کا اصل مقصد کیا تھا، کیا اتنی آزادی کے بعد بھی اسلام میں جبر واکراہ کا کوئی تخیل لایا جا سکتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مدح وذم کے ان مقامات پر بھی جہاں انسان کا قلم اور زبان دونوں بے قابو ہو جاتے ہیں انبیاء علیہم السلام کا قدم ذرا نہیں ڈگمگاتا۔ وہ یہاں بھی اتنے اعتدال کے ساتھ چلتے ہیں کہ ان کے اور کمالات کو چھوڑ کر اگر اسی ایک کمال پر غور کیا جائے تو ان کی حقانیت اور نبوت کے ثبوت کے لئے یہی ایک بات کافی ہے کیا ممکن ہے کہ بڑے بڑے اشتعال آمیز اور زیادہ سے زیادہ مسرت بخش حالات میں بھی ان کے منہ سے ایک لفظ بھی ایسا نکل جائے جس میں مبالغہ آمیزی کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی پیدا ہو سکے اس وقت بھی ان کی زبان سے وہی الفاظ نکلتے ہیں جو حقیقت کی ترجمانی کے لیے سب سے قریب تر ہو سکتے ہیں۔ پہلے ایک واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں جس میں ایک شخص اسلام لاتا ہے اور اس کے بعد فوراً شہید ہو جاتا ہے ایسے پاک وصاف انسان اور ایسے جان باز کی مدح سرائی کے لیے اگر کوئی شاعر مزاج زبان کھولتا تو نہ معلوم آسمان وزمین کے کتنے قلابے ملا دیتا یا اس گنوار جیسے بد بخت اور گستاخ کے ہجو کرنے پر آتا تو خدا جانے کیا کچھ کہتا مگر رسول خدا کی زبان سے اس شہید کے حق میں جو کلمات مدحیہ نکلے وہ صرف یہ تھے "عمل قلیل واجر کثیر" اس نے عمل گو تھوڑا کیا تھا مگر ثواب بہت پایا اور اس گستاخ کے حق میں جو کلمات ارشاد ہوئے وہ بھی صرف یہ ہیں جو اس وقت آپ کے سامنے موجود ہیں۔ ان دونوں مقامات پر لسان نبوت کے کانٹے پر تلے ہوئے کلمات دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ استقامت وتمکین سے لبریز کلمات ایسے سمندر کے موتی ہیں جس میں ہواؤں کے طوفان خیز تموج سے بھی کوئی ادنیٰ جنبش نہیں ہوتی۔ ہم اس حقیقت کو جا بجا واضح کریں گے اور آپ ہر جگہ اس کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش کیجئے گا کہ روزمرہ کی گفتگو، دن رات کے ان معمولی واقعات میں جن کو انسان کوئی اہمیت نہیں دیتا انبیاء علیہم السلام کا انداز بیان کیا رہتا ہے اس کے بعد آپ مجبور ہو جائیں گے کہ ان نفوس قدسیہ کی صداقت وامانت، علو ہمت وفکر اور ان کی بنی نوع انسانی کے ساتھ یکساں ہمدردی پر پورا یقین کر لیں۔

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِىْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُ هُنَّ قَالَ لَا وَسَاَلَهٗ عَنِ الصَّوْمِ قَالَ صِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهٗ قَالَ لَا قَالَ وَذَكَرَ الزَّكَاةَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا قَالَ وَاللهِ لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ. (رواه احمد والشیخان)

طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک گنوار آدمی آپؐ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ اسلام کی تفصیل بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا شب و روز میں پانچ نمازیں، اس نے عرض کیا اس کے سوا میرے ذمہ کچھ اور نمازیں بھی ہیں آپؐ نے فرمایا کچھ نہیں۔ راوی کہتا ہے پھر اس نے روزہ کے متعلق دریافت کیا آپؐ نے فرمایا رمضان کے روزے۔ اس نے کہا ان کے سوا میرے ذمہ کچھ اور روزے بھی ہیں؟ فرمایا کچھ نہیں۔ راوی کہتا ہے اس نے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا اور دریافت کیا کہ میرے ذمہ زکوٰۃ کے سوا بھی کچھ اور دینا ضروری ہے؟ فرمایا کچھ نہیں۔ اس نے کہا خدا کی قسم ہے کہ میں ان باتوں پر کچھ کم و بیشی نہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو کامیاب ہو گیا (مسند احمد شیخین وغیرہم امام بخاریؒ نے کتاب الحیل میں آپ کے جواب میں اتنا اور روایت فرمایا ہے کہ تجھ پر اور کچھ فرض نہیں مگر ہاں اگر تو اپنی طرف سے خود کرنا چاہے۔ نماز اور زکوٰۃ کے بعد راوی یہ بھی نقل کرتا ہے کہ آپؐ نے اس کو اسلام کے اور احکام بھی سکھائے اور آخر میں یہ بھی ہے کہ خدا کی قسم جس نے آپ کو بزرگ بنایا ہے نہ تو میں اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ کروں گا اور نہ ان باتوں میں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض کی ہیں کوئی کمی کروں گا۔

تشریح۔ اس روایت میں "لا ازید" (یعنی اس پر زیادتی نہیں کروں گا) کے بجائے "لا اتطوع" (کہ کوئی نفل بھی ادا نہ کروں) کا لفظ شارحین کے لیے ایک اور مشکل کا موجب بن گیا ہے اس لفظ سے ان کو یہ شبہ ہو گا کہ اس اعرابی نے شاید عبادات نافلہ نہ کرنے کا عہد بھی کیا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ صرف لفظی تفنن ہے اور "لا انقص" (اور نہ اس پر کمی کروں گا) کے تقابل کی وجہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی اصل مراد اس لفظ سے بھی وہی "لا ازید" کا مفہوم تھا لہٰذا محض لفظی تفنن سے نئے نئے نتائج پیدا نہ کیے جائیں اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی ایک نو مسلم پر صرف اس کی تعبیر کی وجہ سے مواخذہ نہیں کیا جا سکتا۔



علامات ایمان

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاالْاِیْمَانُ؟ قَالَ اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَ تْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ. (رواه احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور برے کام سے رنج و قلق ہو تو تم مؤمن ہو۔" (مسند احمد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ایمان کے خاص آثار اور علامات میں سے یہ ہے کہ آدمی جب کوئی نیک عمل کرے تو اس کے دل کو فرحت و مسرت ہو اور جب اس سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو اس کو رنج و غم ہو جب تک آدمی کے ضمیر میں یہ حس باقی رہے سمجھنا چاہیے کہ ایمانی روح زندہ ہے اور یہ احساس اس کا ثمرہ ہے۔

تکمیل ایمان کی شرائط

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ذَاقَ طُعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً. (رواه مسلم)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ایمان کا مزہ اُس نے چکھا اور اس کی لذت اُسے ملی جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔ (مسلم)

تشریح:...... اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ جس طرح لذیذ اور ذائقہ دار مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے جس کو صرف وہی آدمی پا سکتا ہے جس کی قوت ذائقہ کسی بیماری کی وجہ سے ماؤف اور خراب نہ ہوئی ہو اسی طرح ایمان میں ایک خاص لذت اور حلاوت ہے لیکن وہ ان ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جنہوں نے پوری خوش دلی اور رضائے قلبی کے ساتھ اللہ کو اپنا مالک اور پروردگار اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی و رسول اور اسلام کو اپنا دین اور زندگی کا دستور بنالیا ہو اور اللہ کی بندگی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور طریقہ اسلام کی پیروی کو ان کے دل نے اپنا لیا ہو یعنی اللہ و رسول اور اسلام کے ساتھ ان کا تعلق محض رسمی اور موروثی یا محض عقلی اور دماغی نہ ہو بلکہ ان کے ساتھ دلی گرویدگی ہو۔ اسی حدیث میں "رضا" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کو یہ نصیب نہیں، یقیناً ایمانی لذت و حلاوت میں بھی اس کا کوئی حصہ نہیں اور اس کا ایمان کامل نہیں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ اَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَكْرَهَ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ. (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی جس میں تین باتیں پائی جائیں گی۔ ایک یہ کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو' دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لیے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:......اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب ہی ہے جو اس سے پہلی والی حدیث کا تھا' صرف تعبیر کا تھوڑا سا فرق ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی آدمی کو حاصل ہوسکتی ہے جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ ہر چیز سے زیادہ اُس کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو اور اس محبت کا اس کے دل پر ایسا قبضہ اور تسلط ہو کہ اگر کسی اور سے وہ محبت بھی کرے تو اللہ ہی کے لیے کرے اور اللہ کا دین اسلام اُس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اس سے پھرنے اور اس کو چھوڑنے کا خیال اس کے لیے آگ میں گر جانے کے برابر تکلیف دہ ہو۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو اپنے ماں باپ' اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہی ہوسکتی ہے اور ایک مسلمان پورا مؤمن تب ہی ہوسکتا ہے کہ دنیا کے تمام دوسرے آدمیوں سے حتیٰ کہ اپنے ماں باپ' اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ ...... رَوَاهُ الْبَغَوِيُّ فِيْ شَرْحِ السُّنَّه.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسی کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔ (شرح السنہ)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہوسکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہوسکتی ہیں کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایاتِ نبویؐ کے تابع اور ماتحت ہو جائیں۔

''ھَویٰ'' (یعنی خواہشاتِ نفس) اور ''ھُدیٰ'' (یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات) یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر و شر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے اور جن سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے۔ ہر گمراہی اور بدعملی اتباعِ ہویٰ کا نتیجہ ہے جس طرح

کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباع ھدی سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہوسکتا ہے کہ ھویٰ کو (یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو) ھدیٰ کے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات و تعلیم کے) تابع کر دیا جائے اور جس نے ھدیٰ کو چھوڑ کر ھویٰ کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربانی ہدایات کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہو گیا تو گویا خود ہی اُس نے مقصد ایمان کو پامال کر دیا۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمَلَ لِسَانَكَ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالَ وَمَا ذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ. (رواہ احمد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا (یعنی پوچھا کہ ایمان کا اعلیٰ اور افضل درجہ کیا ہے؟ اور وہ کون سے اعمال و اخلاق ہیں جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جاسکتا ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کہ بس اللہ ہی کے لیے کسی سے تمہاری محبت ہو اور اللہ ہی کے واسطے بغض و عداوت ہو (یعنی دوستی اور دشمنی جس سے بھی ہو صرف اللہ کے واسطے ہو) اور دوسرے یہ کہ اپنی زبان کو تم اللہ کی یاد میں لگائے رکھو۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اور کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا' اور یہ کہ دوسرے لوگوں کیلئے بھی وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے اور چاہتے ہو اور ان کے لیے بھی اُن چیزوں کو ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔ (مسند احمد)

تشریح: ...... حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تین چیزوں کو ذکر فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ کامل ایمان جب نصیب ہوگا جبکہ یہ تین باتیں پیدا ہو جائیں۔ ایک اللہ ہی کے لیے دوستی اور دشمنی' دوسرے زبان کا یادِ الٰہی میں مشغول رکھنا' تیسرے بندگانِ خدا کی ایسی خیر خواہی کہ جو اپنے لیے چاہے وہ سب کیلئے چاہے اور جو اپنے لیے نہ چاہے وہ کسی کیلئے نہ چاہے۔

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ ہی کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کی اور اللہ ہی کے لیے دیا (جس کو جو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے واسطے منع کیا اور نہ دیا (جس کو منع کرنا اور نہ دینا عند اللہ بہتر سمجھا) تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔ (رواہ ابوداؤد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے حرکات وسکنات اور اپنے جذبات کو اسی طرح مرضی الٰہی کے تابع کر دیا کہ وہ جس سے تعلق جوڑتا ہے اللہ ہی کی رضا کے لیے جوڑتا ہے اور جس سے توڑتا ہے اللہ ہی کے لیے توڑتا ہے جس کو دیتا ہے اللہ ہی کے لیے دیتا ہے اور جس کے دینے سے ہاتھ روکتا ہے صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لیے روکتا ہے، غرض جس کے ایجابی اور سلبی قلبی رجحانات اور جذبات مثلاً محبت اور عداوت اور اسی طرح مثبت ومنفی اور ظاہری افعال وحرکات مثلاً کسی کو کچھ دینا یا نہ دینا، یہ سب اللہ ہی کے واسطے ہونے لگیں اور بجز رضاء الٰہی کے کوئی اور محرک اور داعیہ اس کے اعمال وافعال کے لیے نہ رہے، الغرض تعلق باللہ اور کامل عبدیت کا یہ مقام جس کو حاصل ہو جائے اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِىْ ذَرٍّ اَىُّ عُرَى الْاِيْمَانِ اَوْثَقُ؟ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ الْمُوَالَاةُ فِى اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِى اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِى اللّٰهِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "بتلاؤ ایمان کی کون سی دست آویز زیادہ مضبوط ہے؟ (یعنی ایمان کے شعبوں میں سے کون سا شعبہ زیادہ پائیدار ہے؟) ابوذر نے عرض کیا کہ اللہ ورسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ (لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ارشاد فرمائیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لیے باہم تعلق وتعاون اور اللہ کے واسطے کسی سے محبت اور اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض وعداوت۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ایمانی اعمال واحوال میں سب سے زیادہ جاندار اور پائیدار عمل اور حال یہ ہے کہ بندہ کا دنیا میں جس کے ساتھ جو برتاؤ ہو، خواہ موالات ہو یا ترکِ موالات، محبت ہو یا عداوت، وہ اپنے نفس کے تقاضے سے اور کسی نفسانی جذبہ سے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے لیے اور اُسی کے حکم کے ماتحت ہو۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَىْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو، کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلا دوں کہ اگر اُس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے، وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اُس کو عام کرو۔" (رواہ مسلم)

تشریح: اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا تھا کہ بندہ کے ایمان کی تکمیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کو اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ان کے دین کے ساتھ تمام ماسوا سے زیادہ محبت ہو اور ان کے سوا جس سے بھی محبت ہو ان ہی کے تعلق سے اور ان ہی کے واسطے ہو اور یہ کہ بندہ کا دل خود غرضی سے بالکل پاک صاف ہو اور اس کا حال یہ ہو کہ جو اپنے لیے چاہے وہی اللہ کے دوسرے بندوں کے لیے بھی چاہے اور جس چیز کو اپنے لیے پسند نہ کرے اُس کو کسی دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ اب اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور کسی معاشرہ کے ایمان کی تکمیل کے لیے

یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں باہم محبت ومودت ہو، اگر ان کے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ وہ حقیقت ایمان اوراس کے برکات وثمرات سے بے نصیب ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ. (رواہ الترمذی والنسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف وخطر نہ ہو۔ (ترمذی، نسائی)

تشریح:...... اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ سے ایذاء رسانی کا ذکر اس لیے فرمایا گیا ہے کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق ان ہی دو سے ہوتا ہے ورنہ مقصد اور مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

ابن حبان کی اسی حدیث کی روایت میں "مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ" کے بجائے "مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ" وارد ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو تمام بنی نوع انسان کے لیے پرامن اور بے آزار ہونا چاہیے۔

لیکن واضح رہے کہ اس حدیث میں جس ایذاء رسانی کو منافی اسلام بتلایا گیا ہے وہ وہ ہے جو بغیر کسی صحیح وجہ اور معقول سبب کے ہو ورنہ بشرط قدرت مجرموں کو سزا دینا اور ظالموں کی زیادتیوں اور مفسدوں کی فساد انگیزیوں کو بزور دفع کرنا تو مسلمانوں کا فرض منصبی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو دنیا امن وراحت سے محروم ہو جائے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِهٖ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "وہ شخص مؤمن نہیں ہے کہ جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کے برابر میں رہنے والا اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔" (شعب الایمان)

تشریح:...... یعنی اپنے پڑوسی کی بھوک اور فاقہ سے بے نیاز اور لاپرواہ ہو کر اپنا پیٹ بھرنے والا آدمی (اگرچہ وہ ستر پشتوں کا مسلمان ہو) حقیقت ایمان سے بے نصیب ہے اور سنگدلی اور خود غرضی کی یہ کیفیت شانِ ایمان کے بالکل منافی ہے۔

(ہم مسلمانوں کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اور عام بندگان خدا کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ ہے اس کو سامنے رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں ذرا ہم اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کی رو سے ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کہاں ہیں)۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا. (رواہ ابو داؤد والدارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان اُس کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (ابوداؤد، دارمی)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ کمال ایمان کا انحصار حسن اخلاق پر ہے۔ پس اخلاق میں جو جتنا بلند ہوگا اسی قدر اس کا ایمان کامل ہوگا یا اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ حسن اخلاق کمال ایمان کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ لہٰذا جس شخص کا ایمان جتنا کامل ہوگا اُسی کی نسبت سے اس کے اخلاق بلند ہوں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی شخص کو ایمان کی حقیقت تو نصیب ہو لیکن اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا یَعْنِیْهِ. (رواه ابن ماجة والترمذی والبیهقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدمی کے اسلام کی خوبی اور اس کے کمال میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں کا تارک ہو۔“ (رواہ ابن ماجہ، ترمذی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت قیمتی بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کو اس وقت کا اور صلاحیتوں کا جو سرمایا دیا گیا ہے وہ اس کو بالکل ضائع نہ کرے بلکہ صحیح طور سے اس کو استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرے۔ یہی دین کی تمام تعلیمات کا حاصل اور لب لباب ہے اور یہی ایمان واسلام کا مقصد ہے اس لیے جو خوش نصیب یہ چاہے کہ اس کو ایمان کا کمال حاصل ہو اور اس کے اسلام کے حسن پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ کھلے گناہوں اور بداخلاقیوں کے علاوہ تمام فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں سے بھی اپنے کو بچائے رکھے اور اپنے وقت اور اپنی تمام خداداد قوتوں اور صلاحیتوں کو بس ان ہی کاموں میں لگائے جن میں خیر اور منفعت کا کوئی پہلو ہو یعنی جو معاد یا معاش کے لحاظ سے ضروری یا مفید ہوں یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

جو لوگ غفلت سے لایعنی باتوں اور بے حاصل چیزوں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کرتے ہیں وہ نادان جانتے نہیں کہ اللہ نے ان کو کتنا قیمتی بنایا ہے اور وہ اپنے کیسے بیش بہا خزانہ کو مٹی میں ملاتے ہیں۔ اس حقیقت کو جنہوں نے سمجھ لیا ہے، بس وہی دانا اور عارف ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ اُمَّةٍ قَبْلِیْ اِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ یَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِیَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ. (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو پیغمبر بھی مجھ سے پہلے کسی اُمت میں بھیجا تو اس کے کچھ حواری اور لائق اصحاب ہوتے تھے جو اس کے طریقے پر چلتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ پھر ایسا ہوتا تھا کہ ان کے نالائق پسماندگان ان کے جانشین ہوتے تھے اور ان کی حالت یہ ہوتی تھی کہ وہ کہتے تھے اور خود وہ کام نہیں کرتے تھے یا مطلب یہ ہے کہ کرنے کے جو کام وہ نہیں کرتے تھے ان کے متعلق لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم کرتے ہیں، گویا اپنی مشیخیت اور اپنا تقدس قائم رکھنے کے لیے وہ جھوٹ بھی بولتے اور جن کاموں کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا ان کو کرتے تھے (یعنی اپنے پیغمبر کی سنتوں اور اس کے اوامر واحکام پر تو وہ عامل نہ تھے مگر وہ معصیات وبدعات جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا ان کو خوب کرتے تھے) تو جس نے ان

کے خلاف اپنے دست و بازو سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے اور جس نے (بدرجہ مجبوری) صرف زبان ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مؤمن ہے اور جس نے (جہاد باللسان سے بھی عاجز رہ کر) صرف دل ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا (یعنی دل میں ان سے نفرت کی اور ان کے خلاف غیظ و غضب رکھا) تو وہ بھی مؤمن ہے لیکن اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (مسلم)

تشریح:...... حدیث کا مطلب اور اس کی روح یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے جانشینوں اور نام لیواؤں میں جو غلط کار اور بدکردار ہوں جو دوسروں کو تو اعمال خیر کی دعوت دیتے ہوں لیکن خود بے عمل اور بدعمل ہوں ان کے خلاف حسب استطاعت ہاتھ سے یا زبان سے جہاد کرنا اور کم از کم دل میں اس جہاد کا جذبہ رکھنا ایمان کے خاص شرائط اور لوازم میں سے ہے اور جو شخص اپنے دل میں بھی اس جہاد کا جذبہ نہ رکھتا ہو اس کا دل ایمان کی حرارت اور اس کے سوز سے گویا بالکل ہی خالی ہے۔ ''لَیْسَ وَرَاءَ ذَالِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ'' کا یہی مطلب ہے اور اگلی حدیث میں اسی کو ''اَضْعَفُ الْاِیْمَانُ'' (ایمان کا ضعیف ترین درجہ) فرمایا گیا ہے۔

ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے ناخلف اور نالائق جانشینوں کے خلاف جہاد کا جو حکم ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کو درست کرنے کی اور صحیح راستے پر لانے کی کوشش کی جائے اور اگر اس سے مایوسی ہو تو ان کے برے اثرات سے اللہ کے بندوں کو بچانے کے لیے ان کی جھوٹی مشیخت اور ان کے موروثی اثر و اقتدار کو ختم کرنے کی جدوجہد کی جائے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَای مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَان. (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی تم میں سے کوئی بری اور خلاف شرع بات دیکھے تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور و قوت سے) اس کو بدلنے کی (یعنی درست کرنے کی) کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی سے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

تشریح:...... اس سے پہلی حدیث میں ایک خاص طبقے کی بدکاری اور بدکرداری کے خلاف حسب استطاعت جدوجہد کو لازمہ ایمان قرار دیا گیا تھا اور اس حدیث میں ہر برائی اور ہر شرارت کو روکنے اور اس کو بدل ڈالنے کی بقدر استطاعت سعی و کوشش کا عام حکم فرمایا گیا ہے اور اوپر والی حدیث کی طرح یہاں بھی اس کے تین درجے بتلائے گئے ہیں۔

۱...... اگر طاقت و اقتدار حاصل ہو اور اس کے ذریعہ اس برائی کو روکا جا سکتا ہو تو طاقت استعمال کر کے اس کو روکا جائے۔

۲...... اگر طاقت و اقتدار اپنے ہاتھ میں نہیں ہے تو زبانی افہام و تفہیم اور پند و نصیحت ہی سے اس کو روکنے کی اور اصلاح کی کوشش کی جائے۔

۳...... اگر حالات ایسے ناموافق ہیں اور اہل دین اس قدر کمزور پوزیشن میں ہیں کہ اس برائی کے خلاف زبان کھولنے کی بھی گنجائش نہیں ہے تو آخری درجہ یہ ہے کہ دل سے اس کو برا سمجھا جائے اور اس کو مٹانے اور بدل ڈالنے کا جذبہ دل میں رکھا جائے جس کا فطری نتیجہ کم از کم یہ ہوگا کہ دل اللہ تعالیٰ سے اس کے مٹانے کی دعا کرتا رہے گا اور تدبیریں بھی سوچا کرے گا

......اس آخری درجے کو حدیث میں "اَضْعَفُ الْاِیْمَانْ" فرمایا گیا ہے......جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایمان کا وہ آخری کمزور درجہ ہے کہ اس کے بعد کوئی اور درجہ ایمان کا ہے ہی نہیں۔ یہی بات پہلی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمائی گئی تھی۔

اس حدیث کی رو سے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جو برائیاں اس کے سامنے اس قسم کی ہوں جو زور وقوت سے روکی جاسکتی ہوں تو اگر اس کو وہ زور وقوت حاصل ہو تو اس کو استعمال کر کے وہ اس برائی کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر زور وقوت ہاتھ سے خالی ہو تو پھر زبانی افہام وتفہیم سے کام لے اور اگر حالات میں اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو پھر کم از کم دل میں اس کے خلاف جذبہ اور سوزش ہی رکھے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهُ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا ہو اور اُس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو کہ "جس میں امانت کی خصلت نہیں اُس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:......یعنی امانت داری اور عہد کی پابندی سے کسی آدمی کا خالی ہونا دین وایمان کی حقیقت سے اس کی محرومی اور بے نصیبی کی دلیل ہے کیونکہ امانت اور ایفائے عہد ایمان واسلام کے لوازم میں سے ہیں......جیسا کہ پہلے بھی بعض حدیثوں کی تشریح میں لکھا جا چکا ہے۔ اس طرح کی حدیثوں کا مقصد ومنشاء یہ نہیں ہوتا کہ ایسا شخص اسلام کے دائرے سے بالکل نکل گیا اور اب اُس پر بجائے اسلام کے کفر کے احکام جاری ہوں گے بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ایمان کی اصل حقیقت اور اس کے نور سے بے نصیب ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بہت ہی ناقص درجے کا اور بے جان ہے۔

ایمان کے منافی اخلاق واعمال

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

بہز بن حکیم اپنے والد حکیم کے واسطے سے اپنے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسے کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:......درحقیقت غصہ ایسی ہی ایمان سوز چیز ہے جب آدمی پر غصہ سوار ہوتا ہے تو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود سے وہ تجاوز کر جاتا ہے اور اس سے وہ باتیں اور وہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو اس کے دین کو برباد کر دیتی ہیں اور اللہ کی نظر سے اُس کو گرا دیتی ہیں۔

عَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کے لیے اور اس کا ساتھ دینے کے لیے چلا اور اُس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

2 تشریح:...... جب ظلم کا ساتھ دینا اور ظالم کو ظالم جانتے ہوئے اس کی کسی قسم کی مدد کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو اسلام سے نکل جانے والا قرار دیا ہے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ خود ظلم ایمان و اسلام کے کس قدر منافی ہے اور اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ظالموں کا کیا درجہ ہے۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشُ وَلَا الْبَذِيْ. (رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مؤمن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش گو اور بد کلام ہوتا ہے۔'' (ترمذی وشعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ بدکلامی اور فحش گوئی اور دوسروں کے خلاف زبان درازی' یہ عادتیں ایمان کے منافی ہیں اور مسلمان کو ان سے پاک ہونا چاہیے۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ اَنَّهٗ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ' فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ' فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا. (رواہ مالک والبیہقی فی شعب الایمان مرسلاً)

حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مسلمان بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری ہو سکتی ہے) پھر عرض کیا گیا کیا مسلمان بخیل ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہو سکتی ہے) پھر عرض کیا گیا' کیا مسلمان کذاب (یعنی بہت جھوٹا) ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! (یعنی ایمان کے ساتھ بیباکانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہو سکتی اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا۔

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ بخل اور بزدلی اگرچہ بری عادتیں ہیں لیکن یہ دونوں انسان کی کچھ ایسی فطری کمزوریاں ہیں کہ ایک مسلمان میں بھی یہ ہو سکتی ہیں لیکن جھوٹ کی عادت میں اور ایمان میں ایسی منافات ہے کہ یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزْنِی الزَّانِیْ حِيْنَ يَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْهَا اَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاِيَّاكُمْ اِيَّاكُمْ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں زنا کرتا کوئی زنا کار' جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چور جس وقت وہ چوری کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی جبکہ وہ شراب پیتا ہے اور وہ اُس وقت مؤمن ہو اور نہیں لوٹتا لوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اس کی طرف آنکھیں اُٹھا اُٹھا کر اس کی لوٹ مار کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں خیانت کرتا خیانت کرنے والا جبکہ وہ خیانت کرتا ہے اور وہ اُس وقت مؤمن ہو۔ پس (ایمان والو! ان منافی ایمان حرکات سے) اپنے کو بچاؤ! بچاؤ! (بخاری ومسلم)

یہ حدیث بخاری و مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی آئی ہے اور اس میں زنا، چوری، شراب نوشی، لوٹ مار اور خیانت کے علاوہ قتل ناحق کا بھی ذکر ہے یعنی اس میں ان الفاظ کا اور اضافہ ہے: ''وَلَا یَقْتُلُ حِیْنَ یَقْتُلُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ'' (یعنی نہیں قتل کرتا کوئی قتل کرنے والا کسی کو جبکہ وہ قتل کرتا ہے اور وہ اُس وقت مؤمن ہو) (بخاری و مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، شراب نوشی، قتل و غارت گری اور خیانت، یہ سب حرکتیں ایمان کے قطعاً منافی ہیں اور جس وقت کوئی شخص یہ حرکتیں کرتا ہے اُس وقت اس کے دل میں ایمان کا نور بالکل نہیں رہتا، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسلام کے دائرہ سے بالکل نکل کر کافروں میں شامل ہو جاتا ہے...... خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لَا یَکُوْنُ ھٰذَا مُؤْمِنًا تَامًا وَلَا یَکُوْنُ لَہٗ نُوْرُ الْاِیْمَانِ. (صحیح بخاری کتاب الایمان)

''ان گناہوں کا کرنے والا جس وقت کہ یہ گناہ کرتا ہے اُس وقت وہ پورا مؤمن نہیں ہوتا اور اس میں ایمان کا نور نہیں رہتا۔''

اس طرح کہ احادیث کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اس حقیقی ایمان سے محروم اور بے نصیب ہے جو مسلمانوں کی اصلی شان ہے اور جو اللہ کو محبوب ہے اور اس کے لیے نحوی ترکیب میں ''کاملاً'' یا ''تاماً'' جیسے الفاظ مقدر ماننے کی بالکل ضرورت نہیں بلکہ ایسا کرنا ایک قسم کی بدذوقی ہے، ہر زبان کا یہ عام محاورہ ہے کہ اگر کسی میں کوئی صفت بہت ناقص اور کمزور درجہ کی ہو تو اُس کو کالعدم قرار دے کر اس کی مطلق نفی کر دی جاتی ہے خاص کر دعوت و خطابت اور ترغیب و ترہیب میں یہی طرزِ بیان زیادہ موزوں اور زیادہ مفید مطلب ہوتا ہے۔

مثلاً یہی حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا اور چوری اور خونِ ناحق وغیرہ گناہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ''ان کا کرنے والا جس وقت یہ ناپاک کام کرتا ہے وہ اس وقت مؤمن نہیں ہوتا۔'' اگر بجائے اس کے آپ یوں فرماتے کہ ''اُس وقت اُس کا ایمان کامل نہیں ہوتا'' تو اس میں کوئی زور اور وزن نہیں ہوتا اور ترہیب و تخویف جو حدیث کا مقصد ہے وہ بالکل فوت ہو جاتا یا مثلاً پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکثر خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ''لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ'' (جس میں امانت نہیں، اُس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس کا دین میں حصہ نہیں) اب اگر بجائے اس کے صریح الفاظ میں یہ فرمایا جاتا کہ ''جس میں امانت نہیں وہ مؤمن کامل نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں وہ پورا دیندار نہیں'' تو ظاہر ہے کہ اس میں وہ زور اور اثر بالکل نہ ہوتا جو حدیث کے موجود الفاظ میں ہے۔ بہر حال دعوت و موعظت اور انذار و ترہیب جو ان حدیثوں کا اصل مقصد ہے اس کے لیے یہی طرز بیان صحیح اور زیادہ موزوں و خوبصورت ہے۔

منافق کے اعمال و احوال

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَّمَنْ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِنْھُنَّ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَ اِذَا عَاھَدَ غَدَرَ وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں اُن چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس کا حال یہ ہے

کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے اور وہ اسی حال میں رہے گا جب تک کہ اُس عادت کو چھوڑ نہ دے۔ وہ چاروں عادتیں یہ ہیں کہ جب اُس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب باتیں کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد معاہدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے اور جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف ہو تو بدزبانی کرے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... حقیقی اور اصلی نفاق' انسان کی جس بدترین حالت کا نام ہے وہ تو یہ ہے کہ آدمی نے دل سے تو اسلام کو قبول کیا نہ ہو (بلکہ دل سے اُس کا منکر اور مخالف ہو) لیکن کسی وجہ سے وہ اپنے کو مؤمن و مسلم ظاہر کرتا ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عبداللہ ابن اُبی وغیرہ مشہور منافقین کا حال تھا' یہ نفاق دراصل بدترین اور ذلیل ترین قسم کا کفر ہے اور ان ہی منافقین کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ:

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

''ضرور بالضرور یہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ڈالے جائیں گے۔''

لیکن بعض بری عادتیں اور بد خصلتیں بھی ایسی ہیں جن کو ان منافقین سے خاص نسبت اور مناسبت ہے اور وہ دراصل ان ہی کی عادتیں اور خصلتیں ہیں اور کسی صاحب ایمان میں ان کی پرچھائیں بھی نہیں ہونی چاہیے۔ پس اگر بدقسمتی سے کسی مسلمان میں ان میں سے کوئی عادت ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں یہ منافقانہ عادت ہے اور اگر کسی میں بدبختی سے منافقوں والی وہ ساری عادتیں جمع ہو جائیں تو سمجھا جائے گا کہ وہ شخص اپنی سیرت میں پورا منافق ہے۔

الغرض ایک نفاق تو ایمان وعقیدے کا نفاق ہے جو کفر کی بدترین قسم ہے لیکن اس کے علاوہ کسی شخص کی سیرت کا منافقوں والی سیرت ہونا بھی ایک قسم کا نفاق ہے مگر وہ عقیدے کا نہیں بلکہ سیرت اور کردار کا نفاق ہے اور ایک مسلمان کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر و شرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے' اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ منافقانہ سیرت اور منافقانہ اعمال و اخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصائل نفاق میں سے چار کا ذکر فرمایا ہے۔ (۱) خیانت (۲) جھوٹ (۳) عہد شکنی (۴) بدزبانی۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو اس کو سمجھنا چاہیے کہ اس میں ایک منافقانہ خصلت ہے اور جس میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہوں وہ اپنی سیرت میں خالص منافق ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ. (رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اُس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اُس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا۔ (مسلم)

تشریح:...... یعنی ایسی زندگی جس میں دعوائے ایمان کے باوجود نہ کبھی راہِ خدا میں جہاد کی نوبت آئے اور نہ دل میں اُس کا شوق اور اُس کی تمنا ہو' یہ منافقوں کی زندگی ہے اور جو اسی حال میں اِس دُنیا سے جائے گا وہ نفاق کی ایک صفت کے ساتھ جائے گا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَىِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلاً. (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ تو منافق والی نماز ہے کہ بے پروائی سے بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب وہ زرد ہوگیا اور اُس کے غروب کا وقت قریب آ گیا تو نماز کو کھڑا ہوا اور چڑیا کی طرح چار چونچیں مار کے ختم کردی اور اللہ کا ذکر بھی اُس میں بہت تھوڑا کیا۔ (مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ شوق کی بے چینی سے نماز کے وقت کا منتظر رہے اور جب وقت آئے تو خوشی اور مستعدی سے نماز کے لیے کھڑا ہو اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت مجھے مالک الملک کے دربارِ عالی کی حضوری نصیب ہے، پورے اطمینان اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے اور قیام وقعود اور رکوع وسجود میں خوب اللہ کو یاد کرے اور اس سے اپنے دل کو شاد کرے لیکن منافقوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز اُن کے لیے ایک بوجھ ہوتی ہے، وقت آ جانے پر بھی اُس کو ٹالتے رہتے ہیں، مثلاً عصر کی نماز کے لیے اُس وقت اُٹھتے ہیں جب سورج بالکل ڈوبنے کے قریب ہو جاتا ہے اور بس چڑیا کی سی چار چونچیں مار کے نماز پوری کر دیتے ہیں اور اللہ کا نام بھی بس برائے نام ہی لیتے ہیں، پس یہ نماز منافق کی نماز ہے اور جو کوئی ایسی نماز پڑھتا ہے وہ مخلص مؤمنوں والی نہیں بلکہ منافقوں والی نماز پڑھتا ہے۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے اور وہ اُس کے بعد بھی بلا کسی خاص ضرورت کے مسجد سے باہر چلا جائے اور نماز میں شرکت کیلئے واپسی کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ منافقانہ طرزِ عمل ہے۔ پس ایسا کرنے والا اگر عقیدے کا منافق نہیں ہے تو وہ ''منافق عملی'' ہے۔

وسوسے پر مواخذہ نہیں

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِيْ مَاوَسْوَسَتْ بِهٖ صَدْرُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ بِهٖ اَوْ تَتَكَلَّمْ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے دل کے برے خیالات اور وسوسوں کو معاف کر دیا ہے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا جب تک اُن پر عمل نہ ہو اور زبان سے نہ کہا جائے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... انسان کے دل میں بعض اوقات بڑے گندے خیالات اور خطرات آتے ہیں اور کبھی کبھی منکرانہ اور ملحدانہ سوالات واعتراضات بھی دل ودماغ کو پریشان کرتے ہیں، اس حدیث میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ یہ خیالات اور وساوس جب تک کہ صرف خیالات اور وساوس ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے، ہاں! جب یہی خیالات، خطرات و

وساوس کی حد سے بڑھ کر اُس شخص کا قول یا عمل بن جائیں تو پھر اُن پر مواخذہ اور محاسبہ ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَ ہٗ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّیْ اُحَدِّثُ نَفْسِیْ بِالشَّیْءِ لَاَنْ اَکُوْنَ حُمَمَۃً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَتَکَلَّمَ بِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ اَمْرَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: "کبھی کبھی میرے دل میں ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اُن کو زبان سے نکالوں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے جس نے اس کے معاملہ کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ یہ غمگین اور فکر مند ہونے کی بات نہیں بلکہ اس پر اللہ کا شکر کرو کہ اُس کے فضل و کرم اور اس کی دستگیری نے تمہارے دل کو اُن برے خیالات کے قبول کرنے اور اپنانے سے بچا لیا ہے اور بات وسوسہ کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوْہُ اِنَّا نَجِدُ فِیْ اَنْفُسِنَا مَا یَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ یَتَکَلَّمَ بِہٖ؟ قَالَ اَوَقَدْ وَجَدْتُمُوْہُ قَالُوْا نَعَمْ، قَالَ ذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے دریافت کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ بعض اوقات ہم اپنے دلوں میں ایسے برے خیالات اور وسوسے پاتے ہیں کہ اُن کو زبان سے کہنا بھی بہت برا اور بہت بھاری معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا واقعی تمہاری یہ حالت ہے؟ انہوں نے عرض کیا' ہاں! یہی حال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یہ تو خالص ایمان ہے۔ (مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی یہ کیفیت کہ وہ دین و شریعت کے خلاف وساوس سے اتنا گھبرائے اور ان کو اتنا برا سمجھے کہ زبان سے ادا کرنا بھی اس کو گراں ہو' یہ خالص ایمانی کیفیت ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْتِی الشَّیْطَانُ اَحَدَکُمْ فَیَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ کَذَا؟ مَنْ خَلَقَ کَذَا؟ حَتّٰی یَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ رَبَّکَ فَاِذَا بَلَغَہٗ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ وَلْیَنْتَہِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ (یہاں تک کہ یہی سوال وہ اللہ کے متعلق بھی دل میں ڈالتا ہے کہ جب ہر چیز کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو پھر) اللہ کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ پس سوال کا سلسلہ جب یہاں تک پہنچے تو چاہیے کہ بندہ اللہ سے پناہ مانگے اور رُک جائے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے وسوسے اور سوالات شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور جب شیطان کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ جاہلانہ اور احمقانہ سوال ڈالے تو اُس کا سیدھا اور آسان علاج یہ ہے کہ بندہ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور خیال کو اُس طرف سے پھیر لے یعنی اس مسئلہ کو قابل توجہ اور لائق غور ہی نہ سمجھے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ جب اُس ہستی کا

نام ہے جس کا وجود اُس کی ذاتی صفت ہے اور جو تمام موجودات کا وجود بخشنے والا ہے اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَزَالُ النَّاسُ یَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰى یُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَالِکَ شَیْئًا فَلْیَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات اور چون و چرا کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ یہ احمقانہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اللہ نے سب مخلوق کو پیدا کیا ہے تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کر دے کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ...... مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا رویہ ان سوالات اور وساوس کے بارے میں یہ ہونا چاہیے کہ وہ سوال کرنے والے آدمی سے یا وسوسہ ڈالنے والے شیطان سے اور اپنے نفس سے صاف کہہ دے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان کی روشنی مجھے نصیب ہو چکی ہے اس لیے میرے لیے یہ سوال بالکل قابل غور نہیں جس طرح کسی آنکھوں والے کے لیے یہ سوال قابل غور نہیں کہ سورج میں روشنی ہے یا نہیں؟

ایمان و اسلام کیا ہے؟

عَنْ سُفْیَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِیْ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُلْ لِیْ فِی الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْأَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَکَ (وَفِیْ رِوَایَةٍ غَیْرَکَ) قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ. (رواہ مسلم)

سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: "یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع اور شافی بات بتائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر میں کسی سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہو میں اللہ پر ایمان پر لایا اور پھر پوری طرح اور ٹھیک ٹھیک اس پر قائم رہو۔" (مسلم شریف)

تشریح: ...... مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کو اپنا الٰہ اور رب مان کر اپنے کو بس اُس کا بندہ بنا دو اور پھر اس ایمان اور عبدیت کے تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک چلنا اپنی زندگی کا دستور بنالو، بس یہی کافی ہے۔

یہ حدیث "جوامع الکلم" میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے ان دو لفظوں میں اسلام کا پورا خلاصہ آ گیا ہے۔ "ایمان باللہ اور اُس پر استقامت" ہی اسلام کی غرض و غایت بلکہ اس کی روح ہے۔ "ایمان باللہ" کا مطلب تو کتاب کے بالکل شروع میں حدیث جبرئیل علیہ السلام کی تشریح میں بیان کیا جا چکا ہے اور استقامت کے معنی ہیں بلا افراط و تفریط اور بغیر کسی کجی اور انحراف کے اللہ کی مقرر کی ہوئی "صراط مستقیم" پر قائم رہنا اور ہمیشہ اُس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتے رہنا۔ گویا تمام اوامر و نواہی اور جملہ احکام خداوندی کے صحیح مکمل اور دائمی اتباع کا نام استقامت ہے اور ظاہر ہے کہ بندوں کے لیے اس سے آگے کوئی مقام نہیں، اسی سے بعض اکابر صوفیہ نے فرمایا ہے:

اَلْاِسْتِقَامَةُ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ کَرَامَةٍ. (یعنی استقامت ہزاروں کرامتوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔)

بہرحال استقامت وہ چیز ہے کہ اس کی تعلیم کے بعد کسی اور سبق کے لینے کی ضرورت نہیں رہتی اور بس وہی انسان کیلئے کافی ہے۔
قرآن مجید میں بھی کئی جگہ انسان کی سعادت اور فلاح کو ایمان باللہ اور استقامت ہی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الاحقاف، ۴۶: ۱۳، ۱۴)

''بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے (اور ہم اسی کے بندے ہیں) اور پھر وہ اس پر مستقیم رہے تو انہیں کوئی خوف وخطر نہیں اور نہ اُن کو رنج وغم ہوگا وہ سب جنتی ہیں، اپنے اعمال کے بدلہ میں وہ جنت ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔''

بلکہ ''اِرْجَاعُ اَلسُّنَّةِ اِلَى الْكِتَابِ'' کے اصول پر کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیان بن عبداللہ ثقفی کو یہ جواب شاید ایسی ہی آیات کی روشنی میں دیا ہوگا۔

عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ''اَلدِّيْنُ النَّصِيحَةُ'' قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ. (رواہ مسلم)

حضرت تمیم داری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین نام ہے ''خلوص اور وفاداری'' کا۔ ہم نے عرض کیا کہ کس کے ساتھ خلوص اور وفاداری؟ ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ، اللہ کی کتاب کے ساتھ، اللہ کے رسول کے ساتھ، مسلمانوں کے سرداروں، پیشواؤں کے ساتھ اور ان کے عوام کے ساتھ۔ (مسلم)

تشریح:...... یہ حدیث بھی ''جوامع الکلم'' میں سے ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کل مقاصد دین کو یہ حدیث جامع ہے اور اس پر عمل کر لینا گویا دین کے پورے منشاء کو ادا کر دینا ہے کیونکہ دین کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس حدیث کے مضمون سے باہر رہ گیا ہو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس حدیث میں اللہ، کتاب اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آئمہ اُمت و پیشوایان ملت اور عوام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفاداری کو دین بتلایا گیا ہے اور یہی کل دین ہے کیونکہ اللہ کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، ممکن حد تک اُس کی معرفت حاصل کی جائے، اس کے ساتھ انتہائی محبت کی جائے، اُس کی اطاعت و عبادت کی جائے، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور مالک و مقتدر جانتے ہوئے اُس سے ڈرا جائے، غرض پورے اخلاص و وفا کے ساتھ عبدیت کا حق ادا کیا جائے۔

اور کتاب اللہ کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، اس کا حق عظمت ادا کیا جائے، اس کا علم حاصل کیا جائے، اس کا علم پھیلایا جائے، اس پر عمل کیا جائے۔

علیٰ ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ اُن کی تصدیق کی جائے، تعظیم و توقیر کی جائے، ان سے ان کی تعلیمات اور اُن کی سنتوں سے محبت کی جائے اور دل و جان سے اُن کی پیروی و غلامی میں اپنی نجات سمجھی جائے۔

اور آئمہ مسلمین (یعنی مسلمانوں کے سرداروں اور پیشواؤں، حاکموں اور رہنماؤں) کے ساتھ خلوص و وفاداری یہ ہے کہ اُن کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اُن کی مدد کی جائے، ان کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے اور اگر اُن سے کوئی غفلت اور غلطی ہوتی نظر آئے تو بہتر طریقہ پر اُس کی اصلاح اور درستگی کی کوشش کی جائے، اچھے مشوروں سے دریغ نہ کیا جائے اور معروف کی حد تک اُن کی بات مانی جائے۔

اور عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ اُن کی ہمدردی و خیر خواہی کا پورا پورا خیال رکھا جائے، اُن کا نفع اپنا نفع اور ان

کا نقصان اپنا نقصان سمجھا جائے، جائز اور ممکن خدمت اور مدد سے دریغ نہ کیا جائے۔ الغرض علیٰ فرق مراتب ان کے جو حقوق عظمت وشفقت اور خدمت وتعاون کے مقرر ہیں اُن کو ادا کیا جائے۔

اس تفصیل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیث کس طرح پورے دین کو حاوی ہے اور دین کے تمام شعبوں کو اِن مختصر لفظوں میں کس طرح ادا کر دیا گیا ہے اور اس پر صحیح طور سے عمل کرنا گویا پورے دین پر عمل کرنا ہے۔

ارکانِ اسلام

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ. (رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کا قصر پانچ ستونوں پر (قائم کیا گیا) ہے۔ شہادتین، یعنی اس بات کا دل سے اقرار کرنا کہ سوائے ایک اللہ تعالیٰ کے کوئی اور معبود نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ اس کے رسول ہیں پورے آداب وحقوق کی رعایت کر کے نماز ادا کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ حج کرنا۔ رمضان شریف کے روزے رکھنا۔ (اس حدیث کو بخاری ومسلم وترمذی ونسائی نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ (الف) مصنف عبدالرزاق میں یہاں **خمس دعائم** کا لفظ صراحۃً مذکور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ا ص ۱۴۱)

(ب) حدیث مذکور کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تعلیم اور قرآن کریم کا اسلوب بیان ہر دو فطری ہوتے ہیں یہاں روزمرہ کے معمولی مشاہدات سے آخرت کے بڑے بڑے علوم باتوں ہی باتوں میں حل کر دیئے جاتے ہیں۔ اب ذرا غور کرو کہ ایک امی قوم کو اسلام اور اعمال کا ربط، پھر اعمال میں باہمی مراتب کا تفاوت سمجھنا ہے۔ مسئلہ کس قدر مشکل ہے اور اس کے لئے تعبیر کتنی سادہ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح اپنے ماحول میں تم روزمرہ اپنا مکان دیکھتے ہو اس میں چھت ہوتی ہے، ستون ہوتے ہیں، درو دیوار ہوتے ہیں اور یہ مجموعہ مل کر ہی تمہارا مکان کہلاتا ہے پھر اس مکان کی کوئی بنیاد بھی ضرور ہوتی ہے جس پر یہ مکان قائم ہوتا ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ اتنا بڑا عظیم الشان مکان تو آنکھوں سے نظر بھی آتا ہے مگر وہ بنیاد جس پر اتنی بڑی عمارت قائم ہوتی ہے کہیں نظر نہیں آتی، وہ زمین کے نیچے ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کو سمجھ لو وہ بھی ایک مجموعہ کا نام ہے اس کے بھی اجزاء ہیں اس کی بھی ایک بنیاد ہے۔ پھر اس کے اجزاء میں ایسا ہی تفاوت ہے جیسا کہ تمہارے مکان کے اجزاء میں، ہر جز مکان کے لیے یکساں ضروری نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ مکان کی بقاء کے لئے جس قدر ستونوں کی حاجت ہے اتنی طاق، روشندان اور نقش ونگار کی نہیں اسی طرح یہاں ارکان خمسہ، اسلام کے بنیادی اصول ہیں جن کے بغیر اسلام کا کارخانہ قائم نہیں رہ سکتا پھر ان ارکان میں بھی باہمی فرق ہے۔ آئندہ حدیث میں ابھی آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ان ارکانِ خمسہ کے ساتھ ساتھ تصدیق قلبی بھی اہم ترین جزء ہے اسے مکان کی بنیاد کی مثال سمجھئے جس طرح وہ زمین میں مدفون ہوتی ہے اسی طرح یہ دل میں پوشیدہ رہتی ہے ارکان خمسہ کی یہ محکم تعمیر اسی پوشیدہ تصدیق پر قائم رہ سکتی ہے۔ ایک موٹی سی مثال سے

کتنی بڑی حقیقت ذہن نشین کردی اور لطف یہ کہ سامعین کو خبر تک نہ ہوئی کہ مشکل کیا تھی اور کیونکر حل ہوگئی۔ دور نبوت گذرا اور جب علوم رسمیہ کی نوبت پہنچی تو اسی صاف بات کو جب ضوابط کے شکنجوں میں کھینچا گیا تو اب وہی ایک نہ حل ہونے والا مسئلہ بن کر رہ گیا کہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں یا صرف اس کی تکمیل کا سامان اسی پر یہ بحث قائم ہوگئی۔

عَنْ نَافِعٍ اَنْ رَجُلًا اَتٰی ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَا حَمَلَکَ عَلٰی اَنْ تَحُجَّ عَامًا وَتَعْتَمِرَ عَامًا وَتَتْرُکَ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ عَلِمْتَ مَا رَغَّبَ اللّٰهُ فِیْهِ قَالَ یَا ابْنَ اَخِیْ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ اِیْمَانٍ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالصَّلٰوةِ الْخَمْسِ وَصِیَامِ رَمَضَانَ وَاَدَاءِ الزَّکٰوةِ وَحَجِّ الْبَیْتِ قَالَ یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَلَا تَسْمَعُ مَا ذَکَرَاللّٰهُ فِیْ کِتَابِهٖ وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا. اِلٰی اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات: ۹) وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرة: ۱۹۳) قَالَ فَعَلْنَا عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ الْاِسْلَامُ قَلِیْلًا فَکَانَ الرَّجُلُ یُفْتَنُ فِیْ دِیْنِهٖ اِمَّا قَتَلُوْهُ وَاِمَّا یُعَذِّبُوْهُ حَتّٰی کَثُرَ الْاِسْلَامُ فَلَمْ تَکُنْ فِتْنَةٌ. الحدیث (رواہ البخاری فی التفسیر ص ۶۴۸)

نافع سے یوں روایت ہے کہ ایک شخص ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اور کہا اے ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ان کی کنیت ہے) کیا وجہ کہ آپ حج اور عمرہ تو ہر سال کرتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ نہیں کرتے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی کیسی ترغیب دلائی ہے۔ ابن عمرؓ نے جواب دیا اے بھائی اسلام تو پانچ چیزوں کا نام ہے (۱) اللہ کی توحید اور رسول کی تصدیق (۲) پنج وقتہ نماز (۳) رمضان کے روزے (۴) زکوٰۃ (۵) بیت اللہ کا حج (اور آج کل جو لڑائی ہے اس میں شریک ہونا کچھ اسلام کا جزء نہیں جو نہ کرنے سے کچھ نقصان ہو) اس نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو نہیں مانتے وَاِنْ طَائِفَتَانِ......الخ یعنی اگر مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان میں صلح کرادو (آخر آیت تک) دوسری جگہ ارشاد ہے کفار سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا ہم نے حضرت کے زمانہ میں جب اسلام کم تھا ایسا ہی کیا (جو شخص فتنہ اٹھاتا اس کو مار دیا جاتا یا تکلیف دی جاتی) یہاں تک کہ اسلام بکثرت پھیل گیا اور کوئی فتنہ باقی نہ رہا۔

تشریح۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے عبادت کے لئے سرنگوں ہوجانا۔ اب اگر دین اسلام کا تجزیہ کرو تو اس میں چند قسم کے احکام پاؤ گے۔ (۱) وہ احکام جو سب پر یکساں واجب ہیں۔ (۲) وہ احکام جو خاص خاص افراد سے متعلق ہیں پہلی قسم میں ایک بڑا حصہ صرف فرض علی الکفایہ ہے۔ ہر شخص پر واجب نہیں جیسا کہ جہاد، امر بالمعروف نہی عن المنکر، امارت، حاکم، قاضی، مفتی، شہادۃ وغیرہ ان سب کا تعلق خاص مصالح اور عارضی اسباب سے وابستہ ہے۔ فرض کرلو اگر یہ مصالح ہماری نقل وحرکت کے بغیر حاصل ہوجائیں تو یہ احکام واجب نہیں رہتے اسی طرح حدود وغیرہ کے ابواب ہیں ان کا تعلق بھی چند جرائم کے ساتھ ہے۔ اگر اس کا انسداد ہوجائے تو ان ابواب کی حاجت بھی نہیں رہتی دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جیسا کہ قرض کی ادائیگی۔ غصب وعاریت، ودیعت وامانت وغیرہ یہ تمام ابواب انسانوں کے حقوق کے تحفظ اور مظلوم کی دادرسی کے لئے ہیں اگر صاحب حق معاف کردے تو یہ ابواب بھی معطل ہوتے ہیں۔ صلہ رحمی، حقوق زوجیت، حقوق

اولاد، پڑوسی، شریک، فقیر وغیرہ ان احکام کا تعلق بھی سب کے ساتھ نہیں بلکہ خاص خاص افراد سے ہے وہ بھی خاص خاص اوقات میں اسی طرح شریعت کے بقیہ ابواب پر بھی ایک اجمالی نظر ڈال جائیے اور غور کیجئے کہ اب وہ کون سے احکام ہیں جو ہر ہر فرد پر واجب ہیں اور کسی وقتی مصلحت پر بھی مبنی نہیں اور انسان کے انقیاد ظاہری و باطنی کا ایک مکمل ثبوت بھی ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ یہی مبانی خمسہ ہیں۔ اسی لئے حدیث مذکور میں صرف ان پانچ ہی کو اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ (کتاب الایمان۔ ص ۱۳۶ و ۱۴۶)

اس حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جس جنگ کی شرکت کی دعوت دی جا رہی ہے وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جنگ کا واقعہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب یہاں کتنا عبرت آموز اور کتنا قیمتی ہے کہ کفار سے جنگ فتنہ فرو (ختم) کرنے کے لئے ہوتی ہے اور مسلمانوں سے جنگ فتنہ پیدا کرنے کے لئے۔ تم جس آیت کو میری تردید کے لئے پڑھ رہے ہو درحقیقت وہی میری تائید کے لئے ہے اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابن عمرؓ کا اس حدیث سنانے سے مقصد یہ نہیں تھا کہ جہاد فرض عین نہیں جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۴۳) بلکہ وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرما رہے تھے جس کو حافظ ابن تیمیہؒ نے مذکورہ بالا بیان میں مفصل طور پر ذکر کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سُوَیْدِ الْعَبْدِیْ قَالَ اَتَیْنَا ابْنَ عُمَرَ فَجَلَسْنَا بِبَابِهٖ لِیُؤْذَنَ لَنَا قَالَ فَاَبْطَا عَلَیْنَا الْاِذْنُ قَالَ فَقُمْتُ اِلٰی جُحْرٍ فِی الْبَابِ فَجَعَلْتُ اَطَّلِعُ فِیْهِ فَفَطِنَ بِیْ فَلَمَّا اُذِنَ لَنَا جَلَسْنَا فَقَالَ اَیُّكُمْ طَلَعَ اٰنِفًا فِیْ دَارِیْ قَالَ قُلْتُ اَبْطَاَ عَلَیْنَا الْاِذْنُ فَنَظَرْتُ فَلَمْ اَتَعَمَّدْ ذَالِکَ قَالَ ثُمَّ سَاَلُوْهُ عَنْ اَشْیَاءَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَحَجِّ الْبَیْتِ وَصِیَامِ رَمَضَانَ قُلْتُ یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ مَاتَقُوْلُ فِی الْجِهَادِ قَالَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ (ومن طریق اخر) قَالَ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ وَالْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ الْجِهَادُ حَسَنٌ هٰكَذَا حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. (الاولی اخرجها احمد وعبدالرزاق والثانیة الشیخان والنسائی والترمذی والطبرانی)

ابو سوید عبدی بیان کرتے ہیں کہ ہم ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دروازے پر بیٹھ گئے تا کہ اجازت ہو جائے (تو اندر داخل ہوں) اجازت میں کچھ دیر ہوئی تو میں دروازے میں ایک سوراخ کے اندر سے جھانکنے لگا وہ میری اس حرکت کو تاڑ گئے جب ہمیں اجازت مل گئی اور ہم بیٹھ گئے تو انہوں نے فرمایا ابھی ابھی میرے گھر میں تم میں کس نے جھانکا تھا میں نے عرض کیا کہ اجازت ملنے میں دیر ہو گئی تھی، اس لیے میں نے جھانکا تھا (تا کہ تاخیر کا سبب معلوم ہو) جھانکنا مقصود نہ تھا اس کے بعد پھر ان سے بعض اور باتیں دریافت کیں انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت پر، نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے، بیت اللہ کا حج اور رمضان کے روزے رکھنے پر، ہم نے عرض کیا اے ابو عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جہاد کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں، فرمایا جو کوئی جہاد کرے گا وہ اپنے ہی نفع کے لیے کرے گا۔ دوسرے طریقے میں ہے ایک شخص نے ان سے پوچھا اور جہاد فی

سبیل اللہ کیسا ہے فرمایا اچھا ہے (مگر) ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح بیان کیا تھا۔ (احمد، عبدالرزاق)

تشریح اسلام میں کسی غیر شخص کے گھر میں جھانکنے کی ممانعت کی گئی تھی اس لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلے اس خلاف شرع حرکت پر ان کو ٹوکا، آخر انہیں معذرت کرنی پڑی۔ اس سے زیادہ پیچھے پڑنا طریق دعوت وحکمت کے خلاف تھا اس لئے یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ ان کا یہ عذر بھی شرعی طور پر کافی نہیں تھا۔ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیسے سکوت کرلیا۔ الفاظ بالا سے یہ اور صاف ہوگیا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منشاء صرف اتنا تھا کہ ان کے زمانہ کا جہاد ارکان خمسہ کے ہم پلہ نہیں ہے۔ ایسے فتنوں کے موقعوں پر اس سے زیادہ صفائی سے بات کہنا بھی فتنہ کا موجب تھا۔ اس لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما صرف اتنا کہہ کر خاموش ہوگئے، مانا کہ جہاد بہت اچھا عمل ہے مگر جو حدیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے وہ اتنی ہی ہے اس میں جہاد کا ذکر نہیں ہے اس لئے تم مجھے اس جہاد کی شرکت پر مجبور نہیں کرسکتے اور میں اس سے علیحدہ رہ کر معذور رہ سکتا ہوں۔

ارکانِ اسلام کا باہمی ربط

عَنْ زِيَادِ بْنِ نَعِيْمِ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ فَرَضَهُنَّ اللّٰهُ فِي الْإِسْلَامِ فَمَنْ جَاءَ بِثَلَاثٍ لَمْ يُغْنِيْنَ عَنْهُ شَيْئًا حَتّٰى يَأْتِيَ بِهِنَّ جَمِيْعًا الصَّلٰوةُ وَالزَّكٰوةُ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَحَجُّ الْبَيْتِ. (رواه احمد)

زیاد بن نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، چار چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا ہے۔ نماز زکوٰۃ روزے اور بیت اللہ کا حج، جو شخص ان میں تین ادا کرے وہ اس کیلئے کچھ مفید نہیں ہوسکتیں تاوقتیکہ سب نہ کرے۔ (مسند احمد)

تشریح۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مذکور سے یہ تو سب ہی نے سمجھا کہ ارکان خمسہ اور مجموعہ دین کا وہ رشتہ ہے جو ایک قصر اور اس کے ستونوں کا ہوتا ہے اگر ارکان اسلام نہ ہوں تو دین کا قصر ہی گر جائے مگر خود ان ارکان کے درمیان رشتہ کیا ہے، ادھر کسی کا ذہن نہ گیا۔ اس نکتہ کی طرف حافظ ابن رجب کی نظر پہنچی ہے وہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ارکان اسلام میں باہم بھی گہرا ربط ہے اگر ان میں ایک نہ ہو تو بقیہ میں بھی ضعف نمایاں ہونے لگتا ہے کیونکہ یہ ارکان جس طرح پورے قصر کو سنبھالے ہوئے ہوتے ہیں اسی طرح ایک دوسرے کو بھی سہارا دیتے ہیں اگر سب موجود ہوں تو پورے قصر کا وزن اپنے درمیان تقسیم کرلیتے ہیں اور اگر ان میں کوئی ایک نہیں ہوتا تو اس کا وزن صرف بقیہ ارکان پر آ پڑتا ہے اور لازمی طور پر اس قصر کے لئے اور خود ان ستونوں کے لئے بھی خطرہ پیدا ہونے لگتا ہے، یہ تو ارکان ظاہری کا حال ہے، ارکان دین کا ربط اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ان میں ایسا معنوی ربط ہے کہ ایک دوسرے کے لئے بمنزلہ جزء بنا ہوا ہے ایک کی ادائیگی سے دوسرے کی توفیق میسر ہوتی ہے اور ایک کے ترک کرنے سے دوسرے سے بھی محروم ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے صاحب نبوت کی اس پراسرار تشبیہ میں ارکان خمسہ کا باہمی رشتہ بھی داخل سمجھنا چاہیے اور اب اس تشبیہ کا خلاصہ یہ سمجھنا چاہئے کہ جس طرح ایک قصر کے لئے ستون ضروری ہے اسی طرح اسلام کے لئے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا ادا کرنا ضروری ہے اور جس طرح کسی محل کے بعض ستون گر جانے سے اس کے اور ستونوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے اسی طرح کسی رکن اسلامی کے ترک سے اس کے بقیہ ارکان کو بھی نقصان ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قصر کے قائم رہنے کے لئے جتنے ستون درکار ہیں ان سب ہی کا ہونا ضروری ہے اگر ان میں ایک بھی نہ ہو تو بقیہ کا وجود چنداں مفید نہیں ہوتا۔ اب رہ گئی یہ بات کہ کس تعمیر کے لئے کتنے ستون ہونے چاہئیں پھر ان ستونوں میں اہمیت اور غیر اہمیت کا تناسب کیا ہونا چاہئے، ان میں کس کو کس کی احتیاج زیادہ ہے۔ ان مراحل کو وہی انجینئر خوب سمجھ سکتا ہے جس نے یہ نقشہ تعمیر تیار کیا ہے ہر ایک کے ادراک کی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد جب آپ قرآن وحدیث پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو نماز اور زکوٰۃ کا تذکرہ اکثر آیات میں ایک ہی جگہ ملے گا۔ احادیث میں حیاء وایمان کا تذکرہ ساتھ نظر آئے گا۔ اسی ربط کے پیش نظر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "من لم تزک فلا صلوٰۃ لہ" جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے شراب پی اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ دوسری حدیث میں ہے جو غلام اپنے آقاؤں سے بھاگ جائے اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی احادیث بالا سے شراب نوشی اور اپنے مالک سے بیوفائی کا نماز سے بڑا گہرا ربط ثابت ہوتا ہے۔ اس ربط کا پورا پورا ادراک تو خدا تعالیٰ ہی کو ہے جس نے دین کا یہ قصر تیار کیا ہے اور وہی دراصل اس کے اصول تعمیری کا راز داں ہے۔ تاہم حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف توجہ فرمائی ہے اور انسانی دماغ کے رسائی کی حد تک اسے خوب ہی سمجھا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ عبادات درحقیقت عبدیت اور بندگی کی ایک علمی ٹرینگ ہے۔ عبدیت درحقیقت وہ صحیح رشتہ ہے جو بندہ اور اس کے معبود کے درمیان قائم ہے جتنے آسمانی دین آئے اور اسی رشتہ کو سمجھانے اور اس کے حقوق بتانے آئے۔ باپ بیٹے، دوست دوست، ہمسایہ ہمسایہ کے رشتے حتیٰ کہ امتی اور رسول کا رشتہ بھی ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کے ساتھ قائم ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ان رشتوں میں تعدد کی گنجائش بھی ہے لیکن عبدیت اور معبودیت کا وہ تعلق ہے جو نہ باہمی مخلوق میں ایک دوسرے کے ساتھ قائم ہوسکتا ہے اور نہ اس میں اثنینیۃ کی گنجائش ہے وہ صرف مخلوق اور اس کے خالق کے درمیان قائم ہے۔ اس رشتہ کو صرف سمجھانا نہیں ہے بلکہ اسکے ایک ایک طرز ادا سے ہم کو رنگین بنانا بھی ہے اگر اس رشتہ کا تجزیہ کرو تو جو اس کے بڑے عنصر نظر آئیں گے وہ صرف دو ہیں اطاعت ومحبت۔ ہر غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے سامنے ہمہ تن اطاعت ہو مگر وہ اطاعت نہیں جو ذوق محبت سے خالی ہو، اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے مولیٰ سے محبت کرے۔ مگر وہ محبت نہیں جس میں سرمو خلاف کی گنجائش باقی ہو، یہ دونوں فرائض بڑی حد تک بندوں کے ساتھ بھی مشترک ہیں۔ شریعت چاہتی ہے کہ ان مشترک فرائض کے درمیان ایک ایسا خط فاصل کھینچ دے جس کے بعد دونوں کی حدود میں کوئی اشتراک باقی نہ رہے اسی کا نام عبادت ہے۔ دشواری یہ ہے کہ انسان فطرۃً داغ عبدیت برداشت نہیں کرتا اس لئے اس کے سامنے ایک ایسا آئین رکھا گیا ہے جسے وہ سمجھے پھر اس پر عمل پیرا ہو کر اس منزل تک پہنچ جائے۔ جہاں یہ داغ عبدیت تاج خلافت کا سب سے آبدار موتی نظر آنے لگتا ہے اس لئے اسے صرف سمجھایا نہیں گیا بلکہ عملی طور پر بھی ایسی ٹرینگ دی گئی جس کے اثر سے تدریجاً اس کی فطرت اطاعت ومحبت کی خوگر ہوتی چلی جائے۔ سب سے پہلے مولیٰ حقیقی نے اپنے ایسے ایسے خوبصورت نام بتائے جن میں حسن وخوبی کا جلوہ بھی ہے اور حکومت وسلطنت کا دبدبہ بھی اور ہمیں حکم دیا کہ ہم ان ناموں سے اسے پکارا کریں۔ اس کا نتیجہ نفسیاتی طور پر یہ ہونا چاہیے کہ اس کے حسن وجمال کا بے کیف وبے مثال نقش ہمارے دل پر جمتا چلا جائے اسی کے ساتھ اس کی بے پناہ قدرت وطاقت کا تسلط بھی قلب پر چھاتا چلا جائے اور ان اسماء کے لحاظ سے عبادات میں

یہ تقسیم کردی کہ کچھ عبادتیں تو وہ رکھیں جو اس کی حکومت کا سکہ دل پر قائم کریں اور کچھ وہ جو اس کا جذبہ محبت بھڑکائیں۔ اب اگر تم ذرا غور کرو گے تو اسلام کی عبادت میں نماز اور زکوٰۃ تمہیں پہلی قسم میں نظر آئیں گے اور روزہ و حج دوسری قسم میں۔ نماز و زکوٰۃ میں تمام تر بارگاہ سلطنت وحکومت کا ظہور ہے اور روزہ و حج میں سرتاسر محبوبیت و جمال کا جلوہ۔ نماز کیا ہے حاضری کے ایک عام نوٹس کے بعد لباس وجسم کی صفائی، اس کے بعد کورٹ کی حاضری کے لئے تیاری، وکیل کا انتخاب، پھر کورٹ میں پہنچ کر دست بستہ باادب قیام، دائیں بائیں دیکھنے، بات چیت کرنے، کھانے پینے حتیٰ کہ بلاوجہ کھانسنے اور نظریں اٹھانے تک کی ممانعت، آخر میں بذریعہ وکیل درخواست پیش کرنا پھر باادب سلام کر کے رخصت ہو جانا۔ زکوٰۃ پر غور کیجئے تو اس میں بھی غلام کی طرح اپنی کمائی دوسرے کے حوالہ کر دینا، سرکاری ٹیکس وصول کرنے والے آئیں تو ان کو راضی کر کے واپس کرنا، اور جو وہ لینا چاہیں بے چون وچرا ان کے سپرد کر دینا۔

اب سوچو کہ اگر پانچ وقت اس طرح حاضری اور اتنی عاجزانہ جبہ سائی کی تابعمر ٹریننگ حاصل کی جائے پھر سال بھر میں اپنا کمایا ہوا مال ایسی خاموشی اور بیچارگی سے سپرد کیا جائے تو کیا اس ذات کے ملکوت و جبروت کا نقش دل پر قائم نہیں ہو گا۔ جس کے پرشوکت اسماء پکارتے پکارتے اور یہ عاجزانہ عبادتیں کرتے کرتے عمر بسر ہوگئی ہے دوسری طرف اگر غور کرو تو محبت کا پہلا اثر کم خفتن، کم گفتن، کم خوردن ہی ہوتا ہے اس لئے اگر پہلے ہی قدم میں یہاں کوئی عاشق نہیں ہے تو یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس جمیل مطلق کی محبت کی عاشقانہ ادائیں ہی اختیار کرے، کھانا، پینا ترک کرے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنی نیند خراب کرے اور ایک جگہ جمع ہو کر اس کلام کی ایک معقول مقدار سنا کرے جسے سن کر مردہ روحیں بھی تڑپنے لگتی ہیں۔ اگر ایک ماہ کی اس ٹریننگ سے اس کے رنگ ڈھنگ، طور وطریق میں کچھ عاشقانہ انداز پیدا ہو گیا ہے تو اب اس کو دوسرا قدم اٹھانا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ جب کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور دنیا کے دوسرے لذائذ میں اس کے لئے کوئی لذت نہیں رہی تو اس کو اب کوئے یار کی ہوا کھانا چاہیے۔ یہاں زیب وزینت، تزک واحتشام درکار نہیں بلکہ سرتاسر ذل وافتقار، ہمہ تن عجز و انکسار، شکستہ حال واشکبار، برہنہ پا وجاں نثار، غرضیکہ سرتاپا دیوانہ وار بن کر چلنا مقصود ہے، یہی احرام کا خلاصہ ہے۔ پھر لق و دق میدانوں کی صحرانوردی اور لیلائے حقیقت کے سامنے چیخ وپکار یہی تلبیہ اور میدان عرفات کا قیام ہے۔ اس کے بعد ایک ایسے گھر کے سامنے حاضری ہوتی ہے جس کا مکین کوئی نہیں مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے حسن و جمال کی کرنیں اس کے ہر ہر پتھر سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں اور دلہائے عشاق کو پاش پاش کئے دیتی ہیں۔ ایسے دل کش نظارہ کے موقعہ پر بے ساختہ وہی فرض ادا کرنا پڑتا ہے جو مجنوں نے دیار لیلیٰ کو دیکھ کر ادا کیا تھا اسی کا نام طواف ہے۔ شاید صوم و حج کے اسی ربط کی وجہ سے ماہ رمضان کے بعد ہی حج کے ایام شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر جذبہ محبت اس سے بھی آگے ترقی کر جائے تو آخری منزل جہاد ہے۔ یہ عشق ومحبت کی وہ آخری منزل ہے جہاں پہنچ کر محبت صادق اور مدعی کاذب نکھر جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں جہاد کی ایک حکمت یہ بھی بتائی گئی ہے، اس میدان سے جو بھاگا وہ اس لائق نہیں سمجھا جاتا کہ پھر خدا اور رسول کی محبت کا دم بھر سکے اور جس نے ذرا کوئی کمزوری دکھائی اس پر پھر بے وفائی کا دھبہ لگے بغیر نہیں رہتا۔ اس میدان کا مرد صرف وہ ہے جو اپنی موت کو اپنی زیست پر ترجیح دیتا نظر آئے۔ دشمن کی تلوار کی چمک اس کو اتنی محبوب ہو جائے کہ سو جان سے اسے گلے

لگانے کی آرزو ہو اور وہ بڑے جذبہ کے ساتھ یہ کہتا ہوا خدا کی راہ میں قربان ہو جائے ؎

عمر یست کہ آوازہ منصور کہن شد من از سر نو جلوہ وہم دار ورسن را

یہ وہ عاشق صادق ہے کہ جب اس طرح پروانہ وار اپنی جان دے دیتا ہے تو قرآن کو اسے مردہ کہنے پر غیرت آتی ہے، وہ اعلان کرتا ہے کہ وہ زندہ ہے اگرچہ تمہیں اسکی زندگی اور اس زندگی کے مقام بلند کا شعور نہیں۔

مولانا مرحوم کے اس نقشہ کے مطابق نماز اور زکوٰۃ، روزہ اور حج کا علیحدہ علیحدہ ربط واضح ہو جاتا ہے۔ اگر یہ چاروں عبادتیں اس تصور سے ادا ہوتی رہیں تو ممکن نہیں کہ اطاعت ومحبت کی دونوں شانیں جو ایک عبد کے لئے مطلوب ہیں پیدا نہ ہو جائیں، ہمارے فقہاء نے بھی بڑی حد تک اس کو سمجھا ہے اور شاید اسی لئے قضا نمازوں کی ترتیب ساقط ہونے کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ پوری پانچ نمازیں قضا ہو جائیں بظاہر ایک دن کی پانچ نمازوں میں کوئی ایسا ربط پنہاں ہے کہ یہ پانچ گویا ایک ہی نماز ہے اور اسی لئے اگر کسی شخص کی چار نمازیں فوت ہو جائیں تو اسے ان کو بالترتیب قضاء کرنا چاہئے شافعیہ نے حالت سفر میں دو دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی اجازت دی ہے مگر یہ اجازت نہیں دی کہ پانچ میں سے جن دو کو چاہے جمع کر لے بلکہ صرف ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کرنا تجویز کیا ہے۔ شاید یہ بھی ان نمازوں کے کسی معنوی تناسب پر مبنی ہے۔ قاضی ابوالولید الباجی جملہ حدیث "وانتظار الصلوٰة بعد الصلوٰة" کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سلف ظہر کے بعد عصر اور مغرب کے بعد عشاء کا انتظار کیا کرتے تھے وہ بھی شاید اسی ربط پر مبنی تھا۔ روزے کے باب میں جنون کے پورے ماہ یا اس کے کسی ایک حصہ میں ہونے کی بحث بھی شاید اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ پورے ایک ماہ کے روزوں کو بظاہر کوئی معنوی ربط حاصل ہے۔ ماہ رمضان کی تین عشروں پر تقسیم بھی ہر عشرہ کے کسی معنوی ربط کا پتہ دیتی ہے اور آخر عشرہ کی اکائیوں میں بھی شاید کوئی ایسی خصوصیت پنہاں ہے کہ لیلۃ القدر ان ہی میں رکھی گئی ہے۔ بہرحال جب حوادث عالم کی بکھری ہوئی کڑیاں بھی کسی اندرونی نظام کے ماتحت رونما ہوتی ہیں تو پھر احکام شریعت کو اتنا بے ربط کیوں سمجھا جائے اس موضوع پر غور کرنے کے لئے طبعی دلچسپی کی ضرورت ہے۔ فرصت نکالئے اور ان موتیوں کے حاصل کرنے کے لئے حدیث وقرآن کے سمندر میں غوطہ لگایئے گوہر مقصود مل جائے گا۔ دریا کے کنارے کھڑے ہو کر صرف تمسخر اور استہزاء کرنا علم کا راستہ نہیں۔

اسلام میں سب سے مضبوط عمل

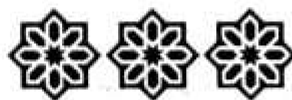
عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَدْرُوْنَ اَیُّ عُرَی الْاِیْمَانِ اَوْثَقُ قُلْنَا الصَّلٰوةُ قَالَ الصَّلٰوةُ حَسَنَةٌ وَلَیْسَتْ بِذَاکَ قُلْنَا الصِّیَامُ فَقَالَ مِثْلَ ذَالِکَ حَتّٰی ذَکَرْنَا الْجِهَادَ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ قَالَ اَوْثَقُ عُرَی الْاِیْمَانِ الْمُوَالَاةُ فِی اللهِ وَالْمُعَادَاةُ فِی اللهِ وَالْحُبُّ فِی اللهِ وَالْبُغْضُ فِی اللهِ عَزَّوَجَلَّ. (اخرجه الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس والطیالسی عن البراء)

براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو ایمان میں سب سے مضبوط

عمل کون سا ہے؟ ہم نے عرض کیا نماز۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک نماز کا تو کیا کہنا ہے لیکن اس کا دائرہ دوسرا ہے، ہم نے عرض کیا تو پھر روزے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی یہی فرمایا یہاں تک کہ ہم نے جہاد کا نام لیا تو اس پر بھی آپ نے وہی ارشاد فرمایا اس کے بعد کہا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ خدا ہی کے لیے دوستی اور خدا ہی کے لیے دشمنی، اسی کے نام پر محبت اور اسی کے نام پر بغض رکھنا۔ (طبرانی، مسند ابوداؤد طیالسی)

تشریح حدیث وقرآن میں فرائض وارکان کو زیر بحث لایا ہی نہیں گیا۔ ان کی اہمیت تو اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے۔ ہاں وہ اعمال جو کسی سبب سے ارکان قرار نہیں دیئے گئے۔ لیکن بہ حقیقت رکنیت کا مقام رکھتے ہیں ان کو اس لیے ابھارا جاتا ہے کہ عام نظریں ان کا شمار ارکان اسلام میں نہ دیکھ کر کہیں ان اعمال کو نظر انداز نہ کر دیں ہمارے خیال میں یہ اعمال اکثر وہ ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے ساتھ ہے۔ بعض اجتماعی عمل اتنے اہم ہوتے ہیں کہ بہت سے انفرادی فرضوں کی ادائیگی ان اعمال پر موقوف ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کا اپنا مقام دیکھا جائے تو اگرچہ اس کی حیثیت فرض و رکن کی نہیں ہوتی۔ لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ ارکان اسلام کے لئے موقوف علیہ کی حیثیت رکھتے ہیں تو ان کا مرتبہ وہ ہوتا ہے جو قالب کے لئے قلب کا اور جسم کے لئے روح کا۔ ازانجملہ خدا کے لئے محبت وعداوت کا عمل ہے۔ احادیث میں اسلام کے اس شعبہ کو کمال ایمانی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ فضیلت اسلام کی حدیثوں میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ جنت میں جانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک باہمی محبت پیدا نہ ہو جائے۔ اس محبت سے مراد یہی پرخلوص محبت ہے۔ مسلمانوں کا تنہا یہ عمل ان کے تمام دین کے ارکان کی ادائیگی میں جتنا مدد ومعاون ہوسکتا ہے ظاہر ہے نماز سے لے کر جہاد تک معاملات سے مسائل امامت وسیاست تک کون سا شعبہ ایسا ہے جس میں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسلام کی ایک عظیم الشان عبادت یعنی جہاد تو درحقیقت اسی کے مجموعہ کا نام ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہی وہ جہاد ہے جو بہت سے اجتماعی امراض کا علاج اور بہت سے امراض سے تحفظ کا واحد سبب بھی ہے۔ حدیثوں میں مختصر مختصر ایسے اعمال بتا دیئے گئے ہیں جوامت امیہ کو اجتماعی اور انفرادی زندگی کی پیچیدگیوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور جب یہ پیچیدگیاں پیدا نہیں ہوتیں تو بڑے سکون واطمینان کے ساتھ عبادت رب العالمین ادا کرنے کی فرصت میسر آ جاتی ہے لیکن جب ان اعمال کو ترک کر دیا جاتا ہے تو زندگی کا ہر شعبہ ایسا پر پیچ بن جاتا ہے کہ انسان عبادت خداوندی کی بجائے صرف ان کے سلجھانے کے مشغلہ میں ہی پھنس کر رہ جاتا ہے۔ یہاں اس سے زیادہ تفصیل کا موقعہ نہیں ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ.



ایمان اور اسلام کی چند نشانیاں

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْاِسْلَامِ ضُوْءً وَمَنَارًا كَمَنَارِ الطَّرِيْقِ. (المستدرک)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان کی بھی ایک چمک اور روشنی ہوتی ہے اور راستوں کے نشانات کی طرح اس کی بھی کچھ نمایاں علامتیں ہیں۔ (مستدرک)

تشریح: ۔عرب کی سرزمین ایک چٹیل میدان تھا اس میں کسی علامت کے بغیر راستہ پر چلنا مشکل تھا اس لئے ان کا دستور تھا کہ راستوں کی شناخت کے لئے وہ جا بجا پتھر نصب کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق حدیث نے اسلام کو ایک میدان اور مومن کو اس کے مسافر سے تشبیہ دی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ اس میدان میں بھی صحیح راستہ پر گامزن رہنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس کے نشانات قائم ہوں اگر خدانہ کردہ یہ نشانات مٹ جائیں تو پھر صحیح راستہ کا پتہ ملنا ہی مشکل ہے اس تعبیر میں یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح تم دنیا کے عام راستوں کے نشانات کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تم کو ایمان واسلام کے ان احکام کی حفاظت کرنی بھی ضروری ہے جو علامات اور نشانات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حدیثوں میں جن اعمال کو ارکان اور جن کو شعبے کہا گیا ہے یہ صرف عبارت کا تفنن نہیں ہے اسی طرح یہاں جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے یہ بھی صرف مجاز وشاعریت نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی خاص خاص حقیقتوں پر مبنی ہے مثلاً جن اعمال کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دین کے لئے ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان کا قائم رہنا دین کا قائم رہنا اور ان کا گر جانا دین کے سقوط اور گر جانے کے مرادف ہے اسی طرح جن کو فروع اور شعب کہا گیا ہے ان کی حقیقت میں دین اسلام سے پھوٹ کر نکلنے کی خصوصیت نمایاں ہے پس نماز اور حیاء میں شریعت کے نزدیک فرق یہ ہے کہ حیاء ایک ایسی چیز ہے جس کا شجرۂ اسلامی سے پھوٹ کر نکلنا ضروری ہے۔

مگر نماز صرف اتنی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک اوپر کے درجہ کا رکن ہے جس پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ اگر وہ متزلزل ہو تو دین کی ساری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے اسی طرح جن اعمال کو مینار اور علامت قرار دیا گیا ہے ان میں انسان کی تصدیق باطن یا انقیاد ظاہر پر علامت ہونے کی خصوصیت نمایاں ہونی چاہئے جس کی بناء پر وہ اس کے صداقت کی دلیل بن سکیں۔ اگر آپ ارکان وشعب اور علامات کی ان جدا جدا خصوصیات کو پورے طور پر سمجھ جائیں اور اجزاء دین میں صحیح صحیح ان کا ادراک بھی کر لیں تو یہ ایک بہت بڑا علم ہوگا مگر نہ ہم مختصر الفاظ میں اس کو مفصل اور پھر سمجھانے پر قادر ہیں اور نہ ان مختصر اوراق میں اس کو پھیلانے کی ہمارے پاس گنجائش ہے اس لئے ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے کہ ہر ذی فہم اپنی اپنی مقدار فہم کے مطابق اس غور وخوض میں حصہ لے اور حدیث کے عمیق سمندروں میں سے ان بے بہا حقیقتوں کو نکال نکال کر اپنے خزانہ دل میں جمع کرتا رہے۔

واضح رہے کہ احادیث میں ایمان کا عام استعمال قلبی تصدیق میں اور اسلام کا اعمال ظاہرہ میں کیا گیا ہے اس لحاظ سے علامات کی بھی دو قسمیں ہوگئی ہیں بعض قسمیں وہ ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے اور انسان کے خود اپنے ہی فیصلہ کرنے کی باتیں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے ان میں دوسروں کی شہادت کا بھی دخل ہے اور بہر صورت علامت کا مرتبہ صرف اتنا ہی ہے کہ اسے دیکھ کر یہ ظن پیدا ہونے لگتا ہے کہ جس چیز کے لئے اس کو علامت مقرر کیا گیا ہے وہ بھی یہاں موجود ہے اگرچہ اس کا ہونا قطعی اور ضروری نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی مانع کی وجہ سے اس علامت کی موجودگی کے باوجود اس شے کا وجود نہ ہو۔ بادل آتے ہیں اور بارش ہوتی ہے مگر کبھی بادلوں کے باوجود بارش نہیں ہوتی اس کے بھی کچھ قریب یا بعید اسباب ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بادلوں کے بارش کی علامت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوتا۔ پس زیرِ عنوان احادیث کا منشاء یہ نہیں کہ ان امور کے بعد ایمان واسلام کا وجود کسی شک وشبہ کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ یہ صرف اس کی علامات ہیں ان احادیث کا منشاء یہ ہے کہ ایک مسلمان اور ایک مومن کیلئے یہ جائے شرم ہے کہ وہ ایمان واسلام کا دعویٰ تو کرے مگر اس میں ایمان واسلام کی ایک علامت بھی نہ پائی جائے۔ آپ ان علامات کو اپنے قلب وقالب میں پیدا تو کیجئے پھر تجربہ کیجئے کہ آپ کا ظاہر وباطن ایمان واسلام کی حقیقت سے بھی رنگین ہوجاتا ہے یا نہیں۔

اس بات کا یقین ہوجانا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر جگہ حاضر وناظر ہے

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْعَامِرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ عَبَدَاللّٰهَ وَحْدَهُ بِاَنَّهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْطٰى زَكَاةَ مَالِهٖ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ فِىْ كُلِّ عَامٍ فَذَكَرَ الحديث وفى اٰخره فَمَا تَزْكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَهُ حَيْثُمَا كَانَ. (رواه البزار فى مسنده)

عبداللہ بن معاویہ عامری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اس تصور کے ساتھ خدا کی عبادت کی کہ اس کے سواء معبود اور کوئی نہیں۔ اور اپنے مال کی زکوٰۃ نہایت فراخ دلی اور خوشی کے ساتھ سال بہ سال ادا کی اس کے بعد انہوں نے آپ کی پوری حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں یہ بات بیان کی کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ تھا فرمایئے نفس کی زکوٰۃ دینے کا طریقہ کیا ہے فرمایا یہ کہ اس بات کا یقین حاصل ہوجائے کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ کی ذات پاک اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ (بزار)

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَفْضَلَ الْاِيْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ. (رواه الطبرانى)

عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تیرے ساتھ ہے جہاں بھی تو ہو۔ (طبرانی)

عَنْ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ كُنَّا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا

تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِىْ تَدْعُوْنَهٗ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰى وَاَنَا خَلْفَهٗ اَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فِىْ نَفْسِىْ فَقَالَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (متفق علیہ)

ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے لوگ چیخ چیخ کر تکبیریں کہنے لگے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم اس کو تو نہیں پکار رہے ہو جو سنتا نہ ہو یا یہاں موجود نہ ہو تم تو اس کو پکار رہے ہو جو شنوا اور بینا ہے اور جو تمہارے ساتھ ہے جس کو تم پکار رہے ہو وہ تو تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اور آہستہ آہستہ یہ کلمات کہہ رہا تھا **لاحول و لا قوة الا باللہ** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ کا نام ہے) کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی اطلاع نہ دوں میں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور۔آپ نے فرمایا وہ کلمہ **لا حول و لا قوة الا باللہ** ہے۔(متفق علیہ)

تشریح:۔علماء کو قول فی النفس اور قراءت فی النفس کے معنی سمجھنے کے لئے اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے بعض لوگ اس کے معنی صرف قلبی تصور سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک لغت کے لحاظ سے یہ مشکل ہے جو ترجمہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ہمارے نزدیک وہی مختار ہے۔یہ حقیقت بار بار آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہے کہ اسلام صرف زبانی اقرار کا نام نہیں ،صرف تصدیق کا نام بھی نہیں بلکہ ان سے گذر کر مرتبہ احسان تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے۔مرتبہ احسان اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اس استحضار کو کہتے ہیں جس میں غیبت وشہادت کا فرق باقی نہ رہے۔اس کا تصور اس درجہ غالب آجائے کہ ہمہ وقت یہ محسوس ہونے لگے گویا وہ تمہارے ساتھ ہے اس کا قرب اس درجہ مستولی ہو جائے کہ شتر سوار کو جو چیز سب سے زیادہ نزدیک نظر آ رہی ہو وہ اس کو اس سے بھی زیادہ نزدیک نظر آنے لگے۔اسلام میں اللہ تعالیٰ کا پاک تصور جس طرح مادیت کی ہر ظلمت سے منزہ ومبرا ہے اسی طرح اتنا مجرد بھی نہیں ہے کہ اس کے متعلق سمع وبصر کا تصور اس کے تجرد کے منافی ہو۔یہاں داعی اسلام نے یہ ہدایت فرمائی کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو تصورات بتائے گئے ہیں وہ فرضی نہیں بڑی حقیقت رکھتے ہیں اگر اس پر سمیع وبصیر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کی حقیقت بھی ہمیشہ تمہارے زیر نظر رہنی چاہئے۔تمہاری یہ چیخ وپکار پتہ دیتی ہے کہ تم نے اپنے خدا کو شاید اصم اور غائب سمجھ رکھا ہے اس لئے تم اس ادب و متانت کے ساتھ اس کو یاد کیا کرو کہ صرف تمہارے ذہن میں ہی اس کے سمیع وبصیر ہونے کا تصور نہ رہے بلکہ ہر دیکھنے والا بھی یہی سمجھے کہ تم ایسے خدا کو یاد کر رہے ہو جس میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔تمہاری لسانی حرکت کا منشاء صرف اس مضغہ لحمی کو وظائف بندگی میں مشغول کرنا اور اس کی یاد میں تر رکھنا ہے اور بس۔جب تم اس درجہ پر پہنچ جاؤ گے تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اب تم میں مرتبہ احسان کے اثرات پیدا ہو گئے ہیں اور اسلام کی بلند چوٹیوں پر تمہاری رسائی ہونے والی ہے۔مومن کامل میں جب یہ نسبت احسان راسخ ہو جاتی ہے تو پھر نوبت یہ آجاتی ہے کہ اگر تمام جہاں بھی زیروزبر ہو جائے جب بھی اس کے اس استحضار میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس مومن کی شان یہ ہو جاتی ہے "**لایحزنهم الفزع الاکبر**" یعنی ہنگامہ قیامت بھی ان کے لئے غم کا موجب نہیں ہوگا اور اس عظیم ہنگامہ میں بھی وہ پورے مطمئن نظر آئیں گے خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غار ثور میں تشریف لائے اور دشمن سر

پر کھڑا تھا اس خطرناک موقعہ پر آپ کے لئے موجب اطمینان یہی تسلی بخش تصور تھا لاتحزن ان الله معنا. یعنی اے رفیق غار تم غم نہ کھاؤ کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دریائے نیل کو اسی طاقت سے عبور کر رہے تھے۔ ان معی ربی سیھدین.

تمام اعمال کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف پلٹ جانا

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ فَقَدْ اِسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر دشمنی رکھے۔ کسی کو دے تو اسی کے نام پر، نہ دے تو اسی کی وجہ سے تو اس شخص نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔ امام احمدؒ کی روایت میں اتنی زیادتی اور ہے کہ نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے (یعنی عفت فرج مقصود ہو)۔ (ابوداؤد۔ترمذی)

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَسْتَحِقُّ الْعَبْدُ صَرِیْحَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ لِلّٰہِ وَیُبْغِضَ لِلّٰہِ فَاِذَا اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ فَقَدْ اِسْتَحَقَّ الْوِلَایَةَ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی. (رواہ احمد)

عمرو بن جموح روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ بندہ کا ایمان اس وقت تک خالص اور کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ خدائے تعالیٰ ہی کے نام پر دوستی اور اسی کے نام پر دشمنی کرنے کا عادی نہ ہو جائے پھر جب وہ اس کا عادی بن جاتا ہے تو اب اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ولایت سے نواز دے۔ (احمد)

تشریح:۔ ان دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دواعی قلب اور حرکات جوارح سب رضاء الٰہی کے تابع بن جائیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اب ایمان اس کے ظاہر و باطن میں رچ چکا ہے قلب و زبان میں پوری یک رنگی پوری صداقت پیدا ہو چکی ہے اور اس میں نفاق کے کسی شعبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ عمرو بن جموح کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس انسانی جب ترقی کی اس معراج پر جا پہنچتا ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ فضل ایزدی اس کو اپنی ولایت خاصہ کا خلعت پہنا دے شاید صوفیاء کرام اسی کو فناء و بقاء کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہی نسبت احسان کا خلاصہ ہے۔

گفت قدوسی فقیری درفناء و در بقاء۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فقیری فناء اور بقاء میں ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ اُمَّةٍ قَبْلِیْ اِلَّا کَانَ لَہٗ مِنْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ یَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِلِسَانِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِقَلْبِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ. (رواہ الخمسہ غیر البخاری)

عبداللہ بن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی امت میں اللہ تعالیٰ نے کسی

نبی کو نہیں بھیجا مگر اس کی امت میں ایسے لوگ ضرور گذرے ہیں جو اس کے معین و مددگار، اس کے طریقہ کار کے متبع و پیروکار اور اسکے ہر حکم کے مقتدی و فرمانبردار ہوا کرتے تھے پھر ان کے بعد ان کے جانشین کچھ ایسے بد اطوار لوگ ہوئے (جن کے قول وعمل میں بڑا فرق تھا) وہ جو بات اپنی زبانوں سے کہتے اس پر عمل نہ کرتے اور وہ حرکتیں کرتے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ جو شخص بھی ایسے لوگوں کا اپنے ہاتھ سے مقابلہ کرے وہ مومن اور جو زبان سے ان کی تردید کرے وہ مومن اور جو صرف قلبی ناگواری پر کفایت کرلے وہ بھی ایک درجہ کا مومن ہے اس کے بعد ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا کوئی جزء نہیں۔ (مسلم وغیرہ)

تشریح:۔ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو طارق بن شہاب کے واسطہ سے بھی روایت کیا ہے اس میں ان مراتب ثلاثہ کو وقتی استطاعت وقدرت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

''تم میں جو شخص کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کردے۔ اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس کی مخالفت کرے اور اگر یہ بھی نہ کرسکے تو اس سے کیا کم کہ اپنے دل میں اس کی ناگواری برابر محسوس کرتا رہے اور یہ درجہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''

اس حدیث میں ایمان کے تین درجے قائم کئے گئے ہیں قوی، درمیانہ، اور ضعیف ان میں ہر ایک درجہ کا اقتضاء جدا جدا اور ہر ایک کی علامت علیحدہ علیحدہ ہے۔ سب سے ضعیف درجہ کی علامت یہ ہے کہ خلاف شرع امور سے قلب میں ہمہ وقت نفرت وکراہت محسوس ہو یعنی جب کہیں کوئی منکر نظر آئے تو فوراً قلب میں اس پر ناگواری محسوس ہو۔ قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے "وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان" (اللہ تعالیٰ نے (صرف اپنی مہربانی سے) تمہارے دلوں میں کفر، فسق اور اپنی نافرمانی سے کراہت ڈالدی ہے) اس کراہت کے بھی ضعف وقوت کے لحاظ سے تین مراتب نکل سکتے ہیں سب سے اعلیٰ تو یہ ہے کہ خدا کی زمین سے کفر وفسق کو اپنی قوت بازو سے مٹا ڈالے اور اس سے تو کیا کم کہ دل میں اس کی ناگواری محسوس کرتا رہے اگر اتنا احساس بھی نہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب اس میں ایمان کی کوئی نشانی بھی نہیں۔

اس حدیث کی شرح میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے ہمارے نزدیک سب سے اچھی شرح حافظ ابن تیمیہ کی ہے لیکن وہ محدثین کی اس تحقیق پر مبنی ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں بلکہ تصدیق واعمال کے مجموعہ کا نام ہے اسی مجموعہ پر اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اس مجموعہ میں جن باتوں پر ثواب کا وعدہ ہے وہ امر بالمعروف کے سلسلہ میں صرف یہی تین باتیں ہیں۔ تغییر بالید (غلط کام کو ہاتھ سے روکنا) ان میں سب سے اعلیٰ ہے اور انکار قلبی (دل سے بُرا سمجھنا) سب سے ادنیٰ۔ پس اگر کسی کا ہاتھ ازالہ منکر کے لئے حرکت نہیں کرتا، اس کی زبان روکنے کے لئے نہیں ہلتی اور اس کا قلب اندرونی طور پر بھی انکار کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تو اس کے بعد اب اعمال ایمانی میں ایسا کوئی عمل نہیں ہے جس کی ادائیگی پر اس کو کسی ادنیٰ ثواب کا بھی استحقاق ہو۔ محدثین کے نزدیک چونکہ اعمال ایمان کے اجزاء شمار ہوتے ہیں اس لئے اس حدیث میں اجزاء ایمان کی نفی سے اعمال ہی کی نفی مراد ہے۔ ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل کی ٹھیک شرح یہ ہے یعنی انکار قلبی کے بعد اب رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا کوئی جز ایسا نہیں رہا جس پر کوئی اجر

مرتب ہو سکے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص مومن ہی باقی نہیں رہے گا۔ (الایمان ص ۱۳۱ و ص ۱۷۴)

اصل حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایمان باللہ کے ساتھ بہت گہرا ربط ہے حسب ذیل آیت پر غور کیجئے کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله. یعنی اس امت کی خیریت جن امور کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے، ان میں سب سے ممتاز ایمان باللہ کی صفت ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی کے لوازم میں ہیں اس لئے پہلی امتیں اگر ایمان باللہ میں ہم سے پیچھے رہیں تو امر بالمعروف میں بھی ان کا قدم ہم سے پیچھے ہی تھا اور یہ امت اگر ایمان باللہ میں سب سے فائق رہی تو امر بالمعروف میں بھی اس کا قدم سب سے آگے ہے۔ بہرحال ایمان باللہ کے ساتھ کسی نہ کسی مرتبہ میں امر بالمعروف ہونا بھی ضروری ہے جس کا سب سے ضعیف درجہ انکار قلبی ہے اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر یہ غور کرنا ہوگا کہ اب اس میں ایمان باللہ کی کتنی روح اور اس کی کیا علامت باقی ہے۔ اسلام میں ایمان کی علامت صرف پیشانی پر نماز کا نشان ہونٹوں پر روزوں کی خشکی اور بروقت زکوۃ کی ادائیگی قرار نہیں دی گئی بلکہ اس کی ایک بڑی علامت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی قرار دی گئی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان باللہ اور امر بالمعروف میں بڑا گہرا ربط ہے۔ ایمان صرف ان اعمال کے ادا کرنے سے کامل نہیں ہوتا جن سے کہ ایک انسان کے نفس کی صرف ذاتی تکمیل ہو جاتی ہے بلکہ اس کا معیار وہ اعمال ہیں جن سے تمام مخلوق کے نفوس کی تکمیل ہوتی ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اس امت کی خلقت کا اصل منشاء صرف اپنے کمالات علمیہ وعملیہ کی تکمیل نہیں بلکہ خدا کی تمام مخلوقات کی تکمیل کی ذمہ داری بھی اسی کے سر ہے اور یہی اسکا طغرۂ امتیاز ہے اور اسی بناء پر اس کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

یہ بات بہت زیادہ قابل غور ہے کہ جب ایک انسان کی ذاتی تکمیل کے لئے بھی قوت ایمانی کی ضرورت ہے تو اس امت کے لئے جس کو یہ دعوت دی گئی ہو کہ وہ تمام دنیا کی طاقتوں کو چیلنج دیکر ان کی نفسیاتی اور اخلاقی تکمیل کر دے، کتنے عزم، کتنی قوت ایمانی اور کتنے وثوق باللہ کی ضرورت ہوگی، ایمان باللہ کے بغیر امر بالمعروف ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہ صفت جتنی کامل ہوگی انسان اتنا ہی امر بالمعروف کے لئے مضطر مجبور ہوگا اور اگر بدنصیبی سے وہ اس اضطرار سے خالی ہو چکا ہے تو جب تک اس میں نور ایمانی کا کوئی ذرہ موجود ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا دل احساس ناگواری سے تو خالی نہ رہے اگر اس میں یہ احساس ناگواری بھی نہیں تو پھر سمجھنا چاہئے کہ اس میں غیرت ایمانی کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔ یہ تھی اس حدیث کی مختصر شرح اب امر بالمعروف کے متعلق چند اور اہم کلمات سنئے۔

حدیث کے لفظ (اذا رأى منكراً) "جب کوئی برائی دیکھے" میں روایت سے مراد برائی کا ثبوت اور یقین ہے اس کا آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں ہے تاہم صاحب بحر الرائق نے پانچویں جلد میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو کسی معصیت (نافرمانی) میں مبتلا دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بھی ازالہ کا حق حاصل ہے اور اگر وہ اس معصیت سے فارغ ہو چکا ہے تو اب اس کو صرف یہ حق ہوگا کہ اس معاملہ کو قاضی تک پہنچا دے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عملی طور پر تعزیر صرف قاضی کا وظیفہ ہے اور دفعات تعزیر کا اجراء عوام کا حق نہیں ہاں امر بالمعروف ہر شخص کا فرض ہے اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے۔

یہ بات قابل فراموش نہیں ہے کہ شریعت میں جتنا امر بالمعروف کی ترغیب ہے اتنا ہی تجسس احوال کی ممانعت بھی ہے

قاضی اس کا مامور نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے حالات کا زبردستی تجسس کیا کرے اس کا فرض صرف یہ ہے کہ جب اسکے سامنے کوئی معاملہ آ جائے تو وہ اس کی تحقیق کر کے مناسب فیصلہ صادر کر دے۔ یہاں کتاب الاحکام السلطانیہ میں قاضی ابویعلی نے بہت خوب تفصیل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگر واقعہ ایسا ہے جس کا تجسس نہ کرنے سے کسی کی جان، آبرو یا مال ضائع ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے جیسا زناء، چوری اور قتل تو ان معاملات کا تجسس کرنا امام کا فرض ہے اور اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو پھر عام حالات میں تجسس کرنا مناسب نہیں ہے۔ دوم یہ کہ جن منکرات کا ازالہ کرنا واجب ہے وہ ایسے منکرات ہوں جو بالاتفاق منکر ہوں۔ مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے پر انکار کرنا قلتِ علم اور تنگ نظری ہے۔

اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جتنی اہمیت ہے اس سے زیادہ اہمیت مواقع انکار جاننے کی ہے بسا اوقات بے محل انکار خود ایک منکر کی صورت بن جاتا ہے۔ حافظ ابن قیم نے اس کی چار صورتیں تحریر فرمائی ہیں (۱) منکر اور برائی کو روکنے سے اصلاح کی توقع ہو اور اس کی بجائے نیکی پیدا ہونے کی امید ہو۔ (۲) اگر اس کے ازالہ کی توقع نہ ہو تو کم از کم اس میں خفت کی امید ہو۔ (۳) یا اس کے ہموزن دوسری برائی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ (۴) یا اس سے برتر برائی کا خطرہ ہو۔

صرف پہلی دو صورتوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔ تیسری صورت خود انسان کے احساس و تمیز پر موقوف ہے اور چوتھی صورت حرام ہے۔ اس تفصیل کے مطابق اگر ایک جماعت شطرنج کھیل رہی ہے اور امید یہ ہے کہ اگر اس کو روکا گیا تو وہ کسی اور بہتر مشغلہ میں لگ جائے گی تو اس کو منع کرنا ضروری ہوگا ورنہ نہیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص ناول دیکھتا ہے اور خطرہ یہ ہے کہ اس کو روکا گیا تو وہ اور بد دین اور فاسد العقائد مصنفین کی کتابوں کے دیکھنے میں مشغول ہو جائے گا تو اس کو ناول دیکھنے سے منع نہ کرنا ضروری ہوگا۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲)

عالم وہ ہے جو ان مراتب کو پہچانے اور ان کی صحیح رعایت بھی رکھے۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند۔

جن باتوں کا ٹھیک حکم معلوم نہ ہو ان کو ترک کر دینا

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تعالٰی عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَاِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا یَعْلَمُهُنَّ کَثِیْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِیْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ. کَالرَّاعِیْ حَوْلَ الْحِمَی یُوْشِکُ اَنْ یَّرْتَعَ فِیْهِ، اَلَا وَاِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ حِمَی اللّٰہِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ. (رواہ البخاری ومسلم)

نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ (دین میں) حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ہاں ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشتبہ ہیں جن کا صحیح حکم اکثر لوگ نہیں جانتے جو شخص ان باتوں سے بچتا رہے اس نے تو اپنے دین اور آبرو کی طرف سے صفائی پیش کر دی اور جو ان میں مبتلا ہو گیا وہ یقیناً حرام میں بھی مبتلا ہو کر رہے گا۔ اس کی مثال اُس چرواہے کی سی ہے جو اپنے جانوروں کو کسی (مخصوص) جنگل کے ارد گرد چراتا رہے۔ قریب

ہے کہ اس کے جانور اس کے اندر بھی جا پڑیں۔ خوب سن لو کہ ہر بادشاہ کا ایک نہ ایک جنگل رِزَرْ و اور مخصوص ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رِزَرْ وکردہ جنگل اس کے محرمات ہیں۔ خوب سن لو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے وہ گوشت کا لوتھڑا انسان کا دل ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کا بڑا حصہ کھلا ہوا حلال یا کھلا ہوا حرام ہے۔ اس پر عمل کرنا تو کوئی بڑے کمال کی بات نہیں یہ تو ہر شخص کا فرض ہے البتہ اس کا ایک حصہ وہ ہے جس کے متعلق اکثر لوگ کھلے طور پر نہیں جانتے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ مخصوص اور بڑے درجہ کے علماء اگر چہ اس کا بھی حکم جانتے ہیں لیکن متوسط طبقہ کے نزدیک اس کا حکم مشتبہ ہوتا ہے یہی حصہ انسان کی کمزور فطرت کی آزمائش گاہ ہے جس شخص نے اس اشتباہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا، اس نے دیندار طبقہ کی نظروں میں اپنی دینی عظمت ومحبت کا معاملہ مشتبہ کر دیا اور ایک حد تک انہیں نکتہ چینی کرنے کا حق دیدیا لیکن جس شخص نے یہاں استقامت دکھلائی اس نے اپنی دینی شخصیت صاف کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کے قلب میں دین کا درحقیقت بہت بڑا احترام ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جس کو مشتبہات کا اصل حکم معلوم ہے وہ اس جگہ زیر بحث ہی نہیں وہ ان سب میں کامل تر انسان ہے وہ علمی ذوق پیدا کر کے اشتباہ کی ظلمت سے نکل چکا ہے اس لئے اس کے حق میں کمال یہ ہے کہ جو اس کی تحقیق ہو اسی پر عمل کرے...... کیونکہ جب اس کے حق میں یہاں کوئی اشتباہ ہی نہیں تو اس کے لئے اتقاء عن الشبہات کا حکم بھی نہیں۔ چونکہ تورع اور احتیاط کی اس منزل تک رسائی آسان امر نہیں یہاں صرف ظاہری اعضاء کی سلامتی سے کام نہیں چلتا بلکہ قلب انسانی کی سلامتی کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اس وادی کو عبور کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے قلب کی سلامتی پیدا کرو۔ قلب کی سلامتی یہ ہے کہ اس میں ایک ذات پاک وحدہ لاشریک لہ کی محبت کے سوا کسی غیر کی محبت کی سمائی نہ رہے اور ان اعمال کے سوا جن میں اس کی رضامندی ہو کسی اور عمل کا جذبہ نہ رہے جب اس میں یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو ظاہری اعضاء خود بخود اوامر شرعیہ کی بجا آوری کے لئے مضطرب ہو جائیں گے اور منہیات شرعیہ تو درکنار امور مشتبہ سے بھی طبعاً متنفر ہو جائیں گے اور یہ کٹھن منزل ذوق وشوق کے ساتھ طے ہونا شروع ہو جائے گی۔ لیکن اگر قلب میں اس طرح صفت سلامتی پیدا نہیں ہوئی اور وہ بدستور خواہشات نفسانی کا گرفتار بنا رہا تو اس کا اثر انسان کے ظاہری اعضاء میں بھی نمودار ہوئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ انسانی اعضاء میں قلب کی مثال ایسی ہے جیسی فوج میں ایک بادشاہ کی جس طرح فوج کی صلاح وفساد کا مدار بادشاہ کے صلاح وفساد پر ہوتا ہے اسی طرح اعضاء ظاہری کی صلاح وفساد کا مدار قلب کی صلاح وفساد پر ہوتا ہے۔ پس اصل اہتمام کے قابل نکتہ اصلاح قلب ہے اسی لئے مسند امام احمد میں حضرت انسؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں "**لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبه**" کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا قلب درست نہ ہو جائے۔ یہاں استقامت ایمان میں اعمال کی استقامت بھی داخل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ **اللھم انی اسالک قلبا سلیما** اے اللہ میں تجھ سے ایسا قلب مانگتا ہوں جو سلیم ہو۔ آیت ذیل میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے **یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم**.

یہ صفت انبیاء علیہم السلام کو کسب ومجاہدہ کے بغیر ہنگامہ طفولیت ہی میں اس کمال کے ساتھ عطا کر دی جاتی ہے کہ وہ شرک وکفر کی

خوفناک سے خوفناک وادیوں سے بھی اس طرح پاک وصاف گذر جاتے کہ ان کے دامنِ اعتقاد میں شک وشبہات کا ایک کانٹا بھی نہیں چبھتا۔

عالم کے موحد اعظم یعنی حضرت خلیل نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اپنے چاروں طرف بت پرستی اور کواکب پرستی کا ماحول دیکھا مگر قدرت نے ان کو ایسا سلیم قلب مرحمت فرمایا تھا کہ پہلی ہی نظر میں ان کو ستاروں کی چمک دمک اور بتوں کی رعنائی ایک منظر کاذب نظر آئی اور ان تمام معبودانِ باطل سے انہوں نے بیک آواز اپنے ان الفاظ میں بیزاری کا اعلان کر دیا ''**انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین.**'' ان کی اسی فطری سلامتی قلب کو حسب ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ **اذ جاء ربه بقلب سلیم.**

خلاصہ یہ ہے کہ اعمال ظاہری کی سلامتی کا راز قلب کی سلامتی میں مضمر ہے۔ اگر قلب ماسواء اللہ کی گرفتاری سے نجات حاصل کر چکا ہے تو یقیناً وہ مشتبہات کی طرف قدم اٹھانے سے بھی انتہا درجہ کا رہ ہو جائیگا، جوارح انسانی ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب میں بے حس وحرکت بن جائیں گے ورنہ مشتبہات کیا صریح ممنوعات کے ارتکاب سے بھی کوئی امر مانع نہ ہوگا۔ اس ذیل میں چند اور امور بھی قابل تنبیہ ہیں۔

(۱) تحقیق بالا کی روشنی میں مشتبہات کے بارے میں دو قسم کے انسان ہو جاتے ہیں۔ ایک ان کا حکم جاننے والے دوسرے نہ جاننے والے۔ حکم نہ جاننے والوں کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کو دوطرفہ کوئی حکم معلوم نہیں یا اگر کسی جانب کوئی حکم معلوم ہے تو وہ خلاف واقع ہے ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر وہ بھی نہ جاننے والوں ہی کے برابر ہیں۔

(۲) قرآن وحدیث نے اگرچہ دین کی تمام حلال یا حرام اشیاء کو صاف صاف بیان کر دیا ہے لیکن پھر بھی بیان وتوضیح کے لحاظ سے ان میں مراتب کا تفاوت ضروری ہے مثلاً بعض حلال وحرام تو ایسے ہیں جو خواص وعوام تک بذریعہ تواتر پہنچ چکے ہیں ان میں نہ کوئی اشتباہ ہو سکتا ہے نہ کچھ اختلاف اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اس شہرت کے ساتھ پہنچ نہیں سکے اس حصہ میں علماء کے اختلاف یا دلائل کے تعارض سے کہیں کہیں شبہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً گھوڑے کا گوشت کھانا یا وہ نبیذ پینا جس کا زیادہ حصہ نشہ آور ہو جائے یہاں قطعیت کے ساتھ کسی جانب بھی حکم نہیں لگایا جا سکتا یہ تو اس صورت کی مثال تھی جہاں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہو گیا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علم حاصل ہونے کے باوجود پھر اشتباہ ہو جاتا ہے مثلاً جہاں اباحت اور ظاہر کی شہادت میں تعارض واقع ہو جائے مثلاً غیر محتاط کافر کے برتن اگر یہ دیکھا جائے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے تو اس کے برتن پاک ہونے چاہئیں اور ان کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہئے اور اگر اس کے غیر محتاط ہونے کی طرف نظر کی جائے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہونے چاہئیں اور پاک کئے بغیر ان کو استعمال نہ کرنا چاہئے اس قسم کے مقامات پر حدیث مذکور یہی واحد حل پیش کرتی ہے کہ یہ سب محل شبہات ہیں ان سے اجتناب کرنا ہی دینی پختگی کی علامت ہے۔

(۳) ہرچند کہ میدانِ شبہات کے ترک کرنے کا حکم اسی کے حق میں ہے جس کے حق میں اشتباہ موجود ہو لیکن وہ شخص جس کے حق میں کوئی اشتباہ نہ ہو اگر اپنی دینی آبرو کے تحفظ کی خاطر محل شبہ ترک کر دے تو یہ بھی ایک خوبی کی صفت ہے اور مطلوب ہے۔

ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائیں واپسی

میں ان کے رخصت کرنے کے لئے آپ بھی چند قدم ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ اتفاقاً بعض صحابہ ادھر سے گذرے تو آپ نے ان کو ٹھہرالیا اور فرمایا یہ میری زوجہ صفیہؓ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ بھلا آپکے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہو سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درست ہے مگر شیطان انسان کی رگ و پے میں اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جس طرح خون رگوں میں۔ میں نے اس کی وسوسہ اندازی کے خطرہ سے یہ صفائی پیش کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں اشتباہ کا کوئی محل ہی نہ تھا لیکن جو بات کسی غلط فہمی کے بناء پر بھی شبہ کا موجب بن سکتی تھی اس کو بھی آپ نے صاف کر دیا۔ نبی کا یہ بھی ایک بڑا کمال ہوتا ہے کہ عصمت کے بلند سے بلند مقام پر کھڑے ہونے کے باوجود وہ اپنے نفس کو شرعی احکام میں عوام کی صف میں برابر رکھتا ہے۔

شریعت میں مقامات تہمت سے بچنا تو ایک عام بات ہے لیکن نبی کا معاملہ اس بارے میں اور زیادہ نازک ہوتا ہے اگر اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ گذر جائے تو اُس شخص کے ایمان ہی کی خیر نہیں رہتی اس لئے نبی کی یہ بہت کوشش رہتی ہے کہ اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ نہ گذرنے پائے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لے گئے دیکھا تو لوگ نماز سے فارغ ہوہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے ایک گوشہ میں نظریں بچا کر چپکے سے اپنی نماز ادا فرمائی اور کہا جو شخص خدا تعالیٰ سے شرم نہیں کرتا وہ اس کی مخلوق سے بھی شرم نہیں کرتا۔ (جامع العلوم ص ۵۱) اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ فرائض و واجبات میں کسی اتفاقی کوتاہی کو منظر عام پر لانا کمال کی بات نہیں شرم کی بات ہے۔

بہر حال ان دونوں واقعات میں اگرچہ دراصل شبہ کا کوئی محل نہ تھا اس کے باوجود صرف عوام کی غلط فہمی اور اس پر ان کے طعن و تشنیع کے خطرہ سے بچنے کی خاطر احتیاط کی گئی۔ معلوم ہوا کہ کسی غلط فہمی کے ازالہ کی رعایت سے مشتبہات کو ترک کر دینا بھی مستحسن امر ہے۔

نیک بات پر دل کا مطمئن ہو جانا اور گناہ میں خلش کا باقی رہنا

عَنِ النواس بْنِ سِمْعَانؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَاحَاكَ فِيْ نَفْسِکَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ. (رواہ مسلم)

نواس بن سمعان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نیکی صرف اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ کی علامت یہ ہے کہ وہ بات تمہارے دل میں کھٹکتی رہے اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو۔ (مسلم)

عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍؓ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ الْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأَنَّ اِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْاِثْمُ مَاحَاکَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَاِنْ اَفْتَاکَ النَّاسُ وَاَفْتَوْکَ. (رواہ احمد والدارمی فی مسندیھما باسناد حسن)

وابصہ بن معبد بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا گناہ اور نیکی کی تعریف پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تو اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو جس بات پر دل ٹک جائے وہ تو نیکی کی

بات سمجھو اور جس میں کھٹک اور تردد باقی رہے وہ گناہ کی بات سمجھو اگرچہ لوگ تجھے کتنے ہی فتوے دیتے رہیں۔ (مسند احمد و دارمی)

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو فطرت اسلام پر پیدا کیا ہے ان میں حق و ناحق کا احساس اور اس کا امتیاز اسی طرح ودیعت فرمایا ہے جس طرح حواس خمسہ میں اشیاء ظاہری کا احساس جب تک انسان اپنی اصل فطرت پر قائم رہتا ہے اس کا حاسہ ءفطری بھی ظاہری حواس کی طرح صحیح صحیح کام کیا کرتا ہے جس طرح کان ایک اچھے نغمے کی طرف بلا ارادہ لگ جاتے ہیں اور بُرے نغمے سے غیر اختیاری طور پر ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا حاسہ ءفطرت بھی اوامر الٰہیہ سے طبعاً مانوس اور منہیات شرعیہ سے فطرۃً متنفر ہو جاتا ہے اسی بناء پر اوامر شرعیہ کو معروف اور منہیات کو منکرات سے تعبیر کیا جاتا ہے حسب ذیل آیات میں انسان کی اسی سلامتی فطرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) **انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم و اذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا.**

سچے مسلمان تو بس وہی ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب آیاتِ الٰہی ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہیں۔

(۲) **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب.** سن لو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث بھی قلب کی اسی فطری سلامتی پر مبنی ہے۔

لیکن جب فطرت انسانی کچھ خارجی اسباب کی بناء پر آفت زدہ ہو جاتی ہے تو اس میں وہ احساس بھی باقی نہیں رہتا اور جس طرح بیمار حواس صحیح صحیح کام نہیں کرتے اس کی فطرت بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی اور شدہ شدہ ایسے اسٹیج پر پہنچ جاتی ہے جہاں اسے حق و ناحق کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہتا یہ انسان اس نابینا کی طرح ہو جاتا ہے جو سرخ و سفید کا صرف نام تو سنتا ہے مگر ان میں طبعی طور پر ادراک نہیں کرتا اسی طرح وہ انسان جس کی فطرت آفت رسیدہ ہو جاتی ہے، حق و باطل کا فرق صرف دلائل کی قوت سے ہی سنتا یا سمجھتا ہے مگر بدیہی طور پر اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کو اسلام سے رغبت اور کفر سے نفرت طبعی نہیں ہوتی صرف استدلالی ہوتی ہے۔ یہ انسان صحیح فطرت سے ہٹا ہوا انسان ہے۔ یہ تندرست نہیں بیمار ہے اس لئے اس کے احساس کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ حضرت شیخ مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوب نمبر ۴۶ جلد اول میں اس کی خوب تحقیق فرمائی ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ حدیث کا دوسرا جملہ "**و کرھت ان یطلع علیہ الناس**" اور تجھے یہ ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو، کسی امر کے گناہ ہونے کی سب سے کھلی ہوئی علامت ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات ایسی ہے کہ اس کی برائی تمام لوگوں پر اتنی عیاں ہے کہ اگر ان کو اطلاع ہو جائے تو وہ اس پر بے توقف اعتراض کریں۔ پس کسی مشتبہ امر کے گناہ ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ وہ عوام و خواص سب کے نزدیک موجب اعتراض ہو، اب اگر کسی حیلہ سے تم اسے جائز بنانا چاہتے ہو تو یہ تمہارے نفس کی خیانت ہوگی۔ اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جن باتوں کے متعلق کوئی حدیث نہ ملے ان کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کو بہ نگاہِ استحسان دیکھیں تو اسے اچھی بات سمجھو اور اگر بہ نظر کراہت دیکھیں تو بری سمجھو۔ اس تحقیق سے حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کا مصداق بھی معلوم ہو گیا پھر

حافظ مذکور فرماتے ہیں کہ کسی امر کے گناہ ہونے کی دوم نمبر کی علامت یہ ہے کہ مفتی اگرچہ اس کے متعلق یہ فتویٰ دے سکتا ہو کہ وہ گناہ نہیں مگر دل پھر بھی اس پر مطمئن نہ ہو اور برابر اس میں گناہ ہونے کی خلش محسوس کرتا رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا کھلا ہوا گناہ نہیں ہے کہ عام طور پر اس کو گناہ کی بات سمجھا جائے۔ (جامع العلوم ص ۱۸۴)

خلاصہ یہ ہے کہ نیک انسان کو نیکی کے ساتھ ایک فطری تناسب ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی امر کا نیکی ہونا شرعاً معلوم ہو جائے تو ایک انسان کے فطرت کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اس کی طرف وہ اپنی قلبی کشش محسوس کرے اسی طرح اگر کسی شخص کا شرعاً نیک ہونا ثابت ہو جائے تو کسی مشتبہ امر کے نیک و بد ہونے کی علامت اس کی فطرت ہے اگر اس کی جانب اس کے دل میں کشش موجود ہے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ نیکی کا عمل ہے ورنہ نہیں۔ قرآن و حدیث کے تصریح کردہ احکام میں بھی اسی معیار کو بدرجہ اولیٰ سمجھنا چاہئے۔ **وانها لكبيرة الا على الخاشعين**.

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ مفتی کے فتوے کے مقابلہ میں قلبی فتوے کی ترجیح کے لئے دو شرطیں ہیں۔ (۱) مستفتی کا قلب نور ایمان سے منور ہو۔ (۲) مفتی کا فتویٰ محض اس کے ظن یا خواہش نفسانی پر مبنی ہو۔ پس اگر مستفتی کا قلب سلیم ہے تو بلاشبہ اس کا فتویٰ ان مفتیوں کے فتووں سے ہزاروں درجہ وزنی ہوگا جو صرف اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں وہ خود بھی بیمار ہیں اور ان کے فتوے بھی بیمار لیکن اگر مفتی کے پاس دلیلِ شرعی موجود ہے تو پھر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کا دل بخوشی اس پر راضی نہیں ہوتا تو بہ جبر اسی پر اس کو راضی کرے بعض مسائل میں صرف جذبہ اتباع کی بناء پر بعض صحابہ کرامؓ نے آپ کی تعمیل ارشاد میں تامل کیا تھا تو آپ کو سخت ناگوار گذرا اس وقت ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کا حکم محض شفقت یا سہولت کی رعایت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ درحقیقت آپ ان سے وہ عمل کرانا ہی چاہتے تھے پس جب دلیل شرعی سامنے آجائے تو انشراح صدر اور قلبی فتوے سب غیر معتبر ہو جاتے ہیں۔ اس مفتی کا فتویٰ اور فطری نور اسی جگہ کارآمد ہوتا ہے جہاں حدیث وقرآن کا نور موجود نظر نہ آئے۔ جہاں یہ نور موجود ہو وہاں کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے۔

پانی جب نظر آجائے تو تیمّم باطل ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی شیخ اکبر کی تصنیف فتوحات مکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "فتوحات مدینہ ما را از فتوحات مکیہ بے نیاز کردہ۔" (فتوحات مدینہ مکیہ سے بے نیاز کر دیتی ہیں) سبحان اللہ اصل ایمان اور قلب کی صحیح شہادت صرف یہی ہے۔

جس جانب میں تردد ہو اسے چھوڑ دینا اور جس میں تردد نہ ہو اسے اختیار کر لینا

عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدِ الْحَسَنْ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍؓ سِبْطِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَیْحَانَتِہٖ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یُرِیْبُکَ. (رواہ النسائی والترمذی)

حضرت حسنؓ روایت فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی یہ بات خوب یاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بات تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ بات اختیار کر لو جس میں تمہیں کوئی کھٹکا نہ ہو۔ (ترمذی ونسائی)

حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے بعض حلال کو بھی ترک کر دینا

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَاْسٌ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

عبداللہ بن یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ متقین کے بلند مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے خطرہ سے بہت سی جائز باتوں کو بھی چھوڑ نہ دے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ پورا تقویٰ یہ ہے کہ بندہ بعض حلال چیزوں کو بھی ترک کر دے اس خوف سے کہ کہیں وہ حرام نہ ہو تا کہ حرام اور حلال کے درمیان ایک پردہ باقی رہ جائے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے اور حرام کے درمیان ایک حجاب قائم رکھوں اور اسے چاک نہ کروں۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ آدمی صرف حلال پر اس وقت تک رک نہیں سکتا جب تک کہ حلال کے ایک حصہ کو اپنے اور حرام کے درمیان حائل نہ بنائے رہے۔ سفیان بن عیینہ کا مقولہ بھی اسی کے قریب ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے یہاں ایک نہایت اہم دقیقہ کی طرف توجہ دلائی ہے ہم ان کی اصل عبارت کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات سمجھ لینی ضروری ہے اور وہ یہ کہ شبہات کے بارے میں زیادہ باریکیاں نکالنی اسی شخص کے لئے مناسب ہے جس کے اور حالات بھی بلند ہوں اس کے ورع و تقویٰ کا معیار بھی اونچا ہو لیکن جو شخص کھلم کھلا محرمات کا ارتکاب کرے اس کے بعد باریکیاں نکال نکال کر متقی بننے کا شوق رکھے تو اس کیلئے یہ صرف ناموزوں ہی نہیں بلکہ قابل مذمت ہوگا۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ سے ایک عراقی شخص نے پوچھا کہ اگر حالت احرام میں مچھر مار دے تو اس کی کیا جزاء دینی چاہئے۔ آپ نے فرمایا حضرت حسینؓ کو تو شہید کر ڈالا اب مجھ سے مچھر کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ دنیا میں وہ میرے دو پھول ہیں۔ اسی طرح بشر بن الحارث سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص کی والدہ یہ کہتی ہے کہ تو اپنی بی بی کو طلاق دیدے اب اسے کیا کرنا چاہئے فرمایا اگر وہ شخص اپنی والدہ کے تمام حقوق اداء کر چکا ہے اور اس کی فرمانبرداری میں اس معاملہ کے سوا اور کوئی بات باقی نہیں رہی تو اسے طلاق دیدینی چاہئے اور اگر ابھی کچھ اور مراحل بھی باقی ہیں تو طلاق نہ دینی چاہئے۔ (جامع العلوم)

نیکی سے خوش ہونا اور بدی سے غمگین ہونا

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَا الْاِيْمَانُ فَقَالَ مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهٗ وَسَاءَ تْهُ سَيِّئَتُهٗ فَهُوَ مُؤْمِنٌ. (الحاكم فی المستدرک)

ابوامامہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ایمان کی کیا علامت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اپنی نیکی بھلی لگے اور برائی بُری معلوم ہو بس یہ اس کی علامت ہے کہ وہ مؤمن ہے۔ (مستدرک)

تشریح:۔ یہ حدیث بھی انسان کے حاسہء فطرت کی سلامتی پر مبنی ہے جس طرح صحت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زبان کا ذائقہ

درست ہو میٹھی چیز میٹھی معلوم ہو اور کڑوی چیز کڑوی۔ اسی طرح حاسۂ فطرت کے صحت کی علامت یہ ہے کہ قلب کا ذائقہ درست ہو اور اس میں حسنہ اور سیئہ کا صحیح صحیح امتیاز باقی ہو۔ اگر یہ امتیاز باقی نہ رہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب کسی مرض نے اس کو گھیر لیا ہے۔ **افمن زین له سوء عمله فراٰه حسنا**۔ کیا وہ شخص جس کے برے عمل اس کے سامنے بھلے بنا دیئے گئے ہوں اور اس لئے وہ ان کو بھلا دیکھنے لگا ہو (اس کے برابر ہو سکتا ہے جس کا حاسۂ فطرت تندرست ہو اور وہ برائی اور بھلائی کی حقیقت کا صحیح صحیح ادراک کرتا ہو) اس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جس کا حاسۂ فطرت مریض ہو جاتا ہے خود اس کو اپنے ذائقہ کی غلطی کا احساس نہیں ہوتا وہ غلبہ مرض کی وجہ سے یہی سمجھتا رہتا ہے کہ جو احساس وہ کر رہا ہے درحقیقت وہی امر واقعہ ہے حالانکہ یہ تزیین شیطان کا اثر ہوتا ہے۔ پس اب مابہ الفرق صرف یہ ہے کہ سب سے پیشتر یہ دیکھنا چاہئے کہ سیئہ اور حسنہ کے بیان کی جو اصل قرار دین ہے یعنی شریعت اس نے کس امر کے متعلق کیا حکم لگایا ہے اس کے بعد اگر اپنا ذوق بھی اس کی موافقت کرتا ہے تو یہ اس کے صحت کی علامت سمجھنی چاہئے اور اگر اس کے خلاف ہے تو وہ یہ مرض کی علامت سمجھنی چاہئے ورنہ تو ہر فاسق کو اپنا فسق اچھا ہی لگتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ احادیث صرف ایک تمثیل نہیں بلکہ جس طرح عوام الناس کا قلب عداوت و محبت اور فرحت و غم کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک مومن کا قلب نیکی سے مسرت اور برائی سے انقباض کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ کیونکہ عالم مادیت میں اگر احساس ہے تو بواسطہ اسکی روحانیۃ کے ہے پس جب بالواسطہ کیفیات کا احساس یہ ہو تو جو کیفیات بلا واسطہ اس کی روحانیت پر وارد ہوں ان کا احساس کس درجہ قوی ہونا چاہئے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ كَيْفَ لِيْ اَنْ اَعْلَمَ اِذَا اَحْسَنْتُ وَاِذَا اَسَأْتُ قَالَ اِذَا سَمِعْتَ جِيْرَانَكَ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَحْسَنْتَ فَقَدْ اَحْسَنْتَ وَاِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَسَأْتَ فَقَدْ اَسَأْتَ. (اخرجه احمد وابن ماجة والطبرانی)

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا میں کیسے سمجھوں کہ میں نے یہ کام اچھا کیا ہے اور یہ برُا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تو اپنے ہمسایوں کی زبان سے یہ سنے کہ تو نے اچھا کام کیا ہے تو (سمجھ لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام اچھا ہی کیا ہے اور جب یہ سنے کہ وہ کہتے ہیں کہ تو نے برُا کام کیا ہے تو (جان لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام برُا ہی کیا ہے۔ (احمد۔ ابن ماجہ۔ طبرانی)

تشریح:۔ اس حدیث میں صرف حسن جوار (باندی) کی تعلیم دینا مقصود ہے انسانی معاشرت کا یہ ایک بہت اہم باب ہے۔ حق جوار کی ترغیب دینے کے لئے یہ صرف ایک پیرایہ بیان ہے جو اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے عین واقع کے مطابق تھا۔ تغیر حالات اور انحطاط دین کے دور میں اگرچہ احسان اور کا مدار صرف ہمسایہ کی شہادت پر قائم نہیں کیا جا سکتا۔ مگر حسنِ جوار کی تعلیم جو اس حدیث کی اصل روح ہے وہ اب بھی اپنی جگہ بدستور موجود ہے۔ حدیثوں کا طرزِ خطاب اپنے ماحول کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اس کی اصل تعلیم عام ہوتی ہے۔ لوگ اس طرز خطاب کو بھی اپنے دور فساد میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب نہیں سمجھ سکتے تو پھر مفت کی تاویل کرتے ہیں اور بالآخر حدیث کی اصل روح سے بھی دستبردار ہو بیٹھتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامِيْ فِيْكُمْ فَقَالَ اِسْتَوْصُوْا بِاَصْحَابِيْ خَيْرًا ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَفْشُوا الْكَذِبُ

حَتّٰی اِنَّ الرَّجُلَ يَبْدَأُ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ اَنْ يُسْأَلَهَا وَبِالْيَمِيْنِ قَبْلَ اَنْ يُسْأَلَهَا فَمَنْ اَرَادَ مِنْكُمْ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ وَلَا يَخْلُوَنَّ اَحَدُكُمْ بِامْرَءَةٍ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهٗ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهٗ فَهُوَ مُؤْمِنٌ. (اخرجه الطحاوی فی مشکل الاثار)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مقامِ جابیہ میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ جس طرح اس وقت میں تمہارے سامنے تقریر کے لئے کھڑا ہوا ہوں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا میرے صحابہ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا اور ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تابعین پھر جو لوگ ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تبع تابعین اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ کھلم کھلا جھوٹ رائج ہو جائیگا اور نوبت یہاں تک آ جائے گی کہ طلب کرنے سے پہلے آدمی شہادت دینے کے لئے تیار ہوگا اور قسم کی درخواست سے پہلے قسم کھانے کے لئے آمادہ ہوگا۔ پس تم میں جو شخص بھی جنت کا درمیانی اور بہتر سے بہتر طبقہ حاصل کرنا چاہے اُسے امیر کی جماعت کے ساتھ لگا رہنا چاہئے کیونکہ شیطان ہمیشہ اکیلے ہی شخص کا ساتھی ہوتا ہے اور جہاں دو ہوئے وہ ان سے دور ہوا۔ تم میں کسی شخص کو کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا نہ ملنا چاہئے کیونکہ شیطان (آکر) ان میں تیسرا بن جاتا ہے (اور دلوں میں برائی کے وسوسے ڈالتا ہے) اور جس شخص کو اپنی بھلائی بھلی لگے اور برائی بُری لگے وہ شخص بلاشبہ پکا مومن ہے۔ (مشکل الآثار)

عَنْ اَبِیْ رَزِيْنِ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ لِیْ بِاَنْ اَعْلَمَ اَنِّیْ مُؤْمِنٌ قَالَ مَا مِنْ اُمَّتِیْ عَبْدٌ يَعْمَلُ حَسَنَةً فَيَعْلَمُ اَنَّهَا حَسَنَةٌ وَاَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ جَازِيْهِ فِيْهَا خَيْرًا وَلَا يَعْمَلُ سَيِّئَةً فَيَعْلَمُ اَنَّهَا سَيِّئَةٌ وَيَسْتَغْفِرُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ مِنْهَا وَيَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللهُ اِلَّا وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (اخرجه احمد والطبرانی فی الاوسط)

ابورزین عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ کیسے سمجھوں کہ اب میں مؤمن ہو گیا، آپ نے فرمایا میری امت میں کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جب وہ کوئی نیک کام کرے اور یہ محسوس کرے کہ یہ کام نیک ہے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بدلہ دے گا اور جب برائی کرے تو یہ محسوس کرے کہ یہ کام برا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس کا یقین رکھے کہ گناہوں کی معاف کرنے والی صرف اسی کی ایک ذات ہے تو وہ شخص ضرور پکا مومن ہے۔ (احمد۔ طبرانی)

تشریح:۔ اس حدیث میں احساس حسنہ اور احساس سیئہ کے ساتھ ایمان و ایقان کے چند گوشے اور بھی مذکور ہیں جن حدیثوں میں ان کا ذکر نہیں ہے ان میں بھی آپ ان کو ملحوظ رکھئے تو آپ کو یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ ان صفات کے بعد ایمان کا حکم لگا دینا کتنا مناسب ہے۔

عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا اِذَا اَسَاءُوْا اسْتَغْفَرُوْا. (رواه ابن ماجة والبيهقی فی الدعوات الكبير)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شمار کر لے جو نیک کام کریں تو خوش ہوں اور جب برا کام کریں تو استغفار کریں۔ (ابن ماجہ۔ دعوات کبیر)

تشریح:۔ دراصل انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ان کی صفت عبدیت کا تقاضہ ہوتی ہے اوران کی امت کے لئے ان میں بڑا سبق ہوتا ہے ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ صفت ان میں موجود نہیں ہوتی اور دعائیں کر کے وہ اس صفت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں البتہ وہ اس کی دلیل ہوتی ہے کہ بارگاہ ایزدی میں وہ صفت اتنی محبوب ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کے لئے دست بدعا دیتے ہیں یہاں حسنہ سے استبشار اور سیئہ سے استغفار بھی اسی قسم کی ایک صفت ہے۔

احکام اسلامیہ کے لئے قلب میں کشادگی پیدا ہوجانا

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ تَلا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَنْ یُّرِدِاللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ اِنْفَسَحَ فَقِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ لِتِلْکَ مِنْ عَلَمٍ یُعْرَفُ بِہٖ قَالَ نَعَمْ التجافِیْ مِنْ دَارِالْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِالْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ. (شعب الایمان)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ آیت تلاوت فرمائی من یرد اللہ الخ یعنی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے پھر اس کی یہ تفسیر فرمائی کہ نور ایمانی جب مسلمان کے سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ پھیلنا شروع ہوتا ہے، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ اس کی کوئی علامت بھی ہے جس سے یہ بات معلوم ہو سکے۔ فرمایا ہے۔ دنیا سے (جو دھوکے کی ٹٹی ہے) بیزاری۔ آخرت کی طرف (جو دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے) توجہ۔ اور موت کے لئے اس کی آمد سے قبل تیاری۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ دنیا اور آخرت دو متضاد مقصد ہیں حدیث میں ان دو کو دو سوکنوں سے تشبیہ دی گئی ہے "ان رضیت احداھما سخطت الاخری" کہ اگر ان میں ایک خوش ہو تو دوسری اس سے ناراض ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایک کی طرف میلان کے لئے دوسری سے کشیدگی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے دار غرور سے بیزاری اور انابۃ الی اللہ درحقیقت ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں اور اس کے لئے موت کی تیاری کرنا لازم ہے۔ یہ تینوں عنوانات عقائد اور علوم نہیں کیفیات قلبی ہیں جیسا نور ایمانی کہ وہ بھی کیفیت کا نام ہے علوم کے میدان جب طے ہو جاتے ہیں تو کیفیات کے میدان شروع ہو جاتے ہیں۔ ارباب حقائق کی نظروں میں یہ انسانی ترقیات کی علامات ہیں اور یہیں سے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ کی صحیح تفسیر کا انکشاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَاَبِیْ خَلَّادٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَأَیْتُم الْعَبْدَ یُعْطٰی زُھْدًا فِی الدُّنْیَا وَقِلَّۃَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْہُ فَاِنَّہٗ یُلَقّٰی الْحِکْمَۃَ. (شعب الایمان)

ابو ہریرہؓ اور ابو خلاد سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب تم دیکھو کہ کسی بندہ کے دل میں دنیا سے بے رغبتی اور اس میں کم سخنی کی صفت پیدا کر دی گئی ہے تو (اس کی مجالست اختیار کرو اور) اس کے قریب آ کر بیٹھو کیونکہ (وقت آ گیا ہے) کہ اب اس کو علم لدنی اور سماوی طور پر حکمت سکھا دی جائے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ علماء نے حکمت کی تفسیر میں مختلف اقوال لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دیا ہے۔ آپ اس حدیث کے ساتھ آیۃ قرآنی لقد

اٰتینا لقمان الحکمۃ کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حکمت وہ سچی سچی اور پکی پکی باتیں ہیں جو وحی کے طفیل میں اللہ تعالیٰ اپنے عباد صالحین کے قلوب میں اپنی جانب سے القا فرماتا ہے پھر وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب حکمت ہی حکمت ہوتا ہے جس طرح ان کا باطن آثار و برکاتِ ایمانی سے منور ہوتا ہے اسی طرح ان کی زبان کلماتِ حکمت سے مزین ہو جاتی ہے اور اب اس کے برکات صفت لازمہ نہیں رہتے بلکہ متعدی ہونے لگتے ہیں جو ان کے پاس آ بیٹھا ان کو برکاتِ ایمانی اسی طرح لگ جاتی ہیں جیسا ڈاکٹروں کی نظروں میں متعدی امراض۔

نمازوں کیلئے مسجد کی پابندی

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْاِيْمَانِ فَاِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ. (الآیۃ رواہ الترمذی بسند حسن)

ابو سعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ہمہ وقت نماز کے لئے مسجد کا خیال رکھنے لگا ہے تو اس کے متعلق اب ایمان کی گواہی دے سکتے ہو (باوجودیکہ ایمان ایک قلبی چیز ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ حقیقت میں خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی اس کا پہلا حصہ یہ ہے "ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ الخ مشرکوں کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے کافروں سے اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد رکھیں الخ یہ حق صرف ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں۔ واضح رہے کہ ایمان کو نماز کے ساتھ بڑا علاقہ ہے اور نماز کو مسجد کے ساتھ بڑی خصوصیت ہے اس لئے مسجد سے تعلق نماز سے تعلق کی علامت ہے اور نماز سے تعلق ایمان سے تعلق کی نشانی ہے۔ جیسا حج کہ اس کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور بیت اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہے پس جو شخص قدرت واستطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا یہ اس کی بیت اللہ کے ساتھ بے تعلقی کی کھلی نشانی ہے اور جو شخص بیت اللہ سے اپنی بے تعلقی کے اظہار میں نہیں شرماتا یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ اس کی بے تعلقی کی علامت ہے اسی ربط کی وجہ سے قرآن کریم میں نماز کو ایمان اور حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کردے۔

یعنی وہ نمازیں جو پہلے تم نے بیت المقدس کی طرف پڑھیں۔ وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین لوگوں کے ذمہ خدائے تعالیٰ کے بیت کا حج کرنا فرض ہے۔ اب اگر کوئی کفر کرے (یعنی حج نہ کرے) تو یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام جہاں سے بے نیاز ہے۔

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلَى الصَّلٰوةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ. (رواہ ابن ماجہ)

سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص صبح صبح فجر کی نماز کو گیا وہ (گویا) ایمان کا جھنڈا لے کر گیا اور جو (نماز کی بجائے) بازار گیا، وہ (گویا) ابلیس کا جھنڈا لیکر گیا۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ عرب میں جھنڈا حکومت کا آدمی ہونے کی خالص علامت سمجھی جاتی تھی اب جس شخص نے صبح ہوتے ہی خدا کی فرض نماز ادا کر لی تو اس کے ہاتھ میں ایمان کی سب سے بڑی علامت آ گئی اور اس نے اس کا بین ثبوت پیش کر دیا کہ وہ ایمان کی حکومت میں رہنے والا شخص ہے اس کے برخلاف جس نے نماز نہ اداء کی اس نے اس کا ثبوت دیدیا کہ وہ شیطان کے لشکر کا آدمی ہے ہر صبح جب آفتاب نکلتا ہے تو خدا کی مخلوق میں یہ عبرتناک تفریق دیکھتا ہوا نکلتا ہے ؎

نقاب چہرہ سے خورشید جب اٹھاتا ہے کوئی حرم کو کوئی بتکدہ کو جاتا ہے
جو دل سے پوچھتا ہوں تو کدھر کو جاتا ہے تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ کہہ سناتا ہے
علی الصباح جو مردم بکار و بار روند بلاکشان محبت بہ کوئے یار روند

طہارت کی نگہداشت

عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اِنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ. (رواہ مالک واحمد)

ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح راستہ پر جمے رہو مگر اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مومن کامل کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ (مالک۔ احمد)

تشریح:۔ نماز مسلمان کے اسلام کی سب سے بڑی علامت ہے اور منافق کے نفاق کی سب سے سچی پہچان اسی لئے نفاق کا سب سے کھلا ہوا معیار نماز ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں مومن کی ایک علامت اس کا وضو بھی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنا جو شخص نماز میں پختہ ہوگا اتنا ہی وہ وضو کی نگہداشت میں چست ہوگا۔ استقامت کا حکم تمام شریعت پر حاوی ہے ان میں جب نماز سب سے بہتر عمل ٹھہرا تو اس کے ارکان و آداب کی رعایت میں استقامت بھی سب سے اہم ہوگی۔ اور نماز کی استقامت میں جتنی وضو کی محافظت معین ہو سکتی ہے ظاہر ہے اس لئے یہ کام تو کسی کامل ہی مومن کا ہو سکتا ہے یاد رہے کہ وضو کی نگہداشت کا حکم صرف نماز کے وقت پر منحصر نہیں بلکہ عام حالات میں بھی باوضو رہنا مطلوب اور ایمان کی علامت ہے۔ رہا خاص نماز کے وقت کا وضوء وہ تو نماز کی شرط ہی ہے آپ کسی غلط فہمی کی بناء پر اس عام حکم کو کہیں صرف نمازوں کے اوقات میں منحصر نہ سمجھ لیں۔

دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَكُوْنَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ. (متفق علیہ)

ابوسعید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ مسلمان کے لئے سب سے بہتر مال چند بکریاں

ہوں گی جنہیں لے کروہ اپنے دین کوفتنوں سے بچانے کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں میں بھاگ جائے گا۔(متفق علیہ)

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلِمَنْ ابْتُلِیَ فَصَبَرَ فَوَاھًا. (رواہ ابوداؤد)

مقداد بن اسود روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جوفتنوں سے محفوظ رہا وہ بڑا خوش نصیب ہے (تین بار فرمایا) اور جو شخص ان میں پھنس گیا پھر اس نے ان پر صبر کیا اس کے تو کیا ہی کہنے۔ (ابوداؤد)

تشریح: فتنوں کی ذات میں خود بڑی کشش ہوتی ہے۔ بے دین نا سمجھی سے یا ان کو دین سمجھ کر ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور جو دیندار ہیں وہ ان میں شرکت کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں ان کی مثال ان متعدی امراض کی سی ہوتی ہے جو فضاء عالم میں دفعۃً پھیل جائیں ایسی فضاء میں جا جا کر گھسنا صحت کی قوت کی علامت نہیں بلکہ اس سے لا پرواہی کی بات ہے۔ عافیت اسی میں ہوتی ہے کہ اس فضاء ہی سے نکل بھاگے۔ اس حقیقت پر امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب قائم کر کے متنبہ کیا ہے اس کے بعد اگر گذشتہ فتنوں کی تاریخ پر نظر ڈالو گے تو تم کو سلف صالح کا یہی طرز عمل نظر آئے گا، جب کبھی ان کے دور میں فتنوں نے منہ نکالا اگر وہ ان کو کچل نہیں سکے تو ان میں کودنے کی بجائے ہمیشہ ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ اگر امت اسی ایک حدیث کو سمجھ لیتی تو کبھی فتنے زور نہ پکڑتے اور اگر بے دین اس میں مبتلا ہو بھی جاتے تو کم از کم دینداروں کا دین تو ان کی مضرتوں سے محفوظ رہ جاتا۔ مگر جب اس حدیث کی رعایت نہ رہی تو بے دینوں نے فتنوں کو ہوا دی اور دینداروں نے اصلاح کی خاطر ان میں شرکت کی پھر ان کی اصلاح کرنے کی بجائے خود اپنا دین بھی کھو بیٹھے۔ **واللہ المستعان.** امت میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہے اس کے بارے میں یہ خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس کو دیکھنے کے لئے نہ جائے کہ اس کے چہرہ کی نحوست بھی مومن کے ایمان پر اثر انداز ہوگی۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جہاد باللسان اور بالسنان دونوں اس امت کے فرائض میں سے ہیں مگر یہاں وہ زمانہ مراد ہے جبکہ خود مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے، حق و باطل کی تمیز باقی نہ رہے اور اصلاح کا قدم اٹھانا الٹا فساد کا باعث بن جائے چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صحابہ کے اندرونی مشاجرات میں جنگ کی شرکت کیلئے کہا گیا اور ان کے سامنے آیت پڑھی گئی کہ **قاتلوھم حتی لا تکون فتنة.** کافروں سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک کہ فتنہ نہ رہے۔ تو انہوں نے فرمایا فتنوں کے فرو کرنے کے لئے جو جنگ تھی وہ تو ہم کر چکے اب تم اس جنگ کا آغاز کر رہے ہو جس سے اور فتنے پیدا ہوں گے۔ اپنی مادی اور روحانی طاقت کا اندازہ کئے بغیر فتنوں سے زور آزمائی کرنا صرف ایک جذبہ ہے اور فتنوں کو کچلنے کے لئے پہلے سامان مہیا کر لینا عقل اور شریعت کا حکم ہے۔ جذبات جب انجام بینی سے یکسر خالی ہوں تو دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عقل جذبات سے کوری ہو جاتی ہے تو وہ بھی صرف دماغی فلسفہ میں مبتلا ہو کر رہ جاتی ہے کامیابی کا راز جوش کے ساتھ ہوش میں پنہاں ہے۔



كِتَابُ التَّوحِيد

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اعتراف انسانی فطرت کی آواز ہے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِىْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ. اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ. (الاعراف: ۱۸۲۔۱۸۳)

اور وہ وقت یاد کیجئے جبکہ آپ کے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ بنایا، کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں، انہوں نے جواب دیا بیشک ہے، ہم گواہی دیتے ہیں (یہ اس لئے کیا) کہ کبھی قیامت کے دن عذر کرنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی، یا یہ کہنے لگو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا، ہم ان کے بعد ان کی اولاد تھے (تو مجبوراً اسی راستے پر چلے) تو کیا تو ہمیں اس کام پر ہلاک کرتا ہے جو ہم سے پہلے غلط کاروں نے کیا تھا۔

تشریح۔ تمام ادیان سماویہ اور عقائد حقہ کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ مذہب کی ساری بنیاد اسی پر کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو مذہبی میدان میں عقل وفکر کی رہنمائی کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی، عقل سلیم اور وحی والہام اسی اجمال کی شرح کرتے ہیں۔ پس ضروری تھا کہ یہ ہدایت جسے کل آسمانی تعلیمات کا مبداء منتہیٰ اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہیے۔ عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تا کہ ہر آدمی عقل وفہم اور وحی والہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر ایمان وتوحید کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداءً یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس کا حل نہ کیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی کسی کی سمجھ میں نہ آتا۔ آج یہ اسی ازلی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر قرن اور ہر گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے اور جن معدود افراد نے کسی روحانی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں بھی اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسا کہ ایک بخار کا مریض لذیذ اور خوشگوار غذاؤں کو تلخ و بدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ بہرحال ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر طبقہ کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ عقول وافکار کی دوادوش سے پہلے ہی فاطر حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلا واسطہ تلقین فرما دیا گیا تھا ورنہ فکر واستدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہو جانا تقریباً ناممکن تھا۔ بلا شبہ ہم کو یاد نہیں کہ یہ تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی تاہم جس

طرح ایک انشاء پرداز کو یقین ہوتا ہے کہ ضرور اس کو ابتداء عمر میں کسی نے الفاظ بولنے سکھلائے جس سے ترقی کر کے آج وہ اس رتبہ کو پہنچا ہے گو اس کی تفاصیل اس کے ذہن میں اس وقت متحضر نہ ہوں۔ اسی طرح بنی نوع کا ہر دور میں عقیدۂ ربوبیت پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز انکی فطرت ہی میں کسی مربی و معلم کی طرف سے ودیعت رکھ دی گئی ہے۔ اسی ازلی اور فطری تعلیم نے ہر انسان کو خدا کی محبت کے سامنے ملزم کر دیا ہے۔ اب ہر منکر کے مقابلہ میں خدا کی یہی حجت قاطعہ جس میں فطرت انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے بطور فیصلہ کن جواب کے پیش کی جاسکتی ہے۔ (مختصر فوائد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عالم ارواح کا عہد اس عالم اجسام میں یاد نہ رہا تو تعجب کیا ہے جب کہ معلوم نہیں کہ اس کی صورت مثالیہ کتنی بار بنی اور بگڑی، کتنے آباء وامہات میں منتقل ہوئی، پھر نطفہ، علقہ اور مضغہ، کے کتنے قالب بدلے، پھر کتنے اجزاء کا اس میں اور اضافہ کیا گیا، پھر نہ معلوم کہ کتنے زمانہ بعد احسن الخالقین کے کرشمہ سازی کی شہادت دینے کے لئے مساحت وجود میں آئی۔ اگر ان ارتقائی مراتب کی ایک کڑی بھی فراموشی کے لئے معقول سبب بن سکتی ہے تو جو انسان ایک غیر محدود مدت سے اس گرداب میں پڑا چکر ہی کھاتا رہا ہے۔ اس کی عہد "بلیٰ" کی فراموشی اتنی قابل الزام نہیں ہے بایں ہمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سہل بن عبداللہ تستریؒ سے منقول ہے کہ ان کو اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی اپنا قدیم عہد یاد تھا۔ (الیواقیت والجواہر ج ا ص ۱۰۶)

معلوم نہیں کہ خدائے قدوس کے کتنے بندے اور ہوں گے جنہیں تصفیہ روح کے بعد اپنا قدیم عہد یاد آ گیا ہوگا۔ مگر مزاج سلف میں نہ اس سوال کی اہمیت تھی نہ اس کے جواب کی ضرورت۔ اس لیے ذخیرۂ نقل کسی لمبی فہرست پیش کرنے سے خاموش ہے۔

سلسلہ اشہاد کی تفاصیل میں احادیث موقوفہ ومرفوعہ کا ایک صحیح ذخیرہ موجود ہے۔ معتزلہ کے نزدیک صرف انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور فطرت انسانی میں اقرار ربوبیت کی صلاحیت ہی اس سوال و جواب کی حقیقت ہے اس لیے اس آیت میں انہیں تو کوئی اشکال نہیں۔ البتہ محدثین کا قدم کچھ اس سے آگے ہے۔ یہاں تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ کیجئے انہوں نے اس مقام کو خوب مرتب ومہذب کر دیا ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُقَالُ لِلرَّجُلِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَرَاَيْتَ لَوْ كَانَ مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ اَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهٖ، قَالَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ قَالَ فَيَقُوْلُ قَدْ اَرَدْتُ مِنْكَ اَهْوَنَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْ اَخَذْتُ عَلَيْكَ فِيْ ظَهْرِ اٰدَمَ اَنْ لَا تُشْرِكَ بِيْ شَيْئًا فَاَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تُشْرِكَ بِيْ. (رواه احمد والشيخان وغيرهم)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک دوزخی شخص سے کہا جائے گا بتلا اگر (تیرے پاس آج) تمام زمین کا مال ہوتا تو کیا تو وہ سب اس عذاب کے فدیہ میں دے دیتا وہ عرض کرے گا ضرور، باری تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہلکا مطالبہ کیا تھا (یعنی) جب تو آدمؑ کی پشت میں تھا تو تجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ میرا کسی کو شریک مت ٹھہرانا مگر تو نہ مانا اور شریک ٹھیرا کر رہا۔ (اس حدیث کو امام احمد اور شیخین وغیرہ نے روایت کیا ہے۔)

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کھود کرید کرنے کی ممانعت

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاْتِي الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ

كَذَا. مَنْ خَلَقَ كَذَا. حَتّٰى يَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَإِذَا بَلَغَ ذٰلِكَ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ. (رواه الثلاثة)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان تمہارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے یہ چیز کس نے پیدا کی؟ یہ چیز کس نے بنائی؟ یہاں تک کہ کہتا ہے اچھا تو تمہارے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک نوبت پہنچے تو خدا کی پناہ لینا چاہیے اور اس کے ساتھ سوال وجواب کا سلسلہ ختم کر دینا چاہیے (اس حدیث کو تین کتابوں میں روایت کیا ہے)

تشریح۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں مداخل شیطان پر طویل بحث کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ وہ کیا کیا ہیں، کن کن راستوں سے شیطان آتا ہے اور کن کن وساوس میں مبتلا کرتا ہے، ان تمام تفصیلات کو تو یہاں نقل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ حدیث کی شرح کے لئے اتنا لکھنا ضروری ہے کہ اس کے بہکانے کا ایک راستہ یہ ہے کہ پہلے وہ دماغ میں سوالات کا ایک مرتب سلسلہ قائم کر دیتا ہے اور نہایت سادگی کے ساتھ اس ضمن میں ایک غلط کلیہ ذہن نشین کر دیتا ہے جس میں بظاہر کوئی سقم نظر نہیں آتا۔

دیکھو یہ کتنی سیدھی اور سچی بات ہے کہ مخلوق کے دائرہ میں جس طرف نظر اٹھاؤ خالق کا سوال بجا ہی بجا نظر آئے گا، اس لیے یہ بدیہی ہوگا کہ جو چیز ہے اس کا کوئی خالق ضرور ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کو تسلیم کرنے کے لئے اس مشاہدہ سے زیادہ سہل طریقہ اور کیا تھا مگر اس کے بعد اب دھوکا یہ ہے کہ اللہ کو مخلوق کے دائرہ میں شامل کر کے یہ سوال اٹھاتا ہے کہ جب کلیۃً ہر چیز کے لئے خالق ہونا مسلم ہو گیا تو پھر اللہ کے لئے بھی کوئی خالق ہونا چاہئے۔ گو یہ سوال غلط در غلط تھا کیونکہ اللہ اسی کو کہتے ہیں جو سب کا خالق ہو اور وہ کسی کی مخلوق نہ ہو پھر اس کے متعلق خالق کا سوال کرنا متناقض سوال ہے، مگر وسوسہ ایسی ہی باطل حقیقت کا نام ہوتا ہے۔ بسا اوقات خود انسان کا ضمیر بھی اس پر نفرت کرتا ہے مگر دل ہے کہ تذبذب میں ڈوبا چلا جاتا ہے۔ مصیبت یہ ہو جاتی ہے کہ جب ایک مسلسل اور مرتب مشاہدہ کے بعد دل میں ایک بات اثر کر جاتی ہے تو اس کی تردید کے لئے جب تک اسی درجہ کا مرتب و مسلسل مشاہدہ میسر نہ ہو اطمینان نصیب نہیں ہوتا مگر یہاں سوائے ایک اللہ کے اور کوئی ایسا ملتا ہی نہیں جس کا خالق کوئی نہ ہو اس لیے ذہن اندر ہی اندر اپنے قدیم تاثر کے ماتحت خالق کے لئے خالق کا مطالبہ کرتا ہی رہتا ہے۔ عقل گو ہزار دفعہ اسے سمجھاتی ہے مگر اپنی آنکھوں کا مشاہدہ ہر دفعہ اسے ناسمجھ بنا دیتا ہے۔

ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے شبہات پر اگر غور کرو گے تو اس کا حاصل بھی اتنا ہی پاؤ گے یعنی مصنوعات کے سطحی مطالعہ سے پہلے ایک قاعدہ ذہن نشین کر لیا جاتا ہے۔ اگر واقعات نے اپنی خاموش زبان سے اس کی تردید نہ کی تو پھر اس کا نام فلسفہ بن جاتا ہے اور اسی فلسفہ کی بناء پر الٰہیات کے بلند پایہ حقائق اور عالم غیب کے برتر از عقول اسرار کا نہایت دلیری سے انکار کر دیا جاتا ہے اور اس طرح دنیا ہے کہ صانع کو مصنوع پر (بنانے والے کو بنائے ہوئے)، عالم غیب کو عالم شہود پر قیاس کر کر کے اپنی بے عقلی کو ہر دن ایک نیا ثبوت دیتی رہتی ہے مگر شیطان ہے کہ ہر روز نئے نئے فلسفہ کے نام سے اسے دماغوں میں اتارتا رہتا ہے اور نئی نئی گمراہی کے سامان مرتب کرتا رہتا ہے۔ شریعت نے راہ مختصر کر دی اور متنبہ کر دیا کہ اللہ کی ذات پاک عقل کی جولانگاہ نہیں بن سکتی اس کی ذات وصفات عقل کی سرحد سے بلند تر ہیں۔ جہاں دعوت غور وفکر ہے وہ دائرہ مخلوق ہے خالق نہیں۔ بیرون از قیاس ہمیشہ قیاس سے باہر رہے گا۔ خدا تعالیٰ کا خالق ہونا بدیہی ہے یہاں یقین ومعرفت کا راستہ صرف وہ وجدان ہے جو ہر شخص اپنے دل میں بلا غور وفکر محسوس کرتا ہے۔ بشرطیکہ شکوک وشبہات سے اس کو مکدر نہ کیا جائے۔ اس طرح خد

اکی ذات کاتم کو وہ یقین میسر آ جائے گا جہاں وساوس خود بخود فنا ہو جائیں گے۔ بدیہیات میں جس قدر دلائل کی آڑ لی جاتی ہے اسی قدر اور الجھاؤ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ وجدانیات اور مشاہدات ہمیشہ وجدان اور مشاہدہ سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ ذات پاک کا مشاہدہ تو ہو نہیں سکتا اس لیے یہاں یقین کی راہ آفاق وانفس میں غور و تفکر سے کھلتی ہے۔

وسوسہ کیا ہے؟ ہر وہ بات جو انسان کے دل میں بغیر ارادہ کے آئے اس کو وسوسہ کہتے ہیں۔ وسوسہ کو کتنا ہی ختم کیجئے ختم نہیں ہوتا۔ اگر مخاطب کوئی دوسرا ہوتا تو دلائل و براہین سے اس کا منہ بند کیا جا سکتا۔ یہاں تو دل ہی دل میں یکے بعد دیگرے لایعنی سوالات کا ایک سلسلہ زلف مسلسل کی طرح کھنچتا چلا جاتا ہے اس لئے معالج حقیقی نے مناظرہ کی راہ نہیں بتلائی کہ یہ اور شکوک وشبہات کی راہ ہے بلکہ ایسی چار باتوں کا امر فرمایا ہے جن میں سے ہر ایک اس نادیدہ دشمن پر فتح حاصل کرنے کا ایک مستقل سامان ہے۔ (۱) اپنے آقائے حقیقی کی پناہ کہ جو اس کی پناہ لیتا ہے اسے پناہ مل جاتی ہے (۲) تذلیل خصم بقول شخصے جواب جاہلاں باشد خموشی، پہلی حدیث کا مفہوم یہی ہے (۳) ذکر اللہ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّیْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف: ۲۰۸) (۴) تجدید ایمان۔ مبادا کہ وساوس کی رو نے کہیں ایمان زخمی کر دیا ہو تو اس کی تلافی ہو جائے جیسا کہ صحیح مسلم کے لفظ میں ہے لیکن اگر وساوس اپنی حد سے گذر کر کچھ دلائل کے ساتھ دل میں گھر کر چکے ہیں تو پھر ان کی توڑ کے لئے دلائل سے بھی مقابلہ کرنا ہوگا اب یہ وسوسہ نہیں عقیدہ کہلائیں گے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اُمَّتَکَ لَا یَزَالُوْنَ یَقُوْلُوْنَ مَا كَذَا مَا كَذَا. حَتّٰی یَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ. خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ. (رواه الشیخان)

انس بن مالکؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک حدیث قدسی ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اے پیغمبر) آپ کی امت برابر یہ کہتی رہے گی یہ کیسے ہوا، یہ کیسے ہوا یہاں تک کہ یہ کہے گی خدا نے تو ساری مخلوق کو پیدا کیا پھر خدا کو کس نے پیدا کیا۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُوْنَ یَسْئَلُوْنَکَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ قَالَ فَبَیْنَا اَنَا فِی الْمَسْجِدِ اِذْ جَآءَ نِیْ نَاسٌ مِنَ الْاَعْرَابِ فَقَالُوْا یَا اَبَاهُرَیْرَةَ هٰذَا اللّٰهُ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ قَالَ فَاَخَذَ حَصًی بِكَفِّهٖ فَرَمَاهُمْ بِهٖ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا قُوْمُوْا صَدَقَ خَلِیْلِیْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (رواه مسلم)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اے ابو ہریرہؓ لوگ تجھ سے برابر سوالات کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یہ سوال کریں گے یہ تو اللہ ہے (جس نے مخلوق بنائی) تو اللہ کو کس نے بنایا ہے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا دفعۃً چند گنوار میرے پاس آئے اور بولے اے ابو ہریرہؓ یہ تو اللہ ہے (جس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے) پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ابو سلمہ راوی حدیث کہتا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لے کر ان پر پھینکیں اور فرمایا اٹھو اٹھو میرے پیارے رسولؐ نے سچ فرمایا تھا۔ (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

تشریح یہ واضح رہنا چاہیے کہ جاہلوں سے مناظرہ کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت نہیں بلکہ ان کی سنت اعراض کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (الحجر:۹۴) جو آپ کو حکم ملے اس کو دوٹوک بیان کر دیجئے اور کافروں سے اعراض فرمائیے۔ معاند سے مناظرہ کرنا اپنے وقت کا ضیاع اور اس کی فطرت کو ضد پر آمادہ کرنا ہے اس لیے ابو ہریرہؓ نے یہاں اعراض کرنا ہی مناسب سمجھا۔ نیز وسوسہ غیر اختیاری چیز ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ بحث کے الجھاؤ میں خود اپنے دل میں وساوس گذرنے لگتے ہیں اس لیے سلف ہمیشہ ایسی جھاڑیوں میں گھستے ہوئے ڈرا کرتے تھے۔ جہاں ان کے یقین میں شک و تردد کا کانٹا بھی لگنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

عَنْهُ قَالَ جَآءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِيْ اَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ وَقَدْ وَجَدْتُمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ذٰلِكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ مَحْضُ الْاِيْمَانِ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ ہم اپنے دلوں میں ایسے خطرات محسوس کرتے ہیں کہ انہیں زبان سے ادا کرنا پہاڑ معلوم ہوتا ہے آپ نے جواب دیا کہ کیا تمہیں یہ ناگواری ہوتی ہے؟ وہ بولے جی ہاں، آپ نے فرمایا پھر یہ تو کھلا ہوا ایمان ہے اور ایک روایت میں ہے خالص ایمان ہے۔ (مسلم)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّيْ اُحَدِّثُ نَفْسِيْ بِالشَّيْءِ لَاَنْ اَكُوْنَ حُمَمَةً اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَدَّ اَمْرَهٗ اِلَى الْوَسْوَسَةِ. (رواہ ابوداؤد)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا میرے دل میں ایسی باتیں پیدا ہوتی ہیں کہ مجھے (جل کر) کوئلہ ہو جانا ان کے ادا کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس کے معاملہ کو اس نے صرف وسوسہ کی حد تک رکھا۔ (اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ آپ کے جواب کی دو شرح کی گئی ہیں۔ پہلی شرح اس پر موقوف ہے کہ "امرہ" میں ضمیر کا مرجع شیطان قرار دیا جائے اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے خدا کا شکر اس بات پر ادا فرمایا کہ اس نے شیطان کو وسوسہ ڈالنے سے زیادہ قدرت ہی نہیں دی، دوسری شرح میں ضمیر کا مرجع خود یہ شخص ہے اور اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس شخص کا معاملہ صرف وسوسہ کی حد تک رہ گیا اور اس سے آگے تجاوز نہ کر سکا۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جب خالق کے لئے خالق کا تسلسل دماغ میں پیدا ہونے لگے تو اس کے دفع کرنے کے لئے آپ نے یہ کلمات پڑھنا تعلیم فرمائے ہیں۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحدید:۳) ابوزمیل نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ میرے سینہ میں ایک بات کھٹکتی ہے فرمایا کیا ہے؟ انہوں نے کہا زبان پر نہیں لاسکتا فرمایا کہ اس قسم کے وساوس سے کس کو چھٹکارا ہے۔ جب ایسی بات پیش آئے تو کلمات مذکورہ بالا پڑھ لیا کرو۔ ان کلمات کا حاصل یہ ہے کہ علل میں تسلسل عقلاً محال ہے اس لیے مخلوقات کا سلسلہ ضرور کہیں جا کر خالق پر ختم ہونا چاہئے۔ پھر جس سے پہلے اور جس کے بعد کوئی نہ ہو وہی اول و آخر خدا کی ذات ہے اس کے لئے پھر خالق کا تصور کرنا موجب تسلسل ہے۔ شیطان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو آنکھوں سے نظر آئیں یہ شیطان الانس ہیں۔ دوم جو آنکھوں سے نظر نہ آئیں یہ شیطان الجن ہیں۔ جو آنکھوں سے نظر آئیں ان کے شر سے حفاظت کی صورت اعراض و درگزر کرنا یا معقول جواب دینا ہے جیسا کہ

ابو ہریرہؓ نے کیا تھا۔ دوسری قسم کا علاج استعاذہ اور خدا سے پناہ مانگنا ہے۔ ان دونوں صورتوں کو کسی شاعر نے نظم کر دیا ہے ؎

فما هو الا الاستعاذة ضارعا او الدفع بالحسنى هما خير مطلوب فهذا دواء الداء من شر ما يرى وذاک دواء الداء من شر محجوب. (زاد المعاد ج ۲ ص ۴۸)

دو باتیں (وسوسہ کا) بہترین علاج ہیں ایک تضرع کے ساتھ استعاذہ کرنا۔ دوم معقول پیرایہ میں جواب دینا۔ پہلی بات تو اس شیطان کے شر کا علاج ہے جو آنکھوں سے نہیں نظر آتا اور دوسری بات اس شیطان کا جو آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ (یعنی بہکانے والے انسان)

اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم

اسماء دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن میں صرف ذات ملحوظ ہوتی ہے ان کا مقصد صرف اس ذات کا تعارف ہوتا ہے، براہ راست ان کی صفات کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہیں ہوتا، دوسرے وہ جن میں خاص کسی نہ کسی صفت کا لحاظ ہوتا ہے، ان اسماء سے اس ذات کی کسی خاص صفت ہی کا تعارف ہوتا ہے اور بس پہلی قسم اسم ذات اور دوسری اسم صفت کہلاتی ہے، خدا کا ذاتی نام یا "اللہ" ہے۔ (شیخ اکبر کو اس میں کچھ تردد ہے۔ الیواقیت والجواہر ج اص ۷۱و۷۲) یا "رحمٰن" بقیہ جتنے نام ہیں اسکے صفاتی نام ہیں۔ ذات میں چونکہ جملہ صفات کا وجود لپٹا ہوا ہوتا ہے اس لیے اسماء میں اسم اعظم (اسمائے الٰہیہ میں تفاصیل کی بحث دیکھنا ہو تو الیواقیت والجواہر ج اص ۷۳ ملاحظہ کیجئے۔) شاید وہی اسم ہو سکتا ہے جس کو اسم ذات کہا جائے اس لحاظ سے اسم اعظم یا "اللہ یا "رحمٰن" ہونا چاہیے۔ رحمٰن گو اسم صفت ہے مگر بارگاہ الوہیت میں رحمت کا اتنا غلبہ ہے کہ اس کی ذات ہی گویا عین رحمت ہے اس لیے بنی اسرائیل میں "رحمٰن" خدا کے اسم ذات کی جگہ مستعمل تھا۔ شریعت اسماعیلیہ میں جو اصل اسم ذات تھا وہ خدا کو پکارنے کے لئے بتلا دیا گیا اور اسی لیے جو شریعت آخری شریعت اور سب شرائع کی جامع تھی اس نے بسم اللہ میں ان دونوں ناموں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث میں جہاں جہاں نظر ڈالیے وہاں اسماء الٰہیہ میں پہلے لفظ اللہ مذکور ہوتا ہے بقیہ نام اس کے بعد بطور تابع ذکر ہوتے ہیں۔ یہی حال اسم "رحمٰن" کا ہے۔ جہاں یہ اسم مبارک اور اسماء کے ساتھ مستعمل ہے وہاں اس کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے اس لحاظ سے بسم اللہ میں دو اسم ذاتی ہیں اور ایک اسم صفتی، اس لیے رحمٰن و رحیم کے یکجا جمع کرنے میں جو پراز تکلفات جواب دیئے گئے ہیں احقر کے نزدیک ان کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ شریعت موسویہ چونکہ جلالی شریعت تھی اس لیے ضرورت تھی کہ اس میں خدا کو ہمیشہ "الرحمٰن" کہہ کر پکارا جائے، شریعت اسماعیلی جمالی شریعت ہے یہاں اسم ذات وہ رہے گا جو دراصل ذات باری تعالیٰ کے لئے موضوع ہو وہ لفظ اللہ ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ اَنِّىْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِىْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ اللهَ بِالْاِسْمِ الَّذِىْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِىَ بِهٖ اَجَابَ. (رواه اصحاب السنن)

عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعاء کرتے ہوئے سنا ''اے اللہ میں درخواست پیش کرتا ہوں کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تو ہی ہے تیرے سوا کوئی خدا نہیں، یکتا ہے، بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے نہ اس کا کوئی بیٹا، نہ اس کا کوئی ہمسر، آپؐ نے فرمایا کہ تو نے خدائے تعالیٰ کو وہ نام لے کر پکارا ہے کہ جب اس نام کے ساتھ اس سے سوال کیا جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے اور جب اس کو پکارا جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے۔ (سنن)

تشریح:۔ مشرکین عرب جو خدائی تنزیہ سے یکسر نابلد تھے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے تخیل کے مطابق نہایت بے باکی سے یہ سوال کر بیٹھے ''انسب لنا ربک'' ہمیں ذرا اپنے پروردگار کا نسب تو بتلایئے گویا ان کے نزدیک خدائے تعالیٰ بھی انسانوں کی طرح حسب ونسب کے میزان میں تولا جا سکتا تھا۔ ان کے اس جاہلانہ سوال کے جواب میں ایک نہایت مختصر ترین سورت اتری، جس نے خدا کی ذات کا سب سے اعلیٰ اور سب سے پاک تعارف اس طرح پیش کیا کہ وہ یکتا ویگانہ ہے، نہ ذات میں اس کا کوئی شریک ہے نہ صفات میں اس کا کوئی سہیم، یہی احدیت کا مفہوم ہے۔ یہ وہ صفت تھی کہ اس سے زیادہ آسان اور اس سے زیادہ صحیح تعارف کسی اور صفت کے ساتھ مشکل ہے۔ ذات **وحدہ لا شریک له** کی ایک صفت واحدیت بھی ہے مگر احدیت اس سے کامل تر ہے تمام سورۂ اخلاص اسی کی تفسیر ہے۔ صمدیت اسی احدیت کی تکمیل ہے اور **لم یلد ولم یولد** اسی کی تشریح۔ **صمد** بے نیاز کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ ایک اور اکیلا ہو کر بھی اپنے کمال میں کسی کا محتاج نہیں۔ والد کی طرح نہیں جو اپنے بیٹے کے لئے محتاج الیہ ہو کر بھی اپنے کمالات کی شہرت وبقاء میں تمام تر اپنے بیٹے کا محتاج ہے اور نہ اس ولد کی طرح ہے جو ایک جہت سے محتاج الیہ بن کر بھی اپنے وجود میں والد کا سرتا سر محتاج ہوتا ہے۔ نسب وہاں قائم ہوسکتا ہے جہاں رشتہ اشتقاق پیدا ہو سکے۔ جہاں اوپر اور نیچے کی دونوں جانبوں میں رشتہ اشتقاق نہیں وہاں نسب کا تصور بھی نہیں۔ اصول و فروع سے گذر کر نسب کا دوسرا تخیل شعب واطراف میں قائم کیا جاسکتا ہے۔ مگر جس کا کوئی کفوٗ ونظیر بھی نہیں اس کے لئے نسب کا تصور اطراف وجوانب میں بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ صرف یہ جواب کہ اس کا کوئی نسب نہیں ان کے مذاق فطرت کے موافق نہ تھا۔ اس لیے آپ نے پہلے وجودی دو صفتیں ایسی ذہن نشین کر دیں جس کے نتیجہ میں دو سلبی صفتیں پیدا ہو جائیں اور اس کے بعد نسب کا سوال خود بخود ذہنوں سے نکل جائے۔ یہ واضح رہنا چاہئے کہ غنی وصمد میں بڑا فرق ہے۔ صمد اس کو کہتے ہیں جو خود کسی سے برآمد نہ ہو سکے اور نہ کوئی دوسرا اس سے برآمد ہو سکے جیسا کہ والد اور ولد، اس لیے خدا کے نسب کی بجائے (جو ایک ذاتی چیز تھی اس کی) صمدیۃ کو پیش کیا گیا ہے۔ غناء وفقر نسب کی جگہ نہیں آسکتے، یہ خارجی اوصاف وعوارض ہیں۔ نسب ایک رشتہ خون کا نام ہے جس میں جزئیت کا مفہوم کسی نہ کسی پہلو سے ضرور سامنے آتا ہے۔ صمدیت اس رشتہ کے بالمقابل غناء وبے نیازی کا نام ہے یعنی اس ذات پاک میں اس اندرونی اشتقاق کی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ کسی نوعیت سے بھی وہاں نسب کی شرکت کا تصور لایا جا سکے۔ اسماء الٰہیہ میں بسا اوقات الفاظ کا ترجمہ یکساں نظر آتا ہے مگر اس کے مصداق وصحیح مفہوم میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ان مختصر نوٹوں میں ان تمام تفاصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں یہ تشریح صرف اس مقصد کے پیش نظر ہے کہ ابتداء کتاب میں خدائے تعالیٰ کے مختصر تعارف کے ساتھ ان اسماء کی مقبولیت ومحبوبیت کی وجہ بھی کچھ نہ کچھ ذہن نشین ہو جائے۔ **لم یولد** اور خود جنا نہیں گیا۔ شیخ اکبرؒ

یہاں ایک لطیفہ لکھتے ہیں کہ عقل انسانی غور وفکر اور ترتیب مقدمات کے بعد جو نتیجہ بھی نکالتی ہے وہ اس کا مولود اور پیدا کیا ہوا ہوتا ہے۔ یہاں خدائے تعالیٰ کی صفات میں یہ پہلی صفت ہے کہ وہ کسی کا مولود نہیں۔ اب بھلا اس عاقل کو خدا کی ذات کی کیا معرفت ہے جس کی معرفت خود اپنی تراشیدہ اور اپنی ہی پیداوار ہے۔ (الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۵۰)

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْمُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ فِيْ هَاتَيْنِ الْاٰيَتَيْنِ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وَفَاتِحَةُ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ. الٓمٓ. اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ. (رواہ الامام احمد وابوداؤد والترمذی)

اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرۃ:۱۶۳) ''تمہارا خدا ایک ہے، معبود کوئی نہیں مگر وہی ایک اللہ جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے'' اور دوسری آیت سورۂ آل عمران کے شروع میں ہے الٓمٓ. اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (آل عمران:۱) ''الٓمٓ. اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ سدا رہنے والا اور تمام مخلوق کی ہستی قائم رکھنے والا ہے۔ (امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی)

خدا کی ایک نمایاں صفت ''حی'' بھی ہے مگر وہ ایسا ''حی'' نہیں جس پر موت آسکے اونگھ یا نیند کا گذر ہو سکے۔ بلکہ ایسا ''حی'' جس کے وجود کے ساتھ تمام عالم کا رشتہ حیوٰۃ قائم ہو، ایسا ''حی'' کہ اگر وہ نہ ہو تو عالم کی حیوٰۃ اور حیوٰۃ سے پہلے اس کا وجود مٹ جائے۔ عالم میں جن کو ''حی'' کہا جاتا ہے ان کی طرح نہیں کہ اپنے قیام وجود میں ہر لحظہ دوسرے کا محتاج ہو بلکہ ایسا ''حی'' جس کی حیوٰۃ دوسروں کے لئے منشاء حیوٰۃ بنے اسی وجہ سے اس کا دوسرا نام قیوم ہے اسی کو قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ (الفاطر: ۴۱)

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں، اور اگر ٹلنے لگیں تو اس کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھام سکے۔

آیت الکرسی میں اسی لئے ''الحی'' کے بعد ''القیوم'' پھر اس کے بعد ''لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ'' کا لفظ رکھا گیا ہے۔ یہ نہایت اہمیت کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں اسماء الٰہیہ میں سے جس جس نام کا ذکر ہے پھر جو ترتیب ان اسماء میں رکھی گئی ہے وہ اپنی جگہ بڑے اسرار کی حامل ہوتی ہے محض اسماء شماری منظور نہیں ہوتی، پہلی حدیث میں ''احدیۃ'' و ''صمدیۃ'' اور یہاں ''الحی القیوم'' کے ارتباط کا کوئی شمہ بیان کر دیا گیا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّيْ ثُمَّ دَعَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ اِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

انسؓ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا (نماز سے فارغ ہو کر) اس نے یہ دعا کی ''اے اللہ میں یہ درخواست پیش کرتا ہوں کہ تعریف صرف تیرے لیے ہے، خدا کوئی نہیں مگر تو،

زبردست محسن ہے۔ زمین و آسمان کو بلا کسی نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے، اے جلال و اکرام والے، اے نا قابل فناء اور مخلوق کی ہستی قائم رکھنے والے، (یہ سن کر) آپؐ نے فرمایا کہ اس نے اللہ کا وہ نام لے کر دعا کی ہے کہ جب وہ اس نام کے ساتھ پکارا جاتا ہے تو جواب دیتا ہے اور جب اس سے مانگا جاتا ہے تو ضرور دیتا ہے۔ (اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ جس طرح خدا کی ذات مبارک ہے اسی طرح اس کے اسماء بھی مبارک ہیں اس لیے اس کے نام کی برکتوں سے دعائیں قبول ہوتی ہیں جب وہ ان کے وسیلہ سے پکارا جاتا ہے تو ہر پکار کی اجابت کرتا ہے "بسم اللہ" میں لفظ اسم اسی لیے اضافہ کیا گیا ہے کہ ہر کام کے شروع میں اس کے نام کی برکت ڈھونڈی جائے۔ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ (العلق:۱) پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کی برکت سے جس نے آپ کو پیدا کیا۔

وَعَنْ سَعْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْوَۃُ ذِی النُّوْنِ اِذَا دَعَا رَبَّہٗ وَھُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ لَمْ یَدْعُ بِھَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا اسْتَجَابَ لَہٗ. (رواہ احمد والترمذی)

سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ذوالنونؑ نے جب اپنے پروردگار کو مچھلی کے پیٹ میں پکارا تھا تو یوں پکارا تھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ (الخ) سوا تیرے کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے، بے شک میں ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔ کوئی مسلمان کسی حاجت میں خدائے تعالیٰ کو ان کلمات سے یاد نہیں کرتا مگر وہ ضرور اس کی سنتا ہے۔ (احمد، ترمذی)

وَعَنْ بُرَیْدَۃَؓ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ عَشَآءً فَاِذَا رَجُلٌ یَقْرَأُ وَیَرْفَعُ صَوْتَہٗ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَقُوْلُ ھٰذَا مُرَاءٍ قَالَ بَلْ مُؤْمِنٌ مُّنِیْبٌ قَالَ وَاَبُوْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیُّ یَقْرَأُ وَیَرْفَعُ صَوْتَہٗ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَسَمَّعُ لِقِرَاءَتِہٖ ثُمَّ جَلَسَ وَاَبُوْ مُوْسٰی یَدْعُوْ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُشْھِدُکَ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَحَدًا صَمَدًا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ سَأَلَ اللّٰہَ بِاِسْمِہِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی وَاِذَا دُعِیَ بِہٖ اَجَابَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُخْبِرُہٗ بِمَا سَمِعْتُ مِنْکَ قَالَ نَعَمْ فَاَخْبَرْتُہٗ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِیْ اَنْتَ الْیَوْمَ لِیْ اَخٌ صَدِیْقٌ حَدَّثْتَنِیْ بِحَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. (رواہ رزین)

بریدہؓ فرماتے ہیں کہ عشاء کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بلند آواز سے قراءت کر رہا ہے میں نے عرض کیا آپ اس کے متعلق کیا خیال فرماتے ہیں، کیا یہ ریاکار ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ اپنے خدا کی طرف جھکنے والا مرد مؤمن ہے، راوی کہتا ہے کہ یہ زور سے پڑھنے والے شخص ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قراءت بغور کان لگا کر سننے لگے، پھر ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا کرنے کے لئے بیٹھے تو بولے اے اللہ! میں تجھ ہی کو گواہ بناتا ہوں کہ اللہ بس تو ہی ہے، یکتا بے نیاز ہے، نہ کسی کو جنا، نہ کسی نے اس کو جنا، نہ اس کا کوئی نظیر و ہمسر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے خدا کا وہ نام لے کر سوال کیا ہے کہ جب وہ اس نام سے سوال کیا جاتا ہے تو ضرور دیتا ہے اور جب پکارا

جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ یہ بات جو میں نے آپ سے سنی ہے کیا ان سے بھی کہہ دوں؟ آپؐ نے فرمایا کہہ دو۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ خوشخبری ان کو سنا دی۔ انہوں نے کہا آج کے بعد تم میرے سچے بھائی ہو کیونکہ تم نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ خوشخبری سنائی ہے۔ (زرین)

تشریح۔ عرب میں مواخاۃ (بھائی چارہ) صرف لفظی بات نہ تھی بلکہ یہ تعاون و ہمدردی کا ایک بڑا رشتہ تھا جو ان کے نزدیک خونی رشتہ سے کم نہ تھا، یہاں یہ رشتہ صرف اتنی بات پر قائم ہو رہا ہے کہ بریدہؓ نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک بشارت سنائی تھی، بشر کے ساتھ سلوک کرنا ان کا عام دستور تھا، جب اس وقت کچھ اور سلوک ممکن نہ ہوا تو انہوں نے عقد مواخاۃ ہی قائم کرلیا۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے اس کا اندازہ لگایئے کہ ان کے قلب میں اسلام اور بانی اسلام کے لئے جذبات کیا تھے۔

اذا دعی به اجاب و اذا سئل به اعطی. ان دونوں جملوں میں فرق ہے پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا مردمؤمن کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ کفار کی طرح نہیں کہ اس کا جواب تک نہیں آتا۔ "**وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ**" کافروں کی پکار رائیگاں ہے۔ سوال، خاص حاجت کی طلب کو کہتے ہیں، دعاء عام ہے، اجابت دعاء سے مقصد داعی کا شرف اور اس کی قدر و منزلت بتلانا ہے۔ اس کی حاجت روائی، یہ ضمنی فائدہ ہے۔ جیسے کہ پکارنے کا مقصد بھی سوال نہیں بلکہ اس کی یاد ہے۔ اپنی حاجت پیش کرنا یہ ضمنی غرض ہے۔ اس لیے پہلا جملہ دوسرے سے ابلغ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى. وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. وَقَالَ تَعَالٰى. قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل: ۱۱۰)

خدا کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں انہیں سے اس کو پکارا کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دیجئے تم خدا کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو یہ سب اس کے حسن و خوبی کے نام ہیں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اِسْمًا مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ. (رواه الشيخان والترمذى)

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے لئے ننانوے نام ہیں جو انہیں یاد کرلے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا ہے اور اس لیے وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔ (شیخین اور ترمذی)

تشریح۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ بارگاہ الٰہی میں ادب یہ ہے کہ وہاں بجائے لفظ صفت اسم کا اطلاق کیا جائے اسی لیے قرآن کریم میں اللہ کے لئے اسماء کا تو ذکر کیا گیا ہے مگر صفات کا نام نہیں لیا گیا حالانکہ وہ اسماء بہ حقیقت اس کی صفات ہی ہیں۔ (الیواقیت والجواہر ج ا ص ۷۷) کاش اگر شیخ اکبرؒ کے اس ادب کا لحاظ رہتا تو شاید عین وغیرہ کے جو نزاعات (جھگڑے) لفظ صفت کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں اتنے طویل نہ کھنچتے۔ (ب) شیخ اکبرؒ نے یہ تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ اسماء الٰہیہ توقیفی ہیں جو نام جس

طرح شریعت میں استعمال کیا گیا ہے اس سے تجاوز کرنا درست نہیں اس لیے خدائے تعالیٰ کو "حی" کہا جائے گا مگر ذوحیوٰۃ نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح جہاں کسی صفت کی نسبت بطریق فعل وارد ہے اس کو بھی بدلا نہیں جا سکتا جیسا کہ "الله یستهزی بهم" اس لحاظ سے خدائے تعالیٰ پر "مستهزأ" کا اطلاق جائز نہ ہوگا۔ (ج) خدائے تعالیٰ کے جتنے اسماء ہیں سب حسن وخوبی کے اسماء ہیں اس لیے "وهو خادعهم" کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کو "خادع" نہیں کہا جا سکتا۔ مفسرین نے تو اس کے جوابات اور دیئے ہیں مگر شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات کو تلاوت کرتے ہوئے چاہیے کہ ایک انسان ندامت کے سمندر میں غرق ہو جائے کیونکہ یہاں ہماری تفہیم وفہمائش کے لئے قرآن کریم نے تنزل کر کے بارگاہ صمدیت میں ایسے الفاظ استعمال کر لیے ہیں جو اس کی شایان شان نہ تھے۔ مگر کیا کیجئے کہ عالم انسانیت اپنے قصور ونقصان کی وجہ سے عالم تجرد کے بہت سے مخاطبات کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اس لیے جب ناقص رتبہ کمال تک نہیں پہنچ سکتا تو پھر کامل ہی کو کچھ تنزل اختیار کرنا پڑتا ہے۔ جاہل ان الفاظ کو پڑھتا اور اعتراض کرتا ہے اور عاقل فرطِ ندامت سے گڑ جاتا ہے، اس کا اعتقاد ان الفاظ کو سن کر ڈگمگانے لگتا ہے اور اس کی عقیدت دونی دونی بڑھتی جاتی ہے۔ (الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۷۶) (د) شیخ اکبرؒ نے تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ گو بلحاظ لغت بعض اسماء الٰہیہ کا اطلاق انسانوں پر بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ "نافع"، "وکیل"، "نور" مگر شرعاً وعقلاً بطریق اسم اعظم ممنوع قرار دیا جائے گا اور اگر بالفرض کہیں اطلاق ہوگا تو اس کے اصل معنی سے ذہول ضروری ہوگا۔ مثلاً "مؤمن" ایمان دار ہونے کی جہت سے درست ہو سکتا ہے مگر جس لحاظ سے خدا پر مؤمن کا اطلاق کیا گیا ہے وہ قطعاً حرام ہے۔ (ایضاً ص ۲۷) اس لیے جو اسماء خدائے تعالیٰ کی بارگاہ کے لئے عرف عام یا خاص میں مشہور ہو چکے ہیں ان کا استعمال دائرہ انسان میں ممنوع رہنا چاہیے۔

(ہ) عام شارحین نے لفظ احصار کی مراد صرف زبانی یاد کر لینا قرار دی ہے مگر ارباب حقائق لکھتے ہیں کہ مقصد صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے آگے ان اسماء کے ساتھ تخلق وتشبہ حاصل کرنا بھی ہے۔ خدائے تعالیٰ بار بار اپنے اسماء حسنیٰ کا ذکر کر کے چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق میں بھی اپنے اپنے مبلغ پرواز کے موافق ان کی جلوہ نمائی کا جذبہ پیدا ہوتا کہ عالم انسانیت ان اسماء کی تجلیات کی بدولت قعر اسفل السافلین سے نکل کر سطح اعلیٰ علیین پر فروکش ہو سکے وہ اگر رب العالمین ہے تو یہ بھی اپنی مقدرت و استطاعت کے بقدر کمزوروں کی تربیت سے غافل نہ رہے وہ اگر ارحم الراحمین ہے تو یہ بھی رأفت ورحمت کا نمونہ دکھاتا رہے اور اسی طرح صفات مختصہ کے علاوہ ہر ہر صفت کا مظہر بننے کی سعی میں لگا رہے تاکہ خلافت اپنے صحیح معنی میں نمودار ہو اور ان الله خلق ادم علی صورته کا رمز طشت از بام ہو جائے۔ شارحین حدیث نے ہر ہر اسم کے ساتھ تخلق کی شرح کر دی ہے تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ (و) خدائے تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں اور ابھی بہت سے وہ بھی ہیں جو ہمیں بتلائے نہیں گئے۔ حدیث کے الفاظ او استاثرت بها فی علم الغیب عندک یا او علمته احدا من خلقک سے اسی طرف اشارہ نکلتا ہے (یعنی وہ اسماء جو تو نے صرف اپنے ہی علم کے لئے مخصوص رکھے ہیں یا وہ جن کو تو نے اپنی مخلوق میں کسی کو بتلائے ہیں) اس کی وجہ یہ ہے

کہ ذات کے تعارف کی دو ہی صورتیں ہیں یا وہ خود یا اس کی صفات۔ عالم امکان میں مشاہدہ کی طاقت نہ تھی اس لیے یہاں مشاہدہ ذات تو ممکن نہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر ہونے کی وجہ سے وہ دنیا میں اللہ کی رویت نہ کر سکے جس کی طرف ارشاد باری ہے لن ترانی اس لئے صرف صورت سماء وصفات کے ذریعہ تعارف کی باقی ہے اس لیے ضروری ہوا کہ اسماء الٰہیہ بتلا دیئے جائیں اور اتنے بتلا دیئے جائیں کہ ایک معرفت ذات کا متلاشی اس راہ سے گذر کر در مقصود تک بسہولت رسائی حاصل کر لے۔ اسی لیے قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ جگہ جگہ اسماء صفاتی استعمال کرتا ہے پھر اپنے ماقبل و مابعد میں ان صفات کے مظاہر بطریق استشہاد پیش کرتا جاتا ہے تا کہ پہلے ان صفات کی عظمت ذہن نشین ہو، اور انسانی قصور ادراک و الفاظ کی وجہ سے ان کے بلند حقائق فہمی میں جو کوتاہی وخامی باقی رہ جائے وہ ان کے مظاہر کو دیکھ کر پوری ہوتی رہے اگر وہ اس کی عزت وقہر کا تذکرہ کرتا ہے تو بتلا دیتا ہے کہ یہ وہ عزت وقہر نہیں جس کی اس کے تصور میں سمائی ہو یا اگر جود ومہر کا ذکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ سمجھا دیتا ہے کہ یہ اس نوع کا جود ومہر نہیں کہ وہاں تک عقل کی رسائی ہو اس کے اسماء وصفات اصل مقاصد نہیں بلکہ ذات کی معرفت کا صرف ایک راستہ ہیں جن میں سے گذر کر ذات پاک کی جھلک نظر آتی رہتی ہے اگر ان اسماء وصفات کا توسط نہ ہوتا تو داغ مہجوری عالم امکان کے لئے ہمیشہ نقد وقت رہتا ذات پاک اپنی بے نیازی میں اور ممکن اپنے ادراک کے عجز وقصور میں ہمیشہ سرگرداں نظر آتا، یہ ذات اقدس کی بڑی فیاضی تھی کہ اس نے اپنی معرفت کے لئے حجاب صفات ڈال دیا ہے کہ جو مشتاق اس ذات مستجمع صفات کا نظارہ کرنا چاہے وہ اس حجاب میں آج بھی نظارہ کرسکتا ہے ۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

سورۂ ملک کو پڑھئے اس کی ابتداء تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ (الملک:۱) سے ہوتی ہے اس میں خدائی ملک کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس کی وسعت کے وہ حدود بتلائے گئے ہیں جو انسانی دسترس سے وراء الوراء ہیں اس ضمن میں ایک ملک والے کے لئے جو اسماء وصفات درکار ہیں ان کو موقعہ بموقعہ ایسا چسپاں کیا گیا ہے کہ گویا وہ آیت اسی اسم کی حقیقت کی تشریح وتفہیم کے لئے اتری ہے اسی لئے علماء معانی نے اعجاز آیات کو قرآن کا ایک اعجاز قرار دیا ہے۔

بہر حال اگر اس تخیل واستحضار کے ساتھ آپ سورۂ ملک پڑھیں تو ابھی آپ آخر سورت تک پہنچنے نہیں پائیں گے کہ الٰہی جبروت و ملکوت کا ایک قاہرانہ تسلط آپ کے دل ودماغ پر مستولی ہو جائے گا۔ استواء علی العرش اور سبع سماوات وارضین عرش وکرسی کا تذکرہ بھی اس لیے نہیں ہے کہ خدا کے لئے کسی بڑے مکان کا تصور قائم کیا جائے بلکہ اس لیے ہے کہ ایک عاجز مخلوق کو ایک نادیدہ ذات کا تعارف ہو تو کیسے ہو اس لیے اس کی پرواز کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور بلند سے بلند تخیل کو اس کے سامنے رکھا گیا ہے تا کہ وہ خدائی عظمت وجلال کی بلند سے بلند رفعتوں کو عبور کرنے کے قابل ہو جائے، یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ الفاظ بلا مصداق ہیں یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے، ہرگز نہیں قرآن شاعرانہ خیال بندی سے بہت دور ہے وہ اسی لیے شعر کی مذمت کرتا ہے کہ اس میں حقیقت نہیں ہوتی اور یہاں صرف حقیقت ہی حقیقت ہے بلکہ عالم قدس نے درحقیقت ان اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور ان کی حقیقتیں اپنی اپنی جگہ موجود ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ذات پاک کا تصور پھر اس سے وراء الوراء ہے یہاں شیخ اکبرؒ کے الفاظ کس قدر قیمتی ہیں وہ فرماتے ہیں۔

ذلک لان صور المعتقدات والمعقولات هی جسور یعبر علیها بالعلم ای یعلم ان وراء هذه المظاهر امراً لا یصح ان یعلم ولا یشهد ولیس وراء ذلک المعلوم الذی لا یشهد ولا یعلم حقیقة ما یعلم اصلا. (الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۴۹)

معتقدات اور معقولات کی صورتوں میں خدائی تجلیات اس لئے ہوتی ہیں کہ وہ علم انسانی کی رسائی کے لئے ایک گذرگاہ اور پل بن سکیں جن سے عبور کر کے یہ علم حاصل ہو جائے کہ ان تجلیات کے پس پردہ کوئی ایسی باکمال ذات موجود ہے جو ہمارے احاطہ علم ومشاہدہ سے وراء الوراء ہے بس ہم اتنا ہی جان سکتے ہیں کہ اسے جان نہیں سکتے۔

کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نار یا نور دیکھا اور حقیقتاً دیکھا "انا ربک فاخلع نعلیک" کی آواز سنی اور حقیقتاً سنی، مگر یہ سب سما اس لیے باندھا گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس ذریعہ سے یہ فطری علم حاصل ہو جائے کہ اس نار کے پس پردہ کوئی نور اعظم ہے اور حقیقتاً ہے جس کے لیے یہ نار اس وقت تجلی گاہ بن رہی ہے جیسا کہ ایک انسان خواب میں خدائے عز وجل کو دیکھتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ آج رات میں نے حقیقتاً خدا کو دیکھا ہے یہاں بھی دراصل اس کے معتقدات کی صورت ہی ہوتی ہے جس میں سے گذر کر اس کے دماغ میں صرف ایک یہ علم آجاتا ہے کہ اس نے خدا کو دیکھا ہے ورنہ خود وہ صورت خدا نہیں ہوتی۔ احادیث میں جہاں جہاں محشر میں رویت باری تعالیٰ کا ذکر ہے وہ بھی تجلیات ہیں جو ہر ہر محل کے مناسب اہل محشر کے سامنے ہوں گی مشاہدہ تجلیات کا ہوگا اور اس ضمن میں علم، ماوراء تجلیات کا ہوتا رہے گا اور یہ علم اسی طرح حدی وفطری ہوگا جیسا کہ ایک ناواقف شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتا اور کہتا ہے کہ میں نے آج شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے حالانکہ بسا اوقات جو صورت وہ دیکھتا ہے وہ حلیہ مبارک سے مطابقت بھی نہیں رکھتی۔ پس جس طرح عالم رؤیا کی یہ صورتیں کسی ذات کی معرفت کے لئے جسور (پل اور راستہ) بن جاتی ہیں، اسی طرح تجلیات خدائی معرفت کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ جو مشہور ہوتا ہے وہ مخلوق ہے اور جو معلوم ہوتا ہے وہ غیر مخلوق ہے اس لیے نہ ان الفاظ میں تاویل کی ضرورت ہے۔ اور نہ ذات پاک کے لئے تجسیم وتشبیہ کی حاجت۔

(حدیث ایک جدید اور عمیق فن ہے اس لیے یہاں ہم حدیث فہمی کے لئے کچھ مزید تشریحات کرتے جاتے ہیں تاکہ شروع سے اس کے سمجھنے کا ایک سلیقہ آجائے یہ اس طرح نہیں ہوگا کہ آپ ایک مرتبہ سن لیں اور بس بلکہ پے در پے جب مختلف احادیث آپ کے سامنے آتی رہیں گی اور ہر جگہ آپ اس حقیقت سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے رہیں گے تو اس مشاقی کے بعد پھر کہیں آپ کا دل ودماغ اس کی حقیقت تک پہنچ سکے گا۔ یہ مضمون ارباب حقائق سے لیا گیا ہے مگر اس کی طرف رہنمائی کا احسان صرف حضرت استاذ کا ہے) (الیواقیت)

عَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رَاَیْتَ رَبَّکَ قَالَ نُوْرَانِیٌّ اَرَاهُ. (رواہ مسلم)

ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا آپ نے اپنے پروردگار کو (شب معراج میں) دیکھا تھا آپ نے جواب دیا "نورانی دیکھا تھا" (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے بعض "نورانی اراہ" پڑھتا ہے۔ ہم نے "نورانی" کے لفظ کو ترجیح دی ہے کیونکہ بعض روایات میں "رأیت نورا" کا لفظ بھی موجود ہے ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے اگر "نورانی اراہ" پڑھا

جائے تو ترجمہ ہوگا کہ وہ نور تھا میں اسے نظر جما کر بھلا کیسے دیکھ پاتا، اس بناء پر بھی بارگاہ الٰہی میں نور ہی کا اطلاق ثابت ہوگا۔ شب معراج میں رویت کی بحث یہاں نہیں ہے اس پر اپنے محل میں گفتگو کی جائے گی۔ قرآن وحدیث خدائی بارگاہ کا جہاں ذکر کرتے ہیں ماحول میں نور ہی نور کا پتہ دیتے ہیں۔ کیوں نہ ہو جب کہ اسماء الٰہیہ میں اس کا ایک اسم ہی "النور" ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور:۳۵) آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی کا نور و جمال روشن ہے۔ مادیات کا عالم سرتاسر ظلمت و تاریکی ہے اور مجردات کا سرتاسر نور، یہ نور جس قدر لطیف اور قوی ہوتا جاتا ہے اسی قدر ادراک نظر و بصر سے باہر ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جو ذات پاک کی تجرد کے انتہائی مراتب میں ہے وہ تمام دنیا کے ادراک نظر و بصر سے بھی باہر ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:۱۰۳) خدا کو کسی کی بصر نہیں پا سکتی۔

احادیث میں عالم مجردات کا جہاں تذکرہ ہے وہاں اس کو نور ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کو اس نور پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ نور آفتاب سے نور بصر زیادہ اہم ہے اور نور بصر سے نور عقل زیادہ اہم پھر جوان میں جس قدر اہم اور قوی ہے اسی قدر غیر محسوس ہے جب مادیات میں یہ نسبت ہے تو اس سے مجردات کا اندازہ کر لیجئے۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِيْ نَعِيْمِهِمْ اِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَاِذَا الرَّبُّ قَدْ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ قَالَ وَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ قَالَ فَنَظَرَ اِلَيْهِمْ فَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلٰى شَيْءٍ مِنْ نَعِيْمِهِمْ مَادَامُوْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ حَتّٰى يَحْتَجِبَ عَنْهُمْ وَيَبْقٰى نُوْرُهٗ. (رواه ابن ماجة)

جابرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب کہ جنتی جنت کی نعمتوں میں مشغول ہوں گے، اچانک ان کے سامنے ایک نور بلند ہوگا وہ سر اٹھائیں گے، کیا دیکھیں گے کہ پروردگار عالم ان پر جلوہ فرما ہے اور فرما رہا ہے اے اہل جنت السلام علیکم، قرآن کریم کی آیت سلام قولا من رب رحیم (یٰسین:۵۸) (سلام کہا جائے گا پروردگار مہربان کی طرف سے) کا یہی مطلب ہے، وہ انہیں دیکھے گا اور یہ اسے دیکھا کریں گے اور (دیدار الٰہی میں ایسے مستغرق ہو جائیں گے کہ) جب تک ادھر نظر رہے گی جنت کی کسی نعمت کی طرف التفات تک نہ کریں گے یہاں تک کہ دیدار ختم ہو جائے گا اور صرف اس کا نور باقی رہ جائے گا۔ (ابن ماجہ)

تشریح۔ والد و اولاد، حاکم و محکوم، احباب و اعزہ کے سلام کی لذت سے تمام دنیا آشنا ہے۔ خالق کے سلام سے لطف اندوزی صرف اہل جنت کا حصہ ہے، یہ تشریف و تکریم کی انتہاء ہے۔ جو ذات کہ نور حقیقی ہے اس کے احتجاب کے بعد نور کا بقاء ایسا ہی ہے جیسا کہ غروب آفتاب کے بعد روشنی کا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اِسْرَافِيْلَ مُنْذُ يَوْمَ خَلَقَهٗ صَافًّا قَدَمَيْهِ لَا يَرْفَعُ بَصَرَهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى سَبْعُوْنَ نُوْرًا مَا مِنْهَا مِنْ نُوْرٍ يَدْنُوْ مِنْهُ اِلَّا اُحْتَرِقَ. (رواه الترمذی وصححه)

عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب سے اسرافیلؑ (صاحب صور فرشتہ) کو

پیدا فرمایا ہے وہ دونوں پاؤں برابر کیے کھڑا ہے، نظر اوپر نہیں اٹھاتا، اس کے اور پروردگار کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں، ہر پردہ ایسا ہے کہ اگر اس کے قریب بھی جائے تو خاک ہوجائے۔ (ترمذی)

حدیث میں حجاب کا عدد ستر مذکور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں صرف کثرت مراد ہے، جیسا کہ اردو میں بھی یہ عدد صرف کثرت کیلئے مستعمل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عام مخلوق اور خاص نورانی مخلوق کے درمیان حجاب کا کچھ فرق بھی ملحوظ ہو بہرحال نفس حجاب کا ثبوت یہاں بھی ہے۔

عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰیؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجِبْرَئِیْلَ ھَلْ رَأَیْتَ رَبَّکَ فَانْتَفَضَ جِبْرَئِیْلُ وَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ سَبْعِیْنَ حِجَابًا مِّنْ نُّوْرٍ لَوْدَنَوْتُ مِنْ بَعْضِھَا لَاحْتَرَقْتُ. (ھکذا فی المصابیح ورواہ ابونعیم فی الحلیۃ عن انس الا انہ لم یذکرنا فانتفض)

بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا ''تم نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟'' یہ سن کر وہ کانپ اٹھے اور بولے اے محمدؐ! میرے اور اس کے درمیان تو نور کے ستر پردے ہیں اگر میں کسی ایک کے نزدیک بھی پہنچ جاؤں تو جل جاؤں۔ اس حدیث کو مصابیح میں ایسا ہی روایت کیا ہے لیکن ابونعیم نے اپنی کتاب الحلیۃ میں بجائے زرارہؓ کے انسؓ سے روایت کیا ہے اور جبرئیل علیہ السلام کے کانپنے کا ذکر نہیں کیا۔

تشریح۔ جبرائیل علیہ السلام جیسے ملک معظم بھی سراپردۂ عظمت وجلال سے دور دور گھوم رہے ہیں وہ ذات ایک اور صرف ایک ہی ذات تھی جس کے لئے سب حجابات اٹھا کر اعلان کردیا گیا تھا کہ آؤ اور اپنے پروردگار کے جمال کا بے پردہ نظارہ کرلو، سبحان اللہ وہ بندہ بھی کتنا مقرب بندہ ہوگا جس کے لئے وہ سارے حجابات اٹھادیئے گئے جن میں سے جبرئیل جیسے ملک مقرب کے لئے ایک بھی نہ اٹھ سکا۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمِیْنُ اللّٰہِ مَلْأٰی لَا یَغِیْضُھَا نَفَقَةٌ سَحَّآءَ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَقَالَ اَرَأَیْتُکُمْ مَآ اَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ فَاِنَّہٗ لَہٗ یَغِضْ مَا فِیْ یَمِیْنِہٖ قَالَ وَعَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ بِیَدِہِ الْاُخْرَی الْمِیْزَانُ یَخْفِضُ وَیَرْفَعُ. (رواہ احمد والشیخان والبیھقی والاربعۃ)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کا دست مبارک ہمیشہ پر ہے فیاضی کرنے سے خشک نہیں ہوتا، شب وروز انعامات کی بارشیں برساتا رہتا ہے آپؐ نے فرمایا کہ جب سے اس نے آسمان وزمین بنایا ہے بھلا کتنا خرچ کیا ہوگا اس پر بھی اس کے دست مبارک میں کوئی کمی نہیں آئی اور آپ نے فرمایا کہ (پہلے) اس کے عرش اور پانی کے درمیان کچھ نہ تھا (پھر بعد میں مخلوق پیدا ہوئی) خدائے تعالیٰ کے دوسرے ہاتھ میں میزان عدل ہے اسے پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ (اس حدیث کو امام احمد اور شیخین اور سنن اربعہ وغیرہم نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ یہ خدائے قدوس کے خزائن اور اس کی فیاضی کی تفہیم ہے تاکہ اس کی محتاج مخلوق میں اس کی طرف ایک فطری انجذاب پیدا ہوجائے۔ اس کا عرش جہاں تھا اب بھی وہاں ہے لیکن پہلے درمیان میں کوئی اور مخلوق نہ تھی پانی ہی پانی تھا اب آسمان وزمین بن گئے اس لیے اس کے نیچے بجائے پانی کے آسمان کہاں جائے گا۔ جامع ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا

ہے کہ سماوات پر اب بھی ایک سمندر ہے اور اس سمندر پر عرش عظیم ہے۔ اگر محدثین اس روایت کو صحیح مان لیں، تو پھر یہاں پانی سے یہ پانی مراد لے لینا اچھا ہے۔ حدیث میں اس کو بحر سے تعبیر کیا گیا ہے مگر یہ وہ بحر نہیں ہے جس کی حقیقت ہم کو معلوم ہو۔ بہر کیف حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ پہلے عرش پانی پر رکھا ہوا تھا پھر کہیں اور اٹھا کر رکھا گیا ہے۔ بلکہ صرف اس کا بیان ہے کہ پہلے اس کے نیچے کیا تھا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ پانی یہی پانی ہو بلکہ ممکن ہے کہ جس کو جامع ترمذی کی روایت میں بحر کہا گیا ہے وہ پانی مراد ہو۔ یہاں حدیث میں دست قدرت کے ایک ہاتھ کو یمین یعنی مبارک کہا گیا ہے دوسرے ہاتھ کو اخریٰ سے تعبیر کیا گیا، یسار کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ مشکوٰۃ میں یہ تصریح ہے کلتا یدی الرحمن، یمین رحمٰن ہر جہت سے پاک ہے۔ اس لیے اس کے دونوں ہاتھ یمین و مبارک ہیں وہاں دایاں یا بایاں نہیں بعض رواۃ نے اخری کی بجائے یسری کا لفظ کہہ دیا ہے، یہ یقیناً راویوں کا تصرف اور روایت بالمعنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عالم غیب کے حقائق ادا کرنے کے لئے جب نطاق الفاظ تنگ ہونے لگتا ہے تو عقول انسانیہ اسے معاف نہیں کرتیں یا پھر اپنے ادراک کے مطابق اس کی شکل و صورت اختراع کرنے لگتی ہیں ورنہ سرے سے انکار کے لئے آمادہ ہو جاتی ہیں۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ انسان بیرون عقل و فکر کو اپنے میزان عقل و فکر میں تولنا چاہتا ہے حالانکہ اس کو اپنی عقل کا قصور معلوم پھر اپنی قوت حافظہ و مخیلہ کا قصور معلوم، اس پر قوۃ واہمہ کا تصادم معلوم اس کے باوجود جب اس کے سامنے معاملات ربانیہ کا ذکر آتا ہے تو وہ اپنی ہی عقل و فکر کی تقلید کرنے لگتا ہے کیا اس کا یہ فرض نہ تھا کہ جو خدائے تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق بتلایا ہے اسے وہ بے چون و چرا مان لیتا اور اپنے اس کفر کی تقلید نہ کرتا جو اسی کے خیال کا مقلد ہے۔ (الیواقیت ص ۹۸۔۹۹)

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقْبِضُ اللّٰہُ الْاَرْضَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَیَطْوِی السَّمَآءَ بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ اَیْنَ مُلُوْکُ الْاَرْضِ. (رواہ احمد والشیخان وغیرھم)

ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا قیامت کے دن خدائے قدوس اپنے دست مبارک میں زمین کو لے گا اور آسمانوں کو لپیٹ کر فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں، اب زمین کے بادشاہ کدھر ہیں۔ (احمد شیخین)

زمین کے لئے لفظ قبض اور آسمانوں کے لئے طی (لپٹنا) کا لفظ قرآن نے بھی استعمال کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین میں طی کی صلاحیت نہیں اور آسمان کا مادہ کوئی ایسی چیز ہے جس میں لپٹنے کی صلاحیت ہے۔ موجودہ سائنس اگر آج افلاک کے وجود کی منکر ہے تو ابھی جلدی نہ کیجئے شاید کہ بہت جلد دوسرے حقائق کی طرح اسے یہاں بھی رجوع کرنا پڑے۔ حدیث کا حاصل عنوان باب سے ظاہر ہے۔

وعَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّی اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ مَا فِیْهَا مَوْضَعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا عَلَیْهِ مَلَکٌ سَاجِدٌ لَوْ عَلِمْتُمْ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَلَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَآءِ عَلَی الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ عَلٰی اَعْلَی الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ وَاللّٰہِ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ شَجَرَةٌ تُعْضَدُ. (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ باتیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چر چر آواز کر رہا ہے اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہئے کیونکہ اس میں چار انگشت برابر بھی کوئی جگہ خالی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ میں پڑا نہ ہوا گر تم وہ باتیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو رویا بہت کرتے اور ہنستے کم اور اپنے بستروں پر اپنی بیویوں سے لطف اندوز نہ ہوتے اور خدا کی طرف شور مچاتے ہوئے جنگلوں میں نکل جاتے۔ابوذرؓ فرماتے ہیں، اے کاش! میں ایک درخت ہوتا (جو جڑ سے) کاٹ دیا جاتا۔ (کہ حساب کا خطرہ نہ رہتا)

تشریح۔ جو بات یہاں شروع میں بطور مقدمہ ارشاد ہوئی ہے وہ تمام عالم غیب پر ایمان وایقان کی روح ہے یعنی عالم غیب ایک ایسا عالم ہے جو ہمارے حواس کے ادراک سے بالاتر ہے اس لیے رسول اس عالم کی جو چیز بھی دیکھتا یا سنتا ہے وہ سب کچھ ہمارے لیے اسی کے اعتماد پر قابل تسلیم ہونا چاہیے یہ عقلی بحث وتمحیص کا میدان نہیں سماع ومشاہدہ کا مقام ہے۔ یہ رسول کا ہی ظرف ہے کہ وہ اس عالم کے خوف ناک مناظرہ کو دیکھتا اور تحمل کر لیتا ہے۔ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا صحابی اس جہان کا ایک مجمل سا حال صرف سن پاتا ہے تو اپنی موت کو حیوۃ پر ترجیح دینے لگتا ہے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عالم غیب عوام کی نظروں سے کیوں پوشیدہ رکھا گیا ہے معلوم ہوا کہ نہ ہر علم ہر مخاطب کے قابل ہے نہ ہر تماشہ ہر ایک کے دیکھنے کے لائق پھر جب رسول جیسا قلب وبصر تمہیں میسر نہیں تو اس سے جھگڑ ومت اور جو وہ کہتا ہے بس اسے مان لو۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ مُذْنِبٌ اِلَّا مَنْ عَافَیْتُ فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ اَغْفِرْلَکُمْ وَمَنْ عَلِمَ اَنِّیْ اَقْدِرُ عَلَی الْمَغْفِرَۃِ فَاسْتَغْفَرَنِیْ بِقُدْرَتِیْ غَفَرْتُ لَہٗ وَلَا اُبَالِیْ وَکُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ ھَدَیْتُ فَاسْتَھْدُوْنِیْ اَھْدِکُمْ وَکُلُّکُمْ فَقِیْرٌ اِلَّا مَنْ اَغْنَیْتُ فَاسْأَلُوْنِیْ اُغْنِکُمْ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ (وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ وَصَغِیْرَکُمْ وَکَبِیْرَکُمْ وَذَکَرَکُمْ وَاُنْثَاکُمْ) وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَشْقٰی قَلْبٍ مِنْ قُلُوْبِ عِبَادِیْ مَا نَقَصَ فِیْ مُلْکِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِیْ مَازَادَ فِیْ مُلْکِیْ مِنْ جَنَاحِ بَعُوْضَۃٍ وَلَوْ اَنْ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ (وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ وَصَغِیْرَکُمْ وَکَبِیْرَکُمْ وَذَکَرَکُمْ وَاُنْثَاکُمْ) وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اجْتَمَعُوْا فَسَأَلَنِیْ کُلُّ سَائِلٍ مِنْھُمْ مَا بَلَغَتْ اُمْنِیَّتُہٗ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ سَائِلٍ مِنْھُمْ مَا سَأَلَ مَانَقَصَنِیْ کَمَا لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ مَرَّ بِشَفَۃِ الْبَحْرِ فَغَمَسَ فِیْھَا اِبْرَۃً ثُمَّ انْتَزَعَھَا کَذٰلِکَ لَا یَنْقُصُ مِنْ مُلْکِیْ، ذٰلِکَ بِاَنِّیْ جَوَادٌ مَاجِدٌ صَمَدٌ عَطَائِیْ کَلَامٌ وَعَذَابِیْ کَلَامٌ (وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَطَائِیْ کَلَامِیْ وَعَذَابِیْ کَلَامِیْ) اِذَا اَرَدْتُ شَیْئًا فَاِنَّمَا اَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ. (رواہ احمد ومسلم والترمذی)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کہتا ہے، اے میرے بندو! تم سب قصور وار ہو مگر وہ جسے میں بچا لوں، تو مجھ سے بخشش طلب کرو میں تمہیں بخش دوں گا جو شخص یہ جانتا ہے کہ مجھے بخشش کی طاقت ہے پھر مجھ سے بخشش مانگتا ہے تو میں اسے بخش دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا، تم سب گم کردہ راہ ہو مگر وہ جس کو میں

راہ دکھلاؤں تم مجھ سے ہدایت مانگا کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا، تم سب محتاج ہو مگر وہ جس کو میں بے نیاز کر دوں تو مجھ سے مانگو میں تمہیں بے نیاز کر دوں گا۔ اگر تمہارے اگلے پچھلے (اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انسان اور جن، چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورت) زندہ اور مردہ، تر اور خشک، سب مل کر میرے بندوں میں سب سے زیادہ شقی القلب بندہ کی طرح ہو جائیں تو میری سلطنت میں مچھر کے پر کے برابر کوئی کمی نہیں آسکتی اور اگر سب کا دل متقی سے متقی انسان کی طرح ہو جائے تو میری سلطنت میں ایک مچھر کے پر کے برابر زیادتی نہیں ہوسکتی۔ اگر تمہارے اول و آخر (اور ایک روایت میں انسان و جن، چھوٹے اور بڑے، مرد و عورت) زندہ اور مردہ، تر اور خشک سب جمع ہوں اور ان میں ہر سائل مجھ سے وہ مانگے جو اس کی انتہائی آرزو ہو پھر ان میں ہر ہر سائل کو میں اس کی منہ مانگی مراد دے دوں تو بھی میرے خزانہ میں کچھ کمی نہ آئے گی جیسا کہ تم میں کوئی شخص سمندر کے کنارے گذرے اور اس میں سوئی ڈبو کر نکال لے (تو سمندر میں کوئی کمی نہیں آتی) اسی طرح میری سلطنت میں کچھ کمی نہیں آتی یہ اس لیے کہ میں سخی ہوں، بزرگی والا ہوں، بے نیاز ہوں، بات میری بخشش اور بات میرا عذاب ہے اور ایک روایت میں ہے، میری بات (میں) میری بخشش ہے اور میری بات (میں) میرا عذاب ہے (کچھ کرنا نہیں پڑتا) اور جب میں کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو صرف یہ کہہ دیتا ہوں کہ موجود ہو جا وہ موجود ہو جاتی ہے۔ (امام احمد اور مسلم اور ترمذی)

تشریح۔ اس حدیث میں خدا کی توحید و عظمت کی وہ روح پھونکی جارہی ہے کہ اس کے بعد اب کوئی ہاتھ نہ رہے جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی طرف اٹھے کوئی دوسری بارگاہ نہ رہے جس پر حاجت روائی کا گمان کیا جاسکے۔ عاصی اگر معصیت کرتا ہے تو جان لے کہ اس کی مضرت اسی کے لیے ہے عابد اگر عبادت کرتا ہے تو سمجھ لے کہ اس کا نفع اسی کی ذات تک محدود ہے اس کی بے نیازی کا یہ عالم کہ اگر تمام مجرمین کو بخش ڈالے تو پرواہ نہیں فیاضی کی یہ انتہاء کہ اگر ایک ایک کو منہ مانگی مراد دے دے تو اس کے خزانہ غیب میں کوئی نقصان نہیں، سلطنت کی یہ قہرمانی کہ اس کے ارادہ و مراد میں تخلف نہیں دنیا میں بڑے سے بڑا تعاون اسباب و عمل کا گرفتار ہے ان کی یہ شان کہ اسباب و مسببات ان کے حکم کے منتظر ہیں۔ سبحان اللہ خدا کا اسلام کتنا باشوکت و عظمت ہے۔

(وَعَنْهُ فِيْ اُخْرٰى) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرْوِىْ عَنْ رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ اِنِّىْ حَرَّمْتُ عَلٰى نَفْسِىَ الظُّلْمَ وَعَلٰى عِبَادِىْ اَلاَ فَلَا تَظَالَمُوْا، كُلُّ بَنِىْ اٰدَمَ يُخْطِئُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُنِىْ فَاَغْفِرُلَهٗ وَلَا اُبَالِىْ، وَقَالَ يَابَنِىْ اٰدَمَ كُلُّكُمْ كَانَ ضَالًّا اِلَّا مَنْ هَدَيْتُ وَكُلُّكُمْ كَانَ عَارِيًا اِلَّا مَنْ كَسَوْتُ وَكُلُّكُمْ كَانَ جَائِعًا اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُ وَكُلُّكُمْ كَانَ ظَمْآنًا اِلَّا مَنْ سَقَيْتُ فَاسْتَهْدُوْنِىْ اَهْدِكُمْ وَاسْتَكْسُوْنِىْ اَكْسُكُمْ وَاسْتَطْعِمُوْنِىْ اُطْعِمْكُمْ وَاسْتَسْقُوْنِىْ اَسْقِكُمْ يَاعِبَادِىْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ (فَذَكَرَ نَحْوَالْحَدِيْثِ الْمُتَقَدِّمِ وَفِيْهِ لَمْ يَنْقُصُوْا مِنْ مُلْكِىْ شَيْئًا اِلَّا كَمَا يَنْقُصُ رَاْسُ الْمِخْيَطِ مِنَ الْبَحْرِ. (رواہ احمد و مسلم والترمذی)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث قدسی میں روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نفس پر بھی ظلم کرنا حرام کیا ہے اور اپنے بندوں پر بھی ظلم کرنا حرام کیا ہے تو سن لو کہ ایک دوسرے پر ظلم

نہ کیا کرو، تمام اولادآدم شب وروز خطا کرتی رہتی ہے پھر مجھ سے معافی مانگتی ہے تو میں اسے معاف کرتا رہتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا اور فرمایا کہ اے اولاد آدم تم سب بے راہ تھے مگر وہ جس کو میں نے راہ دکھائی، سب ننگے تھے مگر وہ جس کو میں نے لباس پہنایا، سب بھوکے تھے مگر وہ جس کو میں نے کھانا کھلایا، سب پیاسے تھے مگر وہ جس کو میں نے پانی پلایا تو مجھ سے ہی ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا، مجھ سے ہی لباس مانگو، میں تمہیں لباس دوں گا، مجھ سے ہی کھانا مانگو، میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا، مجھ سے ہی پانی مانگو میں تمہیں پانی پلاؤں گا، اے میرے بندو! اگر تمہارا اول وآخر (اس کے بعد پہلی حدیث کے قریب مضمون بیان کیا صرف فرق یہ ہے کہ یہاں یہ الفاظ ہیں ''میری سلطنت میں کچھ کمی نہیں پیدا کر سکتے مگر جتنا کہ سوئی کی نوک سمندر کے پانی میں'') (احمد ومسلم ترمذی)

ترغیب وتفہیم کی حد ہوگئی کہ ظلم کے بارے میں خالق نے اپنا بھی استثناء نہیں کیا اور اس کی کراہت وحرمت میں اپنے آپ کو بھی اپنی مخلوق کے برابر ٹھیرالیا۔ مگر مخلوق کی بے حیائی کی بھی انتہاء نہ رہی کہ اس نے اپنے خالق سے آگے بڑھ کر ظلم ہی کو اپنا نصب العین بنالیا۔

عَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجِلُّوا اللّٰہَ یَغْفِرْلَکُمْ قَالَ ابْنُ ثَوْبَانَ (اَحَدُ الرُّوَاۃِ) یَعْنِی اَسْلِمُوْا۔ (رواہ احمد والطبرانی)

ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احترام کرو، وہ تمہیں بخش دے گا، ابن ثوبان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (حدیث کا ایک راوی ہے) کہتا ہے آپ کی مراد یہ تھی کہ اسلام لے آؤ۔ (امام احمد اور طبرانی)

تشریح۔ معلوم ہوا کہ دیگر مذاہب خدائے تعالیٰ کے احترام کا کتنا ہی دعویٰ کریں مگر اس کا صحیح احترام اب صرف اسلام قبول کرنے میں ہے۔

عَنْ حُذَیْفَۃَ بْنِ الْیَمَانِؓ قَالَ قَالَ اَتٰی رَجُلٌ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ لَقِیْتُ بَعْضَ اَھْلِ الْکِتَابِ فَقَالَ نِعْمَ الْقَوْمُ اَنْتُمْ لَوْلَا اَنَّکُمْ تَقُوْلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ کُنْتُ اَکْرَھُھَا مِنْکُمْ فَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ مُحَمَّدٌ۔ (رواہ احمد والطیالسی)

حذیفہ بن الیمانؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں کسی اہل کتاب سے ملا تو اس نے مجھ سے کہا کہ تم کیا اچھے لوگ تھے اگر ماشاء اللہ وشاء محمدؐ نہ کہا کرتے (یعنی جو اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں بھی تمہاری اس بات کو ناپسند کیا کرتا تھا لہٰذا (بجائے اس کے) یہ کہا کرو ماشاء اللہ ثم محمدؐ (پہلے جو خدا چاہے اس کے بعد جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں) اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد طیالسی نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ عربی زبان میں واؤ شرکت کے لئے آتا ہے اور ثم تراخی وتاخیر کے لئے اس لیے عقیدہ خواہ کچھ بھی ہو مگر بارگاہ خداوندی کی عظمت چاہتی ہے کہ اس کی صفات میں عبارتی شرکت کا بھی شائبہ نہ آنے پائے۔ جہاں عبارتی ادب اتنا ہے وہاں عقیدہ کا ادب کتنا ہوگا۔ حدیث تو یہ کہتی ہے مگر آپ سوچئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں، اسلام کی توحید کیا ہے اور آپ کا عمل کہاں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجَعَلْتَنِیْ وَاللّٰہِ عِدْلًا بَلْ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ۔ (رواہ احمد)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ (جو اللہ تعالیٰ چاہے

اورآپ چاہیں) آپ نے اس شخص سے کہا کہ کیا تو نے مجھے اور اللہ تعالیٰ کو برابر کر دیا؟ صرف یہ کہہ جو ایک اللہ چاہے۔ (امام احمد)

یعنی خدا اور رسول کا احترام الگ الگ پہچانو اور ہر ایک کے حقوق کو خلط ملط نہ کرو، خدا کا احترام یہ ہے کہ جہاں وہ ہے وہاں کوئی نہیں۔ حقیقۃً شرکت تو درکنار وہاں لفظی شرکت ومساوات بھی مکروہ عمل ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيَّامُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَاَخَّرْتُ وَاَسْرَرْتُ وَاَعْلَنْتُ اَنْتَ اِلٰهِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ. (رواہ احمد والشیخان ومالک والثلاثۃ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شب میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو کہتے اے اللہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں زمین وآسمان اور جو مخلوق اس میں ہے سب کا نور تو ہے اور تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ زمین وآسمان اور جو مخلوق اس میں ہے سب کا وجود قائم رکھنے والا تو ہے اور تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ تو سچا اور تیرا قول سچا ہے تیرا وعدہ سچا اور تیرا ملنا سچا ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت کی آمد حق ہے، اے اللہ! میں تیرا ہی مطیع ہوا، تجھ پر ہی ایمان لایا، تجھ پر ہی بھروسہ کیا، تیری ہی طرف متوجہ ہوا، تیری ہی طاقت سے اپنے دشمن کا مقابلہ کیا، تیری ہی طرف فیصلہ کے لئے آیا، میرے گناہ جو میں کر چکا اور جو بعد میں کیے، جو پوشیدہ کیے اور جو کھلے طور پر کیے، سب بخش دے تو میرا معبود ہے، سوائے تیرے میرا کوئی اور معبود نہیں۔ (امام احمد شیخین)

تشریح۔ حقیقت یہ ہے کہ ادعیہ واذکار کو لوگ غور سے نہیں پڑھتے۔ حالانکہ اسلام میں خدائی عظمت کا ٹھیک ٹھیک پتہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا صحیح سراغ اسی نیم شب کے نالہ وبکا میں ملتا ہے ایک دعا میں جو تین تین بار ولک الحمد کہہ جاتا ہو ایک نماز میں جو ہر بار رکوع سے اٹھ کر ربنا ولک الحمد کہتا ہو سوچو کہ اس کے قلب میں اپنے خالق کے لئے کتنا جذبہ حمد پنہاں ہوگا پھر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو تو اور کیا ہو۔ اللھم صل وسلم وبارک علیہ مادارت الملوان.

خدائے تعالیٰ عزوجل کی تنزیہی صفات

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍؓ اَنَّ الْمُشْرِكِيْنَ قَالُوْا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُحَمَّدُ اُنْسُبْ لَنَا رَبَّكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص) (رواہ احمد)

ابی بن کعبؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمدؐ! ہمیں اپنے پروردگار کا نسب تو بتلایئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ قل ھو اللہ الخ آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ہے بے نیاز، نہ کسی کو اس نے جنا نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ (احمد)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ كَذَّبَنِیْ عَبْدِیْ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ تَكْذِیْبُهٗ اِیَّایَ (وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَمَّا تَكْذِیْبُهٗ اِیَّایَ) اَنْ یَّقُوْلَ فَلَنْ یُّعِیْدَنَا كَمَا بَدَأَنَا، وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ یَقُوْلُ اتَّخَذَ اللهُ وَلَدًا وَاَنَا الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لِّیْ كُفُوًا اَحَدٌ (رواہ احمد والشیخان)

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی اور یہ اس کو مناسب نہ تھا اور مجھے برا بھلا کہا حالانکہ یہ اس کے لیے موزوں نہ تھا۔ اس کا میری تکذیب کرنا (ایک روایت میں یوں ہے کہ بہرحال اس کا مجھے جھٹلانا تو) یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اس نے جیسا ہمیں پہلے پیدا کیا تھا ایسے ہی پھر زندہ نہیں کرے گا اور اس کا برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میں نے کسی کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا ہے نہ کسی نے مجھ کو اور نہ میرا کوئی نظیر و ہمسر ہے۔ (اس حدیث کو امام احمد شیخین)

تشریح۔ بہت سے الفاظ صرف اعتقادیات کی نجاستوں سے ہی ملوث نہیں ہوتے بلکہ اخلاقی لحاظ سے بھی گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ شریعت اسلام ہر ایک کو ذوق فطرت کے مطابق متاثر کرنا چاہتی ہے اگر کوئی عقائد کی تطہیر و تنزیہ کا مذاق نہیں رکھتا تو کم از کم اخلاقی لحاظ سے اس کو معقول کرنا چاہتی ہے اور سمجھاتی ہے کہ جو الفاظ تم اپنے منہ سے نکالتے ہو یہ صرف عقائد شرکیہ ہی نہیں بلکہ سب وشتم او رخدائے پاک کے تکذیب کے بھی الفاظ ہیں تم کہتے ہو کہ قیامت نہیں آئے گی مگر اس کلمہ کی شناعت صرف ایک عقیدہ کی حد تک نہیں ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس خدا نے تمہیں دوبارہ پھر زندہ کرنے کا ذکر کیا ہے گویا اس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے، تم کہتے ہو کہ اس کے بیٹا ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے کسی کو جنا ہے تو اس کو بھی کسی نے جنا ہوگا اور یہاں جب سلسلہ ولادت ہے تو اس کے لئے بیوی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ سوچو کہ جو ذات مادیات کی ہر ظلمت سے بالاتر ہے اس کے لئے مادیات کے اس نازل تخیل کا قائم کرنا اخلاق سے کتنی گری ہوئی بات ہے۔ ایک درشت خو مگر سادہ فطرت رکھنے والے کے لئے کیا خوب طریقہ تفہیم ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ یُؤْذِیْنِیْ ابْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدِیْ الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ. (رواہ احمد والشیخان وغیرھم)

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ابن آدم مجھے تکلیف دینا چاہتا ہے، دہر اور زمانہ کو برائیاں لگاتا ہے حالانکہ زمانہ (کچھ نہیں وہ) تو میں ہی ہوں، سب تصرفات میرے قبضہ میں ہیں، شب و روز کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔ (اس حدیث کو احمد، شیخین وغیرہم نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ اسلامی ادب کی یہ انتہائی نزاکت ہے کہ ایک انسان جب اپنی عام بات چیت میں ایسے محاورات استعمال کر بیٹھتا ہے جس کی زد بارگاہ صمدیت پر پڑ سکتی ہے تو وہ ان کو عام بول چال میں لانا بھی پسند نہیں کرتا اور خدائی عظمت کو ہر وقت و ہر لحظہ اتنا دل نشین کر دینا چاہتا ہے کہ غفلت کے حال میں بھی ہر چھوٹے بڑے تصرف کی نسبتیں سب ایک ہی ذات کی طرف رکھی جائیں بالخصوص جب کہ اس کے سامنے وہ لوگ بھی موجود ہیں جو زمانیات کو زمانہ ہی کے تاثیر کا نتیجہ قرار دیتے ہوں، اس وقت اگر ایک

توحید کا قائل بھی کسی استعارہ ومجاز میں یہی تعبیر اختیار کرلے تو پھر ایک اسلامی اور دھری میں کیا فرق باقی رہے گا۔ اب سوچو کہ جو مذہب تمہارے الفاظ کو بھی شرک سے اتنا دور رکھنا چاہتا ہے وہ تمہارے قلب ودماغ کو کتنا دور رکھنا چاہتا ہوگا۔ دل ودماغ پر معانی کا انعکاس الفاظ ہی کے واسطہ سے ہوتا ہے اس لیے عام بول چال میں بھی غفلت کرنا مناسب نہیں ہے ہمارے دور میں محض وقتی دلچسپی کے لئے شریعت کے عقائد واعمال کا استہزاء کوئی بات نہیں رہی یہ غلط طریقہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہوکر رہے گا کہ ایک دن ان کی وقعت حقیقۃً دلوں سے نکل جائے گی اور یہ وقتی خوش مذاقی دائمی بدمذاقی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی یَسْمَعُہٗ مِنَ اللّٰہِ یَدْعُوْنَ لَہُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْھِمْ وَیَرْزُقُھُمْ. (متفق علیہ)

ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدائے تعالیٰ سے زیادہ تکلیف دہ کلمات سن کر تحمل کرنے والا کوئی نہیں، مشرکین اس کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں، وہ اس پر بھی انہیں عافیت بخشتا اور روزی پہنچاتا رہتا ہے۔ (شیخین)

تشریح۔ خدا کی ذات پاک کسی کی ایذاء دہی سے بالاتر ہے۔ مگر جب اس کی بنائی ہوئی مخلوق اپنی جانب سے ایذاء دہی کے سامان تیار کرلیتی ہے تو وہ اس کی اطلاع دے دیتا ہے کہ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ مگر اس کے جواب میں عافیت و رزق فرماتا رہتا ہے اگر اس کے سوا دوسرے جواب کا ارادہ کرلے تو سب دنیا ویران ہوجائے، ہماری پستی اور اس کی بلندی، ہماری تنگ ظرفی اور اس کی فراخ حوصلگی، ہماری بغاوت اور اس کے تحمل کا یہ نقشہ قیامت تک یونہی جاری رہے گا۔ اسلام چاہتا ہے کہ فردائے قیامت میں اپنے حلقہ بگوشوں کو اس رسوائی سے بچالے۔

اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت

انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا پہلا تعارف اگرچہ صفت ربوبیت کے ذریعہ سے قائم ہوا ہے مگر ربوبیت کی اصل روح رحمت ہی ہے اس لیے سورۂ فاتحہ میں رب العالمین کے بعد رحمٰن ورحیم کی صفت کا ذکر ہے اگر رحمت نہ ہوتی تو یہ تربیت بھی ہوتی بلکہ تمام جہان کی پیدائش ہی اسی رحمت کا ثمرہ ہے۔ رحمت ہی کا یہ جوش تھا کہ بلا مطالبہ، بلا استحقاق محض عدم کو لباس وجود عطا کیا مگر رحمت کا اقتضاء صرف معدوم کو موجود اور معصوم کو بخش کر پورا نہیں ہوتا تھا اس لیے رحمٰن نے بالقصد نور وظلمت سے ایک مرکب مخلوق بنائی تا کہ وہ گناہ کرے اور جب وہ بھولے سے بھی استغفار کے لئے ہاتھ اٹھائے تو رحمت کو بخشش کا بہانہ مل جائے یہ گناہ کر کر کے شرمندہ ہوا کرے وہ معاف کر کے فخر کیا کرے، فلاسفہ ومعتزلہ کو صرف عادل خدا درکار ہے مگر ہم گنہگاروں کو وہ عادل درکار ہے جس کے غصہ پر اس کی رحمت غالب ہو، یہ عجیب بات ہے کہ گنہگاروں کو رحمٰن کی اتنی تلاش نہیں، جتنی رحمٰن کو گنہگاروں کی اور یہی وجہ ہے کہ معصومین موجود تھے مگر گنہگاروں کی جگہ پھر خالی تھی، رحمت کا جوش چاہتا تھا کہ ان کو بخشے جن پر فرد جرم لگ چکی ہو، جب اسے کوئی ایسا نہ ملا تو اس نے ایک مخلوق اسی صفت کی پیدا فرمائی مگر جب یہ مخلوق پیدا ہوئی تو ان میں سے بہتوں نے رحمٰن کا دروازہ چھوڑ دیا رحمت بلاتی رہ گئی اور انہوں نے منہ پھیر کر بھی نہ دیکھا مگر جب عمر بھر روگردانی کے بعد بھی سمجھ آ گئی تو رحمت نے پھر گلے لگانے سے

کسی کو انکار نہ کیا اور گذشتہ سب گستاخیوں پر قلم عفو کھینچنے کا اعلان کر دیا۔ صفت قہر وغضب پوری تمامیت وکمال کے باوجود اپنے مستحقین پر اترنے کے لئے بھی مشیت کا انتظار کرتی ہے مگر صفت رحمت ہے کہ ہر چیز کو بلاتفریق محیط ہے **رحمتی وسعت کل شیء** عالم کا کوئی گوشہ نہیں جسے صفت رحمت سے کوئی نہ کوئی حصہ نہ ملا ہو، اسی اعتبار سے عرش پر اسم رحمٰن کی تجلی ہے تاکہ تمام مخلوق رحمت کے نیچے بسر کرے اور اسی لیے جو نوشتہ کہ عرش رحمٰن کی زینت بنا ہوا ہے وہ یہ کہ **ان رحمتی سبقت غضبی۔**

اس سبقت وغلبہ کے اظہار کے لئے رحمت کی کچھ کرشمہ سازیاں میدان محشر میں نظر آئیں گی انہیں پڑھ کر خدا کی صفت قہر وغضب سے مطمئن نہ ہونا چاہئے رحمت کی سبقت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں صفت غضب نہیں، گناہوں کی باز پرس، مظلوموں کی دادرسی نہیں، ظالموں کی بیداری، متکبروں کے غرور، مفسدین کے بگاڑ کا کوئی حساب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک انسان سو قتل کرکے اور ایک کا فر عمر بھر کی بغاوت کے بعد بھی رحمت کی طرف متوجہ ہونا چاہے تو رحمت پھر حساب نہیں لگائے گی اور ان جیسے مجرمین کے لئے بھی اس میں وسعت نظر آئے گی۔ لیکن کوئی مجرم اگر صفت رحمت کا خود سہارا نہیں ڈھونڈھتا تو پھر اسے خدائی غضب کی پکڑ سے مامون نہ رہنا چاہئے۔

شیخ اکبرؒ نے سہل تستریؒ اور ابلیس کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے کہ ایک دن ابلیس نے ان سے کہا جب قرآن **رحمتی وسعت کل شیء** کہتا ہے (یعنی میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے) تو پھر کس دلیل سے تم مجھے رحمت سے نکال سکتے ہو کیا میں شئے نہیں، سہل کہتے ہیں یہ اعتراض سن کر میں حیران رہ گیا اور دل ہی دل میں بار بار آیت کے سیاق وسباق پر غور کرنے لگا دفعۃً مجھے خیال آیا کہ اس کے آگے ہی اس کا جواب موجود ہے۔ **فسأ کتبها للذین یتقون** (میں اپنی رحمت ان کے لئے لکھ دوں گا جو متقی ہیں) میں نے بڑی خوشی خوشی کہا اے ملعون مگر اس رحمت کو اللہ تعالیٰ نے چند قیود کے ساتھ مقید کیا ہے چونکہ تجھ میں وہ صفات نہیں اس لیے تو رحمت کا مستحق بھی نہیں، یہ جواب سن کر ابلیس ہتک آمیز لہجہ میں مسکرا پڑا اور بولا اے سہل میرا خیال تمہارے متعلق یہ نہ تھا کہ تم اور صفات الٰہیہ سے اتنے جاہل ہو گے تقیید تو تمہاری صفت ہے خدائے تعالیٰ کی جو صفت بھی ہے وہ قیود کے داغ سے مبرا ومنزہ ہے، وہاں اطلاق ہی اطلاق ہے، سہلؒ کہتے ہیں اس کا یہ اعتراض سن کر میرا منہ خشک ہو گیا اور مجھے کوئی جواب نہ آیا۔ (الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۵۶)

حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب) قدس سرہ فرماتے تھے کہ آیت میں صرف خدائی رحمت کی وسعت کا بیان کیا گیا ہے جواز خود اس میں نہ آئے یہ اس کا قصور ہے رحمت کی وسعت کا نہیں۔ اگر ایک مکان میں سو آدمیوں کی گنجائش ہے مگر اس مکان میں آنے والے صرف پچاس ہی آدمی ہوں تو اس میں مکان کی وسعت کا قصور نہیں یہ نہ آنے والوں کی کوتاہی ہے، شیطان اور اس سے بڑھ کر متمرد کے لئے بھی رحمت میں ہر وقت گنجائش ہے مگر وہ خود ہی اگر نہ آئے تو یہ اس کی بدنصیبی ہے، **انلزمکموها وانتم لها کارهون.**

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ. (اعراف: ۱۵۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ میری رحمت میں ہر چیز کی سمائی ہے تو اس کو ہم ان کے لئے لکھ دیں گے جو پرہیزگار ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَقَالَ تَعَالٰى قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ

يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (الزمر: ۵۳)

کہہ دیجئے! اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، اللہ کی مہربانی سے آس مت توڑو، بے شک اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ سب گناہ بخش سکتا ہے، وہی گناہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِیْ كِتَابِهٖ فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ اِنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ غَضَبِیْ.

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرلیا تو لوح محفوظ میں یہ لکھ دیا، میری رحمت میرے غصہ سے بڑھی ہوئی ہے یہ تحریر اس کے سامنے عرش پر موجود ہے۔

تشریح۔ کارخانہ عالم تمام کا تمام اسباب و مسببات کا محکوم ہے اس لیے احادیث میں اگر کہیں کتاب و کتابت کا ذکر آجاتا ہے تو اس کو نہ مجاز و استعارہ بنانے کی ضرورت ہے نہ کسی اور تاویل یا تامل کی۔ ہاں اس جسارت و دلیری کی بھی ضرورت نہیں کہ عالم غیب کو عالم شہادت پر قیاس کر کے کاغذ، قلم، دوات کے جو آلات یہاں درکار ہیں وہی عالم بالا میں تصور کر لیے جائیں۔

رحمت کی سبقت کا یہ مطلب ہے کہ نزول قہر کے لئے سبب درکار ہے مگر رحمت کو سبب کا انتظار نہیں اس لیے رحمت ہمیشہ غضب سے بڑھی رہتی ہے۔ یہ کتبہ اس لیے عرش پر رکھا گیا ہے کہ اس کے نیچے بسنے والی مخلوق مطمئن رہے کہ اس کے مقدمہ کی سماعت آئین رحمت کے ماتحت ہوگی صفت انتقام یا صرف صفت عدل کے ماتحت نہیں۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَاللّٰهِ مِنَ الْعُقُوْبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهٖ اَحَدٌ وَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَاللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهٖ اَحَدٌ.

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر مؤمن جانتا اللہ تعالیٰ کا عذاب کتنا ہے تو اس کی جنت کی کوئی طمع نہ رکھتا اور اگر کافر جانتا خدا کی رحمت کتنی ہے تو اس کی جنت سے کوئی مایوس نہ رہتا۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَعَلَ اللّٰهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ فَاَمْسَكَ عِنْدَهٗ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ وَاَنْزَلَ فِی الْاَرْضِ جُزْءًا وَاحِدًا فَمِنْ ذَالِكَ الْجُزْءِ تَتَرَاحَمُ الْخَلَائِقُ حَتّٰى تَرْفَعَ الدَّابَّةُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةَ اَنْ تُصِيْبَهٗ.

تشریح۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصہ کیے، ننانوے حصہ تو اپنے لئے محفوظ رکھے ہیں اور صرف ایک حصہ زمین والوں کو بخشا ہے، یہی ایک حصہ ہے جس سے مخلوق باہم ایک دوسرے کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرتی ہے، یہاں تک کہ جانور اپنا پاؤں اپنے بچے سے ہٹالیتا ہے اس خوف سے کہ کہیں اس پر جانہ پڑے۔

خدائی صفات کمالیہ کا یہ کمال ہے کہ ہر ایک اپنی جگہ اتنی کامل ہے کہ ایک کا نظارہ دوسرے کے تصور سے غافل بنادیتا ہے مگر خدا کی ذات کا یہ کمال ہے کہ اس کی ہر شان ہر وقت یکساں ظہور کرتی رہتی ہے وہ عین رحمت کے حال میں غضب اور عین غضب کے حال میں رحمت کرتا رہتا ہے۔

نَبِّئْ عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (الحجر: ۴۹، ۵۰)

(میرے بندوں کو بتادیجئے کہ غفور رحیم صرف میں ہوں اور میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے)

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ اَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ فَبِهَا يَتَعَاطَفُوْنَ وَبِهَا يَتَرَاحَمُوْنَ وَبِهَا تُعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰى وَلَدِهَا وَاَخَّرَهَا اللّٰهُ تِسْعًا وَتِسْعِيْنَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (متفق عليه وفي رواية مسلم في اخره قال فاذا كان يوم القيامة اكملها بهذه الرحمة. (روى هذه الاربعة الشيخان والترمذى)

ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے لئے سو رحمتیں ہیں جس میں سے اس نے جن و انس، جانوراور موذیات میں رحمت کا صرف ایک حصہ اتارا ہے، اسی ایک حصہ کی وجہ سے وہ باہم ایک دوسرے کی طرف جھکتے اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اسی ایک حصہ کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچہ سے الفت رکھتا ہے (بقیہ) رحمت کے ننانوے حصوں کو اس نے قیامت کے دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے کہ ان سے اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا اور مسلم میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان ننانوے حصوں کو رحمت کے اس ایک حصہ سے پورا کر کے (پوری سو کی سو رحمتوں سے اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (شیخین اور ترمذی)

تشریح۔ غیر محدود رحمت کے تصور سے انسان عاجز ہے اور اس کو سمجھانا یہ ہے کہ تمام عالم میں پھیلی ہوئی رحمت اور تنہا خدا کی اس رحمت میں جو یوم حساب میں ظاہر ہوگی کیا تفاوت ہے، اس تفاوت کے ذہن نشین کرنے کے لئے یہ ایک فرضی حساب بیان کیا گیا ہے تاکہ فکر انسانی کو غیر محدود رحمت کے اندازہ کرنے کا راستہ مل جائے ورنہ غیر محدود کو نہ سو میں تقسیم کیا جا سکتا ہے نہ دو سو میں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ درجات جنت سو ہیں اور جنت میں جانا چونکہ بلا رحمت الٰہیہ ہو نہیں سکتا اس لیے ہر درجہ کے مقابلہ میں رحمت کا ایک جزء بتلا دیا گیا ہے۔ حدیث نمبر ۳۷ میں اسی کی توضیح و تفہیم مقصود ہے۔

عَنْ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِفُلَانٍ وَاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَتَاَلّٰى عَلَيَّ اَلَّا اَغْفِرَ لِفُلَانٍ فَاِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَاَحْبَطْتُ عَمَلَكَ اَوْ كَمَا قَالَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَسْتُرُ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدٍ فِي الدُّنْيَا اِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه مسلم)

جندبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے خدا کی قسم کھا کر کہا وہ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا، خدائے تعالیٰ نے فرمایا یہ کون ہے جو مجھ پر قسم کھا رہا ہے کہ میں فلاں کو نہیں بخشوں گا (جا) میں نے فلاں کو بخشا اور تیرے عمل اکارت کیے (راوی کو تردد ہے کہ یہ یا اس کے مشابہ کوئی اور جملہ فرمایا) اور ایک روایت میں یہ ہے جس بندہ کی اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ پوشی فرمالے (امید ہے کہ) آخرت میں بھی ضرور اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (مسلم)

تشریح۔ مسند امام احمد میں اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں دو دوست تھے ایک عبادت گذار دوسرا گنہگار تھا۔ یہ اس گنہگار سے کہا کرتا گناہ مت کیا کر وہ جواب دیتا تجھے کیا پڑی ہے میں جانوں اور میرا رب اس نے ایک دن اسے کوئی بڑا گناہ کرتے دیکھا تو پھر اس کو روکا اس نے کہا تو مجھ پر کوئی داروغہ تو مقرر نہیں ہے اسے غصہ آیا اور خدا کی قسم کھا کر کہا جا خدا تیری مغفرت نہیں کرے گا

اور نہ تجھے اپنی جنت میں داخل کرے گا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے موت کا فرشتہ بھیجا اس نے دونوں کی روح قبض کر لی، جب اس کے دربار میں دونوں کی پیشی ہوئی تو پہلے گنہگار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جا تو میری رحمت سے جنت میں چلا جا۔ پھر اس سے کہا تیری طاقت ہے کہ تو میرے بندہ پر میری رحمت روک دے؟ وہ بولا ''اے رب ہر گز نہیں''، حکم دیا ''اسے دوزخ میں لے جاؤ'' اس حدیث میں اس کی صفت قدرت کا مظاہرہ ہے یعنی وہ چاہے تو ایک گنہگار کو صرف اپنی رحمت سے بخش دے اور چاہے تو ایک نیکوکار کو ادنیٰ سی بات پر گرفت فرما لے۔ احادیث میں لفظ ''لاابالی'' اس کی اسی شان بے نیازی کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں اس نکتہ نواز کو گنہگار کی اعتماد رحمت کی ادا پسند آ گئی اور عابد کی خدائی رحمت پر اس وثوق کے ساتھ اپنی جانب سے بندش ناگوار گذری اس لیے نتیجہ پلٹ گیا۔ مخلوق کو چاہیے کہ خالق کے عذاب وثواب کی تقسیم میں کسی حال دخل انداز نہ ہو، ہم عمل کے مخاطب ہیں اور جزاء کا وہ مختار ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رض اَنَّهُ قَالَ قَدِمَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ بِسَبْيٍ فَاِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ تَبْتَغِيْ اِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ اَخَذَتْهُ فَاَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَاَرْضَعَتْهُ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَرَوْنَ هٰذِهِ الْمَرْأَةَ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟ قُلْنَا لَا وَاللّٰهِ وَهِيَ تَقْدِرُ اَنْ لَاتَطْرَحَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا. (رواہ الشیخان)

عمر بن الخطاب رض روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے، ان میں ایک عورت پر نظر پڑی جو اپنا بچہ تلاش کرتی پھرتی تھی جونہی اس کو بچہ مل گیا اسی وقت اس نے اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور دودھ پلانے لگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کیا یہ عورت اپنے اس بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے ہم نے عرض کیا خدا کی قسم نہیں بالخصوص جب کہ اس کو آگ میں نہ ڈالنے کی قدرت بھی ہے (کوئی مجبوری نہیں) اس پر آپ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر زیادہ پیار ہے بہ نسبت اس عورت کے اپنے بچہ پر۔ (شیخین)

تشریح۔ آگے حدیث آ رہی ہے اور یہ ان دونوں جگہ آنکھوں کے سامنے مخلوق کی محبت وشفقت کا انتہائی جوش نظر آ رہا ہے، انسانی فطرت شناس چاہتا ہے کہ اسی تاثر کے حال میں اس کو وہ رحمت یاد دلائے جس کو صرف سمجھانے کے لئے اس سے سو گنا زیادہ کہا گیا ہے اور اس طرح خدا کی رحمت کی عظمت اتنی ذہن نشین کر دے کہ یہ مخلوق کی رحمتیں نظروں میں ہیچ ہو جائیں۔ اسلامی عقائد صرف علوم نہیں بلکہ فطرت کے تاثرات اور ان کے نقش ونگار ہیں، خدائی رحمت کا ہمیں صرف علم درکار نہیں بلکہ وہ یقین درکار ہے جس کے بعد بے ساختہ قلب میں اس کی طرف ایک انجذاب محسوس ہونے لگے۔

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَاَزِيْدُ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا اَوْ اَغْفِرُ وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً وَمَنْ لَقِيَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطِيْئَةً لَا يُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَقِيْتُهٗ بِمِثْلِهَا مَغْفِرَةً. رواہ مسلم والترمذی ولفظہ قال اللہ تعالیٰ **يَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَرَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰی مَا كَانَ فِيْكَ وَلَا اُبَالِيْ**

يَا ابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَآءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَا اُبَالِيْ يَا ابْنَ آدَمَ اِنَّكَ لَوْ اَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَاَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً.

ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا اللہ تعالیٰ کہتا ہے جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس گناہ بدلہ ملے گا اور میں اس پر بھی اضافہ کروں گا اور جو برائی کرے گا اس کو صرف ایک برائی کا بدلہ ملے گا اور امکان یہ بھی ہے کہ میں اسے معاف کردوں، جو میری طرف ایک بالشت قریب آئے گا میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب آ ؤں گا اور جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوگا میں اس کے دو ہاتھ قریب ہوں گا اور جو میری طرف ٹہلتا ہوا آئے گا میں اس کی طرف لپکتا ہوا آ ؤں گا جو مجھ سے زمین کے برابر گناہ کر کے ملے گا میں اس سے اتنی ہی بڑی مغفرت لے کر ملوں گا۔ بشرطیکہ اس نے میرا کسی کو شریک نہ ٹھیرایا ہو۔ اس حدیث کو مسلم ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی کے الفاظ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے ابن ادم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امید لگائے رکھے گا میں تجھے بخشتا رہوں گا خواہ تیرے عمل کیسے بھی ہوں اور میں بے نیاز ہوں اے ابن آدم! اگر تیرے گناہوں کا ڈھیر آسمان تک پہنچ جائے پھر تو مجھ سے معافی مانگنا چاہے تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت لے کر آ ؤں گا بشرطیکہ تو نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھیرایا ہو اور میں بے نیاز ہوں اے ابن آدم! اگر تو زمین کے برابر خطاؤں کا بوجھ لے کر میرے پاس آئے اور مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ تو نے شرک نہ کیا ہو تو میں اسی کے برابر تیرے پاس مغفرت لے کر آ ؤں گا۔

تشریح۔ قرب وبعد کو حدود میں محصور تصور کرنے والا انسان جب ان قیود سے بالاتر ہستی کے قرب وبعد کا ذکر سنتا ہے تو اس کو بھی بالشتوں اور گزوں سے ناپنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو ان حدود سے آزاد ہے اس کے لئے ان حدود کا تصور کیوں کیا جائے۔ انسان خواب کے عالم میں بہت کچھ دیکھتا ہے مگر نہیں بتلاسکتا کہ اس کو اس جہان سے تحت وفوق یا قرب وبعد میں سے کون سی نسبت حاصل ہے وہ دیکھتا ہے کہ وہ اسی جیسے وسیع جہان میں پھر رہا ہے حالانکہ وہ سارا جہان اس میں ہے اور یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ اس میں ہے اس سے کتنا قریب ہے کتنا بعید ہے۔ شریعت الفاظ کی تنگی کی وجہ سے ہماری تفہیم کے لئے ایک مؤثر انداز بیان اختیار کرتی ہے ہم اس کی صورت ڈھالنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہاں حدیث کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ جتنا بندہ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس سے زیادہ رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ مادی کا قرب مادی سے بے شک مکانی ہے مگر مجرد کا مجرد سے یا مادی کا مجرد سے یا مجرد کا مادی سے مکانی قرب نہیں بایں ہمہ آخری تین قسموں میں جو قرب ہے وہ پہلی قسم سے کہیں زیادہ ہے باپ اور بیٹے میں بعد مسافت کے باوجود جو قرب ہے وہ دو اجنبی شخصوں میں ایک جگہ بیٹھ کر بھی نہیں۔ اسی لحاظ سے نبی کو جو قرب ومحبت مؤمنوں کی جانوں سے حاصل ہوتا ہے وہ خود ان کو اپنی جانوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ قرب مکانی کا رشتہ بہت ضعیف وکمتر رشتہ ہے، قرب کی ہر تعبیر کو زمان ومکان کی قیود میں محدود کردینا بڑی کوتاہی ہے، خدا ایک مطیع وفرمانبردار بندہ سے بہت قریب ہے اور اتنا قریب ہے کہ اس کی رگ جاں بھی اتنی قریب نہیں مگر وہ قرب نہیں جو مادی کا مادی سے ہوتا ہے بلکہ وہ جو مجرد کو مادی سے ہوسکتا ہے۔ اسی طرح وہ عاصی ونافرمان سے بہت بعید ہے مگر وہ بعد نہیں جس کا حدود ونہایات سے اندازہ کیا جا سکے غرض کہ اگر وہ قریب ہے تو اتنا کہ اس سے زیادہ کوئی قریب نہیں اور بعید ہے تو ایسا کہ اس سے زیادہ کوئی بعید نہیں مگر دونوں صورتوں میں اس کا

قرب وبعد وہی ہے جو ایک مجرد کو مادی سے ہوسکتا ہے نہ وہ جو مادی کو مادی سے شیخ اکبر فرماتے ہیں۔

ومن عجبی انی احسن الیھم　　واسأل عنھم دائما وھم معی
وتبکیھم عینی وھم فی سوادھا　　وتشتاقھم روحی وھم بین اضلعی

(الیواقیت والجواہر ص ۶۰)

"یعنی مجھے اپنے حال پر تعجب ہے کہ میں کیوں ان کا مشتاق رہتا ہوں اور ان کے متعلق ہمیشہ کیوں دریافت کرتا پھرتا ہوں جب کہ وہ ہمہ وقت میرے ساتھ ہیں اور اس پر کہ میری آنکھیں ان کے لئے کیوں رویا کرتی ہیں، جب کہ وہ اس کی پتلی میں موجود ہیں اور میری جان ان کے لئے کیوں مشتاق رہتی ہے حالانکہ وہ میرے دل میں جلوہ فگن ہیں۔"

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِیْ يَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُهُ فَاِذَا اَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرُهُ الَّذِیْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِیْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ يَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِيْذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ. (رواہ البخاری)

ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے، میرا بندہ میرا تقرب کسی اور عمل سے جو مجھے پسند ہو اتنا حاصل نہیں کرتا جتنا کہ اس عمل سے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے تا آنکہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا وہ کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہ ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے اور وہ پاؤں جن سے وہ چلتا ہے اب اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے گا تو میں اسے دوں گا اور اگر میری پناہ میں آنا چاہے گا تو میں اپنی پناہ میں لے لوں گا، اور مجھے کسی کام کرنے میں جو مجھے کرنا ہے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مومن کی روح قبض کرنے میں اسے موت پسند نہیں ہوتی اور مجھے اس کا دل گیر ہونا گوارا نہیں ہوتا اور موت اس کے لئے ناگزیر ہوتی ہے۔ (بخاری)

تشریح۔ دو انسانوں کے درمیان مراحل محبت طے کرتے کرتے بسا اوقات ایسے اثرات نظر آنے لگتے ہیں جنہیں ایک اجنبی شخص بھی دیکھ کر یہ اندازہ کرلیتا ہے کہ ضرور ان دو شخصوں میں کوئی ایسا تاثر و مغلوبیت کا تعلق ہے جس نے ان کے ظاہر کو بھی مسخر کرلیا ہے وہ دیکھتا ہے کہ نشست و برخاست کے اوضاع و اطوار سے گذر کر ان کے خط و خال میں بھی صفت ہمرنگی پیدا ہوگئی ہے، جب آرزو کے اتحاد، ارادہ کے اتحاد، جذبات کے اتحاد کے ساتھ ظاہر کا یہ اتحاد بھی نظر آنے لگتا ہے تو اس اتحاد کی صحیح ترجمانی کے لئے لفظ اتحاد کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں ملتا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

متنبّی کہتا ہے

ما الخل الا من أود بقلبه وأری بطرف لا یری بسوائه

فارسی وعربی کے شعراء نے آثار محبت کے ادائیگی کے لئے جس مناسب تعبیر کا انتخاب کیا ہے وہ لفظ اتحاد ہے مگر ان الفاظ سے یہاں کسی کو بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ اس اتحاد کی وجہ سے ان کی حقیقی اثنینیۃ باقی نہیں رہتی پھر جب مخلوق کے دائرہ میں ان الفاظ سے یہ کھلی ہوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تو خالق ومخلوق کے درمیان کسی تعبیری توسع سے عقیدہ کی غلط فہمی کیوں پیدا ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ جب ایک بندہ راہ عبدیت پر گامزن ہوتا ہے اور فرائض ونوافل کے سبب عجز ونیاز کے قدم اٹھاتا چلا جاتا ہے تو یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اب اس کے ظاہر وباطن کو سلطان الوہیت نے پورا پورا مسخر کر لیا ہے اگر وہ سنتا ہے تو وہی سنتا ہے جسے خدا نے سننے کا امر کیا ہے اگر دیکھتا اور بولتا ہے تو وہی دیکھتا اور بولتا ہے جس کی اسے اجازت دی گئی ہے اگر وہ اپنا ہاتھ یا قدم اٹھاتا ہے تو وہیں اٹھاتا ہے جہاں اس کے مولیٰ نے اس کے لئے اٹھانا پسند کیا ہے اس کے سوا نہ وہ کچھ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ اور کوئی ادنیٰ جنبش کرتا ہے تو اس ربط محبت کے اظہار کے لئے لامحالہ وہی الفاظ اختیار کرنے پڑتے ہیں جو اس موقعہ ومحل کے لئے مانوس ہیں پھر جس طرح وہاں ان الفاظ کا کھلا ہوا مطلب صرف اس رشتہ محبت کی ترجمانی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ان الفاظ کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ اب یہ بندہ وادی محبت طے کرتا ہوا اپنے مولیٰ کی رضا وتسلیم میں فنا ہو چکا ہے اور اوامر شریعت کا اس طرح مطیع ومنقاد ہو گیا ہے جیسا کہ ایک شائستہ گھوڑا اپنے سوار کے اشارات کا، نہ اس گھوڑے کی حس وحرکت اپنی ہے نہ اس بندہ کی نقل وحرکت اپنی، دیکھنے میں تو یہ خود ٹھہرتا اور حرکت کرتا ہے اور حقیقت میں اس کی حس وحرکت اس کے مالک ہی کی ہے اس کے جوارح اس کے ارادہ کے مظاہر بنے ہوئے ہیں۔ جب مخلوق کی قوت ارادی اس درجہ فنا ہو جاتی ہے کہ اس کی حرکت وسکون دوسرے کے ارادہ کے تابع ہو جائے تو پھر اس کا حکم اسی صاحب ارادہ کے تابع ہو جاتا ہے۔ کتا جیسا خبیث جانور معلم ہو کر جب اپنی قوت ارادی فناء کر دیتا ہے اور ہمہ تن اپنے مالک کی رضاء کے تابع ہو جاتا ہے تو شریعت نے اس کے جوارح کا اپنا کوئی حکم باقی نہیں رکھا بلکہ جو اس کے مالک کا حکم ہے اس کا بھی وہ حکم رکھ دیا ہے اسی لیے اگر وہ کتا مسلمان کا ہے تو اس کا شکار حلال ہے اور اگر کافر کا ہے تو اس کا شکار حرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس درجہ فنائیت کے بعد اب یہ شکار کتے کا ہے ہی نہیں بلکہ اس کے مالک کا ہے اگر وہ مسلمان تھا تو یہ بھی حلال ہے اسی طرح جب بندہ اپنے ارادات کو فنا کر دیتا ہے تو پھر یہ اطلاق درست ہو جاتا ہے کہ اس کے سمع وبصر مشیت ایزدی کا مظہر بن گئے ہیں آپ نے دیکھا کہ فناء ارادہ کے اس مرحلہ پر پہنچ کر کس طرح ایک کتا اپنے مالک کا حکم اختیار کر لیتا ہے مگر جب ایک انسان شریعت کی متابعت کی بجائے اس سے ٹکرانے لگتا ہے تو پھر اس کا حکم جانور سے بدتر ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ایک مشکل لفظ تردد ہے کیونکہ خدا کی بارگاہ میں تردد کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں مگر یہاں ایک عمیق حقیقت ہے جس کے سمجھانے کے لئے اس کے سوا کوئی اور لفظ بھی نہیں اور وہ ایک معاملہ ہے جو انسان کی موت کے سلسلہ میں خالق کی جانب سے پیش آتا ہے ظاہر ہے کہ موت فطرت انسان کے لئے ایک تلخ گھونٹ ہے جو اپنے اختیار سے پسند نہیں کیا جاسکتا رحمت چاہتی

ہے کہ اس کے لئے اسے تیار کر دے اور اتنا تیار کر دے کہ وہ اسے لقاء رب کی شیرینی سمجھ کر بشوق و رغبت خود پینے کی خواہش کرنے لگے یہ کیونکر ہو اس کے لئے وہ اسباب پیدا کرتی ہے یعنی موت سے قبل مصائب کا ہجوم، تجارت میں نقصان، دوستوں کی بے وفائی، عزیزوں کی بے رخی، اولاد کی سرکشی جیسے صبر آزما واقعات پے در پے رونما ہوتے رہتے ہیں ادھر اس کا دل دنیا سے سرد ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت آنے سے پہلے کہ دنیا اس سے جبراً چھڑائی جائے خوشی خوشی از خود ترک کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ عین عیش و راحت اور پورے لذت و اطمینان کی ساعات میں اسے موت آ جاتی مگر رحمت عبد مؤمن کی موت اس طرح نہیں چاہتی کہ فرشتہ اس کو لقاء رب کی دعوت دیتا رہے اور وہ حیوۃ دنیا کو ترجیح دیتا رہے۔ بندہ کی فطری حرص زندگی اور رحمت کے اسباب نفرت کی ان تمہیدوں کا صحیح نقشہ کھینچنے کے لئے تردد کے لفظ سے زیادہ پیارا کوئی اور لفظ نہیں ہے یعنی اگر کوئی دور سے بیٹھ کر بندہ کو موت پر رضا مند کرنے کے لئے ان ترددات کو دیکھے تو یہی سمجھے کہ شاید قدرت کو اس کی موت کے لئے بڑا اہتمام کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ موت پسند نہیں کرتا وہ اسے دلگیر کرنا پسند نہیں کرتا اس لیے بڑے لطائف الحیل سے گویا اس کو تیار کیا جا رہا ہے۔ یہ سب صرف مؤمن کی تشریف و تکریم کے لئے، قدرت اگر چاہے تو بلا کسی ادنیٰ پس و پیش کے ایک آن میں روح قبض کرے مگر اس صورت میں اس کی قدرت و اختیار کا ہی مظاہرہ ہوگا جو بلاشبہ ہے، مؤمن کی تشریف و تکریم کیا ظاہر ہوگی جو ہر طرح محتاج ہی محتاج ہے اس اعزاز و اکرام کی خاطر یہاں بلا کسی ادنیٰ تردد کے وہ سماں باندھا جاتا ہے جس کو بجز لفظ تردد کسی اور طرح تعبیر نہیں کیا جا سکتا اسی کو شیخ اکبرؒ نے فرمایا تھا کہ جب الفاظ کے دائرے حقائق غیب کی صحیح ترجمانی سے تنگی کرنے لگتے ہیں تو وہ خود تنزل کر کے اپنی بارگاہ کے لئے ان الفاظ و تعبیرات کی اجازت دے دیتے ہیں جن کا استعمال ان کی بارگاہ میں سرتاسر گستاخی تھا۔

اس تمام قیل و قال سے قطع نظر کر کے سمجھو کہ یہاں اصل مقصد یہ بتلانا ہے کہ اسلام کا خدا تمام تر استغناء و جلال کے باوجود اپنی مخلوق سے لاپرواہ نہیں اور اسی لیے اسلام کے خدائی تصور میں مخلوق کیلئے جتنی جاذبیت و کشش ہے اتنی کسی دوسرے مذہب کے خدائی تصور میں نہیں۔ وللہ المثل الاعلیٰ.

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَحْكِي عَنْ رَّبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ قَالَ اَذْنَبَ عَبْدٌ ذَنْبًا. فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَذْنَبَ عَبْدِيْ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَاَذْنَبَ فَقَالَ اَيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَبْدِيْ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَاَذْنَبَ فَقَالَ اَيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَذْنَبَ عَبْدِيْ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ.

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی میں روایت کرتے ہیں کہ ایک بندہ نے گناہ کیا اور کہا اے اللہ! میرا گناہ بخش دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اتنا سمجھا کہ اس کا کوئی پروردگار بھی ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے۔ اس کی کچھ مدت بعد پھر گناہ کرتا اور کہتا ہے کہ اے رب! میرا گناہ بخش دے حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے گناہ کیا اور اتنا سمجھا کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جو گناہ بخشتا اور اس پر مواخذہ

کرتا ہے۔ پھر کچھ مدت بعد وہ بندہ گناہ کرتا اور کہتا ہے کہ اے رب! میرا گناہ بخش دے حق تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے گناہ کیا اور یہ سمجھا کہ کوئی اس کا پروردگار ہے جو گناہ بخشا اور اس پر گرفتا کرتا ہے۔
(اگر تیری انابت کا یہی طور ہے) تو اب جو چاہے کر میں نے تجھے بخش دیا۔

تشریح۔یعنی خدا کی رحمت پر اعتماد اور اس کی قدرت پر پورا یقین رکھنے کی دو صفتیں نزول مغفرت کا سب سے بڑا سامان ہیں۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

حدیث انا عند ظن عبدی بی کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی خدائے تعالیٰ کا اپنے بندہ سے معاملہ اس کے اعتماد و وثوق کے بقدر ہوتا ہے اگر اس کو یہ یقین ہے کہ گناہوں پر گرفت یا چشم پوشی کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے اس حسن عقیدت کا خلاف کرنا پسند نہیں کرتا اور اس کے لئے مغفرت کا اعلان کر دیتا ہے۔''جو چاہے کرو'' یہ لفظ تہدید و تخویف، اعزاز و تشریف کے دونوں مقام پر بولا جاتا ہے اور دونوں جگہ اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ قرینہ مقام کے مناسب یا صرف تخویف مراد ہوتی ہے یا تشریف۔قرآن کریم میں اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (فصلت:۴۰) اور من شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:۲۹) اسی محاورہ پر استعمال ہوا ہے۔محاورات میں منطق چلانا نہیں چاہیے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ حَسَنَةً قَطُّ لِاَهْلِهِ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ فَوَاللهِ لَئِنْ قَدَرَ اللهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ فَلَمَّا مَاتَ الرَّجُلُ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمْ فَاَمَرَ اللهُ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَاَمَرَ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ ثُمَّ قَالَ لِمَا فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَاَنْتَ اَعْلَمُ فَغَفَرَ اللهُ لَهُ.

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے جس نے کبھی کوئی نیک عمل نہ کیا تھا اپنے گھر والوں سے یہ وصیت کی کہ دیکھو جب اس کی وفات ہو جائے تو اسے جلانا پھر اس کی نصف خاک جنگل میں اڑا دینا اور نصف دریا میں بہا دینا۔خدا کی قسم! اگر کہیں حق تعالیٰ نے اس کو جمع کر لیا تو ایسا عذاب دے گا کہ تمام جہان میں ایسا عذاب کسی کو نہ دے گا۔اس شخص کا انتقال ہو گیا اور گھر والوں نے اس کی وصیت پوری کر دی۔حق تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا (کہ اس کے اجزاء پریشان کو جمع کرے) اس نے سب جمع کر دیئے اور (اسی طرح) سمندر کو حکم دیا تو اس نے بھی اس کے جو اجزاء اس میں تھے جمع کر دیئے اس کے بعد فرمایا (بول) تو نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟ اس نے عرض کیا، اے پروردگار! صرف تیرے خوف و ڈر سے اور تو خود خوب واقف و دانا ہے۔اس پر حق تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی۔

تشریح۔یہاں اس گنہگار نے شدت خوف و مایوسی کے عالم میں عذاب الٰہی سے نجات کا ایک غلط راستہ تجویز کیا تھا اور اس اضطراب میں جو بے مصداق کلمات ایک جاہل کے منہ سے نکل سکتے ہیں نکال دیئے تھے جب قدرت نے اس پر علمی گرفت نہیں کی تو آپ بلاوجہ کیوں اس پر گرفت کرتے ہیں ایک جاہل کے الفاظ سے اس کے عقائد کا اندازہ لگانا نہ چاہیے اس کی عبارت ہمیشہ قاصر، اس کے الفاظ ہمیشہ ناتمام ہوتے ہیں۔غلط عمل ہمیشہ غلط ہے اور کسی وقت قابل تحسین نہیں مگر نیت اگر اچھی ہو تو

جہالت کی بعض معذوریوں میں رحمت اسے نبھا لیتی ہے اس لیے یہاں اس شخص کی مغفرت اس کے عمل کا نتیجہ سمجھنا نہ چاہیے بلکہ یہ کرشمہ رحمت ہے۔ رحمت کے ساتھ جب پوری قدرت، پورا اختیار حاصل ہو تو اس قسم کے کرشموں کا ظہور ضروری ہے۔ احادیث میں لفظ "لا أبالي" مجھے پرواہ نہیں اسی انداز استغناء کی طرف اشارہ ہے خدائی قدرت کے ساتھ اگر رحمت کا غلبہ ہو تو بڑے سے بڑا گناہ بے وزن ہو جاتا ہے اور اگر قسمت وعدل کا رجحان ہو تو بڑی سے بڑی عبادت بے وزن ہے۔ ضعیف انسان کی سرتا سر ناقص عبادت کا وزن ہی کیا ہو سکتا ہے اس میں تمام وزن اس وقت پیدا ہوتا ہے جب شرف قبولیت میسر آ جائے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِیْنَ نَفْسًا فَسَأَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَھْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰی رَاھِبٍ فَاَتَاہُ فَقَالَ اِنَّہٗ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِیْنَ نَفْسًا فَھَلْ لَّہٗ مِنْ تَوْبَةٍ فَقَالَ لَا فَقَتَلَہٗ فَکَمَّلَ بِہٖ مِائَةً ثُمَّ سَأَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَھْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰی رَجُلٍ عَالِمٍ فَاَتَاہُ فَقَالَ اِنَّہٗ قَتَلَ مِائَةَ نَفْسٍ فَھَلْ لَّہٗ مِنْ تَوْبَةٍ فَقَالَ نَعَمْ وَمَنْ یَّحُوْلُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ التَّوْبَةِ اِنْطَلِقْ اِلٰی اَرْضِ کَذَا وَکَذَا فَاِنَّ بِھَا اُنَاسًا یَعْبُدُوْنَ اللّٰہَ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مَعَھُمْ وَلَا تَرْجِعْ اِلٰی اَرْضِکَ فَاِنَّھَا اَرْضُ سُوْءٍ فَانْطَلَقَ حَتّٰی اِذَا نَصَفَ الطَّرِیْقَ اَتَاہُ الْمَوْتُ فَاخْتَصَمَتْ فِیْہِ مَلَائِکَةُ الرَّحْمَةِ جَاءَ تَائِبًا مُقْبِلًا بِقَلْبِہٖ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی وَقَالَتْ مَلَائِکَةُ الْعَذَابِ اِنَّہٗ لَمْ یَعْمَلْ خَیْرًا قَطُّ فَاَتَاھُمْ مَلَکٌ فِیْ صُوْرَةِ اٰدَمِیٍّ فَجَعَلُوْہُ بَیْنَھُمْ فَقَالَ قِیْسُوْا مَا بَیْنَ الْاَرْضَیْنِ فَاِلٰی اَیَّتِھِمَا کَانَ اَدْنٰی فَھُوَ لَہٗ فَقَاسُوْہُ فَوَجَدُوْہُ اَدْنٰی اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ اَرَادَ فَقَبَضَتْہُ مَلَائِکَةُ الرَّحْمَةِ. (روی ھذہ الثلاثة الشیخان)

ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص تھا اس نے ننانوے قتل کیے اور اپنے شہر کے سب سے بڑے عالم کو دریافت کیا تو اس کو ایک درویش کا پتہ بتایا گیا وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں، کیا اب بھی اس کے لئے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ اس نے جواب دیا "نہیں" اس نے اسے بھی قتل کر ڈالا اور پورے سو کر دیئے، پھر کسی بڑے عالم کو دریافت کیا تو کسی اور عالم کا پتہ بتایا گیا وہ اس کے پاس پہنچا اور کہا کہ اس نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، اس نے کہا اس کے اور اس کی توبہ کے درمیان بھلا کون حائل ہو سکتا ہے، فلاں فلاں بستی میں چلا جا، جہاں خدائے تعالیٰ کے عبادت گذار بندے رہتے ہیں تو بھی جا کر ان کے ساتھ عبادت کر اور اپنے وطن کی طرف واپس مت لوٹ کہ وہ معصیت کی زمین ہے وہ چلا، جب نصف راستہ پر پہنچا تو اس کی موت آ گئی، یہاں عذاب و رحمت کے فرشتوں میں حجت ہونے لگی رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ توبہ کر کے خدا کی طرف دلی توجہ سے آ رہا تھا اور عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے اپنی گذشتہ زندگی میں کبھی کوئی نیک کام کیا ہی نہ تھا۔ اسی درمیان میں ان کے پاس انسانی صورت میں ایک فرشتہ آیا انہوں نے اس کو اپنا پنچ بنا لیا اس نے کہا اچھا دونوں زمینوں کا فاصلہ ناپو جس طرف وہ زیادہ قریب نکلے ادھر ہی کا سمجھا جائے ناپا تو وہ ادھر زیادہ قریب نکلا جدھر اس نے جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس لئے رحمت کے فرشتوں نے اسے قبض لیا۔ (شیخین)

تشریح۔ ایک بے گناہ قتل پر دائمی عذاب آئین عدل ہے اور سو بے گناہ قتل پر اغماض آئین فضل یہ قادر مختار کی مرضی اور

وقت کی بات ہے کہ جس آئین پر چاہے عمل کرلے۔ اس حدیث کے ایک طریق میں تھوڑا سا جزء اور مذکور ہے اور وہ یہ کہ جب فرشتوں نے زمین کی پیمائش شروع کر دی تو اس کو حکم ہوا کہ جس طرف اس قاتل کا رخ تھا اس طرف ذرا قریب ہو جائے اور جس طرف اس کی پشت تھی اس طرف ذرا بعید ہو جائے۔ جب انہوں نے پیمائش کی تو جس جانب اس کا رخ تھا ایک بالشت زمین بڑھی ہوئی نکلی۔ گویا قدرت نے ان دو متضاد آئین میں یہاں خود توفیق کی یہ صورت تجویز کر لی کہ اس کا فضل صورت عدل میں نمودار ہو۔ اس لیے زمین کی ناپ تول تو اس لیے رہی کہ عدل کی صورت محفوظ رکھی جائے۔ صرف ایک بالشت بھر زمین کی زیادتی پر غلبہ رحمت اس لیے ہوا کہ آئین فضل کا مظاہرہ ہو جائے۔ ہمارے اس بیان سے صرف ایک بالشت بڑھنے کا نکتہ بھی حل ہو گیا ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہوگا کہ عدل وفضل کی باگ صرف اختیار قدرت میں ہے اس لیے صفت عدل پر نظر کر کے مایوسی یا اس کے فضل پر بھروسہ کر کے بے خوفی دونوں راہیں صواب نہیں۔ **یدعون ربهم خوفا وطمعا**. اپنے رب کو اس طرح پکارنا چاہیے کہ اس کے قہر کا خوف اور اس کے مہر کی طمع ہر وقت لگی رہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حَدِيْثًا اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِ مَرَّاتٍ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ كَانَ الْكِفْلُ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ لَا يَتَوَرَّعُ مِنْ ذَنْبٍ عَمِلَهُ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَاَعْطَاهَا سِتِّيْنَ دِيْنَارًا عَلٰى اَنْ يَطَأَهَا فَلَمَّا قَعَدَ مِنْهَا مَقْعَدَ الرَّجُلِ مِنِ امْرَأَتِهٖ اَرْعَدَتْ وَبَكَتْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ اَاَكْرَهْتُكِ؟ قَالَتْ لَا وَلٰكِنَّهُ عَمَلٌ مَا عَمِلْتُهُ قَطُّ وَمَا حَمَلَنِيْ عَلَيْهِ اِلَّا الْحَاجَةُ فَقَالَ تَفْعَلِيْنَ اَنْتِ هٰذَا وَمَا فَعَلْتِهٖ اِذْهَبِيْ فَهِيَ لَكِ وَقَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا اَعْصِي اللّٰهَ بَعْدَهَا اَبَدًا فَمَاتَ مِنْ لَيْلَتِهٖ فَاَصْبَحَ مَكْتُوْبًا عَلٰى بَابِهٖ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لِلْكِفْلِ. (رواه الترمذی)

ابن عمرؓ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حدیث سات مرتبہ سے زیادہ فرماتے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ کفل بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا (یہ وہ رسول نہیں ہے جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے) کسی گناہ سے پرہیز نہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت اس کے پاس آئی، اس نے ساٹھ دینار اس شرط پر اس کو دیئے کہ اس سے زنا کرے، جب وہ اس جگہ بیٹھ گیا جہاں مرد اس خیال سے عورت کے سامنے بیٹھا کرتا ہے تو وہ کانپ اٹھی اور رو پڑی، اس نے پوچھا کیوں روتی ہے؟ کیا میں نے تجھے کچھ مجبور کیا ہے؟ وہ بولی نہیں لیکن یہ کام کبھی میں نے اپنی عمر بھر نہیں کیا تھا مگر اب صرف اپنی حاجت روائی کی مجبوری سے کرنا پڑتا ہے اس نے کہا اچھا کبھی تو نے یہ کام نہیں کیا؟ اور اب مجبوراً کرتی ہے، جا یہ دینار میں نے تجھے یونہی بخشے اور قسم کھائی کہ آج کے بعد میں کبھی خدائے تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا (اتفاق) کہ اسی شب میں اس کا انتقال ہو گیا صبح کو اس کے دروازہ پر یہ نوشتہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا۔ (ترمذی)

تشریح۔ بعض عمل اپنے عزم وخلوص کی وجہ سے مقبولیت کا وہ رتبہ حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کا تنہا وجود مغفرت کا سامان بن جاتا ہے۔ یہ صرف انسانی عمل کا کمال نہیں بلکہ رحمت کی قدردانی کی بات ہے یہ کفل کتنا ہی بدکار سہی مگر اس موقعہ پر خدائی خوف کا جو نقشہ اس نے پیش کیا شاید ہی کوئی عمر بھر کا نیک مشکل سے پیش کر سکتا ہے اس کا ایسے گناہ سے اس طرح اٹھ کھڑا ہونا جہاں انسان کی کمزور فطرت لغزش کھائے بغیر نہیں رہ سکتی پھر آئندہ کے لئے خدا کی نافرمانی سے احتراز کا عزم کر لینا ایسی پسندیدہ ادا تھی

کہ اس ایک ہی ادا پر رحمت نے اس کی ساری عمر کی سیہ کاریوں سے چشم پوشی کر لی اور بنی اسرائیل کی سنت کے مطابق اس کی مغفرت کا لکھا ہوا اعلان لوگوں نے دیکھ لیا۔ بنی اسمٰعیل میں یہ سنت منسوخ ہو گئی۔ اس امت میں گناہ کو پردہ پوش کر لیا جاتا ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَلْتَمِسُ مَرْضَاةَ اللّٰهِ فَلَا يَزَالُ بِذٰلِكَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِجِبْرِيْلَ اِنَّ فُلَانًا عَبْدِيْ يَلْتَمِسُ اَنْ يُرْضِيَنِيْ اَلَا وَاِنَّ رَحْمَتِيْ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ جِبْرِيْلُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰى فُلَانٍ وَيَقُوْلُهَا حَمَلَةُ الْعَرْشِ وَيَقُوْلُهَا مَنْ حَوْلَهُمْ حَتّٰى يَقُوْلَهَا اَهْلُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ ثُمَّ تَهْبِطُ لَهٗ اِلَى الْاَرْضِ. (رواہ احمد)

ثوبانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش رکھتا ہے اور اس تلاش میں لگا ہی رہتا ہے تو اللہ عزوجل جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں فلاں میرا بندہ مجھے راضی کرنے کی تلاش میں ہے تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میری رحمت اس کے لئے ہو چکی، یہ سن کر جبرئیل علیہ السلام آواز لگاتے ہیں کہ فلاں شخص پر خدا کی رحمت ہے اس کے بعد حاملین عرش یہی نداء دیتے ہیں پھر آس پاس کے فرشتے یہی کہتے ہیں یہاں تک کہ ساتوں آسمان والے یہی کہتے ہیں اس کے بعد اس کے لئے اہل زمین (کے قلوب) میں رحمت پیدا ہو جاتی ہے۔ (امام احمد)

تشریح۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مقبولیت ونفرت اسباب کا ثمرہ نہیں خالق کی قبولیت ونفرت کا نتیجہ ہے۔

قرآن کریم نے یہ اصول ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم: ۹۶)

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لئے رحمٰن ضرور محبت پیدا کرے گا۔"

عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهٗ يَعْنِيْ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَقْبَلَ رَجُلٌ عَلَيْهِ كِسَاءٌ وَفِيْ يَدِهٖ شَيْءٌ قَدِ الْتَفَّ عَلَيْهِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَرْتُ بِغَيْضَةِ شَجَرٍ فَسَمِعْتُ فِيْهَا اَصْوَاتَ فِرَاخِ طَائِرٍ فَاَخَذْتُهُنَّ فَوَضَعْتُهُنَّ فِيْ كِسَائِيْ فَجَاءَتْ اُمُّهُنَّ فَاسْتَدَارَتْ عَلٰى رَأْسِيْ فَكَشَفْتُ لَهَا عَنْهُنَّ فَوَقَعَتْ عَلَيْهِنَّ فَلَفَفْتُهُنَّ بِكِسَائِيْ فَهُنَّ اُولَاءِ مَعِيْ قَالَ ضَعْهُنَّ فَوَضَعْتُهُنَّ وَاَبَتْ اُمُّهُنَّ اِلَّا لُزُوْمَهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَعْجَبُوْنَ لِرُحْمِ اُمِّ الْاَفْرَاخِ فِرَاخَهَا فَوَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ اُمِّ الْاَفْرَاخِ بِفِرَاخِهَا اِرْجِعْ بِهِنَّ حَتّٰى تَضَعَهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَخَذْتَهُنَّ وَاُمُّهُنَّ مَعَهُنَّ فَرَجَعَ بِهِنَّ. (رواہ ابوداؤد)

عامر رام رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم آپ کی خدمت میں (راوی تفسیر کرتا ہے) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص آیا اس پر ایک کملی تھی اور اسکے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جو اس میں لپیٹ رکھی تھی اس نے کہا یا رسول اللہ! میں جھاڑیوں میں گذرا تو مجھے پرندوں کے بچوں کے بولنے کی آواز آئی میں نے ان کو پکڑ لیا اور اپنی کملی میں رکھ لیا، ان کی ماں آئی اور میرے سر پر گھومنے لگی میں نے کملی بچوں کے اوپر سے ہٹا دی وہ بچوں پر آ پڑی میں نے سب کو لپیٹ لیا اور وہ سب میرے ساتھ یہ موجود ہیں، آپ نے فرمایا: ان کو نیچے رکھ دو، میں نے رکھ دیا، ان کی ماں ان سے پھر جدا نہ ہوئی، آپ نے فرمایا: کیا

تم اس ماں پر اپنے بچوں کی اس محبت سے تعجب کر رہے ہو، اس ذات کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے جتنی اس کو اپنے بچوں سے محبت ہے، خدائے عزوجل کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ جاؤ اور جہاں سے تم نے ان بچوں کو پکڑا ہے وہیں رکھ آؤ اور ان کی ماں کو بھی ان کے ساتھ لے جاؤ وہ شخص ان سب کو لے کر واپس چلا گیا۔ (اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا انداز تعلیم ہے کہ بچوں کے کھیل تماشہ میں یہاں ذات وصفات کے عمیق مسائل ایسے پر تاثیر طریقہ پر ذہن نشین کر دیئے جاتے ہیں کہ پھر وہ فطرت کا مقام حاصل کر لیتے ہیں اور کسی غور و خوض تکلف و تصنع کے محتاج نہیں رہتے جس طرح ماں کی محبت ایک بدیہی اور یقینی حقیقت ہے وہ خدا کی محبت کا ایسا ہی یقین پیدا کر دیتے ہیں اور اسی لیے ایمانی عقائد میں وہ کیف و سرور اور لذت و مسرت محسوس ہونے لگتا ہے جو فطری احساسات میں ہوا کرتا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ غَزَوَاتِهِ فَمَرَّ بِقَوْمٍ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا نَحْنُ الْمُسْلِمُوْنَ وَامْرَأَةٌ تَحْضِبُ بِقِدْرِهَا وَمَعَهَا ابْنٌ لَهَا فَاِذَا ارْتَفَعَ وَهَجٌ تَنَحَّتْ بِهِ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَلَيْسَ اللّٰهُ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ قَالَ بَلٰى قَالَتْ اَلَيْسَ اللّٰهُ اَرْحَمَ بِعِبَادِهِ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِهَا قَالَ بَلٰى قَالَتْ اِنَّ الْاُمَّ لَا تُلْقِيْ وَلَدَهَا فِي النَّارِ فَاَكَبَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ اِلَيْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِهِ اِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِيْ يَتَمَرَّدُ عَلَى اللّٰهِ وَاَبٰى اَنْ يَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواہ ابن ماجہ)

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ کا ایک قوم پر گذر ہوا تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ کون لوگ ہو؟ وہ بولے مسلمان، ان میں ایک عورت اپنی ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ تھا جب آگ کی لپٹ اٹھتی اپنے بچہ کو ایک طرف ہٹا لیتی وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی ''رسول اللہ آپ ہی ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ''میں ہی ہوں'' وہ بولی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا خدا ارحم الراحمین نہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک ہے۔ اس نے کہا کیا خدا اپنے بندوں پر زیادہ مہربان نہیں بہ نسبت ایک ماں باپ کے اپنے بچوں پر؟ فرمایا بے شک ہے، اس نے کہا ایک ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا سر مبارک جھکا لیا اور رو پڑے پھر سر اٹھایا اور فرمایا خدا اپنے بندوں میں کسی کو عذاب نہیں دے گا مگر صرف اس سرکش کو جس کی سرکشی خدا کے ساتھ بھی قائم ہے جو لا الہ الا اللہ کہنے کو تیار نہیں ہوتا۔ (ابن ماجہ)

تشریح۔ اس عورت کے سوال پر خدا کی بے نہایت رحمت کا نقشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا اور آپ پر گریہ رحمت طاری ہو گیا۔ اس تاثر اور بے خودی کے عالم میں اس کو آپ نے اتنا ہی مختصر جواب دے دیا کہ خدا کی رحمت نے تو کسی کو اپنے دامن سے باہر نہیں رکھا مگر کیا کیا جائے کہ اس کی بعض سرکش مخلوق نے خود ہی اس کے دامن میں آنے سے انکار کر دیا۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيَ الدُّنْيَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا. الْاٰيَةَ (الزمر: ۵۸)

فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ اَشْرَکَ فَسَکَتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. (رواہ احمد)

ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے اگر اس آیت کے بدلہ میں مجھے تمام دنیا مل جائے تو بھی مجھے پسند نہیں **یا عبادی** الخ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے امید نہ توڑو، الخ۔ ایک شخص نے عرض کیا اچھا کیا وہ شخص بھی جس نے کہ شرک کیا ہے؟ آپ خاموش رہے پھر فرمایا سن لے جس نے شرک کیا ہے وہ بھی تین بار فرمایا۔ (امام احمد)

تشریح۔ بغوی معالم السنن میں ابن عباسؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی قاتل حمزہؓ کو جب دعوت اسلام دی تو اس نے کہلا بھیجا کہ میں نے تو قتل، زنا، شرک سب کچھ کیا ہے اور قرآن یہ کہتا ہے۔ **وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا یُضَاعَفُ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ** (الفرقان: ۶۸. ۶۹) (جس نے یہ گناہ کیے انہیں اس کا صلہ مل کر رہے گا اور اس کو دوگنا عذاب ہوگا) پھر میں اسلام میں داخل ہو کر کیا کروں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہلا بھیجا کہ قرآن میں یہ استثناء بھی تو ہے **اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا** (الفرقان: ۷۰) (مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے) اس نے جواب میں عرض کیا کہ یہ کٹھن شرط ہے شاید ایمان اور عمل صالح کے معیار پر میں پورا نہ اتر سکوں اگر قرآن میں کوئی اور آیت ہو تو ارشاد فرمایئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی **اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ** (النساء: ۴۸) (اللہ یہ تو معاف نہیں کرے گا کہ اس کا شریک ٹھیرایا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دے گا) وحشی نے کہا کہ اب بھی معاملہ صاف نہیں ہوا مجھے معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیت ایزدی کیا ہے کوئی اطمینان بخش ضمانت دیجئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی **قُلْ یٰعِبَادِیَ...... الخ** (الزمر: ۵۸) وحشی نے کہا جی ہاں بے شک یہ نجات کی صاف ضمانت ہے اور اسلام قبول کرلیا۔ حاضرین نے سوال کیا یا رسول اللہ یہ بشارت ان کے لئے مخصوص ہے یا سب کے لئے ہے؟ آپؐ نے فرمایا سب کے لیے۔

خدا کی یہ شان مغفرت سن کر کسی نے مشرک کی مغفرت کا سوال کیا آپ نے یہی جواب دیا کہ مشرک کے لئے بھی مایوسی کی کوئی بات نہیں وہ بھی توبہ کرے اور اس عام رحمت میں آجائے۔ بعض شارحین کو توبہ سے شرک کی مغفرت بدیہی بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس سوال و جواب میں اور بہت سی توجیہات کی ہیں ہمارے نزدیک جس دور میں زنا و سرقہ جیسے معاصی کی معافی کا تصور مشکل ہو، اس میں شرک کی مغفرت کا تصور مشکل نظر آئے تو کیا بعید ہے۔ یہ ہدایت اسلامی دور کی بات ہے نہ کہ عہد جاہلیت کی۔ ابوذر کی حدیث میں ابھی آنے والا ہے کہ زنا و سرقہ کی مغفرت پر انہیں کتنا تعجب تھا۔

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَؓ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (الزمر: ۵۸) **وَلَا یُبَالِیْ.** (رواہ احمد والترمذی)

اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے سنا ہے یاعبادی الخ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، خدا کی رحمت سے امید نہ توڑو، خدا کی یہ شان ہے کہ وہ سب گناہ بخش سکتا ہے اور کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ (احمد و ترمذی)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ صَلٰوةٍ وَقُمْنَا مَعَهٗ فَقَالَ اَعْرَابِیٌّ وَهُوَ فِی الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَمُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا فَلَمَّا سَلَّمَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْاَعْرَابِیِّ لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا. (رواه البخاری وغیرہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے ہم بھی آپؐ کے ساتھ کھڑے ہو گئے تو ایک دیہقانی نے نماز میں ہی کہا اے اللہ! صرف میرے اوپر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم کر، ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم مت کر۔ جب آپؐ نے سلام پھیرا تو اس دہقانی سے فرمایا تو نے تو بڑی وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔ (بخاری)

اس ان پڑھ نو مسلم کی سمجھ میں بھلا خدا کی رحمت کی وسعت کا تصور کہاں آ سکتا تھا یہی اس کے بڑے خلوص کی بات تھی کہ اس نے اس نعمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت گوارا کر لی مگر اس سے زیادہ شرکت وہ برداشت نہ کر سکا کہ اس بیچارہ کے خیال کے موافق شرکاء کی تعداد جتنی بڑھتی جائے گی اس کا حصہ اتنا ہی گھٹتا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا گھبرا مت رحمت تو اتنی ہے کہ سب پر چھا جائے پھر تنگ نہ ہو، تو ہی اسے تنگ سمجھ رہا ہے۔ ان الفاظ میں قرآنی لفظ رحمتی وسعت کی طرف اشارہ تھا سبحان اللہ جواب میں کتنی سادگی اور سادگی میں کتنی حقیقت ہے۔

بندوں پر خدائے تعالیٰ کا کیا حق ہے

عَنْ مُعَاذٍؓ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حِمَارٍ يُقَالُ لَهٗ عُفَيْرٌ فَقَالَ يَا مُعَاذُ تَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَلَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا. (رواهما الشیخان والترمذی)

معاذؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گدھے پر سوار تھے جس کو عفیر کہا جاتا تھا میں آپؐ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپؐ نے آواز دی اے معاذ! (بعض روایات میں تین بار آواز دینے کا ذکر ہے تاکہ یہ خوب متوجہ ہو جائیں) جانتے ہو بندوں پر خدا کا اور خدا پر بندوں کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا اللہ کا حق اس کے بندوں پر یہ ہے کہ صرف اسی کی بندگی کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اس کو عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت ہو تو یہ خوشخبری اور لوگوں کو بھی سنا دوں؟ فرمایا نہیں کہیں وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ رہیں۔ (شیخین، ترمذی)

تشریح۔ عفیر۔ مسند احمد میں اس کا نام یعفور ہے۔ عرب میں حیوانات کے نام رکھنے کا بھی دستور تھا جیسا کہ انگریز بھی کتوں کے نام رکھتے ہیں۔ مالک پر مملوک کا آقا پر غلام کا بھلا کیا حق مگر صفت رحمت وجود چاہتی ہے کہ محتاجوں کی خود قرض دار بن جائے اور پھر اس حق کو اس اہتمام سے ادا کرے گویا اس کے ذمہ یہ واقعی واجب حق تھا کمال قدرت کے ساتھ اگر کمال وجود بھی ہو تو اس کا اقتضاء یہ ہونا چاہئے ورنہ اللہ کی ذات پاک پر کسی کا حق نہیں اسی کا حق سب پر ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ هَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ النَّاسِ

عَلَى اللهِ وَمَا حَقُّ اللهِ عَلَى النَّاسِ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ حَقُّ اللهِ عَلَى النَّاسِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَحَقٌّ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ. (رواه احمد)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہؓ جانتے ہو لوگوں کا خدا پر اور خدا کا لوگوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا خدا کا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور جب وہ ایسا کریں تو اس پر یہ حق ہے کہ پھر ان کو عذاب نہ دے۔ (احمد)

تشریح۔ عام طور پر اس بشارت کو سنانے کی ممانعت کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ کو صحابہؓ کے متعلق فرائض چھوڑ بیٹھنے کا کوئی احتمال ہوسکتا تھا۔ فرض وواجب جن کا شریعت مطالبہ رکھتی ہے بھلا کون ترک کرتا۔ بلکہ یہاں صرف وہ اعمال مراد ہیں جہاں بندہ رغبت میں سرگرمی اور اطمینان کے حال میں سرد مہری دکھلانے کا خود مختار ہے حقیقت یہ ہے کہ انسان ایسا کمزور اور بے صبر ہے کہ خوف زیادہ ہو جب عمل سے معطل ہو جاتا ہے اور اگر اطمینان زیادہ ہو تو بھی سست رفتار بن جاتا ہے۔ رحمت چاہتی ہے کہ ہر حال دے اور اتنا دے جتنا کوئی حریص سے حریص لے سکتا ہے دوزخ سے نجات کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے لئے بڑی کامیابی ہے مگر رحمت صرف اس پر راضی نہیں وہ چاہتی ہے کہ اپنے وفاداروں کو اپنے اور خزائن لوٹنے کا موقعہ دے اس لیے مقصود یہ ہے کہ عملی سرگرمی زیادہ سے زیادہ جاری رہے۔ پیچھے حدیث راسم رضی اللہ عنہ پر غور کیجئے اس میں کلمہ شہادت کے ساتھ نماز، روزہ کا بھی ذکر ہے اور وہاں بھی بشارت پر یہی سوال و جواب مذکور ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں نماز، روزہ جیسے فرائض میں سستی کا ذکر نہیں بلکہ ان عبادات نافلہ کا ذکر ہے جس میں نفسیاتی تاثرات سے انسان سستی یا چستی دکھلانے کا مختار ہے کوئی شبہ نہیں کہ اگر صدر اول کے نو مسلموں کو صرف فرائض پر جنت کی بشارت سنادی جاتی تو ان میں نوافل کی ادائیگی کا جذبہ سست پڑ جانے کا اندیشہ ہوسکتا تھا۔ اس حدیث سے اگلی حدیث میں اس کی صاف تصریح ہے کہ جنت میں ایک سے ایک بڑھ کر طبقہ ہے، رحمت کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ سب کو اس کی ترغیب دے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سعی کر کے جنت کا بلند سے بلند مقام حاصل کرے اور صرف نجات پر قناعت کر کے مقامات عالیہ سے محروم نہ رہے۔ شارحین نے یہاں اور بہت توجیہات کی ہیں مگر ہمارے نزدیک احادیث کی روشنی میں حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب) مرحوم کی صرف یہی ایک توجیہ دل پذیر ہے۔

عَنْ سُهَيْلِ بْنِ الْبَيْضَاءِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِيْ سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا رَدِيْفُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا سُهَيْلُ بْنُ الْبَيْضَاءِ وَرَفَعَ صَوْتَهٗ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذَالِكَ يُجِيْبُهٗ سُهَيْلٌ فَسَمِعَ صَوْتُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَظَنُّوْا اَنَّهٗ يُرِيْدُهُمْ فَحَبَسَ مَنْ كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَحِقَهٗ مَنْ كَانَ خَلْفَهٗ حَتّٰى اِذَا اجْتَمَعُوْا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ وَاَوْجَبَ لَهُ الْجَنَّةَ (وَفِيْ رِوَايَةٍ) اَوْجَبَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ لَهٗ بِهَا الْجَنَّةَ وَاَعْتَقَهٗ بِهَا مِنَ النَّارِ. (رواه احمد والطبرانی)

سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور میں

آپ کا ردیف تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دو بار یا تین بار بلند آواز سے پکارا اے سہیل بن بیضاء! یہ ہر مرتبہ جواب دیتے رہے (مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ نہ فرماتے تا کہ وہ خوب متوجہ ہو جائیں اور اس تاخیر میں دوسروں کو بھی سننے کا موقعہ مل جائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی سن پائی اور خیال کیا کہ غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں اس لیے جو لوگ وہاں موجود تھے وہ ٹھہر گئے اور جو پیچھے تھے وہ آ ملے جب سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا جو گواہی دے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ، وہ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا اور اسے یقیناً جنت دے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس شہادت کی وجہ سے یقیناً اس کو جنت دے گا اور دوزخ سے نجات بخشے گا۔ (احمد، طبرانی)

تشریح۔ کفار دوزخ کی حلال خوراک ہیں وہ اسی طرح انہیں کھائے گی جیسا حلال کھانا بے کھٹکے کھایا جاتا ہے مگر مؤمن اس پر حرام کیا گیا ہے اس لیے مؤمن سے اس طرح اجتناب کرے گی جیسا حرام سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ہمارے بیان سے اب اس تعبیر کا حسن آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یہاں دوزخ مؤمن پر حرام کر دی جائے گی کے بجائے دوزخ پر مؤمن کے حرام ہونے کی تعبیر کیوں اختیار کی گئی ہے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّؓ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَعِیَ نَفَرٌ مِّنْ قَوْمِیْ فَقَالَ اَبْشِرُوْا وَبَشِّرُوْا مَنْ وَرَاءَ کُمْ اَنَّہٗ مَنْ شَھِدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ صَادِقًا بِھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُبَشِّرُ النَّاسَ فَاسْتَقْبَلَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) فَرَجَعَ بِنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِذًا یَتَّکِلُ النَّاسُ فَسَکَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (رواہ احمد والطبرانی)

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو اور جو لوگ تمہارے اس طرف ہیں ان کو بھی یہ خوشخبری سنا دو کہ جو شخص صدق دل سے گواہی دے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ، وہ جنت میں جائے گا۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سے یہ خوشخبری سنانے کے لئے نکلے تو سامنے سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ رہے تھے وہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر واپس لے گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگ تو اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کچھ نہ فرمایا اور خاموش ہو گئے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَفَلَا اُخْبِرُ بِہِ النَّاسَ فَیَسْتَبْشِرُوْنَ قَالَ اِذًا یَتَّکِلُوْا وَاَخْبَرَبِھَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِہٖ تَاَثُّمًا۔ (رواہ الشیخان والترمذی)

معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص صدق دل سے گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر ہیں وہ یقیناً اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا۔ انہوں نے عرض کیا، کیا یہ خوشخبری میں اور لوگوں کو بھی سنا دوں؟ فرمایا پھر لوگ بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اس لئے معاذؓ نے اپنی موت کے وقت یہ حدیث بیان

کی، مبادا اخفاء حدیث کا گناہ ان کے سر رہ جائے۔ (شیخین، ترمذی)

تشریح۔ اس حدیث سے اندازہ کرو کہ صحابہ کو احادیث کی تبلیغ کی کس درجہ اہمیت تھی یعنی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مشہور سے مشہور حدیث بھی اپنے سینہ میں لے جانا کتمان علم کے برابر سمجھتے تھے۔ اگر احادیث کی حیثیت تشریعی نہ ہوتی یا کتاب اللہ کے بعد یہ تشریحات غیر ضروری ہوتیں تو یہ اہتمام کس لیے تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَالْهُدٰی﴾ (البقرہ: ۱۵۹) (میں) جس طرح کہ آیات قرآنیہ داخل تھیں اسی طرح احادیث نبویہ بھی داخل تھیں اور امت کا فریضہ یہ تھا کہ دین اپنی مجموعی تشریحات کے ساتھ ایک قرن سے دوسرے قرن اور ایک دور سے دوسرے دور تک پہنچایا جائے جو لوگ احادیث سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں وہ احادیث سے نہیں خدا کے رسول سے بے نیازی چاہتے ہیں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا.

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِؓ قَالَ اَنَا مِمَّنْ شَهِدَ مُعَاذًا حِیْنَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ یَقُوْلُ اکْشِفُوْا عَنِّیْ سَجْفَ الْقُبَّةِ اُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَمْنَعْنِیْ اَنْ اُحَدِّثَکُمُوْهُ اِلَّا اَنْ تَتَّکِلُوْا سَمِعْتُهُ یَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهٖ اَوْ یَقِیْنًا مِنْ قَلْبِهٖ لَمْ یَدْخُلِ النَّارَ وَقَالَ مَرَّةً دَخَلَ الْجَنَّةَ وَلَمْ تَمَسَّهُ النَّارُ (رواہ احمد)

جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں معاذؓ کی وفات کے وقت موجود تھا انہوں نے فرمایا میرے سامنے سے ذرا قبہ کا پردہ ہٹا دو تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سناؤں گا جواب تک صرف اس لئے نہیں سنائی تھی کہ تم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ جاؤ، میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو صاف دل سے (یا دلی یقین کے ساتھ راوی کو لفظ میں تردد ہے) گواہی دے کر خدا کوئی نہیں مگر اللہ، وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا اور ایک مرتبہ یہ لفظ فرمائے کہ جنت میں جائے گا اور آگ اسے چھو بھی نہ سکے گی۔ (احمد)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ لَقِیَ اللّٰہَ لَا یُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا وَیُصَلِّی الْخَمْسَ وَیَصُوْمُ رَمَضَانَ غُفِرَ لَهٗ قُلْتُ اَفَلَا اُبَشِّرُهُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ دَعْهُمْ یَعْمَلُوْا (رواہ احمد)

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو خدا سے ملے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا ہو، پانچوں نمازیں پڑھی ہوں، رمضان کے روزہ رکھے ہوں وہ بخش دیا جائے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اجازت ہو تو یہ خوشخبری مسلمانوں کو سنا دوں؟ فرمایا انہیں عمل میں لگا رہنے دو۔ (احمد، از مشکوٰۃ)

تشریح۔ یہ حدیث صرف سابق واقعہ کی مزید تشریح کے لئے نقل کی گئی ہے۔

عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَصَلَّی الصَّلٰوةَ وَحَجَّ الْبَیْتَ لَا اَدْرِیْ اَذَکَرَ الزَّکٰوةَ اَمْ لَا اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یَّغْفِرَلَهٗ اَنْ هَاجَرَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ مَکَثَ بِاَرْضِهِ الَّتِیْ وُلِدَ بِهَا قَالَ مُعَاذٌ اَلَا اُخْبِرُ بِهَا النَّاسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعِ النَّاسَ یَعْمَلُوْنَ فَاِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ اَعْلَی الْجَنَّةِ وَاَوْسَطُهَا وَفَوْقَ ذَالِکَ

عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهَا تَفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ فَإذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ. (رواه الترمذی)

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو رمضان کے روزے رکھے، نماز پڑھے، بیت اللہ کا حج کرے، مجھے یاد نہیں کہ آپ نے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا تھا یا نہیں تو خدا پر حق ہوگا کہ وہ اس کو بخش دے خواہ اس نے خدا کے لئے ہجرت کی ہو یا اسی جگہ پر رہا ہو جہاں اس کی پیدائش ہوئی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کیا لوگوں کو بھی اس کی اطلاع نہ کردوں؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا انہیں عمل کرنے دو کیونکہ جنت کے سو درجے ہیں ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان وزمین میں اور فردوس جنت کا سب سے اعلیٰ اور سب سے بہتر طبقہ ہے اس پر رحمٰن کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس مانگو۔ (ترمذی)

تشریح۔ بعض مصنفین نے یہ سمجھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر یہ خوشخبری سنانے کی ممانعت اس بناء پر فرمائی تھی کہ اسلام کے تازہ حلقہ بگوش صرف شہادتین پر فوز وفلاح کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں مگر سوال یہ ہے کہ جب ایک بار نماز، روزہ کی فرضیت ان کے سامنے واضح کی جا چکی تھی تو پھر اس غلط فہمی کا موقعہ کیا تھا کیا یہ حدیث نماز، روزہ کی فرضیت کو منسوخ کر رہی تھی۔ حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب) قدس سرہ نے ترمذی کی اس حدیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ صحابہؓ کے متعلق یہاں اس غلط فہمی کا کوئی احتمال نہ تھا چنانچہ معاذ رضی اللہ عنہ جب اسی روایت کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو اس میں شہادتین کے ساتھ بقیہ اور فرائض اسلام کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تفصیلی روایت میں آپ کی بشارت جملہ فرائض اسلام کی ادائیگی سے وابستہ ہے تو پھر ان کے ترک کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ترمذی کی اس روایت نے یہ بات بالکل صاف کر دی ہے کہ آپ کا روئے سخن ہرگز فرائض کی جانب نہیں بلکہ ان اعمال کی جانب ہے جن سے نجات کے سوا جنت کے مراتب کا تعلق ہے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ جنت کے سو درجہ ہیں، نجات تو ہر درجہ میں حاصل ہے مگر آپ کی تمنا یہ ہے کہ امت نجات کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب حاصل کرے ابتداء میں عبادت نفع وضرر کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے نجات کی بشارت سن کر شب وروز کی اعلیٰ جدوجہد میں سستی پیدا ہو سکتی ہے لیکن جب نفع ونقصان کا سوال پیش نظر نہیں رہتا اور قرب ورضاء کا بلند مقصد سامنے آ جاتا ہے تو پھر انسان اتنا حریص بن جاتا ہے کہ نجات جیسی اہم کامیابی پر بھی قناعت نہیں کرتا اور قرب کی اعلیٰ سے اعلیٰ منزل طے کرنے کے بعد تشنہ اور پیاسا ہی رہتا ہے جس کے سامنے مقصد یہ ہے اس کے لیے تو نجات کی بشارت سے کیا خطرہ لیکن جو ابھی تک صرف نجات کو آخری منزل سمجھ رہا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ فرائض کی ادائیگی پر نجات کی بشارت سن کر یہیں تھک کر بیٹھ رہے اور نوافل کی سرگرمی چھوڑ دے۔ رسولؐ خدا چاہتے ہیں کہ یہ شخص بھی سرگرم عمل رہے تاکہ آپ کی امت کا مبتدی اور منتہی سب نجات کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب میں کامیاب رہیں۔ اس حدیث کو بغور پڑھئے تو بے تکلف یہی مضمون آپ کے ذہن میں آ جائے گا۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنت کی چھت کیا ہے اس کے سب سے اونچے درجہ کا نام کیا ہے اور جنت کی نہروں کا اصل منبع کہاں ہے۔ عالم غیب کی کچھ باتیں ہمیں بتلا دی گئی ہیں تاکہ ایمان لانے کے لئے ان کا تھوڑا سا تصور بھی ہو جائے

ورنہ جو عالم کہ مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے اس کی تفصیل میں جانا بلاوجہ دماغ کے لئے ایک پریشانی کا موجب ہے انگلستان کی پوری حقیقت انگلستان دیکھنے کے بعد ہی معلوم ہوسکتی ہے اگر اس کے چمن، روشنیاں اور سڑکوں کا جدید ڈیزائن تفصیلی طور پر بیان کی جائے تو جو اس طور و انداز سے بالکل ناآشنا ہیں ان کے لئے بلاوجہ یہ ایک ناقابل برداشت بار ہوگا وہ اپنے ملک کے انداز کے مطابق اس کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور جب اس سے ہٹ کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی جائے گی تو ان کا دماغ الجھے گا۔ شریعت اس بے معنی الجھاؤ میں دماغوں کو مبتلا کرنا چاہتی نہیں جو چیز کل مشاہدہ کے بعد بہت آسانی سے بغیر الجھاؤ نظر آ جانے والی ہے اس کو قبل از وقت کیوں زیر بحث لایا جائے۔ آج عمل کی تفصیل درکار ہے اور کل جزاء کی تفصیل خود بخود سامنے آ جانے والی ہے۔ حکیم وہی ہے جو تفصیل کے موقعہ پر تفصیل اور اجمال کے محل میں اجمال کی رعایت کرے۔ جدید دماغوں کا قبل از وقت آخرت کے تفصیلی نقشوں کا ہم سے مطالبہ کرنا ناانصافی اور جلد بازی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تجلیات

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت کے دو اہم طریقے یہ ہیں:

(۱) رسولوں کے ذریعہ (۲) تجلیات کے ذریعہ

تجلی کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کسی شے کو اپنی ذات کا عنوان اور اپنی معرفت کا اور اپنے احکام دینے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اس وقت اس شے کی اپنی مستقل حیثیت ختم ہو جاتی ہے یعنی بالکل نظر انداز کر دی جاتی ہے۔ اس لیے جب اس حالت میں اس شے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو اس سے خود وہ شے مقصود نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شے خود خدا بن جاتی ہے یا خدا اس میں حلول کر جاتا ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھو

فرض کرو کہ بڑے جاہ وجلال والا ایک بادشاہ جس تک ہر کسی کی رسائی نہیں ہے۔ اس بادشاہ نے ایک پبلک مقام میں ایک بڑا ٹیلی ویژن نصب کرا دیا اور اعلان کر دیا کہ میری رعایا فلاں وقت اس ٹیلی ویژن کے گرد جمع ہو جایا کرے اور اس وقت ٹیلی ویژن پر ان کو جو حکم دیا جائے اس پر عمل کو واجب سمجھیں اور جس بات سے روکا جائے اس سے رُک جائیں۔ اس اعلان کے بعد بادشاہ اپنی منتظمہ کے افراد کو کہتا ہے کہ وہ اس مقام پر باادب حاضر ہوں اور ٹیلی ویژن پر وہ ان کو جو احکام دے وہ ان کو بجالائیں۔ پھر وقت مقرر پر بادشاہ اپنا شاہی تاج پہن کر تخت پر بیٹھتا ہے اور براہِ راست ٹیلی ویژن چلا دیا جاتا ہے۔ اب سکرین پر بادشاہ کی تصویر اور عکس آتا ہے۔ بادشاہ کسی کو قریب کرنے اور کسی کو دور کرنے کا حکم دیتا ہے کسی کو انعام دینے اور کسی کو سزا دینے کا حکم دیتا ہے۔

اس مثال سے سمجھو کہ ٹی وی سکرین پر جو صورت نظر آتی ہے یہی اس بادشاہ کی تجلی ہے۔ مادی اعتبار سے بادشاہ اور ہے اور اس کا عکس اور ہے لیکن ظاہری صورت کے اعتبار سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ بادشاہ ہی نے ان کو حکم دیا ہے اور سکرین پر عکس وتصویر ہونے کی مستقل حیثیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس کی طرف اشارہ سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ بعینہ بادشاہ ہی کی طرف سے ہے۔

تنبیہ: جب تجلی سے مقصود تجلی کرنے والی ذات ہوتی ہے اور اسی کی طرف مکمل توجہ مطلوب ہوتی ہے اور تجلی والی شے کی اپنی ذاتی حیثیت معدوم ہو جاتی ہے تو ذات تجلی کے ذریعہ جن باتوں کا اظہار چاہتی ہے اور ان کو نمایاں کرنے کا ارادہ کرتی ہے ان کی نسبت ذات ہی کی طرف کرنا مناسب ہے۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی عرش پر قائم ہوئی تو یہی کہنا حقیقت اور مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی تو اس طرف گئے۔ سمجھے کہ آگ ہے تاپنے کے لیے کچھ لے آئیں۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی تھی۔ نہ وہ خود خدا تھی اور نہ خدا نے اس میں حلول کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے لیے عنوان اور اپنی معرفت کا ذریعہ بنالیا تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ آگ کے مادے کی طرف نہ رہی بلکہ ان کی توجہ سراسر اللہ تعالیٰ کی طرف رہی اور ان کو یقین تھا کہ وہ خدا تعالیٰ سے براہ راست ہم کلام ہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار الٰہی کی درخواست پر بھی پہاڑ پر ایک نسبتاً بڑی تجلی نازل فرمائی جو جمال خداوندی کی محض ایک جھلک پر مشتمل تھی لیکن وہ بھی گویا تیز بجلی تھی جس کی برداشت کسی دنیوی مادے میں نہیں لہٰذا وہ پہاڑ اس تجلی کا تحمل نہ کرسکا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ فَيَقُوْلُ مَنْ يَّدْعُوْنِیْ فَأَسْتَجِيْبُ لَهٗ مَنْ يَّسْأَلُنِیْ فَأُعْطِيَهٗ وَمَنْ يَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُلَهٗ. (بخاری و مسلم)

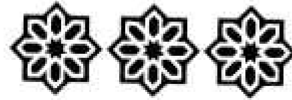
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر رات کو جب رات کی آخری تہائی باقی رہ جاتی ہے ہمارے رب (یعنی اس کی تجلی) کا آسمان دنیا کی طرف نزول ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اس کی پکار کو قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اس کو بخش دوں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی ایک وقت میں متعدد تجلیاں ہو سکتی ہیں مثلاً عرش پر اس کی مستقل تجلی ہے جو ہمیشہ رہتی ہے، خواہ وہ دن و رات کا کوئی بھی حصہ ہو۔ اس کے علاوہ ایک یہ تجلی ہے جو آسمان دنیا پر رات کے آخری حصہ میں ہوتی ہے۔ ان متعدد تجلیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے احکام کی نسبت کرنا ممکن ہے جو باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ عرش پر مستوی رہتے ہیں اور یہ کہ رات کے آخر حصہ میں اللہ تعالیٰ نچلے آسمان پر اترتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَكْرَهُ مَسَاءَ تَهٗ وَلَا بُدَّ مِنْهُ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اپنے) مؤمن (بندے) کی روح کے قبض کرنے میں جتنا مجھے تردد ہوتا ہے (اور میں رکاوٹ محسوس کرتا ہوں) کسی اور کام میں نہیں ہوتا جس کو میں نے کرنا ہے۔ (جس کی وجہ یہ ہے کہ) میں اس کو ناگواری میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتا حالانکہ موت اس کے لیے ناگزیر ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں مؤمن بندوں سے مراد وہ خاص لوگ ہیں جن کی روح پر تجلی قائم ہو۔ یہ تجلی ان کے سارے اعلیٰ روحانی مقاصد اور مطالب کی تکمیل کی ضامن ہوتی ہے اور وہی ان کی تمام مشکلات اور دُکھ درد کے ازالہ کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس تجلی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ ایسی تمام باتوں کو ناپسند فرماتے ہیں جنہیں خدا کا یہ بندہ طبعی اور فطری طور پر اپنے اختیار سے پسند نہیں کرتا لیکن اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایک اور عظیم الشان تجلی بھی ہے جس کا ہر حکم ہر فرد انسانی پر نافذ ہوتا ہے۔ خواہ وہ فرمانبردار ہو یا نافرمان، اس کو قرب الٰہی حاصل ہو یا وہ اس سے دور ہو۔ یہ تجلی ہر فرد کے بارے میں چاہتی ہے کہ ایک وقت تک اس کو بقاء حاصل ہو اور پھر ایک وقت میں وہ فنا ہو جائے۔ اس تجلی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ بندہ مؤمن کی موت چاہتے ہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ عام طور سے بندے کو مصائب اور نقصانات اور دیگر صبر آزما حالات میں مبتلا کرتے ہیں جن کی وجہ سے اس کا دل دنیا سے سرد ہو جائے اور وہ از خود دنیا ترک کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔



کِتَابُ الشِّرْکِ

شرک انسان کی فطرت نہیں

عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فِيْ خُطْبَةٍ اَلاَ اِنَّ رَبِّيْ اَمَرَنِيْ اَنْ اُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِيْ يَوْمِيْ هٰذَا كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ وَاِنِّيْ خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَاَنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَهُمْ وَاَمَرَتْهُمْ اَنْ يُشْرِكُوْا بِيْ مَالَمْ اُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَاَنَّ اللّٰهَ نَظَرَ اِلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ اِلَّا بَقَايَا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَقَالَ اِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِاَبْتَلِيَكَ وَاَبْتَلِيَ بِكَ وَاَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَأُهٗ نَائِمًا وَيَقْظَانَ وَاَنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اُحَرِّقَ قُرَيْشًا فَقُلْتُ رَبِّ اِذًا يَثْلَغُوْا رَاْسِيْ فَيَدَعُوْهُ خُبْزَةً قَالَ اِسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا اَخْرَجُوْكَ وَاغْزُهُمْ نُغْزِكَ وَاَنْفِقْ فَسَنُنْفِقُ عَلَيْكَ وَابْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِثْلَهٗ وَقَاتِلْ بِمَنْ اَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ. (رواہ مسلم)

عیاض بن حمار مجاشعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا سن لو میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کچھ آج اس نے مجھے بتایا ہے اس میں کوئی حصہ میں تم کو بھی بتا دوں (اس نے فرمایا ہے) کہ جو مال میں نے کسی بندہ کو دیا وہ اس کے لئے حلال ہے اور فرمایا کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے پھر ان کے پاس شیطان آئے اور ان کو اپنے دین سے ہٹا کر جو چیزیں میں نے ان کے لئے حلال بنائی تھیں حرام کر دیں اور اس پر ابھارا کہ میرا شریک ٹھیرائیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین پر نظر ڈالی تو عرب وعجم سب کو قابل نفرت سمجھا بجز ان چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی رہ گئے تھے اور فرمایا کہ میں نے تم کو رسول بنا کر اس لئے بھیجا ہے تا کہ تمہاری بھی آزمائش کروں اور تمہارے ذریعہ سے دوسروں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی دھو نہیں سکتا۔ تم سوتے جاگتے ہر وقت اس کو پڑھ سکتے ہو۔ (قرآن حافظ کے سینہ میں ہوتا ہے نہ پانی اسے دھو سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے کے لئے آنکھوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا بھی حکم دیا کہ میں قریش کو جلا کر تباہ کر ڈالوں اس پر میں نے عرض کیا وہ تو میرے سر کو کچل ڈالیں گے اور اس کو ایک روٹی کی طرح بنا کر رکھ دیں گے فرمایا تم ان کو نکال باہر کرو جیسا انہوں نے تم کو وطن سے نکالا اور ان سے جنگ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے اور خوب لشکر

پر خرچ کرو ہم تمہیں خرچ دیں گے اور ان پر فوج کشی کرو ہم اُن کی پچگنی اپنی جانب سے اور بھیجیں گے اور اپنے تابعداروں کو ساتھ لیکر ان سے جنگ کرو جو تمہاری نافرمانی کرے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ عرب بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ بتوں کے نام کے بہت سے جانور اپنے اوپر حرام کرلیا کرتے تھے حدیث کہتی ہے کہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے حلال کئے ہیں ان کو حرام کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت شرک وکفر سے پاک پیدا فرمائی ہے اس لئے شرک کرنے میں کسی کا کوئی عذر مسموع نہیں۔ یہ آپ پہلے معلوم کرچکے ہیں کہ کسی کے کہنے پر حلال کو حرام سمجھ لینا بھی خدا کے شریک ٹھیرانے کے ہی مرادف ہے اسی کو شرک فی الطاعۃ کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ شرک فی الذات ہو یا فی العبادت یا فی الطاعت یہ سب انواع انسانی فطرت کے خلاف ہیں ان کا بانی صرف شیطان ہے اور جو اس کی تقلید کرتا ہے وہ عبدرحمٰن نہیں اسی کا بندہ ہے جب خارجی اثرات یا والدین کی تعلیم سے فطرت مسخ ہوجاتی ہے تو پھر عقائد شرکیہ فطرت کا تقاضہ معلوم ہونے لگتے ہیں۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ سَلَّامٍ اَنَّ اَبَا سَلَّامٍ حَدَّثَهُ اَنَّ الْحَارِثَ الْاَشْعَرِيَّ حَدَّثَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللهَ اَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ اَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَيَأْمُرَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَنْ يَعْمَلُوْا بِهَا وَاَنَّهُ كَادَ اَنْ يُبْطِئَ بِهَا قَالَ عِيْسٰى اِنَّ اللهَ اَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَنْ يَعْمَلُوْبِهَا فَاِمَّا اَنْ تَأْمُرَهُمْ وَاِمَّا اَنْ اٰمُرَهُمْ فَقَالَ يَحْيٰى اَخْشٰى اِنْ سَبَقْتَنِيْ بِهَا اَنْ يُخْسَفَ بِيْ اَوْ اُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَامْتَلَأَ وَقَعَدُوْا عَلَى الشُّرُفِ فَقَالَ اِنَّ اللهَ اَمَرَنِيْ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ اَنْ اَعْمَلَ بِهِنَّ وَاٰمُرَكُمْ اَنْ تَعْمَلُوْا بِهِنَّ اَوَّلُهُنَّ اَنْ تَعْبُدُوْا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَاِنَّ مَثَلَ مَنْ اَشْرَكَ بِاللهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِشْتَرٰى عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهٖ بِذَهَبٍ اَوْوَرِقٍ فَقَالَ هٰذِهٖ دَارِيْ وَهٰذَا عَمَلِيْ فَاعْمَلْ وَاَدِّ اِلَيَّ فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّيْ اِلٰى غَيْرِ سَيِّدِهٖ فَاَيُّكُمْ يَرْضٰى اَنْ يَكُوْنَ عَبْدُهٗ كَذٰلِكَ وَاَنَّ اللهَ اَمَرَكُمْ بِالصَّلٰوةِ فَاِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوْا فَاِنَّ اللهَ يَنْصِبُ وَجْهَهٗ لِوَجْهِ عَبْدِهٖ فِيْ صَلٰوتِهٖ مَالَمْ يَلْتَفِتْ وَاَمَرَكُمْ بِالصِّيَامِ فَاِنَّ مَثَلَ ذَالِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِيْ عِصَابَةٍ مَعَهٗ صُرَّةٌ فِيْهَا مِسْكٌ وَكُلُّهُمْ يَعْجَبُ اَوْ يُعْجِبُهٗ رِيْحُهَا وَاِنَّ رِيْحَ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَاللهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَاَمَرَكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ مَثَلَ ذَالِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَسَرَهُ الْعَدُوُّ فَاَوْثَقُوْا يَدَهٗ اِلٰى عُنُقِهٖ وَقَدَّمُوْهُ لِيَضْرِبُوْا عُنُقَهٗ فَقَالَ اَنَا اَفْدِيْهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ فَفَدَا نَفْسَهٗ مِنْهُمْ وَاَمَرَكُمْ اَنْ تَذْكُرُوْا اللهَ فَاِنَّ مَثَلَ ذَالِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِيْ اَثَرِهٖ سِرَاعًا حَتّٰى اِذَا اَتٰى عَلٰى حِصْنٍ حَصِيْنٍ فَاَحْرَزَ نَفْسَهٗ مِنْهُمْ كَذَالِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهٗ مِنَ الشَّيْطَانِ اِلَّا بِذِكْرِاللهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اَللهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالْجِهَادُ وَالْهِجْرَةُ وَالْجَمَاعَةُ فَاِنَّهٗ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ اِلَّا اَنْ يُرَاجِعَ وَمَنِ ادَّعٰى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّهٗ مِنْ جُثَى جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ وَاِنْ صَلّٰى وَصَامَ فَقَالَ وَاِنْ صَلّٰى وَصَامَ فَادْعُوْا بِدَعْوَى اللهِ الَّذِيْ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَاللهِ. (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح غريب)

زید بن سلام سے روایت ہے کہ ان سے ابوسلام نے کہا کہ حارث اشعری نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ ان پر وہ خود بھی عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے کہدیں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل سے کہنے میں کچھ تاخیر ہونے لگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ آپ خود بھی ان پر عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے بھی عمل کرنے کے لئے کہدیں تو یا تو آپ ہی ان سے کہد یجئے یا پھر میں ان سے کہدوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ (چونکہ حکم مجھے ہوا ہے اس لئے) مجھے خطرہ ہے اگر اس بارے میں آپ نے سبقت کی تو کہیں میں زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں یا کسی اور عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں اس کے بعد انہوں نے فوراً لوگوں کو بیتِ مقدس میں جمع کیا جب وہ خوب بھر گیا اور لوگ گیلریوں تک میں بیٹھ گئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں پر خود عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کا کہ میں تم کو بھی ان پر عمل کرنے کی تاکید کردوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ کیونکہ جو شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس غلام کی جس کو ایک شخص صرف اپنے سونے چاندی کے مال سے بلا شرکت غیرے خریدے اور اس کو یہ بتادے کہ دیکھ یہ تو میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے تو مزدوری کرنا اور اس کی اجرت مجھے دیدیا کرنا۔ یہ غلام مزدوری تو کرے مگر اس کی اجرت اپنے آقا کی بجائے کسی اور شخص کو دیدیا کرے بھلا تم میں کون شخص یہ پسند کرسکتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز کا حکم دیا ہے لہٰذا جب تک نماز میں رہو اِدھر اُدھر دیکھا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی طرف پورا پورا متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر نہیں دیکھتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو روزہ کا حکم دیا ہے روزہ کی مثال ایسی ہے جیسی کسی جماعت میں اس شخص کی جس کے پاس ایک تھیلی ہو اس تھیلی میں مشک ہو تو ہر شخص کو اس کی خوشبو اچھی معلوم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو روزہ دار کے منہ کی بو مشک سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو صدقہ کا حکم دیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کو دشمن نے قید کرلیا ہو اور اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے ہوں اور اس کی گردن مارنے کے لئے اس کو لئے جارہے ہوں۔ یہ شخص کہے کہ میں اپنی جان کے عوض میں تھوڑا بہت مال (جو کچھ مال میرے پاس ہے) سب دیتا ہوں اور اس طرح فدیہ دے کر اپنی جان کو ان سے چھوڑا لے اور پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ذکر اللہ کا حکم دیا ہے کیونکہ ذکر کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کے تعاقب میں دشمن تیزی کے ساتھ آرہا ہو اور یہ دوڑتے دوڑتے کسی مضبوط قلعہ کے اندر آجائے اور اس میں آکر اپنی جان کو دشمن سے بچالے اسی طرح بندہ بجز ذکر اللہ کے اور کسی طرح اپنے آپ کو شیطان سے بچا نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب میں تم کو اُن پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم خدائے تعالیٰ نے مجھ کو دیا ہے۔ اپنے حاکم کا حکم بغور سننا اور بخوشی ماننا جہاد کرنا، ہجرت اور مسلمانوں کی جماعت جو اپنے امام کے ساتھ رہے اسی کے ساتھ تم بھی لگے رہنا کیونکہ جو امام وقت کی جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ رہا اس نے گویا اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا مگر یہ کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائے اور پھر اس کی اطاعت کرنے لگے اور پانچویں بات یہ کہ جس نے اسلام میں پھر زمانہ جاہلیت کی آوازیں لگانی شروع کیں وہ شخص دوزخ کے خس وخاشاک میں داخل ہوا ایک شخص بولا یا رسول اللہ اگرچہ وہ نمازیں

بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے۔ فرمایا اگر چہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے اس لئے اللہ کے بندو! تم اسی اللہ کی مرضی کے مطابق نعرے لگاؤ جس نے پہلے سے تمہارا نام مسلم اور مومن رکھ دیا ہے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان پانچ باتوں کا امر فرمایا ہے جن کے بغیر پہلی باتوں پر بھی پورا عمل نہیں ہوسکتا۔ نماز، روزہ اور بالخصوص زکوٰۃ وصدقات یہ مسلمانوں کی صرف انفرادی عبادتیں نہیں بلکہ انکی اجتماعی عبادتیں بھی ہیں اور اجتماعی عبادتوں کا نظم ونسق بلا جماعت کے قائم نہیں رہ سکتا اور کوئی جماعت بلا کسی امام وامیر کے زندہ نہیں رہ سکتی اس لئے آپ نے ان اجزاء پر زیادہ زور دیا ہے جن کے بغیر اللہ تعالیٰ کی خالص عبادتیں پوری طاقت اور آزادی کے ساتھ ادا نہیں کی جاسکتیں آخری شریعت درحقیقت پہلی شریعتوں کے لئے مکمل ہے۔

شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر جرم ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيْلَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَىُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ قَالَ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ ثُمَّ قَالَ اَىٌّ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَاْكُلَ مَعَكَ ثُمَّ قَالَ اَىٌّ قَالَ اَنْ تُزَانِىَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ فَاُنْزِلَ تَصْدِيْقُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ. (بخاری شریف)

عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس خدا کا شریک ٹھیرائے جس نے تجھ کو تنہا بلا شرکت پیدا کیا ہے پوچھا اس کے بعد، فرمایا یہ کہ تو اپنے جگر گوشہ کو اس خوف سے مارڈالے کہ کہیں وہ تیرے ساتھ تیرے کھانے میں شریک نہ ہوجائے، اس نے کہا پھر اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ آپ کے اس کلام کی تصدیق میں آیت ذیل بھی نازل ہوگئی۔ والذین لا یدعون الخ

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ عِنْدَاللّٰهِ قَالَ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ قُلْتُ لَهٗ اِنَّ ذَالِكَ لَعَظِيْمٌ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَىٌّ قَالَ ثُمَّ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ فَخَافَةَ اَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَىٌّ قَالَ ثُمَّ اَنْ تُزَانِىَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ. رواہ مسلم وفی طریق اٰخر فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ تَصْدِيْقَهَا (وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذَالِكَ يَلْقَ اَثَامًا)

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس کا شریک ٹھیرائے حالانکہ تجھ کو پیدا اسی نے کیا ہے میں نے کہا بیشک یہ تو بہت بڑا جرم ہے۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خطرہ سے مارڈالے کہ وہ (بڑا ہوکر) کھانے میں تیرا شریک ہوگا۔ میں نے عرض کیا پھر، فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بی بی سے زناء کرے۔ صحیح مسلم کے دوسرے طریق میں ہے کہ آپ کے اس ارشاد کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں نازل فرمائی۔ والذین لا یدعون مع اللہ الخ۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ ان لا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُکْ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَکَھَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ الذِّمَّۃُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّھَا مِفْتَاحُ کُلِّ شَرٍّ. (رواہ ابن ماجۃ)

ابوالدرداء سے روایت ہے کہ میرے سب سے بزرگ محبوب نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھرانا اگر چہ تمہاری بوٹی بوٹی کردی جائے اورتم کو جلا کر خاک بھی کردیا جائے اور دیکھو جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص جان کر نماز چھوڑ بیٹھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اورشراب کبھی نہ پینا کیونکہ اس سے تمام برائیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔(ابن ماجہ)

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ یَعْبُدُاللّٰہَ وَلَا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَیُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتِی الزَّکٰوۃَ وَیَجْتَنِبُ الْکَبَائِرَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ قَالَ فَسَأَلُوْہُ مَا الْکَبَائِرُ قَالَ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ وَقَتْلُ النَّفْسِ. (رواہ الحاکم فی المستدرک)

ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اوراس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائے ،نماز اچھی طرح پڑھے زکوٰۃ ادا کرے، کبائر سے بچتا رہے مگر وہ ضرور بالضرور جنت میں جائے گا۔لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کبائر کی تفصیل کیا ہے فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جہاد سے بھاگ جانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا یہ سب کبیرہ ہیں۔(مستدرک)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیَغْفِرُ لِعَبْدِہٖ مَالَمْ یَقَعِ الْحِجَابُ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ وَھِیَ مُشْرِکَۃٌ. (رواہ البیہقی فی کتاب البعث والنشور)

ابوذرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے گناہ برابر بخشتا رہتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت (اوراسکے بندہ کے درمیان) پردہ نہیں پڑتا۔صحابہؓ نے پوچھا وہ پردہ کیا چیز ہے فرمایا وہ پردہ یہ ہے کہ شرک کے عقیدہ پر کسی کی موت آجائے۔(کتاب البعث والنشور)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِیَ اللّٰہَ لَا یَعْدِلُ بِہٖ شَیْئًا فِی الدُّنْیَا ثُمَّ کَانَ عَلَیْہِ مِثْلُ جِبَالٍ ذُنُوْبٌ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ ایضاً.

ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھے بغیر مرجائے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادے گا اگر چہ اس کے سر پر پہاڑوں کے برابر بھی گناہ ہوں۔

اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ. (رواہ احمد والشیخان)

ابوایوب انصاری روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے خود سنا ہے جو شخص شرک سے پاک وصاف مرجائے گا وہ ضرور جنتی ہوگا۔(احمد وشیخین)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ عَلِمَ اَنِّیْ ذُوْقُدْرَۃٍ عَلٰی مَغْفِرَۃِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَہٗ وَمَا اُبَالِیْ مَالَمْ یُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا۔ (رواہ فی شرح السنہ)

ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت قدسی نقل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص یہ یقین رکھے کہ میں تمام گناہوں کی بخشش پر قدرت رکھتا ہوں میں اس کو بخش دوں گا بشرطیکہ اس نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرایا ہو اور میں بڑا بے نیاز ہوں۔ (شرح السنہ)

عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدَّوَاوِیْنَ ثَلَاثَۃٌ دِیْوَانٌ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ الْاِشْرَاکَ بِاللّٰہِ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ۔ وَدِیْوَانٌ لَا یَتْرُکُہُ اللّٰہُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَہُمْ حَتّٰی یَقْتَصَّ بَعْضُہُمْ مِنْ بَعْضٍ وَدِیْوَانٌ لَا یَعْبَأُ اللّٰہُ بِہٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَہُمْ وَبَیْنَ اللّٰہِ فَذَاکَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَاءَ عَذَّبَہٗ وَاِنْ شَاءَ تَجَاوَزَ عَنْہُ۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کے دفاتر تین قسم کے ہیں ایک شرک کا دفتر اس کی بخشش کا تو کوئی امکان ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے ’’خدائے تعالیٰ اس بات کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے۔‘‘ دوسرا دفتر وہ ہے جس کا انتقام لئے بغیر اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا یہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ تیسرا دفتر ان حقوق کا ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہیں۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے چاہے تو ان پر گرفت فرمائے اور چاہے درگذر فرما دے۔ (شعب الایمان)

عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْکَ وَاِنْ اَمَرَاکَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَہْلِکَ وَمَا لِکَ وَلَا تَتْرُکَنَّ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً فَاِنَّ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَلَا تَشْرِبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّہٗ رَأْسُ کُلِّ فَاحِشَۃٍ وَاِیَّاکَ وَالْمَعْصِیَۃَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَۃِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰہِ وَاِیَّاکَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ ہَلَکَ النَّاسُ وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِیْہِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰی عِیَالِکَ مِنْ طَوْلِکَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْہُمْ عَصَاکَ اَدَبًا وَاَخِفْہُمْ فِی اللّٰہِ۔ (رواہ احمد)

معاذؓ سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی ہے آپ نے فرمایا۔ (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلا کر خاک بھی کر دیا جائے۔ (۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ بیوی اور مال چھوڑ دینے کا بھی حکم دیں۔ (۳) کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص قصداً نماز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ (۴) شراب نہ پینا کیونکہ یہ تمام بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے۔ (۵) خدا کی نافرمانی سے دور رہنا کیونکہ نافرمانی کرنے سے خدا کا غصہ اتر آتا ہے۔ (۶) جہاد میں ہرگز نہ بھاگنا اگرچہ اور لوگ بھاگ جائیں۔ (۷) جب لوگوں میں وباء پھیلے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہنا (اور بھاگنا مت) (۸) اپنی اولاد پر اپنی وسعت کے موافق خرچ کرتے

رہنا۔(۹) بنظر ادب اپنا ڈنڈا اُن سے نہ ہٹانا۔(۱۰) اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈراتے بھی رہنا۔ (احمد)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْ طَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهَا دِمَاغُهٗ. (رواه البخاری)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخیوں میں سب سے زیادہ ہلکا عذاب ابوطالب کو ہو گا وہ صرف آگ کے دو چپل پہنے ہوئے ہوں گے اس کی وجہ سے ان کا دماغ کھولتا رہے گا۔ (اعاذنا اللہ منہ) (بخاری شریف)

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَيَطَّلِعُ فِیْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا مُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ. (رواه ابن ماجة ورواه احمد)

ابوموسیٰ اشعری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں اپنے بندوں کی طرف خاص طور پر توجہ فرماتا ہے اور سب کی مغفرت کر دیتا ہے بجز مشرک اور کینہ ور کے۔ (ابن ماجہ۔احمد)

شرک و کفر کی ملاوٹ کے ساتھ ایمان بھی سودمند نہیں

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ شَقَّ ذَالِكَ عَلٰی اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ ذَاكَ اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ اَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلَ لُقْمَانَ لِاِبْنِهٖ بُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ. وفی رواية لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّوْنَ اِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِاِبْنِهٖ. (متفق علیه)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب آیت الذین آمنوا الخ (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں کسی قسم کا ظلم شامل نہیں کیا الخ) نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھلا ہم میں ایسا کون شخص ہوگا جس نے کوئی بھی ظلم (گناہ) نہ کیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہاں ظلم سے یہ ظلم مراد نہیں بلکہ (سب سے بڑا ظلم) شرک مراد ہے۔ کیا تم نے لقمان کا وہ قول نہیں سنا جو انہوں نے بطور وصیت اپنے لڑکے سے فرمایا تھا اے ولد عزیز دیکھو شرک نہ کرنا کیونکہ یہ بڑا ظلم ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ ایمان میں شرک ملانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب سے خطرناک یہ ہے کہ زبان پر تو خدا کی توحید کا دعویٰ ہو اور عملاً اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک بھی بنایا جائے۔ قرآن کریم نے حسب ذیل الفاظ میں ایسے ہی ایمان کا شکوہ فرمایا ہے۔ وما یؤمن اکثرھم باللہ اِلّا وھم مشرکون۔ ان میں اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے مگر وہ اس کے ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ جس کے ایمان میں کسی قسم کا بھی شرک شامل ہوگا وہ نہ تو ہدایت یافتہ ہے اور نہ آخرت میں اسے امن و اطمینان نصیب ہوگا۔ ایمان اسی وقت نجات بخش ہوتا ہے جبکہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ ہو حتیٰ کہ جس عمل میں شرک خفی یعنی ریاء کی بھی بو ہو وہ بھی آخرت میں کالعدم ہو جائے گا۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اِمْرَءَ ةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَلَا دِيْنٍ وَلٰكِنِّيْ اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً. (رواه البخاری)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی زوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ثابت بن قیس اپنے شوہر کی عادت یا ان کے دین پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مجھے اسلام میں کفر کرنا گوارا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا ان کا وہ باغ جو انہوں نے تم کو مہر میں دیا تھا واپس کرسکتی ہو، انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے ثابت بن قیس سے فرمایا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم وہ باغ لے لو اور ان کو ایک طلاق دیدو۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ثابت بن قیس پست قد تھے ان کی بی بی کا دل ان سے ملتا نہ تھا جب دل نہیں ملتا تو معاشرتی زندگی میں بے سبب اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ بی بی کتنی سچی، کتنی دانا اور کتنی دیانتدار تھیں کہ اپنی مقصد براری کیلئے اپنے شوہر کے سر کوئی جھوٹا مقدمہ بنا کر کھڑا نہیں کرتیں نہ ان پر کوئی تہمت لگاتی ہیں بلکہ بڑی صفائی سے اپنے قلبی اختلاف کا اظہار کر دیتی ہیں کتنی دیندار ہیں کہ جدائی کی درخواست اس لئے پیش نہیں کرتیں کہ کوئی دنیوی نفع ان کے پیش نظر ہے بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے اسلام میں کفر کی ادنیٰ آمیزش بھی برداشت نہیں کرسکتیں۔ جس انس ومحبت کو ان کا اسلام تقاضا کرتا ہے وہ بہ صورت موجودہ اس کو نباہ نہیں سکتیں ایک محسن کے ساتھ قلبی کراہت بھی ایک قسم کا کفر ہے جو اسلام خدائے تعالیٰ کے ساتھ کفر سے روکتا ہے وہی اپنے شوہر کے ساتھ بھی کفر سے روکتا ہے اسلام کے ساتھ کفر کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا شعبہ بھی ہو تو وہ انسان کے اسلام کو بدنما کر دیتا ہے۔ مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے اسلام سے کفر نما افعال کی جڑ بنیاد نکال پھینکے۔ اسی وقت اس کا اسلام سچا اور پکا اسلام کہلانے کا مستحق ہے۔

مشرک کے حق میں شفاعت قبول نہیں

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ اٰتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّيْ فَخَيَّرَنِيْ بَيْنَ اَنْ يَّدْخُلَ نِصْفُ اُمَّتِيَ الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا. (رواه الترمذی وابن ماجه)

عوف بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو میری نصف امت جنت میں داخل ہو جائے اور چاہوں تو امت کیلئے شفاعت اختیار کرلوں۔ میں نے شفاعت کو پسند کرلیا ہے اور یہ ہر اس شخص کیلئے ہوکر رہے گی جو اس حالت پر مر جائے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائے۔ (ترمذی۔ابن ماجہ)

تشریح:۔یعنی آپ کی شفاعت کیلئے اور کسی تفصیل کی ضرورت نہیں صرف اتنی بات کافی ہے کہ شرک سے کلیۃً اجتناب رہے

کیونکہ شرک آپ کی شفاعت کیلئے بھی حجاب ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَلْقَی اِبْرَاهِیْمُ اَبَاهُ اٰزَرَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَعَلٰی وَجْهِ اٰزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ فَیَقُوْلُ لَهٗ اِبْرَاهِیْمُ اَلَمْ اَقُلْ لَکَ لَا تَعْصِنِیْ فَیَقُوْلُ لَهٗ اَبُوْهُ فَالْیَوْمَ لَا اَعْصِیْکَ فَیَقُوْلُ اِبْرَاهِیْمُ یَارَبِّ اِنَّکَ وَعَدْتَنِیْ اَلَّا تُخْزِیَنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ فَاَیُّ خِزْیٍ اَخْزٰی مِنْ اَبِیْ الْاَبْعَدِ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَی الْکَافِرِیْنَ ثُمَّ یُقَالُ لِاِبْرَاهِیْمَ مَا تَحْتَ رِجْلَیْکَ فَیَنْظُرُ فَاِذَا هُوَ بِذِیْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَیُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ. (رواه البخاری)

ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محشر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد آزر سے جب اس حالت میں ملاقات ہوگی کہ ان کے چہرہ پر تاریکی چھائی ہوگی اور وہ غبار آلود ہوگا تو وہ فرمائیں گے کیا میں نے آپ سے دنیا میں نہیں کہد یا تھا کہ میری نافرمانی نہ کیجئے وہ جواب دیں گے اچھا اب نہیں کروں گا اسوقت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام (جوشِ محبت میں) دعا فرمائیں گے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ محشر میں مجھے رسوا نہ کرے گا۔ آج میرے اس رحمت سے دور افتادہ والد کی حالت سے بڑھ کر میری رسوائی اور کیا ہوگی۔ ارشاد ہوگا میں تو جنت کو کافرین پر حرام کر چکا ہوں۔ اس کے بعد ان سے کہا جائے گا اچھا ذرا اپنے پیروں کے پاس تو دیکھو کیا چیز ہے وہ دیکھیں گے تو ایک کیچڑ میں لتھڑی ہوئی ہنڈار کی مسخ شدہ صورت ان کو نظر آئے گی (یہ مکروہ صورت دیکھ کر تکوینی طور پر ان کے قلب سے شفقت پدری نکل جائے گی) پھر آزر کے پیروں کو پکڑ کر دوزخ میں ڈالدیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ یہ والد بزرگوار کے لئے سفارش نہیں تھی اس کی ممانعت تو پہلے ہو چکی تھی بلکہ یہ اس وعدہ کی یاددہانی ہے جو ان کی رسوائی سے حفاظت کے متعلق کیا جا چکا تھا۔ قدرت نے اس کا یوں ایفاء کر دیا کہ آزر کی شکل ہی کو مسخ کر دیا تا کہ یہ شناخت ہی نہ ہو سکے کہ یہ کون ہیں اگر چہ اس یاددہانی میں دوسرے پیرایہ سے سفارش کی بو نہیں آرہی تھی مگر یہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی مشرک امت کے حق میں شفاعت سے بچ بچ کر فرمایا اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ. یعنی میں آج بحق نبوت تو کچھ بول نہیں سکتا مگر تیری خدائی اور ان کے رشتہ بندگی کو یاد دلاتا ہوں اب تو چاہے تو اپنے بندے سمجھ کر ان کو عذاب دیدے اور چاہے تو بخش دے اسی طرح یہاں ابراہیم علیہ السلام براہ راست تو کافر باپ کی سفارش نہیں کرتے مگر یوں فرماتے ہیں کہ پروردگار ان کی اس حالت کا اثر آج کچھ تیرے خلیل پر بھی پڑتا ہے ان کو رسوائی سے بچانہ بچا یہ تیری مرضی مگر اپنے خلیل کو تو بچالے اس کے متعلق تو تیرا وعدہ ہے قدرت نے اپنے دونوں وعدے پورے کر دیئے۔ کافر کو بخشا نہیں اور خلیل کو رسوا نہیں کیا۔ وله الحمد فی الاولیٰ والآخرہ.

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلاً یَسْتَغْفِرُ لِاَبَوَیْهِ وَهُمَا مُشْرِکَانِ فَقُلْتُ لَا تَسْتَغْفِرْ لِاَبَوَیْکَ وَهُمَا مُشْرِکَانِ فَقَالَ اَلَیْسَ قَدْ اِسْتَغْفَرَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَهُوَ مُشْرِکٌ فَذَکَرْتُهٗ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْا اُوْلِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ

اَنَّهُمْ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ وَمَا كَانَ اِسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ. (رواه الحاكم فى التفسير وصححه الذهبى ايضا والحديث يروى فى الصحاح)

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرتے سنا تو میں نے کہا کہ تو ان کے لئے استغفار نہ کر کیونکہ وہ مشرک تھے اس نے کہا کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کیلئے مغفرت طلب نہ کی تھی حالانکہ وہ بھی تو مشرک تھے۔ یہ بات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی اور مومنین کے لئے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ مشرکین کے حق میں استغفار کریں اگر چہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بالخصوص جبکہ ان پر یہ واضح ہو چکا ہو کہ مشرکین سب دوزخی ہیں۔ رہا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کیلئے استغفار کا معاملہ تو وہ صرف ایک وعدہ کی بناء پر تھا جو انہوں نے پہلے سے کر رکھا تھا لیکن جب ان کو یہ واضح ہو گیا کہ ان کا والد خدائے تعالیٰ کا دشمن تھا تو وہ بھی ان سے الگ ہو گئے (اور سفارش ترک کر دی) ابراہیمؑ مزاج کے نہایت نرم اور بڑے گریہ وزاری کرنیوالے نبی تھے۔ (حاکم)

تشریح:۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ کافر کے لئے دعا مغفرت بھی نہ کرنی چاہئے کیونکہ جس کے حق میں عدم مغفرت کا اعلان کر دیا گیا ہے ان الله لا يغفر ان يشرك به اس کیلئے مغفرت کی دعا کرنی قرآن کریم سے گویا معارضہ ہے۔ ابو طالب کے حق میں آپ کی سفارش صرف عذاب کے تخفیف کیلئے ہو گی اس کو بھی علماء نے آپ کی خصوصیت پر محمول کیا ہے بہر حال مغفرت کا دروازہ کافر کیلئے بند ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ زَارَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ اُمِّهٖ فَبَكٰى وَاَبْكٰى مَنْ حَوْلَهٗ فَقَالَ اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّىْ فِىْ ان اَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِىْ وَاسْتَأْذَنْتُهٗ فِىْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاُذِنَ لِىْ فَزُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ. (رواه مسلم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی تھی کہ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرلوں، تو مجھ کو دیدی اور میں نے اس کی اجازت مانگی کہ ان کی مغفرت کے لئے درخواست پیش کروں تو مجھ کو اس کی اجازت نہ دی۔ تم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ (مسلم)

تشریح:۔ اس قسم کی احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شرک کا جرم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا ہے کہ اس پر کسے باشد سب یکساں ماخوذ ہوں گے اب اگر فرض کر لیجئے کہ کسی کی خاطر رحمت کوئی کرشمہ قدرت دکھادے اور کسی کو اسی عالم میں دوبارہ زندہ کر کے ایمان کی توفیق بخش دے تاکہ مشرک کے حق میں اس کا آئین بھی محفوظ رہے اور رعایت کرنے کا ایک سبب بھی پیدا ہو جائے تو یہ اس کی مرضی کی بات ہے اس میں کون مداخلت کر سکتا ہے لیکن اس قسم کا مضمون صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا۔ صحیح حدیثوں سے جتنا ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی توحید کے معاملہ میں کسی کے ساتھ بھی نرمی نہیں کی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ بلند میں سفارش کا معاملہ بھی ان ہی کی مرضی پر موقوف ہے انبیاء علیہم السلام کی بھی یہ تاب وطاقت نہیں کہ وہ کسی کے معاملہ میں قدرت کو مجبور کر سکیں جب تک اس طرف سے ممانعت کے آثار نہیں پاتے یہ بھی اپنے

عجز و نیاز کے ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں اور جب ذرا آثار ممانعت نظر آنے لگتے ہیں تو پھر وہ بھی اپنی بیزاری کا اعلان کر دیتے ہیں خواہ وہ اپنا والد ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ.

عَنْ اِبْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ اَبُوْجَهْلٍ فَقَالَ اَىْ عَمِّ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً اُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَاللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْجَهْلٍ وَعَبْدُاللّٰهِ ابْنُ اُمَيَّةَ يَا اَبَاطَالِبٍ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَاهُ حَتّٰى قَالَ اٰخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهٖ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَالَمْ اُنْهَ عَنْهُ فَنَزَلَتْ. مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُوْلِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ. وَنَزَلَتْ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ. (رواه البخاری)

ابن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابوجہل بھی موجود تھا، آپ نے ان سے کہا چچا جان لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے تا کہ اس کلمہ کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب میں آپ کے لئے کچھ گفت وشنید کا موقع مل جائے اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ فوراً بولے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کا آبائی دین چھوڑ دو گے اور اس سلسلہ میں وہ ابوطالب کو اتنا ورغلاتے رہے یہاںتک کہ انہوں نے جو سب سے آخری بات اپنی زبان سے کہی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب ہی کی ملت پر ہوں آپ نے فرمایا اس کے باوجود میں آپ کے حق میں استغفار کرتا رہوں گا تا آنکہ مجھے اس سے صاف طور پر روک نہ دیا جائے اس پر یہ آیت اتری۔ نبی اور مؤمنوں کے لئے یہ نامناسب ہے کہ وہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی ہو کہ مشرک دوزخی جماعت ہیں نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ (بخاری شریف)

عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيْرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى اُمَّتِكَ فَاِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ أَوَفِيْ هٰذَا اَنْتَ يَاابْنَ الْخَطَّابِ اُوْلٰٓئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وفی روایۃ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةُ. (متفق علیہ)

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کا جال بھرا ہوا تھا اور ایک کھرے بوریئے پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے جسم مبارک اور بوریئے کے درمیان کوئی کپڑا تک نہ تھا اس لئے بوریئے کے بناوٹ کے نقش جسم نازک پر اُبھر آئے تھے۔ یہ سماد یکھ کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ آپ کی امت پر بھی کچھ وسعت فرمادے۔ دیکھئے تو سہی آخر یہ فارس وروم بھی تو ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے وہ کس طرح پھل پھول رہے ہیں، آپ نے فرمایا ابن الخطاب! اچھا کیا ابھی تک تم اسی پیچید گی

میں پھنس رہے ہو، ارے بھئی یہ تو وہ قوم ہے جن کی نیکیوں کا بدلہ پیشگی طور پر دنیا ہی میں دیدیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کیا تم اس تقسیم پر خوش نہیں کہ ان کے حصہ میں دنیا رہے اور ہمارے حصہ میں آخرت۔ (بخاری ومسلم)

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ اِسْتَسْقٰى يَوْمًا عُمَرُ فَجِئَ بِمَاءٍ قَدْ شِيْبَ بِعَسْلٍ فَقَالَ اِنَّهٗ طَيِّبٌ لٰكِنِّىْ اَسْمَعُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ نَعٰى عَلٰى قَوْمٍ شَهَوَاتِهِمْ فَقَالَ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِىْ حَيٰوتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَاَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا فَلَمْ يَشْرَبْهُ. (رواہ رزین)

زید بن اسلمؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے پینے کے لئے پانی مانگا تو ان کے سامنے شہد کا شربت پیش کیا گیا۔ فرمایا شربت تو بڑا مزے دار ہے لیکن کیا کروں کہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہوں کہ اس نے کافروں کی من مانی خواہشات ملنے پر ان کی مذمت فرمائی ہے اور کہا ہے کہ تم تو اپنی نیکیوں کے مزے دنیا ہی میں اڑا چکے، اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ بھی کہیں جلدی جلدی دنیا ہی میں نہ دیا جا رہا ہو۔ یہ کہہ کر شربت ہرگز نہ پیا۔ (رزین)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً يُعْطٰى بِهَا فِى الدُّنْيَا وَيُجْزٰى بِهَا فِى الْاٰخِرَةِ وَاَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِى الدُّنْيَا حَتّٰى اِذَا اَفْضٰى اِلَى الْاٰخِرَةِ لَمْ يَكُنْ لَهٗ حَسَنَةٌ يُجْزٰى بِهَا. (رواہ مسلم)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی مومن پر اس کی کسی نیکی کے بارے میں ظلم نہیں کرتا۔ اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی دیا جاتا ہے۔ رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے اپنی دانست میں خدائے تعالیٰ کے واسطے کی تھیں ان کا پورا بدلہ دنیا ہی میں نمٹا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی ایسی باقی نہیں ہوتی جس کا ثواب اس کو وہاں دیا جائے۔ (مسلم شریف)

عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ اُتِىَ بِطَعَامٍ وَكَانَ صَائِمًا فَقَالَ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّىْ كُفِّنَ فِىْ بُرْدَةٍ اِنْ غُطِّىَ رَأْسُهٗ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَاِنْ غُطِّىَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهٗ وَاُرَاهُ قَالَ وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّىْ ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ اَوْ قَالَ اُعْطِيْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا اُعْطِيْنَا وَلَقَدْ خَشِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِىْ حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ. (رواہ البخاری)

سعد بن ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا روزہ تھا جب افطار کے وقت ان کے سامنے نہایت نفیس کھانا رکھا گیا تو فرمانے لگے کہ مصعب بن عمیر شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے مگر ان کو کفن کیلئے صرف ایک چادر نصیب ہوئی وہ بھی اتنی تھی کہ جب ان کا سر ڈھکا جاتا تو دونوں پیر کھل جاتے اور جب پیر ڈھکے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا (راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں حضرت حمزہ کا بھی ذکر فرمایا) کہ وہ بھی شہید ہوئے اور وہ بھی مجھ سے بدرجہا افضل تھے اس عسرت و تنگی کے دور کے بعد پھر ہمارے لئے دنیا کی جو کچھ فراوانی ہوئی وہ ہوئی۔ ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں نہ نمٹایا جا رہا ہو، یہ کہہ کر اتنا روئے کہ کھانا (اسی طرح) چھوڑ دیا۔ (بخاری)

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَحْسَنَ مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا كَافِرٍ اِلَّا اَثَابَهُ اللّٰهُ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اِثَابَةُ الْكَافِرِ قَالَ اِنْ كَانَ قَدْ وَصَلَ رَحِمًا اَوْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ اَوْ عَمَلَ حَسَنَةً اَثَابَهُ اللّٰهُ الْمَالَ وَالْوَلَدَ وَالصِّحَةَ وَاَشْبَاهَ ذَالِكَ قَالَ فَقُلْنَا مَا اِثَابَتُهُ فِي الْاٰخِرَةِ فَقَالَ عَذَابًا دُوْنَ الْعَذَابِ قَالَ وَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ. (اخرجه الحاكم فی التفسیر ص ۲۵/۲۵۳ وقال الذهبی فیه عتبة یقظان واہ)

حضرت ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان ہو یا کافر نیک عمل جو بھی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ کافر کے عمل کا بدلہ کیا ہے فرمایا جو کافر اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے، یا صدقہ دیتا ہے یا اور کوئی بھلا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ مال، اولاد، تندرستی اور اسی قسم کی دنیوی نعمتوں کی شکل میں دیدیتا ہے ہم نے عرض کیا یہ تو دنیا میں بدلا ہوا آخرت میں ان کا بدلا کیا ہوگا۔ فرمایا عذاب کی تخفیف، اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی ادخلوا ال فرعون الخ فرعونیوں کو سخت عذاب میں جھونک دو۔ (متدرک)

تشریح:۔ بظاہر آیت سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ جب اس آیت سے فرعونیوں کا سخت ترین عذاب میں گرفتار ہونا ثابت ہوا تو دوسروں کے حق میں ان کی نسبت سے عذاب کی تخفیف بھی مفہوم ہوئی لہٰذا ثابت ہوا کہ بعض کفار کو بعض کی نسبت عذاب میں تخفیف ہوگی اس تخفیف کا باعث کچھ ان کی نیکیاں بھی ہوسکتی ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد کیا زمانہ کفر کی نیکیاں بھی قبول ہوسکتی ہیں

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اُمُوْرًا كُنْتُ اَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صَدَقَةٍ اَوْ عَتَاقَةٍ اَوْصِلَةِ رَحِمٍ اَفِيْهَا اَجْرٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا اَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ. (رواه البخاری ومسلم والحاکم فی مستدرکه فی مناقب حکیم)

حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ فرمایئے میرے وہ نیک کام جو میں زمانہ جاہلیت میں کیا کرتا تھا جیسے صدقہ، غلام آزاد کرنا، اور عزیزوں کے ساتھ سلوک کرنا کیا ان کا بھی مجھ کو ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا تم جتنی نیکیاں پہلے کر چکے ہو، ان سب کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے ہو۔ (یعنی ان کا بھی ثواب ملے گا) (بخاری۔ مسلم۔ متدرک)

تشریح:۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر کے نیک عمل اسلام کے بعد معتبر ہوسکتے ہیں لیکن بحث طلب یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان نہ ہو جب بھی ان کا کوئی نفع ظاہر ہوگا یا نہیں۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو زکوٰۃ، عتق، اور صلہ رحمی کے مختلف ابواب میں روایت کیا ہے اور ہر جگہ اس پر صدقہ مشرک اور عتق مشرک کا عنوان قائم کر کے "ثم اسلم" (یعنی پھر اسلام قبول کرلے) کی قید لگادی ہے۔ یعنی اگر مشرک صدقہ یا غلام آزاد کر کے مسلمان ہو جائے تو کیا اس کے یہ اعمال موجب ثواب ہوں گے؟ حافظ ابن حجر نے غالباً اسی لئے یہ تفصیل اختیار فرمائی ہے کہ کافر اگر اسلام قبول کرلے جب تو اس کے زمانہ کفر کی نیکیوں پر اجر ملتا ہے ورنہ نہیں۔ ہمارے نزدیک امام بخاری نے ان تراجم میں اس مسئلہ کے فیصلہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں فرمایا بلکہ اس کے پیچیدہ اور

مختلف فیہ ہونیکی وجہ سے کسی ایک جانب جزم کرنا خلافِ احتیاط سمجھا ہے اور اس لئے الفاظ حدیث ہی کو عنوان باب بنا دیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کافر کے طاعات معتبر ہونے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ اس کے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جائے یہی اس کے حق میں بہت بڑی بات ہے اس کے سواء اس کے حق میں نجاتِ ابدی کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا۔

اگر کافر اسلام نہ لائے تو کیا اس کی نیکیاں سودمند ہیں

حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَغْنَيْتَ عَنْ عَمِّكَ فَاِنَّهُ كَانَ يَحُوْطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ قَالَ هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَّارٍ وَلَوْلَا اَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. (رواه البخارى فى قصة ابى طالب)

عباس بن عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے اپنے چچا (ابو طالب) کو کیا نفع پہنچایا وہ آپ کی بڑی حمایت کرتے تھے اور آپ کی خاطر دوسروں سے ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ فرمایا دوزخ میں ان کو ٹخنوں تک عذاب ہوگا۔ اگر کہیں میری سفارش نہ ہوتی تو سب سے نیچے کے طبقے میں ہوتے۔ (بخاری)

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ اَبُوْ طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ تَغْلِيْ مِنْهُ اُمُّ دِمَاغِهِ. (رواه البخارى)

ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آپ کے چچا ابو طالب کا ذکر آیا تو انہوں نے ان کے متعلق آپ کو یہ فرماتے سنا، قیامت کے دن میری سفارش شاید ان کو کچھ نفع دیدے اور اس کی وجہ سے وہ تھیلی آگ میں رکھے جائیں جو صرف ان کے ٹخنوں تک رہے لیکن اس عذاب سے بھی ان کا دماغ تک کھولتا رہے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ ان احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کافر کی نیکیاں اصولی طور پر بھی تخفیف عذاب کا موجب ہوسکتی ہیں بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خاص موقعہ پر کسی سفارش کی وجہ سے اس کے حق میں تخفیف عذاب ہوسکتی ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میری سفارش نہ ہوتی تو ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہ کی جاتی۔ مسلم شریف میں اس حدیث پر یہ باب ہے "شفاعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب والتخفیف عنه بسببه" اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ابو طالب کے حق میں جو تخفیف ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی بدولت ہی ہوئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ کی سفارش میں ان کی اس جاں نثاری کا دخل بھی ضرور تھا۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے رسول کی ذات سے متمتع ہونے کی دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں۔ الداعی انما ینتفع من وجهین اما بدعاء الرسول واما بایمان الداعی به وطاعته ومحبته فاذا کان الرسول لم یدع له وهو لم یؤمن به لم ینتفع بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم فابو طالب مع کفره لما کان یحوط الرسول ویمنعه شفع فیه حتی خفف عنه العذاب. (کتاب الرد علی البکری ص ۶۲)

کسی دعاء کرنیوالے کو رسول کی ذات سے صرف دو طرح نفع پہنچ سکتا ہے یا تو اس کے حق میں خود رسول دعاء و سفارش کرے، یا یہ شخص خود اس رسول پر ایمان رکھتا ہو، اس کی اطاعت اور اس سے محبت کرتا ہو پس اگر نہ تو رسول اس کے حق میں دعاء کرے اور نہ یہ اس پر ایمان رکھے تو اب رسول کی ذات سے اس کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ ابو طالب باوجودیکہ کافر تھے لیکن چونکہ وہ آپ کی حمایت کیا کرتے تھے (اور آپ نے ان کے حق میں دعاء فرمائی تھی) اس لئے ان کے حق میں آپ کی سفارش کارگر ہوئی اور ان کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی۔

یہاں ایک شبہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ احادیث بالا سے کافر کے حق میں بھی شفاعت کا نافع ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے برخلاف قرآن کی تصریح یہ ہے کہ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ. کافروں کو شفاعت کرنیوالوں کی شفاعت سودمند نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک اس کا سب سے بہتر اور بے تکلف جواب امام قرطبی کا ہے وہ فرماتے ہیں۔

المراد بها فى الأية الاخراج من النار وفى الحديث المنفعة بالتخفيف.

آیت کی مراد یہ ہے کہ شفاعت کی وجہ سے کسی کافر کو عذاب دوزخ سے نجات نہیں مل سکتی اور حدیث میں شفاعت کا جو نفع مذکور ہے اس سے مراد صرف عذاب کی تخفیف ہے نجات نہیں۔ (فتح الباری)

عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِیِّ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللہِ اِنَّ اَبِیْ کَانَ یَصِلُ الرَّحِمَ وَیَفْعَلُ وَیَفْعَلُ فَهَلْ لَہٗ فِیْ ذٰلِکَ یَعْنِیْ مِنْ اَجْرٍ قَالَ اِنَّ اَبَاکَ طَلَبَ اَمْرًا فَاَصَابَہٗ. (رواہ احمد)

عدی بن حاتم طائی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے والد صلہ رحمی کرتے اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتے تھے انہیں کچھ ملے گا؟ راوی کہتا ہے کہ کچھ ان کا ثواب ملے گا آپ نے جواب دیا کہ تمہارے والد کی جو نیت تھی وہ انہیں حاصل ہوگئی۔ (یعنی شہرت مقصود تھی وہ اتنی ہوگئی کہ دنیا میں ان کی سخاوت ضرب المثل ہوگئی یہ کمال بلاغت تھی کہ بیٹے کے منہ پر باپ کی عدم مغفرت بیان کرنے سے اعراض فرمایا) (احمد والطبرانی)

عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّهَا قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللہِ اِنَّ اِبْنَ جُدْعَانَ کَانَ یَقْرِیْ الضَّیْفَ وَیَصِلُ الرَّحِمَ وَیَفْعَلُ وَیَفْعَلُ اَیَنْفَعُہٗ ذَالِکَ قَالَ لَا اِنَّہٗ لَمْ یَقُلْ یَوْمًا قَطُّ رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ابن جدعان بڑی مہمان نوازی، بڑی صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتا تھا، کیا یہ کام اس کیلئے کچھ سودمند ہوں گے فرمایا نہیں اس نے کسی دن (بھولے سے) بھی یہ نہیں کہا میرے پروردگار! قیامت میں میری خطاؤں سے درگذر کرنا۔ (ابن جریر وحاکم ومسلم)

عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ فِیْ قِصَّةٍ اَنَّ ثُوَیْبَةَ مَوْلَاةٌ لِاَبِیْ لَهَبٍ وَکَانَ اَبُوْلَهَبٍ اَعْتَقَهَا فَاَرْضَعَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْلَهَبٍ اُرِیَہٗ بَعْضُ اَهْلِہٖ بَشَرِّ حِیْبَةٍ قَالَ لَہٗ مَاذَا لَقِیْتَ قَالَ اَبُوْلَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَکُمْ غَیْرَ اَنِّیْ سُقِیْتُ فِیْ هٰذِہٖ بِعَتَاقَتِیْ ثُوَیْبَةَ. (رواہ البخاری) **وفى الفتح ذكر السهيلى ان العباس قال لما مات ابولهب رأيته فى منامى بعد حول فى شرّحال**

فقال ما لقیت بعدکم راحة الا ان العذاب یخفف عنی فی کل یوم اثنین قال وذلک ان النبی صلی اللہ علیه وسلم ولد یوم الاثنین وکانت ثویبة بشرت ابالهب بمولده فاعتقها)

زہری سے روایت ہے کہ عروۃ فرماتے تھے ثویبہ ابولہب کی باندی تھی جسے ابولہب نے آپ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کردیا تھا۔ اس آزاد شدہ باندی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا جب ابولہب مرگیا تو اس کے گھر کے کسی آدمی نے اس کو بہت برے حال میں دیکھا اس سے پوچھا کہو کیا گذری ابولہب نے کہا تم سے جدا ہو کر مجھے کوئی راحت نہیں مل سکی بجز اس کے کہ ثویبہ کو چونکہ میں نے آزاد کیا تھا اس لئے اس کے بدلہ میں مجھ کو تھوڑا سا پانی پلا دیا جاتا ہے۔ (بخاری) فتح الباری میں سہیلی سے منقول ہے کہ عباسؓ کہتے ہیں جب ابولہب مرگیا تو میں نے اسے ایک سال بعد بہت خراب حال سے خواب میں دیکھا اس نے کہا تم سے جدا ہو کر میں نے راحت کا ذائقہ بھی نہیں چکھا۔ صرف پیر کے دن میرے عذاب میں ذرا سی تخفیف کر دی جاتی ہے۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر ہی کے دن ہوئی تھی جب ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس نے خوشی میں آکر اس کو آزاد کر دیا تھا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةَ رَقَبَةٍ فَاَعْتَقَ اِبْنُهٗ هِشَامٌ خَمْسِيْنَ رَقَبَةً فَاَرَادَ اِبْنُهٗ عَمْرٌو اَنْ يَّعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِيْنَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ وَاِنَّ هِشَامًا اَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهٗ ذَالِكَ. (رواہ ابوداؤد)

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ عاص بن وائل نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کر دیئے جائیں ان کے ایک فرزند ہشام نے تو پچاس غلام آزاد کر دیئے تھے دوسرے فرزند عمرو نے بقیہ پچاس ادا کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے بغیر مجھے یہ اقدام کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے والد ماجد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت فرمائی تھی پچاس تو میرے بھائی ہشام نے آزاد کر دیئے ہیں اور پچاس ابھی باقی ہیں اجازت ہو تو ان کی طرف سے وہ میں آزاد کر دوں۔ آپ نے فرمایا اگر تمہارے والد مسلمان ہوتے تو پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا کچھ صدقہ دیتے یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب بیشک ان کو پہنچتا۔ (ابوداؤد)

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ يَزِيْدَ الْجُعْفِيِّ قَالَ انْطَلَقْتُ اَنَا وَاَخِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّنَا مُلَيْكَةَ كَانَتْ تَصِلُ الرَّحِمَ وَتَقْرِيْ الضَّيْفَ وَتَفْعَلُ وَتَفْعَلُ هَلَكَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذَالِكَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ لَا قَالَ قُلْنَا فَاِنَّهَا كَانَتْ وَاَرَتْ اُخْتًا لَنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذَالِكَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ الْوَائِدَةُ وَالْمَوْءُدَةُ فِي النَّارِ اِلَّا اَنْ تُدْرِكَ الْوَائِدَةُ الْاِسْلَامَ فَيَعْفُوَ اللّٰهُ عَنْهَا. (رواہ احمد)

سلمہ بن یزید سے روایت ہے کہ میں اور میرا بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے (حاضر ہوکر) پوچھایا رسول اللہ ہماری والدہ ملیکہ بڑی (نیک اور پارسا بی بی تھیں) صلہ رحمی کرتیں، مہمان نوازی کرتیں اور بھی اچھے اچھے کام کیا کرتی تھیں۔ کفر ہی کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوگیا ہے کیا ان کے یہ اعمال انہیں کچھ سودمند ہوں گے آپ نے فرمایا کچھ نہیں پھر ہم نے پوچھا کہ انہوں نے ہماری ایک بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا کیا اس معصوم کو (گناہ کی تمیز سے پہلے مر جانے سے) کوئی فائدہ ہوگا آپ نے فرمایا کہ یہ رسم بد ادا کرنے والی اور وہ لڑکی دونوں دوزخ میں ہیں ہاں اگر اس جرم کا ارتکاب کرنے والی اسلام قبول کر لیتی اور اللہ تعالیٰ اس کا یہ جرم بخش دیتا تو پھر نجات کی صورت ہوسکتی تھی۔ (احمد وطبرانی)

تشریح:۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں بھی موجود ہے مگر اس میں صرف اتنا قصہ مذکور ہے "الوائدۃ والموؤدۃ فی النار" اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کلیہ ہے اور اس وجہ سے اطفال مشرکین کے مسئلہ میں اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ واضح ہو گیا ہے کہ اس کا شان نزول ایک خاص واقعہ ہے لہٰذا مؤودہ سے یہی خاص مؤودہ مراد ہوگی۔ ابوداؤد میں حسناء اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں اس میں اس کے خلاف یہ ہے والوئید فی الجنۃ (مشکوٰۃ ص ۲۳۵)۔ آخرت میں اصل نفع چونکہ عذاب دوزخ سے نجات ہے اسلئے سائلین کے سوال پر آپ مجملاً نفع کی نفی فرماتے رہے۔ نیز کافروں کے اعمال کے معمولی سے نفع کی بے وجہ تشریح کرنا صاحب نبوۃ کیلئے ذرا موزوں بھی نہ تھا۔ آپ دنیا کو شرک سے نفرت دلانے کیلئے آئے تھے خدا کی زحمتوں اور اس کی رحمتوں کے کرشموں کے بیان کرنے کا محل اور ہے۔

عَنْ اَبِیْ نُعَیْمٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اَوْشَیْخٌ مِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ فَنَزَلَ عَلٰی مَسْرُوْقٍ فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عَمْرٍ وَیَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِیَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا لَمْ تَضُرَّہٗ مَعَہٗ خَطِیْئَۃٌ وَمَنْ مَاتَ وَھُوَ یُشْرِکُ بِہٖ لَمْ تَنْفَعْہُ مَعَہٗ حَسَنَۃٌ. قال الھیثمی رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح ما خلا التابعی فانہ لم یسلم ورواہ الطبرانی فجعلہ من روایۃ مسروق ورواہ عن عبداللہ بن عمر کما فی رحمۃ المھداۃ.

ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص یا ایک بوڑھا شخص (راوی کو شک ہے) آیا اور مسروق کے یہاں مہمان ہوا۔ اس نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت پر مر جائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو کوئی گناہ اس کو جنت میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتا اور جو شخص شرک کی حالت پر مرے تو کوئی نیکی اس کو سودمند نہیں ہوسکتی۔ (یعنی اس کی مغفرت نہیں ہوگی)۔ (احمد۔طبرانی)

تشریح:۔ یہ امر تو تقریباً طے شدہ ہے کہ کافر کی نیکیاں اس کے اسلام کے بعد معتبر ہوسکتی ہیں یعنی رحمت ان پر بھی اس کو ثواب دے سکتی ہے بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کافر مسلمان نہ ہو تو کیا پھر بھی اس کی نیکیوں کا کوئی ثمرہ آخرت میں ظاہر ہو سکے گا یا نہیں۔ دوسری بحث یہ ہے کہ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ ان کی نیکیاں کس درجہ میں قابل اعتبار ہوں کیا یہ حکم ان کی عبادتوں کو بھی شامل ہے یا عبادتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

غیر اللہ کی عبادت کرنی شرک ہے

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ حُصَيْنٍ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ اِلٰهًا قَالَ اَبِيْ سَبْعَةً سِتًّا فِي الْاَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ قَالَ فَاَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ قَالَ يَاحُصَيْنُ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا اَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ الَّلتَيْنِ وَعَدْتَنِيْ فَقَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ. (رواہ الترمذی)

عمران روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد حصین سے پوچھا تم موجودہ حالات میں کتنے خداؤں کی پوجا کرتے ہو میرے والد نے جواب دیا سات خداؤں کی جن میں چھ تو زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں۔ آپ نے پوچھا اچھا تو ان میں سے اپنی محبت اور خوف کے لئے تم نے کس کو بنا رکھا ہے انہوں نے جواب دیا آسمان والے کو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا حصین! اگر تم اسلام قبول کر لیتے تو میں تم کو دو کلمے ایسے تعلیم کرتا جو تم کو بڑے سودمند ہوتے۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد جب حصین حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بات یاد دلائی اور عرض کیا یا رسول اللہ جن دو کلموں کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اب وہ مجھے بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا یہ پڑھ لیا کرو اللھم الھمنی الخ خدایا میرے مقدر کی ہدایت میرے دل میں ڈالدے (کہ میں اس پر عمل پیرا ہو جاؤں) اور میرے نفس کے فریب سے مجھے بچالے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مختصر اور سادہ سوال و جواب نے حصین کی سلیم فطرت کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ جب محبت اور خوف کا علاقہ اس کے نزدیک بھی صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر مفت میں بقیہ چند خداؤں کے آستانہ پر جبہ سائی کا فائدہ؟ یہ صرف ہدایت کا ایک معمولی قالب تھا اس میں اصلی روح آپ کی چند لمحوں کی وہ کیمیا اثر صحبت تھی جو بجلی کی طرح سعادت مند قلوب میں دوڑ جایا کرتی تھی اور آن کی آن میں ان کے باطن کی کایا پلٹ دیتی تھی اسی نے یہاں حصین کے باطن میں بھی انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اس حدیث سے مشرکین عرب کے شرک کی کچھ تفصیل بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ توحید کی اصل روح توحید فی العبادت ہے جب تک رشتہ عبادت غیر اللہ کے ساتھ وابستہ رہے توحید نصیب نہیں ہوتی اور اس کا شمار مشرکوں ہی میں رہتا ہے اگرچہ اپنے زعم میں نفع و نقصان کا مالک ایک ہی ذات کو تصور کرتا ہو، اسی لئے اسلام کی توحید کا نمایاں پہلو توحید فی العبادت ہے۔ آج بھی بہت سے مسلمان ہیں جو کلمہ لا الہ الا اللہ زبان سے پڑھ کر غیر اللہ کی عبادت میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ درحقیقت یہ اسلام کی توحید نہیں۔ اگر اسلامی توحید کا صحیح مفہوم دماغ میں آجائے تو پھر ان افعال کے قریب پھٹکنا بھی ممکن نہیں ہوگا جن میں عبادت لغیر اللہ کی ذرا بھی بو آسکے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر جبر کرنے والا کوئی نہیں

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِيْ اِنْ شِئْتَ ارْزُقْنِيْ اِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْئَلَتَهٗ اِنَّهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُكْرِهَ لَهٗ. (رواہ البخاری)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا مانگو تو یوں مت کہا کرو، اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحم فرمادے اور تو چاہے تو مجھے روزی دیدے بلکہ خوب اصرار کے ساتھ کسی شرط و تردد کے بغیر دعا مانگا کرو کیونکہ اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں وہ خود مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا یَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ وَلٰكِنْ لِیَعْزِمْ وَلْیُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَاِنَّ اللهَ لَا یَتَعَاظَمُهٗ شَیْئٌ اَعْطَاهُ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا مانگا کرو تو یوں مت کہا کرو اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ بلاشرط دعا مانگا کرو اور اپنی ہمت بلند رکھا کرو، کیونکہ اللہ کو بڑی سے بڑی چیز دینی بھی کچھ بھاری نہیں ہوتی۔ (مسلم)

تشریح:۔ حدیث بالا میں کلمات دعا کے اندر اس شرط لگانے کے (اگر تو چاہے) دو ہی مفہوم نکل سکتے ہیں، یا تو متکلم اپنی شانِ بے نیازی کا اظہار چاہتا ہے اس لئے وہ اندازِ استغناء میں سوال کرتا ہے اور لازمی طور پر اپنی درخواست کی منظوری کی حاجت ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا یا مخاطب کی سہولت کی غرض سے ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہے گویا اس درخواست کی اجابت مخاطب کی سہولت پر چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ دونوں باتیں بے محل اور لغو ہیں اس کے سامنے نہ تو اظہار بے نیازی کا موقعہ ہے اور نہ اس کے لئے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد کے بخشنے میں کوئی دشواری ہے پھر دعاء کے الفاظ میں یہ کلمات شرط بے معنی اور سراسر گستاخی ہی ہوئے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِیَدِیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ لَاُحِبُّكَ یَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُّكَ یَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ. (نسائی، ابو داؤد)

معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں پکڑ کر فرمایا اے معاذ میں تم سے بہت محبت رکھتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی آپ سے بڑی محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھنا نہ چھوڑنا۔ اے اللہ اپنے ذکر و شکر اور اپنی عبادت اچھی طرح کرنے کے لئے میری مدد فرما۔ (نسائی۔ ابوداؤد)

عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ اَبِیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَیْتُهٗ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِیْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ قَالَ اَوَغَیْرَ ذَالِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ. (رواہ مسلم)

ربیعہ بن کعب روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سو رہا تھا جب آپ کے وضوء کے لئے پانی اور دیگر ضروریات کی اشیاء لیکر حاضر ہوا تو آپ نے (مسرور ہوکر) مجھ سے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو۔ میں نے عرض کیا جنت میں آپ کے قرب میں رہنے کا سوال رکھتا ہوں۔ فرمایا یہ کیا مانگتے ہو کچھ اور مانگو میں نے عرض کیا میرا سوال تو یہی ہے۔ فرمایا تو اس اہم مقصد کے لئے اپنے نفس کے دشمن بن جاؤ اور خدائے تعالیٰ کے لئے نمازوں میں سجدے کر کر کے میری بھی کچھ مدد کرو۔ (مسلم)

تشریح:۔ مطلب یہ تھا کہ بلند مقاصد صرف تمناؤں سے حاصل نہیں ہوا کرتے ان کے لئے مشقت اور مجاہدوں کی چکیوں

میں پسنا پڑتا ہے مشہور ہے **العطا یا علی متن البلا** یا یعنی انعامات سخت ترین آزمائشوں میں گذر کر ہی نصیب ہوتے ہیں۔ کامل دین یہ نہیں سکھاتا کہ فوز وفلاح کا راستہ بے عملی کے ساتھ صرف دعاؤں سے طے ہو جائے گا وہ عمل اور صرف عمل سے طے ہوگا۔ نسبی شرافتوں اور بزرگوں کے توسل کے بھروسہ پر عمل سے تغافل برتنا اسلامی تعلیم نہیں۔ کمال و تکمیل کی اس اصل روح کے ساتھ یہاں آپ نے کس خوبی سے اپنی عبدیت و عجز کا اظہار بھی فرمادیا یعنی تمام مراتب قرب کے باوجود بارگاہ بے نیاز میں خلاف آئین سفارش کرنے میں اور سب درماندہ ہیں۔ اگر عمل کا قدم اٹھا کر تم میری مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہو تو سفارش کا قدم اٹھانے کا وعدہ میں کرتا ہوں۔ حسن خدمات کے ساتھ اگر یہ اچھی سفارش لمجائے تو فوز وفلاح کی امید رکھنا۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے "**واسجد واقترب**" سجدے کر کے آپ ہمارا قرب تلاش کیجئے۔ اس آیت میں قرب خداوندی کا جو آئین آپ کو بتایا گیا تھا وہی آئین آپ نے یہاں قربِ رسول کے اس متلاشی کو بتا دیا اور اس ضمن میں یہ اشارہ بھی فرما دیا کہ جنت میں تمہارے رسول کا مقام تجلیاتِ الٰہیہ کی سب سے قریب ترین منزل ہے جہاں پہنچنے کے لئے قدوسیوں کے پر جلتے اور مقربین کے ہوش اڑتے ہیں۔ اس کے قرب کی تمنا کرنا بہت بڑا سوال ہے۔ اب اگر اس سوال کی ہمت کرتے ہو تو عمل کی ہمت بھی پیدا کرو یہی وہ حقیقت تھی جس کا اعلان آپ نے بطونِ عرب کو خطاب کرنے کے بعد اپنی سب سے محبوب ترین صاحبزادی کے سامنے کر دیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اسلام کی توحید یہ ہے کہ کامیابی و ناکامی کا معاملہ صرف دستِ قدرت میں سمجھنا چاہئے۔ عمل کا قدم اٹھائے جاؤ اور رسول کی شفاعت کے بعد اپنے ان ہیچ در ہیچ اعمال کی قبولیت کی امید رکھو۔ خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی شریعت کا خلاف کر کے یہ امید رکھنا کہ رسول خدائے تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہم کو زبردستی بخشوالیں گے۔ رسول کی محبت نہیں اس کی صریح مخالفت ہے۔ اسی سفاہت پر ابو ہریرہؓ کی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ دَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُرَیْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ یَابَنِیْ کَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَابَنِیْ مُرَّةَ بْنِ کَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَابَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَابَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَابَنِیْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَافَاطِمَةُ اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّ لَکُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا. (رواہ مسلم وھو فی المتفق علیه مع بعض تغییر)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب آیۃ **وانذر وعشیرتک الاقربین** نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا وہ جمع ہو گئے آپ نے ان کے عام اور خاص سب قبائل کو پکار پکار کر کہا اے کعب بن لوی کی اولاد، دوزخ کی آگ سے اپنی جانوں کو بچاؤ۔ اے کعب ابن مرہ کی اولاد اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ اے عبد شمس کی اولاد اپنی جانوں کو عذاب دوزخ سے بچاؤ۔ اے عبدالمطلب کی اولاد اپنی جانوں کو عذاب دوزخ سے بچاؤ (یہ تو عام قبائل کو دعوت تھی اس کے بعد پھر اپنے خاص قبیلہ کو دعوت دی) اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنی جان کو آتشِ دوزخ سے بچا، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی

مدد نہیں کرسکتا۔ ہاں میرے تمہارے مابین جو رشتہ کا تعلق ہے میں اس کے حقوق ضرور ادا کرتا رہوں گا۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَذَکَرَ الغلول فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ اَمْرَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ بَعِیْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ یَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ فَیَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ یَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَهَا صِیَاحٌ فَیَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَیَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ فَیَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ. (متفق علیه وهذا لفظ مسلم وهو اتم)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اس میں آپ نے خیانت کے معاملہ پر خاص طور سے زور دیکر فرمایا دیکھو میں ایسا نہ دیکھوں کہ قیامت کے دن تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ لدا ہوا بڑبڑا رہا ہو اور وہ شخص مجھے آواز دے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری مدد فرمائے تو میں اس کے جواب میں کہدوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کرسکتا ہوں میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گدی پر گھوڑا لدا ہوا ہو اور وہ ہنہنا رہا ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں اس سے کہدوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کرسکتا ہوں۔ میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر بکری لدی ہوئی ہو اور وہ بول رہی ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری مدد فرمایئے تو میں کہدوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کرسکتا ہوں۔ میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص قیامت کے دن آئے اور اس پر کوئی انسان بیٹھا چیخ رہا ہو اور یہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہدوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کرسکتا ہوں میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں ایک شخص قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر کپڑا لدا ہوا ہو اور ہوا میں اڑ رہا ہو اور یہ شخص پکارے یا رسول اللہ میری مدد فرمائے تو میں کہدوں بھلا آج میں تیری کیا مدد کرسکتا ہوں، میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا، دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں ایک شخص قیامت کے دن آئے اور اس کے اوپر سونا چاندی لدا ہوا ہو اور وہ پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے، تو میں کہدوں میں آج بھلا تیری کیا مدد کرسکتا ہوں میں تو دنیا ہی میں تجھ سے سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔

تشریح:۔ اس حدیث میں ذی روح اور غیر ذی روح دو قسم کے مالوں کا ذکر ہے ذی روح کے بولنے اور غیر ذی روح کی حرکت کے تذکرہ کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اس دن کسی قسم کی خیانت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اول تو کاندھے پر لدا ہوا مال ہی کب

پوشیدہ رہ سکتا ہے پھر اگر جانور خاموش رہے تو بھی ممکن ہے کہ اس طرف کسی کا دھیان نہ جائے لیکن جب جانور بولتا بھی رہے تو خواہ مخواہ کے لئے بھی ہر شخص کی نظر ادھر اٹھتی ہے یہی حال کپڑے کی حرکت کا ہے۔ بہر حال اس حدیث میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ کسی کو محض رشتے ناتے کے بھروسہ پر نہ رہنا چاہئے۔ خدائے تعالیٰ کی قاہر بارگاہ میں اس کے اذن کے بغیر لب کشائی کی ہمت کسی میں بھی نہیں۔ عمل کئے جاؤ اس کے بعد بھی بخشش کا بھروسہ صرف اس کی رحمت پر رکھو مگر دنیا ہے کہ وہ عمل صالح اور خدا کی رحمت کو تو فراموش کر چکی ہے اور اب محض بزرگانہ نسبتوں پر بھروسہ کئے بیٹھی ہے یہ اسلامی تعلیم نہیں نہ فوز و فلاح کا یہ راستہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَنْ یُنْجِیَ اَحَدًا مِنْکُمْ عَمَلُهٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ یَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَتَغَمَّدَنِیَ اللهُ بِرَحْمَتِهٖ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَشَیْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا. (متفق علیہ)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کسی کو بھی صرف اس کا عمل آخرت میں نجات نہیں دیگا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو بھی فرمایا ہاں مجھ کو بھی بجز اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت میں گھیر لے لہٰذا میانہ روی کے ساتھ عمل کرتے رہو اور زیادہ بلند پروازیاں نہ کرو۔ پس کچھ صبح و شام کچھ شب کی تاریکی میں میانہ رفتار کے ساتھ چلتے رہو منزل مقصود کو جا پہنچو گے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ رسول بارگاہِ ایزدی میں مقرب سے مقرب ہو کر بھی سرتاپا آدابِ عبودیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں وہ عین عالمِ استغراق میں بھی ایک حرف اپنی زبان پر ایسا نہیں لاتے جو ان کی شانِ عبدیت سے ذرا بھی اترا ہوا ہو۔ دیکھو یہاں رحمۃ للعالمین کے سامنے جب بارگاہ رب العالمین کا ذکر آ جاتا ہے تو وہ اس کی رحمت کی طرف احتیاج میں اپنی ذات کا بھی کوئی استثناء نہیں فرماتے اور بڑے مضطربانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ ارحم الراحمین کی رحمت کا تو وہ بھی محتاج ہے جس کو اس نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ پس یہاں رحمت کے بغیر نہ عملی سرگرمی سے کچھ کام بنتا ہے اور نہ صرف رحمت کا بھروسہ کچھ کارآمد ہو سکتا ہے مسافر آخرت پر لازم ہے کہ رحمت کی طرف نظر اٹھائے ہوئے میانہ روی کے ساتھ قدم بڑھائے چلے وہ اپنی منزل مقصود پر ضرور جا پہنچے گا۔

بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنی سب مرادیں اللہ تعالیٰ سے مانگے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیَسْاَلْ اَحَدُکُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ کُلَّهَا حَتّٰی یَسْاَلَ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ. (اوفی روایته عن ثابت البنانی مرسلا حتّٰی یَسْاَلَهُ الْمِلْحَ وَحَتّٰی یَسْاَلَهٗ شِسْعَهٗ اِذَا انْقَطَعَ. (رواہ الترمذی)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم کو چاہئے کہ اپنی سب حاجتیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا کرو۔ یہاں تک کہ اگر چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی خدائے تعالیٰ سے مانگو۔ اور ایک روایت میں ثابت بنانی سے مرسل طور پر اتنا اور اضافہ منقول ہے کہ نمک بھی اس سے مانگو۔ (ترمذی)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْفُلُ لِيْ اَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَاَتَكَفَّلَ لَهُ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَكَانَ لَا يَسْأَلُ اَحَدًا شَيْئًا. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کا کون ضامن ہوتا ہے کہ وہ کسی شخص سے کچھ سوال نہ کیا کرے گا تو میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ ثوبان نے عرض کیا میں اس کے بعد وہ کسی سے کوئی چیز بھی مانگا نہیں کرتے تھے۔ (ابوداؤد۔نسائی)

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّؓ قَالَ دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَشْتَرِطُ عَلَىَّ اَنْ لَا تَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَلَا سَوْطَكَ اِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتّٰى تَنْزِلَ اِلَيْهِ فَتَأْخُذَهُ. (رواہ احمد)

ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ سے یہ شرط کی کہ دیکھنا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا میں نے کہا قبول ہے آپ نے فرمایا اگر تمہارے ہاتھ سے کوڑا اگر پڑے تو اپنا کوڑا بھی نہ مانگنا یہاں تک کہ اترنا اور اس کو خود اٹھالینا۔ (احمد)

تشریح:۔ یہ تمام مقامات وہ ہیں جہاں اگر کسی انسان سے سوال کرلیا جائے تو اس سے حدودِ اسلامی پر کوئی ضرب نہیں لگتی صرف ادب اسلامی میں فرق آتا ہے لیکن جہاں پہنچ کر حدود اسلامی پر ضرب لگتی ہے وہ مُردوں سے یا غائب کو حاضر جان کر سوال کرنا ہے یہ صفت ایک خدائے قدوس کی ہے کہ اس کیلئے شہود وغیبوبتہ کا کوئی فرق نہیں وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو ذات مکان و زمان میں مقید ہے قرب و بعد اور غیبوبتہ وشہود کا فرق بھی اسی کے لئے ہے اور جو مادیۃ کی قیود سے منزہ ومبرا ہو وہ ان فروق سے بھی منزہ ومبرا ہے۔ اسی طرح اس کی ذات پاک نینداور موت کے آثار سے بھی بالاتر ہے۔ پس جو شخص مُردوں کو زندوں کی طرح اور بعید کو قریب کی طرح اور غائب کو حاضر کی طرح پکارتا ہے وہ گویا ایک مخلوق میں خالق کی صفات تسلیم کرتا ہے اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں اداء کیا ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُوْنَ.

اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اسکو پکارے جو قیامت تک اسکی پکار کو نہ پہنچے اور انکی پکار سے بھی غافل ہو۔ (الاحقاف)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ. (الاعراف)

جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو وہ تم جیسے بندے ہیں بھلا انہیں پکار دیکھو تو چاہئے کہ وہ تمہارے پکارنے کو قبول کریں۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ اَوِ احْتَاجَ فَكَتَمَهٗ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَرْزُقَهٗ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھوک کی تکلیف ہو یا اس کو کوئی اور حاجت پیش آجائے پھر وہ اس کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر یہ ایک حق ہوگا کہ اس کو ایک سال کی حلال روزی دیدے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ یہ ایک وعدہ ہے اور جیسے دوسرے وعدو وعید کے لئے قیدیں اور شرطیں ہوتی ہیں اس کے لئے بھی ہیں۔ یہاں متردد کبھی کامیاب نہیں ہوتا اور یقین رکھنے والا کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللهِ اِلَّا الْجَنَّةُ. (رواہ ابوداؤد)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے روئے انور کے طفیل میں صرف ایک جنت ہی ایسی متاع ہے جو طلب کی جاسکتی ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ جنت میں اللہ تعالیٰ کے اسم کے طفیل میں اس لئے مانگی جاسکتی ہے کیونکہ وہ اس کے دیدار کا محل ہے ورنہ مخلوقات میں ایسی چیز جس کو خالق کے روئے انور کے طفیل میں طلب کیا جاسکے کوئی بھی نہیں۔

ان احادیث میں ایک موحد کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ تا امکان وہ کسی انسان سے سوال کرنے کا خیال بھی اپنے دل سے نکال ڈالے، حتیٰ کہ اگر کوئی ابوذرؓ جیسا زاہد مزاج نظر پڑ گیا تو اس سے یہ ایک شرط ٹھہرالی گئی۔ سوچئے کہ جس شریعت میں ادنیٰ ادنیٰ چیز مانگنے کیلئے بھی ایک رب العزت ہی کا دروازہ بتایا گیا ہو اس میں غیر اللہ سے ایسی ایسی مرادیں مانگنا جن کے پورا کرنے کی ان میں طاقت بھی نہ ہو کب گوارا ہوسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مال تقسیم کرتے پھر خود فرمادیتے انما انا قاسم واللہ یعطی۔ دیکھو میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہوں دراصل دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

توحید کا سب سے بلند مقام

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اُعْطِیْکُمْ وَلَا اَمْنَعُکُمْ انما اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ. (رواہ البخاری)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو میں تم کو اپنی طرف سے کچھ مال دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں اٹھا کر بس اس کو رکھ دیتا ہوں۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ یعنی جیسی رسول کی خود اپنی ہستی بندہ اور اس کے خدا تعالیٰ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہوتی ہے ایسے ہی وہ مال کی تقسیم میں بھی صرف ایک واسطہ ہی رہتی ہے وہ خدا کے دیئے ہوئے مال کو اس کے حکم کے مطابق صرف ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتی ہے۔ سبحان اللہ جس جگہ اعطاء ومنع کا فعل حقیقۃً بھی آپ کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے اس جگہ بھی آپ مسلمان کی نظر کو اور بلند کر کے ایک ایسی عمیق حقیقت کی طرف لیجانا چاہتے ہیں جہاں حقیقت بھی مجاز بن کر رہ جاتی ہے۔ اسلام کی توحید کا یہ وہ بلند مقام ہے جہاں پہنچ کر قادر مطلق کی فاعلیت واختیار منکشف ہوتا ہے۔ بقیہ صرف آلات ووسائل کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں۔

عَنْ مُعَاوِیَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ یُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللهُ یُعْطِیْ. (متفق علیہ)

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی فہم عطا فرماتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو وہی ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ مال کی تقسیم سے زیادہ نازک مسئلہ فہم کی تقسیم ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ بھی اسی ایک ذات پاک کے ہاتھ میں ہے۔ رسول وحی الٰہی کی تبلیغ میں اپنی جانب سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں کرسکتا وہ تو اس کو اپنے سب امتیوں کو برابر سنا دیتا ہے اب

اگر مراتب فہم کے اختلاف سے ان کے علم وفضل کے مراتب میں کوئی تفاضل پیدا ہو جائے تو یہ رسول کے اختیار کی بات نہیں خدا کے دین کی بات ہے کسی کو زیادہ فہم دیدی ہے کسی کو کم اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جسے چاہے افضل اور جسے چاہے مفضول بنا دے۔ وربک یخلق ما یشاء ویختار۔ یعنی صفت خلق پھر اس میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یہ دونوں صفتیں خدائے تعالیٰ ہی کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول کی ذات کو نہ مال کی تقسیم میں متہم سمجھنا چاہئے اور نہ وحی کی تقسیم میں اور یہ سب کچھ اس بناء پر کہ اصل متصرف صرف خدا تعالیٰ کی توانا اور قادر مطلق ذات ہے۔ رسول درمیان میں صرف ایک سبب وواسطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَهْطٍ مِنَ الْاَشْعَرِیِّیْنَ اَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا اَحْمِلُکُمْ عَلَیْهِ قَالَ ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ نَلْبَثَ ثُمَّ اُتِیَ بِثَلٰثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی فَحَمَلَنَا عَلَیْهَا فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا اَوْقَالَ بَعْضُنَا وَاللّٰهِ لَا یُبَارَکُ لَنَا اَتَیْنَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ اَنْ لَا یَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَارْجِعُوْا بِنَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنُذَکِّرُهُ فَاَتَیْنَاهُ فَقَالَ مَا اَنَا حَمَلْتُکُمْ بَلِ اللّٰهُ حَمَلَکُمْ وَاِنِّیْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ لَا اَحْلِفُ عَلٰی یَمِیْنٍ فَاَرٰی غَیْرَهَا خَیْرًا مِّنْهَا اِلَّا کَفَّرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَاَتَیْتُ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ وَکَفَّرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ. (رواه البخاری)

ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں اشعریوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری مانگنے کیلئے حاضر ہوا آپ نے قسم کھا کر فرمایا میں تم کو سواری نہیں دے سکتا اور نہ اس وقت میرے پاس تم کو دینے کے لئے سواری موجود ہے۔ راوی کہتا ہے اس کے بعد پھر جتنا وقفہ اس حال پر گذرنا مقدور تھا گذر گیا پھر کہیں سے سفید کوہان والے تین اونٹ آپ کی خدمت میں آ گئے آپ نے وہ ہم کو دیدیئے۔ جب ہم ان کو لے کر چلے تو ہم نے کہا یا ہم میں سے کسی نے کہا (راوی اس کو اس بارے میں شک ہے) خدا کی قسم ان میں کبھی ہمارے لئے برکت نہ ہوگی کیونکہ ہم آپ سے سواری مانگنے کیلئے آئے تھے اور آپ نے نہ دینے کی قسم کھالی تھی پھر غالباً بھولے سے آپ نے ہم کو یہ اونٹ دیدیئے ہیں چلو پھر لوٹ چلیں تاکہ آپ کو آپ کی قسم کی یاددہانی کرادیں۔ یہ کہہ کر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ہماری گفتگو سن کر فرمایا میں نے تم کو یہ اونٹ نہیں دیئے یہ تو تم کو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں اور اگر بالفرض میں کسی ایسی بات پر قسم کھالوں پھر اس کے خلاف میں بہتری دیکھوں تو میں یقیناً اپنی قسم کا کفارہ دیدوں گا اور جس بات میں بہتری ہوگی وہ کرلوں گا یا پہلے وہ کام کرلوں گا اس کے بعد اپنی قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ (راوی کو ان دو باتوں کے درمیان صحیح ترتیب یاد نہیں رہی) (بخاری شریف)

تشریح:۔ خطابی فرماتے ہیں کہ آپ کا جملہ مَا اَنَا حَمَلْتُکُمْ (یہ اونٹ میں نے تم کو نہیں دیئے) ایک اخلاقی جملہ تھا اور مقصد یہ تھا کہ اس میں میرا تم پر کوئی احسان نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اس کے حکم سے میں نے تم کو یہ اونٹ دیئے ہیں اور یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ میرے حلف کا مطلب مطلقاً دینے سے انکار نہیں تھا بلکہ خاص اس وقت دینے سے انکار تھا۔ جب اونٹ میرے پاس آ گئے تو میں نے تم کو دیدیئے۔ یہ ہمارے لئے ایک انعام ایزدی ہے۔

عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوةٍ مَکْتُوْبَةٍ لَآ

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ. لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْیٍٔ قَدِیْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ. (متفق علیه)

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لئے ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اے اللہ جو تو دیدے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جو نہ دے اس کا دینے والا کوئی نہیں اور تیرے سامنے کسی صاحب ثروت کی دولت بھی اس کیلئے کچھ سودمند نہیں۔

تشریح:۔ سبحان اللہ! اسلام کی توحید بھی کتنی بلند ہے جس میں منع واعطاء کی دوصفتوں میں بھی شرکت کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ ایک مسلمان موحد اس کا مامور ہے کہ وہ نفی واثبات کی صورت میں خدا کی ان صفات کو پنج وقتہ دہرایا کرے یعنی جس طرح لا الہ الا اللہ کی صورت میں وہ معبودان باطل کی شرکت کی نفی کرتا ہے اسی طرح **لامانع لما اعطیت** کی شکل سے وہ اس کی ان دوصفتوں میں بھی شرکت کی نفی کیا کرے۔ کیونکہ جب ملک اس کا ہے تو حکم بھی اسی کا چلنا چاہئے، وہی دینے والا ہے اور وہی چھیننے والا۔ پھر اس کی بارگاہ دنیوی بادشاہوں کی طرح نہیں جہاں، قرب کا مدار دولت پر ہو وہاں تو صرف اخلاص وعمل کارآمد ہوگا کسی کی ثروت دولت کچھ کارآمد نہ ہوگی۔

مخلوق کے متعلق حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھنا کفر ہے

عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِیِّ اَنَّهٗ قَالَ صَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَیْبِیَّةِ عَلٰی اِثْرِ السَّمَاءِ کَانَتْ مِنَ اللَّیْلَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَکَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَذٰلِکَ مُؤْمِنٌ بِیْ وَکَافِرٌ بِالْکَوْکَبِ وَاَمَّا مَنْ قَالَ بِنَوْءِ کَذَا وَکَذَا فَذَالِکَ کَافِرٌ بِیْ مُؤْمِنٌ بِالْکَوْکَبِ. (رواہ البخاری)

زید بن خالد جہنی کہتے ہیں کہ شب کو پانی برس چکا تھا اس کی صبح کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں ہم لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کچھ جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ سب نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے کہا یہ فرمایا ہے کہ آج صبح میرے بندوں میں (دو فریق ہو گئے) ایک مومن ہو گیا اور ایک کافر ہو گیا۔ جس نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے پانی برسا وہ ہم پر ایمان لایا اور ستاروں کا منکر ہوا، اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے پانی برسا وہ ہمارا منکر ہو گیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَکَةٍ اِلَّا اَصْبَحَ فَرِیْقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا کَافِرِیْنَ یُنَزِّلُ اللّٰهُ الْغَیْثَ فَیَقُوْلُوْنَ بِکَوْکَبِ کَذَا وَکَذَا. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو برکت بھی آسمان سے نازل فرماتا ہے لوگوں میں ایک نہ ایک فرقہ اس کا منکر ہو کر رہتا ہے (کتنا ظلم ہے کہ) بارش تو خدا بھیجے اور لوگ یہ کہیں کہ فلاں فلاں ستارہ کی رفتار کی وجہ سے ہوئی ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ یہاں قدرت کے فیاض ہاتھوں کو ناشکر انسان سے یہ شکوہ ہے کہ وہ اس کی فیاضی کا کتنا بڑا ناقدر شناس ہے کہ بارش تو وہ بھیجے اور یہ کہ اس کو اس کی مخلوق کی طرف نسبت کر دے جس کو اس میں کوئی بھی دخل نہ ہو۔

واضح رہے کہ جہاں کوئی جماعت کسی مخلوق میں حقیقی یا خلاف واقع تاثیر کا اعتقاد رکھتی ہے وہاں شریعت اپنا لب ولہجہ سیاق تردید میں ذرا سخت کر دیتی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ستاروں کے متعلق عرب کا اعتقاد تھا وہ محض اپنے اوہام کی بناء پر ان کو عالم کے بہت سے حوادث میں اسی طرح موثر سمجھتے تھے جیسا کہ آج بہت سے ضعیف الاعتقاد مسلمان بزرگوں کو سمجھ لیتے ہیں اور تاثیر بھی ایسی جو محض ان کے دماغوں کی تراشیدہ اور صرف وہمی ہوتی۔ شریعت نے عالمِ اسباب میں اشیاء کے اسباب خود مقرر فرمائے ہیں مگر اس سے روکا ہے کہ غیر سبب کو سبب یا سببیت کو بڑھا کر موثر حقیقی کے برابر بنا دیا جائے اس نے عالم میں ایک غیر مرتبط سلسلہ کو ایک دوسرے کے ساتھ الجھا دیا ہے اور محض اپنی قدرت کاملہ سے ایک کا وجود دوسرے کے ساتھ وابستہ کر کے اسی کا نام عالمِ اسباب رکھ دیا ہے اور بندہ کو یہ فہمائش کر دی ہے کہ وہ اصل کارفرما اسی کی قدرت کو سمجھتا رہے۔ اسلام کی توحید اس تخلخل کو برداشت نہیں کرتی کہ کوئی شخص عالم میں ایک ذرہ کی جنبش میں بھی یہ قدرت کے سوا کسی اور کو حقیقۃً شریک سمجھے اس کا ایک ایک ذرہ اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی قدرت سے حرکت کرتا ہے۔

عرب میں انسانی زندگی کے لئے سب سے ضروری چیز بارش تھی اگر اس میں بھی اس کے نزدیک تاثیر ستاروں کی رہے تو پھر اس کے قلب میں اپنے حقیقی خالق کی طرف کیا کشش باقی رہ سکتی ہے۔ دراصل شوق وخوف کے دو بازو ہی ایسے ہیں جو مخلوق کو طوعاً وکرہاً اپنے خالق کی عبادت کی طرف اڑائے لئے جاتے ہیں۔ اگر ان دونوں میں بھی ایک کمزور ہو جاتا ہے تو انسان کی وہی جانب مخلوق کی طرف جھکنے لگتی ہے پھر وہ خوف یا طمع سے اس کو خالق کے ساتھ شریک کرنے پر فطرۃً مجبور ہو جاتا ہے اس لئے شریعت نے جا بجا یہ تنبیہ کی ہے کہ حوادثِ عالم میں صرف اسی کی ذات موثر ہے اور اسی کو موثر سمجھنا چاہئے اور اس حقیقت کو اتنا ذہن نشین کیا ہے کہ جس سے بعض اوقات کسی کوتاہ اندیش کو یہ شبہ گذرنے لگتا ہے کہ شاید وہ سلسلہ اسباب ہی کی منکر ہے جی ہاں جن مقامات پر صرف وہم پرستی ہو وہاں ایسا ہی ہونا چاہئے اگر شریعت یہاں تعبیرات میں اتنی شدت اختیار نہ کرتی تو جو قوم مخلوقات ہی کی تاثیر میں الجھ کر رہ گئی تھی وہ موثر حقیقی تک کیسے پہنچتی۔

شیخ نووی فرماتے ہیں کہ اگر بارش کی نسبت ستاروں کی طرف اسی اعتقاد کے ساتھ کی ہے جب تو صریح کفر ہے اور اگر صرف ایک علامت ہونے کی بناء پر جب بھی ایسے لفظ کے استعمال کی ضرورت کیا ہے جو کفر اور غیر کفر دونوں کا محتمل ہو۔ (کتاب الاذکار ص ۱۵۷) جو لوگ ذوقِ ایمانی نہیں رکھتے وہ ان نزاکتوں کو بھی نہیں سمجھتے اور ان مقہور اسباب پر کلی اعتماد کا نام روشن خیالی اور علم اور دست قدرت کی اصلی طاقت پر بھروسہ کرنے کا نام جمود اور جہل رکھ دیتے ہیں یہ بڑا قصورِ نظر ہے۔ خدائے تعالیٰ انصاف عطا فرمائے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّھُمْ

بَيْنَاهُمْ جُلُوسٌ لَيْلَةً مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُمِيَ بِنَجْمٍ وَاسْتَنَارَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاكُنْتُمْ تَقُولُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا رُمِيَ بِمِثْلِ هٰذَا قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ كُنَّا نَقُولُ وُلِدَا للَّيْلَةَ رَجُلٌ عَظِيمٌ اوْمَاتَ رَجُلٌ عَظِيمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهَا لَا يُرْمٰى بِهَا لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهِ وَلٰكِنْ تَبَارَكَ اِسْمُهُ إِذَا قَضٰى اَمْرٌ سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ التَّسْبِيْحُ اَهْلَ هٰذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُوْنَهُمْ مَا قَالَ فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ بَعْضًا حَتّٰى يَبْلُغَ هٰذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَخْطِفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَيَقْذِفُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَاءِهِمْ وَيُرْمَوْنَ فَمَا جَاؤُ بِهٖ عَلٰى وَجْهِهٖ فَهُوَ حَقٌّ وَلٰكِنَّهُمْ يَقْرِفُوْنَ فِيْهِ وَيَزِيْدُوْنَ. (رواہ مسلم)

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے جو قبیلہ انصار میں کا تھا۔ مجھ سے بیان کیا کہ وہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور روشن ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا جب زمانہ جاہلیت میں اس طرح کوئی ستارہ ٹوٹا کرتا تھا تو تم لوگ اس کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے تھے؟ پہلے تو انہوں نے (ادباً) کہا کہ خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عالم ہیں اس کے بعد کہا کہ ہمارا عقیدہ تھا کہ اس شب میں یا تو کوئی بڑا شخص پیدا ہوا ہے یا اس کی وفات ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا ستارہ نہ تو کسی کی پیدائش کی وجہ سے ٹوٹتا ہے نہ کسی کی موت کی وجہ سے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو (بارگاہِ الوہیت کے ادب کے موافق) پہلے عرش کے فرشتے تسبیح پڑھنا شروع کر دیتے ہیں پھر ان کی تسبیح سن کر ان کے متصل آسمان کے فرشتے تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں یہانتک کہ فرشتوں کی تسبیح کا یہ سلسلہ اس دنیا کے آسمان تک متصل اور مسلسل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جو فرشتے عرش والے فرشتوں کے متصل ہیں ان سے دریافت کرتے ہیں۔ تمہارے پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا وہ جو کچھ ارشاد ہوا تھا ان کو بتا دیتے ہیں۔ اس کے بعد ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے اسی طرح پوچھتے چلے آتے ہیں۔ یہانتک کہ نوبت اس آسمان والوں تک آ جاتی ہے (یہاں شیاطین ان خبروں کو سننے کے لئے چھپ کر کھڑے رہتے ہیں) اور ان میں کوئی کوئی بات سن کر اچک بھی لے جاتے ہیں پھر وہی بات اپنے عاملوں کے پاس لے آتے ہیں اس اثناء میں ان کو مار بھگایا جاتا ہے۔ اب جو کلمہ وہ پورا پورا لے آتے ہیں وہ تو درست نکلتا ہے لیکن وہ (اپنی طرف سے) اس میں بہت کمی بیشی کر دیتے ہیں (اس لئے ان کی بہت باتیں غلط نکلتی ہیں)۔ (مسلم)

تشریح:۔ آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کے متعلق غلط اعتقادات ہی نے عرب کے قلوب میں ان کی بیجا عظمت پیدا کر دی تھی اور کسی کے متعلق اس کی حد سے زیادہ اعتقادِ عظمت ہی درحقیقت اس کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتا ہے اسی لئے قرآن و حدیث نے جگہ جگہ سلسلہ سببیت کو اتنا بے وقعت بنایا ہے کہ بعض کوتاہ فہموں کو تو یہ شبہ پڑنے لگتا ہے کہ شاید شریعت سرے سے اس سلسلہ ہی کا انکار کرتی ہے۔ یاد رکھو خدائے تعالیٰ کی توحید کا اعتقاد صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ ایک ہے بلکہ یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ درحقیقت اسی ایک کا تصرف ہے۔ حدیث کا مضمون از اول تا آخر بار بار پڑھئے تو آپ کا قلب تمام مخلوق کی عظمت

سے خالی ہو کر ایک قادر علی الاطلاق ہستی کی عظمت سے معمور ہو جائے گا۔

رہی یہ بات کہ شیاطین کا آسمانوں پر جانا اور غیب کی معمولی خبریں لے بھاگنا تو جو لوگ شیاطین کے تسخیر کے اعمال کرتے ہیں ان سے آج بھی اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ آپ کا علم تو بس یہ ہے کہ جس چیز کا آپ کو علم نہیں درحقیقت وہ چیز بھی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جس چیز کا دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کو علم ہے وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے گو اس کا آپ کو کوئی ادنیٰ سا علم بھی نہ ہو۔ آپ کے اقرار و انکار کے یہ دونوں پہلو آپ کی انتہائی ناانصافی پر مبنی ہیں۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلاً اِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدْ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتّٰى اِنْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِنْ عُظَمَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَاَنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ اللّٰهُ فِيْ خَلْقِهٖ مَاشَاءَ فَاَيُّهُمَا اِنْخَسَفَ فَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ اَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْرًا. (رواہ النسائی)

نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی مسجد میں تشریف لائے اس وقت آفتاب کو گہن لگ چکا تھا آپ نے اتنی دیر تک نماز پڑھی کہ آفتاب صاف ہو گیا اس کے بعد فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ چاند اور سورج جب گہن ہوتے ہیں تو کسی ایسے شخص کی موت پر گہن ہوتے ہیں جو اس وقت زمین میں سب سے بڑی ہستی ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نہ ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ پیدائش کی وجہ سے، وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی تبدیلی اپنی مخلوق میں پیدا کر دیتا ہے۔ لہٰذا جب کسی کو گہن لگا کرے تو نمازیں پڑھا کرو تا آنکہ یا تو گہن چھوٹ جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا کرشمہ دکھلائے (یعنی قیامت آجائے) (نسائی)

تشریح:۔ یہ ۹ھ کا واقعہ ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اسی دن حضرت ابراہیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس قسم کے موقعہ پر جو آپ کی شریعت تھی وہ ادا فرمائی اس کے بعد نہایت اہتمام کے ساتھ خطبہ دیا، مبادا کوئی شخص زمانہ جاہلیت کے خیال کے مطابق یہ سمجھ بیٹھے کہ آج بھی گرہن آپ کے صاحبزادہ کے انتقال کی وجہ سے ہوا ہے اس لئے آپ نے اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ یہ بالکل خلاف واقع بات ہے۔ کسی مخلوق پر کسی مخلوق کی موت وحیوٰۃ سے کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ یہ خدائی تصرفات ہیں وہ اپنی قدرت کے کرشمے طرح طرح سے دکھایا کرتا ہے تمہارا یہ خیال مخلوق کی تعظیم میں افراط اور خدائے تعالیٰ کے تصرفات کی عظمت میں تفریط پر مبنی ہے۔ خدائی تصرفات کو کسی مخلوق کا اثر قرار دینا بھی ایک قسم کا شرک و کفر ہے۔ مخلوق اور اس کے حدود اختیارات بالکل محدود ہیں اور خدائے قادر کے تصرفات لامحدود۔ ان دونوں میں خلط کرنا بڑی جہالت ہے۔ یہ معلوم رہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسباب ومسببات کے سلسلہ میں داخل ہے۔ حدیث نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ گرہن کا کوئی سبب نہیں ہوتا بلکہ یہ سمجھایا ہے کہ گرہن خواہ کسی اسباب کی بناء پر ہو لیکن قابل عبرت امر یہ ہے کہ بہرحال وہ اسباب بھی اسی کی حکومت کے نیچے ہیں جس کے نیچے یہ شمس وقمر خود ہیں۔

قرآن کریم نے لیل ونہار کی گردش کو بھی قدرت کا بہت بڑا نشان قرار دیا ہے کیا اس کے اسباب نہیں پس یہاں اسباب سے انکار نہیں بلکہ اس کا انکار ہے کہ جہاں سببیت بھی نہ ہو وہاں حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھا جائے۔ یہ یاد رہے کہ آپ کی حیات میں قیامت کا اگرچہ کوئی امکان نہ تھا لیکن ایک فاعلِ مختار کی قدرت کا تماشہ دیکھنے والے کی نظروں میں آئین وضوابط کا استحضار نہیں رہا کرتا اس لئے اس کا خوف غیر اختیاری اور اس کا اضطراب فطری ہوتا ہے۔

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلَاثٍ جَعَلَهَا زِيْنَةً لِلسَّمَاءِ وَرُجُوْمًا لِلشَّيَاطِيْنِ وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدٰى بِهَا فَمَنْ تَأَوَّلَ فِيْهَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ اَخْطَأَ وَاَضَاعَ نَصِيْبَهٗ وَتَكَلَّفَ مَالَا يَعْلَمُ. (رواہ البخاری تعلیقا)

قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین فائدوں کے لئے بنایا ہے۔ آسمان کی خوشنمائی اور زینت کے لئے، غیب کی خبریں سننے والے شیطانوں کو مار بھگانے کیلئے، اور (شب میں مسافروں کے لئے) راستہ پانے کی علامتیں۔ اب جس شخص نے بھی ان تین فائدوں کے سوا اس میں اور فائدہ تلاش کیا اس نے غلطی کھائی، اپنا وقت ضائع کیا اور خواہ مخواہ ایسی بات کے درپے ہوا جس کا اس کو علم نہیں۔ (تعلیقات بخاری)

غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرنا کفر ہے

عَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ سُئِلَ عَلِيٌّ هَلْ خَصَّكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِشَيْءٍ فَقَالَ مَا خَصَّنَا بِشَيْءٍ لَمْ يَعُمَّ بِهِ النَّاسَ اِلَّا مَا فِيْ قِرَابِ سَيْفِيْ هٰذَا فَاَخْرَجَ صَحِيْفَةً فِيْهَا. لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْاَرْضِ وفي رواية مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهٗ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰوٰى مُحْدِثًا. (رواہ مسلم)

ابو الطفیل روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہئے کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت سے علیحدہ کچھ خاص خاص تعلیمات بھی دی ہیں انہوں نے فرمایا (اس بارے میں آپ نے کوئی فرق نہیں کیا) ہمیں کوئی بات ایسی نہیں بتائی جو عام لوگوں کو نہ بتائی ہو بجز ان چند امور کے جو میری اس تلوار کے میان میں لکھے ہوئے رکھے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تحریر نکالی جس میں یہ احکام درج تھے۔ خدائے تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرے۔ خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی راستہ کے نشانات چرائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو ادھر ادھر کردے۔ خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو اپنے والد پر لعنت کرے اور خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی مجرم کو پناہ دے۔ (مسلم)

تشریح:۔ غیر اللہ کے نام کی قربانی کرنی اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسمِ قبیح قدیم سے چلی آرہی تھی۔ اسلام نے آکر دونوں کو ختم کردیا اور سمجھایا کہ جان صرف جان آفریں کیلئے قربان کی جاسکتی ہے یہ خاص اسی کا حق ہے نہ کسی کے لئے جان آفرینی میں شرکت ہے اور نہ اس کی قربانی میں شرکت ہوسکتی ہے۔ قرآن کریم نے ایسے جانوروں کو سور کے گوشت اور مردار کی صف میں شمار کیا ہے گویا اس بے محل نامزدگی کی وجہ سے اب وہ خنزیر کی طرح بن گیا ہے جس پر ایک ہزار بار بھی بسم اللہ پڑھو تو بھی حلال نہیں ہوسکتا۔ جانوروں کے معاملہ میں تین غلط طریقے رائج تھے ان کو بت یا اور کسی غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دینا جیسا آج کل

ہندوستان میں سانڈ وغیرہ چھوڑے جاتے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر بھینٹ چڑھانا یا ان کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا اسلام نے ان ہر سہ طریقوں کو قابلِ نفرت سمجھا ہے۔ رہا اپنے والد پر لعنت کرنا تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ شخص دوسرے کے والد پر لعنت کرے اس کے جواب میں وہ اس کے والد پر لعنت کرے۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ چونکہ یہ شخص اپنی بد اخلاقی کی وجہ سے اپنے والد پر لعنت کا سبب بنا ہے اس لئے یہ بھی اس جرم کا مرتکب شمار ہوگا اور اب اس دور جفاء میں تو براہ راست والد پر لعنت کرنے میں بھی کچھ تعجب نہیں رہا۔ اسی طرح کسی مجرم کو پناہ دینی خواہ اس کا جرم قتل و غارت ہو یا بد دینی و بدعت۔ یہ بھی لعنت کا موجب ہے۔ نسائی میں سائل کے جواب میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ پوشیدہ طور پر مجھے کوئی بات علیحدہ تعلیم فرماتے۔ ہاں صرف اتنا ہوا ہے کہ جس وقت یہ چار باتیں آپ نے فرمائی ہیں اس وقت اتفاق سے میں اور آپ ہی گھر میں موجود تھے۔ غرض ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے سلسلہ میں جو جو افسانے تیار کیے گئے ہیں یہ سب بعد کی من گھڑت ہیں۔ تعلیم و تعلم میں منصب نبوت ہرگز کسی تفریق کو برداشت نہیں کر سکتا۔

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ يَرْفَعُهُ قَالَ دَخَلَ الْجَنَّةَ فِيْ ذُبَابٍ وَدَخَلَ رَجُلٌ النَّارَ فِيْ ذُبَابٍ قَالُوْا وَكَيْفَ ذَالِكَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰى قَوْمٍ لَهُمْ صَنَمٌ لَا يَجُوْزُهُ اَحَدٌ حَتّٰى يُقَرِّبَ لَهٗ شَيْئًا فَقَالُوْا لِاَحَدِهِمَا قَرِّبْ فَقَالَ لَيْسَ عِنْدِيْ شَيْئٌ قَالُوْا قَرِّبْ وَلَوْ ذُبَابًا فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلُّوْا سَبِيْلَهٗ فَدَخَلَ النَّارَ وَقَالُوْا لِلْاٰخَرِ قَرِّبْ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاُقَرِّبَ شَيْئًا دُوْنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ فَضَرَبُوْا عُنُقَهٗ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ (رواہ احمد)

طارق بن شہاب مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ صرف ایک مکھی کی بدولت ایک شخص تو جنت میں داخل ہوگیا اور دوسرا دوزخ میں، لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے؟ فرمایا کسی قوم کا ایک بت تھا ان کا دستور یہ تھا کہ کوئی شخص اس پر بھینٹ چڑھائے بغیر ادھر سے گذر نہیں سکتا تھا اتفاق سے یہ دو شخص ادھر سے گذرے انہوں نے اپنے دستور کے مطابق ان میں سے ایک شخص سے کہا نیاز چڑھاؤ وہ بولا اس کیلئے میرے پاس تو کچھ نہیں وہ بولے کچھ نہ کچھ تو ضرور چڑھا دے خواہ ایک مکھی ہی سہی۔ اس نے ایک مکھی چڑھا دی اور اس وجہ سے وہ تو دوزخ میں گیا انہوں نے اس کو تو چھوڑ دیا اب دوسرے سے کہا کہ تو بھی کچھ چڑھاؤ وہ بولا اللہ کی ذات کے سوا میں تو کسی اور کے نام کی نیاز نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر انہوں نے اس کی گردن اڑا دی اس لئے یہ جنت میں داخل ہوگیا۔ (احمد)

عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اِنَّا كُنَّا نَعْتِرُ عَتِيْرَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ اِذْبَحُوْا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ اَيِّ شَهْرٍ كَانَ وَبَرُّوْا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَطْعِمُوْا۔ (رواہ النسائی)

نبیشہ ہذلی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کفر کے زمانہ میں ماہ رجب میں بتوں کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے اب اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے۔ فرمایا بس (جب جانور ذبح کرو) تو ایک خدا کے واسطے ذبح کیا کرو خواہ وہ کسی مہینہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کیا کرو اور اسی کے نام پر کھانا کھلایا کرو۔ (نسائی)

تشریح:۔ یعنی یہ سب مصارف خیر ہیں بشرطیکہ ان میں نیت اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اگر نیت بدل جائے تو پھر یہ اچھے اچھے کام بھی

نیکی نہیں رہتے۔ غیر اللہ کے نام پر قربانی کرنی کفر کی ایک قدیم رسم تھی اور اس کی مختلف صورتیں تھیں شریعت نے یہاں ایک قاعدہ کلیہ بنا کر ان سب کو روک دیا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا چاہیئے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقِیَ زَیْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَیْلٍ بِاَسْفَلِ بَلْدَحٍ قَبْلَ اَنْ یُنْزَلَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْوَحْیُ فَقُدِّمَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُفْرَۃٌ فَاَبٰی اَنْ یَاْکُلَ مِنْھَا ثُمَّ قَالَ زَیْدٌ اِنِّیْ لَسْتُ اٰکُلُ مِمَّا تَذْبَحُوْنَ عَلٰی اَنْصَابِکُمْ وَلَا اٰکُلُ اِلَّا مَاذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاَنَّ زَیْدَ بْنَ عَمْرٍو کَانَ یَعِیْبُ عَلٰی قُرَیْشٍ ذَبَائِحَھُمْ وَیَقُوْلُ الشَّاۃُ خَلَقَھَا اللّٰہُ وَاَنْزَلَ لَھَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً وَاَنْبَتَ لَھَا مِنَ الْاَرْضِ ثُمَّ تَذْبَحُوْنَھَا عَلٰی غَیْرِ اسْمِ اللّٰہِ اِنْکَارًا لِذٰلِکَ وَاِعْظَامًا لَہٗ۔ (رواہ البخاری)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مقام بلدح کے تحتانی سمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی اس وقت تک آپ پر وحی کا نزول شروع نہیں ہوا تھا آپ کے سامنے کھانے کا دسترخوان پیش کیا گیا آپ نے اس کو کھانے سے انکار فرمادیا۔ اس کے بعد زید بولے جو جانور تم لوگ اپنے بتوں کے سامنے ذبح کرتے ہو میں ان کا گوشت نہیں کھاتا میں تو صرف اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ زید قریش کے ذبیحوں پر نکتہ چینی فرمایا کرتے اور کہا کرتے تھے عجیب بات ہے کہ بکری کو پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے، وہی اس کے لئے آسمان سے بارش بھیجے اور وہی اس کے لئے سبزہ اُگائے پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ تم اس کو غیر اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرو، اس تقریر سے زید کا مقصد ان کے اس فعل پر انکار کرنا تھا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نزول وحی سے قبل بھی رسوم شرکیہ سے ہمیشہ علیحدہ رہا کرتے تھے لیکن آپ کے علاوہ خال خال ایسے لوگ اور بھی موجود تھے جو ملت ابراہیمی کے اثر سے افعال شرک سے محترز رہا کرتے تھے ان ہی میں سے ایک یہ زید بن عمرو بھی تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا بھی ملت ابراہیمہ کا ایک حکم تھا۔ (ترجمان السنہ ج ۱ ص ۵۳۶)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَیَّ النَّارُ فَرَاَیْتُ فِیْھَا امْرَاَۃً مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تُعَذَّبُ فِیْ ھِرَّۃٍ لَھَا رَبَطَتْھَا فَلَمْ تُطْعِمْھَا وَلَمْ تَدَعْھَا تَاْکُلُ مِنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ حَتّٰی مَاتَتْ جُوْعًا وَرَاَیْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرَ الْخُزَاعِیَّ یَجُرُّ قُصْبَہٗ فِی النَّارِ وَکَانَ اَوَّلُ مَنْ سَیَّبَ السَّوَائِبَ۔ (رواہ مسلم)

جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی تو میں نے دیکھا کہ اس میں ایک عورت کو عذاب ہو رہا ہے اس بناء پر کہ اس نے اپنی بلی کو باندھ رکھا تھا اور نہ تو وہ اس کو خود کچھ کھانے کو دیتی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ خود چل پھر کر زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی یہاں تک کہ وہ بھوک کے مارے مرگئی اور میں نے اس میں عمرو بن عامر خزاعی کو بھی دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں کھینچے کھینچے پھر رہا ہے یہ پہلا وہ شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کیئے۔ (مسلم شریف)

غیر اللہ کے نام کی قسم کھانی ایک قسم کا شرک ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا مَنْ کَانَ حَالِفًا فَلَا یَحْلِفُ اِلَّا بِاللّٰہِ فَکَانَتْ قُرَیْشٌ یَحْلِفُ بِاٰبَائِھَا فَقَالَ لَا تَحْلِفُوْا بِاٰبَاءِ کُمْ۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سن لو جس کو قسم کھانا ہی ہو وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی قسم کھائے۔ قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے باپ دادوں کی قسمیں کھایا کرتے تھے آپ نے منع فرما دیا کہ ان کے نام کی قسمیں مت کھایا کرو۔ (بخاری)

تشریح:۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ قسمیں کھانے کی عادت شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے پس چاہئے کہ بے ضرورت قسمیں نہ کھائی جائیں اور اگر کسی مجبوری سے کھانا ہی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی قسم کھائی جائے، باپ دادے یا کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے۔ امام بخاریؒ نے (مناقب مہاجرین کے باب سے قبل) ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کانوا یضر بوننا علی الشھادۃ والعھد ونحن صغار (لڑکپن میں ہمیں اس بات پر تنبیہ کی جاتی تھی کہ ہم باہمی گفتگو میں شہادت یا عہد وغیرہ کے الفاظ بے محابا استعمال نہ کریں تاکہ ان کی اہمیت ہمارے ذہنوں سے نہ نکل جائے۔ (ج ا ص ۵۱۵)

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ. (رواہ الترمذی)

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (ترمذی)

تشریح:۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حلف بغیر اللہ کو ایسا ہی شرک کہا گیا ہے جیسا دوسری حدیث میں ریاء کو شرک کہا گیا ہے۔ دونوں حدیثوں کا مطلب شرک کا حقیقۃً حکم لگا دینا نہیں ہے بلکہ ان افعال کی اہمیت ذہن نشین کرنا ہے اس لئے ان کو تغلیظاً شرک کہہ دیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی غیر معمولی عظمت قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اس کے قلب میں غیر اللہ کی عظمت اللہ تعالیٰ کے برابر ہے یہی شرک ہے۔

مسلمان کی شان

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ. (البخاری)

عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے لڑنا تو کفر کی بات ہے۔ (بخاری)

تشریح:۔ گویا سب وشتم کی بدنمائی تو کسی حد تک قابل برداشت ہوسکتی ہے لیکن مسلمان سے قتل وقتال کرنا قابل برداشت نہیں ہوسکتا یہ کفر کی حرکت ہے اور بڑی حد تک رشتہ اسلامی کو قطع کردیتی ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (رواہ البخاری)

ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میرے بعد پھر کافروں کی سی حرکتیں نہ کرنے لگنا کہ آپس ہی میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

تشریح:۔ہم بتا چکے ہیں کہ جس طرح اسلام دراصل صرف شہادتین کا نام ہے مگر اس کے کچھ مخصوص افعال بھی ہیں جو اس کی اس شہادت باطنی کے گواہ کہلاتے ہیں۔ ان افعال کو شہادتین کے ساتھ اگر گہرا تعلق ہے کہ گویا یہ افعال ان کا ایک قالب ہیں اس لئے ان کا اختیار کر لینا اسلام اور ان کا ترک کرنا کفر سے موسوم ہوتا ہے اسی طرح کفر اگر چہ اسلامی عقائد کے برخلاف عقائد کا نام ہے لیکن کفر کی زندگی کے بھی کچھ لوازم ہیں جو بعض اوقات خود تو کفر نہیں ہوتے مگر انسان کے کافر ہونے کا بین ثبوت شمار ہوتے ہیں۔ حدیث میں اس قسم کے افعال کو بھی کفر کے افعال کہا گیا ہے اور مومن کے لئے یہ پسند نہیں کیا گیا کہ اس کی زندگی میں یہ افعال کفر نظر آئیں۔ اسلام کے بعد اس قسم کے افعال سے کافر تو نہیں کہا جا سکتا مگر اس کفر نما اسلام کو اسلام کہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، مسلمان کو چاہئے کہ جس طرح وہ شرک و کفر سے بچتا ہے اسی طرح ایسے افعال سے بھی بچتا رہے جن کو کفر کی زندگی کے افعال سے بہت ہی قریبی علاقہ ہو۔

تصویر کشی اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کی نقالی ہے

عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ الَّذِیْنَ یُضَاهِؤُنَ بِخَلْقِ اللّٰہِ. (متفق علیه)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی نقلیں اتارنا چاہتے ہیں (یعنی مصور) (متفق علیہ)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْشَعِیْرَةً. (متفق علیه)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، بھلا اس سے بڑھ کر ظالم آدمی کون ہوگا جو (مخلوق ہو کر) میری طرح خالق بننے کا ارادہ رکھتا ہے اچھا تو ایک چیونٹی ہی بنا کر دکھا دے (یہ نہ سہی) ایک دانہ یا ایک جو ہی بنا کر دکھا دے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اِنْطَلَقْتُ اَنَا وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِیْ اِجْلِسْ وَصَعِدَ عَلٰی مَنْکِبِیْ فَذَهَبْتُ لِاَنْتَهِضَ بِهٖ فَرَاٰی مِنِّیْ ضُعْفًا فَنَزَلَ وَجَلَسَ لِیْ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لِیْ اِصْعَدْ عَلٰی مَنْکِبِیْ فَصَعِدْتُ عَلٰی مَنْکِبَیْهِ قَالَ فَنَهَضَ بِیْ فَاِنَّهٗ یُخَیَّلُ اِلَیَّ اِنِّیْ لَوْ شِئْتُ لَنِلْتُ اُفُقَ السَّمَاءِ حَتّٰی صَعِدْتُ عَلَی الْبَیْتِ وَعَلَیْهِ تِمْثَالُ صُفْرٍ اَوْ نُحَاسٍ اُنَاوِلُهٗ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَبَیْنَ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ حَتّٰی اِسْتَمْکَنْتُ مِنْهُ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِقْذِفْ بِهٖ فَانْکَسَرَ کَمَا یَنْکَسِرُ الْقَوَارِیْرُ ثُمَّ نَزَلْتُ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَبِقُ حَتّٰی تَوَارَیْنَا بِالْبُیُوْتِ خَشْیَةَ اَنْ یَلْقَانَا اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ. (رواه احمد)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلے، آپ نے (بیت اللہ کے اندر جا کر) مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ اور آپ میرے کاندھوں پر چڑھ گئے میں آپ کو لے کر کھڑا ہونے لگا تو آپ نے محسوس کیا کہ مجھے اٹھنے میں کچھ دشواری ہو رہی ہے یہ دیکھ کر آپ اتر پڑے اور میرے سامنے خود بیٹھ گئے اور فرمایا اچھا تو تم میرے کاندھوں پر چڑھ جاؤ۔ میں آپ کے کاندھوں پر چڑھ گیا۔ یہ فرماتے ہیں۔ آپ مجھ کو لے کر کھڑے ہوئے تو مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو ہاتھ لگا سکتا ہوں۔ اتنا اونچا ہوا کہ بیت اللہ پر پہنچ گیا۔ اس وقت بیت اللہ میں پیتل یا تانبے کے بت رکھے ہوئے تھے میں ان کو اپنے دائیں، بائیں، سامنے اور پیچھے سے اٹھانے لگا یہاں تک کہ میں نے سب اٹھا لئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ان کو پھینک دو (میں نے ان کو پھینک دیا) اور وہ گر کر شیشے کی طرح چور چور ہو گئے پھر میں اتر آیا اور میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی گھروں کی دیواروں میں چھپتے ہوئے واپس آ گئے کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار ہمیں دیکھ پائیں۔ (احمد)

تشریح:۔ نبوت کے اس جبل عظیم الشان کا بار اسد اللہ بھی جتنا سنبھال گئے تعجب خیز تھا آخر اس کی تاب نہ لا سکے اور بیٹھ گئے پھر جب آپ کے کاندھوں پر جگہ مل گئی جن کی رفعت کے سامنے عرش بریں بھی نیچا تھا تو آسمانوں کی بلندیوں کو ہاتھ لگانا ایک تماشہ نظر آنے لگا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا۔ معلوم رہے کہ یہ خاص خاص مناظر ہیں جو خاص خاص مواقع پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بیت اللہ کی دیواروں سے بتوں کے مجسمے اتارنے کے وقت ایسے ہی نظارے کی ضرورت تھی چنانچہ قدرت نے وہی نظارہ حضرت علیؓ کے سامنے کر دیا تھا۔ اس سے قبل جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ کی بناء فرما رہے تھے تو جس پتھر پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی بنا ہو رہی تھی وہ بھی جتنی ضرورت ہوتی اونچا ہو جاتا تھا۔ یہاں جو نظارہ نظر آیا اس کا سما کچھ اور ہی تھا۔ اس جگہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کی فروتنی بھی قابل دید تھی کہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں کس طرح اپنے چھوٹوں کے سامنے اپنے نفس کو پیش کر دیا تھا۔

قرآن کی آیتوں میں باہم اختلاف پیدا کرنا کفر کی بات ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَدَارَؤُنَ فِي الْقُرْاٰنِ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا ضَرَبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ وَاِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوْا بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُوْلُوْا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوْا اِلٰى عَالِمِهٖ. (رواہ احمد. وابن ماجہ)

عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ کچھ لوگ قرآن کریم میں اس طرح بحث کر رہے ہیں کہ ایک شخص ایک آیت پڑھتا ہے دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں دوسری آیت پڑھتا ہے جو اس کے خیال میں اس کے مخالف مضمون پر مشتمل ہوتی ہے یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی حرکت کی بدولت تم سے پہلی قومیں گمراہ ہوئی اور ہلاک ہوئی ہیں وہ بھی یہی کیا کرتی تھیں کہ خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے سے ٹکرایا کرتیں حالانکہ اللہ کی تمام کتاب باہم ایک دوسرے کیلئے مصدق ہو کر اتری ہے اس لئے تم اس میں اختلاف پیدا کر کے اس کی تکذیب نہ کرو، اس کا

جو حصہ سمجھ لو وہ تو بیان کرو اور جو تم نہ سمجھو اسے اس کے حوالہ کردو جو اس کا جاننے والا ہے۔ (احمد۔ابن ماجہ)

تشریح:۔ دارمی کی ایک طویل حدیث میں ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جو چیزیں اسلام کو فنا کردینے والی ہیں ان میں ایک بات منافق کا قرآن میں جھگڑا ڈالنا بھی ہے۔ امام احمد اور ابوداؤد اور حاکم ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ المراء فی القران کفر۔ (قرآن میں جھگڑنا کفر ہے) ان احادیث میں جدال اور مراء کا مصداق بھی یہی تدارا اور قرآنی آیات میں اختلاف پیدا کرنا ہے۔ سبع قراءت جو بظاہر مختلف ہیں ان کے متعلق زہری ارشاد فرماتے ہیں **انما هي في الامر تكون واحداً لا تختلف في حلال ولا حرام** (بخاری ومسلم) یہ تمام قرائتیں صرف الفاظ میں مختلف ہیں ان میں حکم ایک ہی رہتا ہے۔ حلال و حرام کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا پس حدیث کی ہدایت یہ ہے کہ قرآن کریم کو دوسری معمولی کتابوں کی طرح معرکہ بحث نہ بنانا چاہئے۔ خدا کی کتاب کا معاملہ نازک ہوتا ہے یہاں جو بات طے شدہ اور سب سے پہلے مسلم ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف وتناقض ممکن نہیں اس کے بعد اگر کہیں بظاہر اختلاف معلوم ہو تو اسے اپنا ہی قصورِ علم سمجھنا چاہئے اور اسلوب بحث وہ اختیار کرنا چاہئے جس میں ان آیات کے درمیان توافق پیدا ہو۔ علمی زور خرچ کر کے خواہ مخواہ آیتوں میں اختلاف پیدا کرنا اپنے لئے کفر اور دوسروں کے دلوں میں تذبذب پیدا کرنے والی بات ہے اسی لئے اس کو ہادمِ اسلام قرار دیا ہے۔

ریا کاری بھی ایک قسم کا خفی شرک ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِیَ غَيْرِیْ تَرَكْتُهٗ وَشِرْكَهٗ وَفِیْ رِوَايَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ هُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَهٗ. (رواہ مسلم)

ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمام شرکاء میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز میں ہوں جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک کر لیتا ہے تو میں اس کو اس شریک ہی کے لئے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہوں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں ایسے عمل سے بیزار ہوں بس وہ اسی کے لئے رہے جس کے لئے اس نے کیا ہے۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ فَضَالَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ نَادٰى مُنَادٍ مَنْ كَانَ اَشْرَكَ فِیْ عَمَلٍ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ فَاِنَّ اللهَ اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ. (رواہ احمد)

ابوسعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ قیامت میں سب لوگوں کو جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی یہ اعلان کریگا جس جس نے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے لئے کیا ہو پھر اس میں کسی اور کی بھی نیت کی ہو تو اسے چاہئے کہ (آج) اس کا ثواب اسی غیر سے جا کر مانگے کیونکہ تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز اللہ کی ذات پاک ہے۔ (احمد)

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ. (رواہ احمد)

شداد بن اوس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس شخص نے نمائش کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس نے نمائش کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے نمائش کے لئے صدقہ دیا اس نے بھی شرک کیا۔ (احمد)

وَعَنْہُ اَنَّہٗ بَکٰی فَقِیْلَ لَہٗ مَا یُبْکِیْکَ قَالَ شَیْئٌ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فَذَکَرْتُہٗ فَاَبْکَانِیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِیْ الشِّرْکَ وَالشَّھْوَۃَ الْخَفِیَّۃَ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَتُشْرِکُ اُمَّتُکَ مِنْ بَعْدِکَ قَالَ اَمَا اِنَّھُمْ لَا یَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا حَجَرًا وَلَا وَثَنًا وَلٰکِنْ یُرَاؤُنَ بِاَعْمَالِھِمْ وَالشَّھْوَۃُ الْخَفِیَّۃُ اَنْ یُّصْبِحَ اَحَدُھُمْ صَائِمًا فَتَعْرِضُ لَہٗ شَھْوَۃٌ مِنْ شَھَوَاتِہٖ فَیَتْرُکُ صَوْمَہٗ. (رواہ احمد والبیھقی فی شعب الایمان)

شداد کے متعلق بیان کیا گیا کہ ایک مرتبہ ان پر گریہ طاری ہو گیا لوگوں نے سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ایک بات یاد آ گئی جس کو میں نے آپ کو فرماتے خود سنا تھا اس نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے آپ کو فرماتے سنا تھا کہ مجھے اپنی امت کے متعلق شرکِ خفی اور شہوتِ خفی کا بڑا ڈر ہے وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کے بعد آپ کی امت بھی شرک میں مبتلا ہو جائیگی آپ نے فرمایا سن لو نہ تو وہ آفتاب و ماہتاب کی عبادت کریگی اور نہ کسی پتھر اور بت کی لیکن اپنے اعمال میں ریاء کاری کا شکار ہو جائے گی (یہ تو شرک خفی ہوا) اور شہوتِ خفیہ یہ ہے کہ کوئی شخص تم میں سے صبح کے وقت روزہ دار ہو پھر اس کے سامنے کوئی ایسی چیز آ جائے جو اس کی مرغوب خاطر ہو اور صرف اتنی سی بات پر وہ اپنا روزہ توڑ ڈالے۔ (احمد۔ شعب الایمان)

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمُ الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّیَاءُ رواہ احمد وزاد البیھقی فی شعب الایمان یقول اللّٰہُ لَھُمْ یَوْمَ یُجَازِیْ الْعِبَادَ بِاَعْمَالِھِمْ اِذْھَبُوْا اِلَی الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُرَاؤُنَ فِی الدُّنْیَا فَانْظُرُوْا ھَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَھُمْ جَزَاءً وَخَیْرًا.

محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب یاد رکھو مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ ڈر ہے تو شرک اصغر کا ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شرکِ اصغر کیا چیز ہے فرمایا ریاء اور نمائش۔ (مسند امام احمد) بیہقی نے اس میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیگا اس دن ریاء کاروں سے کہے گا جاؤ ان کے پاس جن کی خاطر تم دنیا میں ریاء کاری کیا کرتے تھے اور دیکھو کہ کیا ان کے پاس تمہیں اس عمل کا بدلہ اور کچھ ثواب ملتا ہے؟

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَکَّرُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَا ھُوَ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

قَالَ الشِّرْکُ الْخَفِیُّ اَنْ یَقُوْمَ الرَّجُلُ فَیُصَلِّیْ فَیَزِیْدُ صَلٰوتَہٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ. (رواہ ابن ماجۃ)

ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے اس وقت ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شئے نہ بتاؤں جس کا مجھے تمہارے متعلق دجال سے بھی زیادہ خوف ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور بتایئے فرمایا وہ شرکِ خفی ہے اور شرکِ خفی یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو اس لئے اور لمبا کردے کہ کوئی دوسرا شخص اس کو دیکھ رہا ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ مسیح دجال بلاشبہ بہت بڑا فتنہ ہوگا لیکن اس کا تعلق بہت محدود زمانہ اور محدود افراد کے ساتھ ہوگا۔ بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو اس فتنہ سے کوئی تعلق ہی نہیں اور شرک خفی کا فتنہ ہر زمانہ اور ہر فرد کیلئے ہے اس لئے جن کی زبانوں پر ایک مستقل فتنہ کا ذکر بڑی شان کے ساتھ آرہا تھا ان کو آپ نے تنبیہ فرما کر ایک ایسے فتنہ کی طرف متوجہ کیا جس کا اندیشہ ہر زمانہ میں ہوسکتا ہے اور ان کو بھی ہوسکتا ہے۔ وقتی طور پر متاثر قلوب کو کسی اور اہم معاملہ سے متاثر کرنے کا یہ بھی ایک فطری انداز ہے کہ جو تاثر ان میں پہلے سے موجود ہے اس کا رخ بدل کر اس کو کسی دوسرے معاملہ کے ساتھ قائم کر دیا جائے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّہٗ اَتَی الشَّامَ فَرَأَی النَّصَارٰی تَسْجُدُ لِبَطَارِقَتِھَا وَاَسَاقِفَتِھَا قَالَ فَقُلْتُ لِاَیِّ شَیْئٍ تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا ھٰذَا کَانَ تَحِیَّۃً لِّلْاَنْبِیَاءِ قَبْلَنَا فَقُلْتُ نَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَصْنَعَ بِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّھُمْ کَذَبُوْا عَلٰی اَنْبِیَائِھِمْ کَمَا حَرَّفُوْا کِتَابَھِمْ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اَبْدَلَنَا خَیْرًا مِنْ ذٰلِکَ السَّلَامُ تَحِیَّۃُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ. (رواہ احمد)

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ وہ شام تشریف لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدے کرتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا تم لوگ یہ سجدے کیوں کرتے ہو انہوں نے کہا کہ ہم سے پیشتر نبیوں کے سلام کرنے کا طریقہ یہی تھا۔ میں نے کہا تو پھر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح سلام کرنے کے ان سے زیادہ حقدار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے اپنے نبیوں کے سر یہ جھوٹ اسی طرح لگا دیا ہے جس طرح اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر ہم کو سلام کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے اور وہ لفظ السلام (علیکم) ہے، یہ طریقہ اہل جنت کے باہم سلام کرنے کا ہے۔ (احمد)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی عَصًا فَقُمْنَا لَہٗ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا کَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ یُعَظِّمُ بَعْضُھَا بَعْضًا. (رواہ ابوداؤد)

ابوامامہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کا سہارا لئے ہوئے باہر تشریف لائے۔ ہم آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ فرمایا اس طرح مت کھڑے ہوا کرو جس طرح عجم کے لوگ کھڑے ہو کر بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ عرب کی محبت بے تکلف اور مخلصانہ ہوتی ہے اس سے اسلام کے اخلاص میں فرق نہیں پڑتا۔ عجم کی محبت پُر تکلف ہوتی ہے اس میں اسلامی حدود کے اِدھر اُدھر ہٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے آپ نے ان کو تعظیم کی اسی منزل پر روک دیا جہاں تک محبت بے لوث رہتی ہے اور عبادت کے ہمرنگ ہونے نہیں پاتی کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا رہنا کھڑے رہنے والوں کی بھی

ایک نفسی تحقیر ہے اور جس کے لئے یہ تعظیم کی جائے اس کے حدود تعظیم سے بھی زیادہ بات ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ یَکُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْھِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانُوْا اِذَا رَاَوْہُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ کَرَاھِیَۃٍ لِذٰلِکَ. (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح)

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں صحابہؓ کی نظروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب ومحترم نہ تھا، اس کے باوجود جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات آپ کو ناپسند ہوتی ہے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ سبحان اللہ! صحیح محبت اسی کا نام ہے

ارید وصالہ ویرید ہجری فاترک ما ارید لما یرید

شاعر کہتا ہے کہ میں تو اپنے دل میں اس کے وصل کی تڑپ رکھتا ہوں مگر وہ میرے فراق پر تلا ہوا ہے اب میری محبت کا فیصلہ یہ ہے کہ میں اس کی آرزو کے سامنے اپنی آرزو خاک میں ملا دوں اور شربت وصل کے بجائے تلخی فراق پر راضی ہو جاؤں۔ قیام فی نفسہ جائز ہے مگر جہاں جہاں جذباتِ محبت میں حدود سے تجاوز کرنے کا خطرہ پیدا ہوسکتا تھا۔ وہاں آپ نے اپنے جاں نثاروں کو ان کے جائز حسرت وارمان نکال لینے کی اجازت بھی نہیں دی۔ اور ان کو یہ تلخ گھونٹ اس لئے پلا دیئے کہ آئندہ کہیں امت کے نادیدہ محبین اپنی فرطِ محبت میں تعظیم کی حدود سے نکل کر عبادت کی سرحد میں نہ کود پڑیں۔

عَنْ اَبِیْ خُزَیْمَۃَ اَنَّہٗ یَرٰی فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ اَنَّہٗ سَجَدَ عَلٰی جَبْھَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَہٗ فَاضْطَجَعَ لَہٗ وَقَالَ صَدِّقْ رُؤْیَاکَ فَسَجَدَ عَلٰی جَبْھَتِہٖ. (رواہ فی شرح السنہ کما فی المشکوۃ)

ابوخزیمہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خواب میں یہ دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کر رہے ہیں یہ خواب آپ سے بھی ذکر کیا آپ لیٹ گئے اور فرمایا لو اپنا خواب پورا کرلو، اس نے آپ کی پیشانی مبارک کے اوپر سجدہ کرلیا۔ (مشکوۃ شریف)

تشریح:۔ کسی کے دل کی حسرت اگر اس طرح پوری ہوتی ہے تو بھلا اس فیاض بارگاہ میں اس سے کیا بخل ہوسکتا تھا، کتنی فروتنی فرمائی کہ کھڑے سے لیٹ گئے اور اپنے جسم کو بھی اسی خاک پر لٹا دیا جس پر وہ اپنے خدا کو سجدہ کیا کرتا تھا۔ پھر اس سے کہا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر خواہ اس زمین پر ہو یا اس جسم پر گویا سجدہ کا رخ بدلنے نہ پائے۔ مکان سجدہ خواہ کچھ رہے سبحان اللہ وہ کیسا خوش نصیب ہوگا جسے آج اپنے بزرگ وبرتر خدا کے سجدہ کے لئے وہ مکان ہاتھ آگیا جو عرش وکرسی سے بھی افضل تھا۔ جواب میں اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ صورت بھی صرف رؤیاء مومن کی تصدیق کی خاطر گوارا کی گئی ہے ورنہ یہ نفسِ سجدہ کے لئے کوئی وجہ فضیلت نہیں۔ قربان جایئے ان صحابہ پر انہوں نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور پھر کسی نے یہ درخواست نہ کی۔ دراصل وہ اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ یہ صرف ایک امتی کی دلداری ہے شریعت نہیں۔

عَنْ عَائِشَۃَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْ نَفَرٍ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِیْرٌ فَسَجَدَ لَہٗ فَقَالَ اَصْحَابُہٗ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ تَسْجُدُ لَکَ الْبَھَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَکَ فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَاَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ وَلَوْ کُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ یَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْءَۃَ اَنْ

تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَلَوْ اَمَرَهَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰى جَبَلٍ اَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِىْ لَهَا اَنْ تَفْعَلَهُ. (رواہ احمد وروی الترمذی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت امر احدًا الخ عن ابی ہریرۃ)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ اونٹ آیا اور اس نے آپ کو سجدہ کیا یہ دیکھ کر آپ کے صحابہ نے کہا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو جب جانور اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں تو ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو، اگر میں کسی کو یہ اجازت دیتا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے تو عورت کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرلے اگر اس کا شوہر اسے یہ حکم دے کہ وہ زرد پہاڑ کو سیاہ پہاڑ کی جگہ اور سیاہ کو زرد کی جگہ اٹھا کر رکھ دے تو اس کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اس کام کے لئے بھی تیار ہوجائے۔ (مسند امام احمد)

تشریح:۔ اس حدیث میں آپ نے بڑے ایجاز و بلاغت کے ساتھ یہ بتا دیا کہ اخوت کا حق صرف تعظیم وتکریم ہے عبادت نہیں۔ یہ صرف ایک ہی کا حق ہے اور اسی کے لئے بلاشرکت ادا کرنا چاہئے۔ ایک غیر مکلّف جانور کے سجدہ کی ایک مکلّف انسان کو نقل اتارنا غلط ہے یہ اس کا سجدہ تھا جس سے شریعت کا کوئی خطاب نہیں اور یہاں بحث اس کی ہے جس کی ایک ایک جنبش کراماً کاتبین کے قلم کے نیچے ہے۔ اسوۂ صحابہ چھوڑ کر اسوۂ حیوان اختیار کرنا انسانی عقل کا کام نہیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقٰى اَخَاهُ اَوْ صَدِيْقَهٗ اَيَنْحَنِىْ لَهٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَلْتَزِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَاْخُذُهٗ بِيَدِهٖ وَيُصَافِحُهٗ قَالَ نَعَمْ. (رواہ الترمذی)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم میں ایک شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کی تعظیم کے لئے جھک سکتا ہے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا اچھا تو کیا اس کو چپٹ کر بوسہ دے سکتا ہے فرمایا اس کی بھی کیا ضرورت ہے پھر انہوں نے پوچھا کیا اس سے ہاتھ ملا کر مصافحہ کرسکتا ہے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ (ترمذی)

تشریح:۔ اسلام نے مسرت وغم اور تعظیم وتکریم سب کی حدود مقرر فرمائی ہیں بندگی ان کی پابندی ہی میں ہے جو ان حدود سے جتنا باہر گیا یقین کرلو کہ اس نے اتنے ہی اپنے حدود بندگی توڑ ڈالے۔ اگر وہ اس پر خوش ہے تو یہ اس کی نادانی ہے۔

بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرنے اور ان پر چراغ جلانے کی ممانعت

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِىْ وَثَنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ. (رواہ مالک مرسلا)

عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے خدایا میری قبر کو ایک بت نہ بنا دینا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ خدائے تعالیٰ کا غصہ ان لوگوں پر بھڑک اٹھا جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا ڈالا۔ (مالک)

تشریح:۔ غضب الٰہی کا مشہور مورد فرقہ یہود ہے حتیٰ کہ مغضوب علیہم ان کا ایک لقب بن گیا ہے پھر نصاریٰ بھی ان ہی

کے نقشِ قدم پر چل پڑے اور چونکہ انبیاء یہود ان کے نزدیک بھی قابلِ احترام تھے اس لئے انہوں نے بھی اس بدعملی میں ان کی نقل اتاری اور جب کبھی ان کے کسی بھلے آدمی کا انتقال ہوا تو انہوں نے بھی ان کی قبر کو مسجد بنالینے کا وہی دستور جاری رکھا اسی لئے حدیث میں جب خاص نصاریٰ کی گمراہی کا ذکر آتا ہے تو رجل صالح کا لفظ آتا ہے اور جب خاص یہود کا ذکر آتا ہے تو صرف انبیاء کا تذکرہ آتا ہے اور جب ان کی مشترکہ گمراہی کا حال مذکور ہوتا ہے تو انبیاء اور صالحین دونوں کا ذکر ہوتا ہے جیسا کہ الفاظ ذیل سے ظاہر ہے اس کے علاوہ راوی کے توسعات ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهٖ كَنِيْسَةً تُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَكَانَتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَاُمُّ حَبِيْبَةَ اَتَتَا اَرْضَ الْحَبْشَةِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيْرِهَا فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اُولٰئِكَ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ. (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے تو آپ کی بعض بیبیوں نے اس گرجے کا قصہ ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا۔ یہ گرجا حبشہ میں تھا اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ پہلے وہاں جاچکی تھیں جب انہوں نے اس کے حسن وخوبی اور تصویروں کا حال بیان کیا تو آپ نے اپنا سرِ مبارک اٹھایا اور فرمایا یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کا انتقال ہوجاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک مسجد بنادیتے اور اس میں ان کی تصویر بنادیتے تھے یہی لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر مخلوق ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حضرت ام حبیبہؓ وحضرت ام سلمہؓ اپنے اپنے پہلے شوہروں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ کے شوہر کا تو وہیں انتقال ہوگیا تھا پھر شاہ حبشہ نے ان کا عقد آپ کے ساتھ کردیا تھا اور ان کا مہر بھی اپنی جانب سے ادا کر کے ان کو آپ کی خدمت میں روانہ کردیا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کے شوہر کا انتقال وہاں سے واپس آکر ہوا ہے اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آگئیں تھیں۔ اس تقریب سے ان دونوں نے کنیسہ ماریہ دیکھا تھا۔ مریض کی خاطر داری میں عام طور پر متفرق باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے اسی طرح آپ کی محفل میں اس کا ذکر بھی آگیا تھا مگر خدا کے مقدس رسول کو جس بات سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی وہ خدائے تعالیٰ کے بندوں کو شرک سے نجات دلانا تھا اس لئے آپ کی زبان اپنی حیوٰۃ کے آخری لمحات تک جس امر کے لئے بے اختیار متحرک رہی وہ یہی خدا کی توحید تھی۔

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ. (رواہ مسلم)

جندب بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے بغور سن لو کہ تم سے پیشتر امتیں اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا کرتے تھے۔ دیکھو تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تم کو اس حرکت کی سختی سے ممانعت کئے جاتا ہوں۔ (مسلم)

تشریح:۔ ابتداء میں ان بزرگوں کی تصاویر گرجوں میں محض تبرکاً رکھی جاتی تھی پھر رفتہ رفتہ جاہلوں نے ان کی عبادت

بھی شروع کر دی اور ان کی قبروں پر اس طرح مسجدیں بنائیں کہ جب سجدہ کرتے تو سجدہ ان کی طرف ہوتا تھا۔ پہلی امتوں کے یہ زشت کارنامے دیکھ کر آپ نے اپنی امت کو اپنی حیات کے آخری سانس تک مذکورہ بالا الفاظ میں اس کی سخت ممانعت فرمائی، پھر بعد میں یہ اہتمام کیا گیا کہ آپ کی قبر مبارک کو کھلا ہوا نہیں رکھا گیا۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر جاہلوں کی مبالغہ آمیزی کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کھول دی جاتی۔ پھر جب مسجد مبارک اور وسیع کی گئی تو یہ احتیاط مزید کی گئی کہ اس کے اردگرد مع ازواج مطہرات کے حجروں کے ایک چہار دیواری بھی کھنچوادی گئی تا کہ ان کی جانب سجدہ کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔ سلف نے تو اتنی احتیاطیں برتیں مگر افسوس کہ امت کے ناخلف افراد نے یہ کمال دکھایا کہ جب تک زیارت کے وقت اس عمارت ہی کی طرف سجدہ نہیں کر لیتے اپنی حاضری بیکار سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کل اس رسول عربی کو وہ کیا جواب دیں گے جس نے جیتے جی اپنے لئے کسی کا کھڑا ہونا بھی پسند نہیں فرمایا اور دنیا سے چلتے چلتے یہ ہدایت کر دی کہ دیکھنا پہلی امتوں کی طرح تم میری قبر کو سجدہ نہ کرنا۔ **واللہ المستعان علی ماتصفون۔**

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ. (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر جاتی ہیں اور جا جا کر ان کو سجدے کرتی اور چراغ جلاتی ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

گارے اور پتھروں کی تعمیر پر چادریں ڈالنے کی ممانعت

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ غَزَاةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَأَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ حَتّٰى هَتَكَه، ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللهَ لَمْ يَأْمُرْنَا اَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ. (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ میں نے (آپ کے پیچھے) ایک نقشین چادر لیکر دروازہ کے اوپر ڈالدی جب آپ تشریف لائے اور آپ نے وہ چادر پڑی ہوئی دیکھی تو اس کو کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور گارے کو لباس پہنایا کریں۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ سوچو کہ اگر اپنی حیات میں آپکو اپنے گھر کی در و دیوار کی یہ زینت پسند نہ آئی تو کیا یہ زینت وفات کے بعد اپنی قبر کی پسند آ سکتی ہے پھر آپ نے اس کو پھاڑ ڈالنے پر ہی کفایت نہیں فرمائی بلکہ اسکی لغویت کو اس طرح واضح بھی فرما دیا کہ جو نعمت لباس ہمارے باپ آدم کو بڑی آہ و زاری کے بعد میسر آئی تھی کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سب سے ذلیل مخلوق کی نذر کر دیا جائے یعنی اینٹوں اور پتھروں کے۔ بالخصوص جبکہ اس میں اس قوم کے ساتھ پوری پوری مشابہت بھی پیدا ہوتی ہو جو اسی طرح بتوں کو بغرض تعظیم مزین کیا کرتی تھی جہاں عمل شرک کا ہو وہاں شریعت نیتوں کا فرق نہیں کرتی۔ ظاہر ہے کہ یہاں حضرت عائشہؓ کی نیت نہ تو پتھروں کی تعظیم تھی اور نہ ان کی زینت، بلکہ آپ ہی کی تعظیم اور آپ ہی کی خوشنودی مطلوب تھی۔ مگر خدائے تعالیٰ کے رسول ایسی تعظیم سے بھی

خوش نہیں ہوتے جو بے معنی ہونے کے ساتھ ان کی حدودِ تعظیم سے متجاوز اور اعمالِ شرک سے ملتبس ہو۔ اس کے بعد اب یہ انصاف تم ہی پر ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ نبی (اپنے گھر کی دیواروں پر چادریں لٹکانا پسند نہ فرمائیں تو کیا اس کی امت کے برگزیدہ افراد اپنی قبر پر بیش قیمت دوشالے پڑے ہوئے دیکھنا پسند کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے ساتھ ایسی بیجا عقیدت نہ رکھیں جو ان کے لئے موجب تکلیف وندامت ہو۔

صحیح حدیث میں موجود ہے کہ قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سفارش کرنے کے لئے عرض کیا جائیگا تو وہ ان الفاظ میں معذرت فرمائیں گے "انی عبدت من دون الله" مجھے تو ایک قوم کی قوم خدا کے سواء معبود بنائے بیٹھی ہے اس میں غلطی اگر چہ سراسر اسی کی ہے مگر چونکہ وہ ہے میری امت اس لئے ان کی غلطی سے آنکھیں میری نیچی ہیں۔ عیسائی اس فریق میں مبتلا ہیں کہ وہ عیسیٰ پرستی سے اپنی محبت کا حق اور ان کا تقرب حاصل کر رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ وہ سراسر خدا کی حق تلفی اور عیسیٰ علیہ السلام کی ایذاء رسانی کے جرم کے مرتکب ہیں۔ افسوس اس امت پر جو آخر میں اس لئے آئی تھی کہ پہلی امتوں کی گمراہیاں سن سن کر ان سے احتراز کرے مگر وہ چھانٹ چھانٹ کر ان میں ایک ایک کو اختیار کر رہی ہے۔ صدق الله ورسوله لتتبعن سنن من قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع.

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَا عَلَيْهِ اِلَّا بُرْدَةٌ لَهٗ مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْءٍ فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكٰى لِلَّذِيْ كَانَ فِيْهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِيْ هُوَ فِيْهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكُمْ اِذَا غَدَا اَحَدُكُمْ فِيْ حُلَّةٍ وَرَاحَ فِيْ حُلَّةٍ وَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ اُخْرٰى وَسَتَرْتُمْ بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَا اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْكُمْ يَوْمَئِذٍ. (رواه الترمذی)

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث اس شخص نے ذکر کی ہے جس نے خود حضرت علی سے سنا تھا وہ کہتے تھے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر آ نکلے اس وقت ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس میں چمڑے کا پیوند لگ رہا تھا آپ نے جب ان کو دیکھا تو آپ کو بے اختیار رونا آ گیا ان کی اس حالت ناز ونعمت کو یاد کر کے جو کفر کے زمانہ میں ان کی تھی اور اس خستہ حالت کو دیکھ کر جو اسلام کے بعد بن گئی تھی پھر فرمایا بتاؤ اس زمانہ میں تمہاری دینی رفتار کیسی ہوگی جبکہ تم پر فارغ البالی کا یہ عالم ہوگا کہ صبح کو ایک لباس پہنا کرو گے اور شام کو دوسرا اور کھانے پر ایک پیالہ تمہارے سامنے سے اٹھایا جائے گا اور پھر دوسرا رکھا جائے گا۔ اور رہائش میں رفاہیت کا یہ حال ہوگا کہ اپنے گھروں کو لباس سے اس طرح آراستہ کیا کرو گے جیسا خانہ کعبہ کیا جاتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آج کی نسبت ایسے زمانہ میں تو ہمارا حال بہت ہی بہتر ہوگا۔ معاش کے لئے محنت، مشقت کی حاجت نہ ہوگی بس عبادت کے لئے فرصت ہی فرصت مل جائے گی۔ فرمایا نہیں اس دن کی نسبت تم اس عسرت ہی کے زمانہ میں بہتر ہو۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی پوشش کا دستور آپ کے زمانہ میں بھی تھا اور یہ اسی کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات پاک کی تعظیم، بندوں کی تعظیم سے ممتاز تھی اسی طرح اس کے گھر کی تعظیم بھی بندوں کے گھروں کی تعظیم سے علیحدہ تھی۔ قبروں کے اوپر چادریں چڑھانے کا تو وہاں کوئی تخیل ہی نہ تھا آپ نے اپنے ہاتھوں سے اپنی محبوب ترین ہستیاں سپرد خاک کیں حتیٰ کہ حضرت حمزہؓ کے متعلق تو یہ فرمایا کہ اگر مجھے ان کی ہمشیرہ کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کی نعش کو یونہی پڑا ہوا چھوڑ دیتا تا کہ ان کا حشر درندوں کے پیٹوں سے ہوتا کہ اس بیکسی پر ان پر تو خدائے تعالیٰ کی رحمتیں اور متوجہ ہوتیں اور ان کے دشمنوں پر نگاہِ خشم اور سخت ہو جاتی مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ کسی کے لئے بھی آپ نے ایک چادر کے ٹکڑے کی بھی تمناء کی ہو جو اس کی قبر پر ڈالی جائے بلکہ کفن میں بھی یہی تاکید فرمائی کہ زیادہ قیمتی نہ ہو پھر جب براہ راست میت کے لباس کا قیمتی ہونا پسند نہ ہوا تو اس کی قبر پر بیش بہا چادروں کا خود ہی اندازہ کرلو۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ هِنْدٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ اِبِلٌ لِلشَّيَاطِيْنِ وَبُيُوْتٌ لِلشَّيَاطِيْنِ فَاَمَّا اِبِلُ الشَّيَاطِيْنَ فَقَدْ رَاَيْتُهَا يَخْرُجُ اَحَدُكُمْ بِنَجِيْبَاتٍ مَعَهُ قَدْ اَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُوْا بَعِيْرًا مِنْهَا وَيَمُرُّ بِاَخِيْهِ قَدِ انْقَطَعَ بِهٖ فَلَا يَحْمِلُهُ وَاَمَّا بُيُوْتُ الشَّيَاطِيْنَ فَلَمْ اَرَهَا كَانَ سَعِيْدٌ يَقُوْلُ لَا اُرَاهَا اِلَّا هٰذِهِ الْاَقْفَاصَ الَّتِىْ يَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّيْبَاجِ. (رواہ ابوداؤد)

سعید بن ابی ہند ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آئندہ شیاطین کے اونٹ اور شیاطین کے مکانات ہوں گے۔ شیاطین کے اونٹ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ شیاطین کے اونٹ تو یہی ہیں کہ تم میں ایک شخص عمدہ عمدہ اونٹنیاں لیکر نکلتا ہے جن کو اس نے خوب فربہ کر رکھا ہے اور ان میں سے کسی ایک پر بھی سوار ہونے کی نوبت نہیں آتی اور اپنے ایک ایسے خستہ حال بھائی کے پاس سے گذرتا ہے جس کی سواری ہلاک ہو چکی ہے اور اس غریب کو سواری کیلئے نہیں دیتا۔ رہ گئے شیاطین کے مکانات وہ میں نے نہیں دیکھے۔ سعید (راوی حدیث) کہتے تھے میرے خیال میں ہوں نہ ہوں وہ یہی پنجرے سے کجاوہ ہیں جن کو لوگ ریشم ڈال کر مزین کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ معلوم نہیں کہ جب سعید بن ابی ہند کی نظر میں ان اقفاص (کجاووں) کا نما بیوت شیطان تھا تو وہ ان قبور کو کیا کہتے جو ان اقفاص سے کہیں بیش بہا ریشمیں چادروں سے مزین ہوتی ہیں پھر یہاں تو بے جا زینت اور اسراف کے سواء اور کوئی جرم بھی نہیں ہے مگر وہاں رسوم شرک سے بہت کچھ مشابہت پیدا ہو رہی ہے خوب سن لو اس کی جوابدہی ہرگز ان بزرگوں کے ذمہ نہیں ہوسکتی جنہوں نے اپنی ساری زندگی ایک پھٹی کملی میں گذار دی ہو اس کا جواب ان کو دینا ہے جنہوں نے ان کی وفات کے بعد حدودِ شریعت کو توڑا ہے۔

عَنْ اَبِى الْهَيَّاجِ الْاَسَدِىِّ قَالَ لِىْ عَلِىٌّ اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِىْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهُ. (رواہ مسلم)

ابو الہیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا کیا میں تم کو بھی اسی خدمت پر مامور نہ کروں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مامور فرمایا تھا وہ یہ تھی کہ جس تصویر کو دیکھوا سے مٹا ڈالنا اور جس قبر کو اونچا دیکھوا سے نیچا کر دینا۔ (مسلم)

عَنْ اَبِی مَرْثَدِ الْغَنَوِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْهَا. (رواہ مسلم)

ابومرثد غنوی روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دیکھو) قبروں پر نہ تو بیٹھا کرو اور نہ ان کو سامنے کر کے نماز پڑھا کرو۔ (مسلم)

تشریح:۔ قبروں کے معاملہ میں متوسط تعلیم یہ ہے جو مُردوں کی توہین اور ان کی حد سے متجاوز تعظیم دونوں سے خالی ہے انسان ایک اشرف نوع ہے توحید کا تقاضا نہ تو یہ ہے کہ اس کی قبر کی بلاوجہ توہین کی جائے اور نہ اس میں اتنا تخلخل قابل تحمل ہے کہ بتوں کی طرح اس کو سامنے رکھ کر اس کی طرف نمازیں ادا کی جائیں۔ افسوس کہ دنیا اس متوسط تعلیم کو بھی قائم نہ رکھ سکی یا تو اس نے قبروں کو کھود کر پھینک ڈالنا اقتضاء توحید سمجھا یا پھر اس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنا بھی خلاف توحید نہ جانا بلکہ قبروں کو سجدہ کرنا اور ان پر جا جا کر چراغ جلانا فرض وواجب کے درجہ پر سمجھ لیا۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جس کی قبر میں عمل کی روشنی نہ ہو اس کی قبر پر چراغ کی روشنی کرنے سے کیا حاصل ہے۔ رہا پہلی حدیث میں قبروں کے نیچا کرنے کا مطلب۔ تو اگر ان کو مسمار کر دینا دین کی سنت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو صحابہ کا پورا مجمع زمین سے ایک بالشت اونچا کیوں رکھتا۔ ابوداؤد کی روایت میں قاسم بن محمد اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بچشم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو جا کر دیکھا تو وہ بالکل زمین کے برابر نہ تھی۔ افراط وتفریط کے دونوں راستے غلط ہیں۔ نیز قبروں کے متعلق جو احکام بیان کئے گئے ہیں ان کی ادائیگی کی صورت کیا رہتی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلَیْهِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ صَلِّ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حِیْنَ تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَتّٰی تَرْتَفِعَ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ حِیْنَ تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ وَحِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰی یَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّ حِیْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَاِذَا اَقْبَلَ الْفَیْئُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ الْعَصْرَ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسَ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ وَحِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللهِ فَالْوُضُوْءَ حَدِّثْنِیْ عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ یُقَرِّبُ وَضُوْءَهٗ وَیَسْتَنْشِقُ فَیَسْتَنْثِرُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا وَجْهِهٖ وَفِیْهِ وَخَیَاشِیْمِهٖ ثُمَّ اِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ كَمَا اَمَرَهُ اللهُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا وَجْهِهٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْیَتِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ یَغْسِلُ یَدَیْهِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا یَدَیْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ یَمْسَحُ رَأْسَهٗ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا رَأْسِهٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ یَغْسِلُ قَدَمَیْهِ اِلَی الْكَعْبَیْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا رِجْلَیْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ فَاِنْ هُوَ قَامَ فَصَلّٰی فَحَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ وَمَجَّدَهٗ بِالَّذِیْ هُوَ لَهٗ اَهْلُهٗ وَفَرَّغَ قَلْبَهٗ لِلّٰهِ اِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِیْئَاتِهٖ كَهَیْئَةِ یَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ. (رواہ مسلم)

عمرو بن عبسہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا

اور میں نے عرض کیا مجھے نماز کے اوقات تعلیم فرمائیے آپ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھ لو جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو جب تک آفتاب طلوع ہو رہا ہو کوئی نماز نہ پڑھو یہاںتک کہ وہ اونچا نہ ہو جائے کیونکہ جب وہ نکلتا ہے تو شیطان کی سر کی دو جانبوں کے درمیان نکلتا ہے اور اسی وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر نماز پڑھ سکتے ہو اس وقت تک کہ نیزہ کا سایہ نیزہ سے آگے کیونکہ اس نماز میں خدائے تعالیٰ کے فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں اس کے بعد نماز نہ پڑھو کیونکہ اس وقت دوزخ دہکائی جاتی ہے جب سایہ ڈھل جائے تو پھر نماز پڑھ سکتے ہو، یہاں تک کہ عصر کی نماز سے فارغ ہو جاؤ کیونکہ اس نماز میں فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں پھر جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ آفتاب غروب نہ ہو لے کیونکہ جب وہ غروب ہوتا ہے تو شیطان کے سر کی دو جانبوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اسی وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا یا نبی اللہ اچھا وضوء کے ثواب کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے۔ فرمایا تم میں جو شخص بھی اپنے وضوء کے لئے پانی لے کر وضوء کرتا اور ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرتا ہے تو اس کے منہ اور اس کے نتھنوں کی ساری کوتاہیاں نکل کر گر جاتی ہیں پھر جب اس کے بعد شریعت کے حکم کے موافق منہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ساتھ اس کے چہرہ کی کوتاہیاں بھی اس کی ڈاڑھی کے کناروں سے ٹپک جاتی ہیں، اس کے بعد جب وہ کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کی انگلیوں کے پوروں کے ساتھ اس کے بالوں کے کناروں سے نکل جاتی ہیں، پھر جب وہ اپنے دونوں پیر ٹخنوں تک دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے پیروں کی کوتاہیاں اس کے پیر کی انگلیوں کے پوروں سے نکل جاتی ہیں اب اگر کہیں وہ کھڑا ہو گیا اور نماز بھی پڑھ لی اور سبحانک اللھم پڑھ کر خدا کی حمد وثنا کی، ایسی حمد وثناء جس کا وہ مستحق ہے اور اپنا دل اللہ کے واسطے خالی کر لیا تو جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو گناہوں سے ایسا پاک، صاف ہوگا جیسا اپنی ماں سے پیدائش کے دن پاک صاف تھا۔ (مسلم)

تشریح:۔ یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہاں کفار کی عبادت اور قرن شیطانی کے مجموعہ نے ایک حقیقت شرکیہ پیدا کر دی ہے۔ اس لئے ان حدیثوں میں اسی حقیقت کے پیش نظر ہم کو عبادت سے روکا گیا ہے اور اسی لئے ان اوقات کے سواء جن میں کہ کفار اس کی عبادت نہیں کرتے تو شیطان بھی ہمارے قبلہ کی جانب آ کر کھڑا نہیں ہوتا۔ اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح خاص خاص اوقات باری تعالیٰ کی رحمت کے لئے مقرر ہیں ان میں اس کی رحمت سماء دنیا پر ظاہر ہوتی ہے دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ بندوں کے اعمالنامے آسمانوں پر اٹھائے جاتے ہیں اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اسی طرح طاغوتی مظاہروں کے بھی کچھ مخصوص اوقات مقرر ہیں شریعت نے اوقاتِ رحمت کی اطلاع دیکر ان میں عبادات کی ترغیب دی ہے اور اوقاتِ شیطان میں نمازوں سے روک دیا ہے اس کے برخلاف شرکیہ مذاہب میں ٹھیک ان ہی اوقات کی ترغیب دی گئی ہے، جن میں شیاطینی طاقتوں کا ہجوم ہوتا ہے اس روحانی اعانت ومدد کی وجہ سے دونوں جگہ ہر دو قسم کے عبادت گذاروں کو اپنی اپنی عبادتوں میں خوب لطف حاصل ہوتا رہتا ہے اور اپنے اپنے مذاق کے موافق جدا جدا دونوں اسے آثار قبولیت سمجھتے رہتے ہیں، بت کا پجاری گھنٹی بجا بجا کر اس کی آواز میں مست ہے اور ایک معبودِ حقیقی کا عبادت گذار، مؤذن کی صدائے اللہ اکبر میں سرشار ہے۔ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر اس التباس کو دور کر دیتے ہیں اور توحید حقیقی کا ایسا نشا پلا دیتے ہیں کہ پھر سوائے احد احد کے نہ دل میں کسی کی سمائی رہتی ہے نہ زبان

پر کسی کی گنجائش۔ اکثر مقامات پر شریعت نے صرف امر و نہی پر کفایت کی ہے لیکن انسانی معرفت اور اس کی علمی ترقی کے لئے جہاں کسی باطنی علت پر تنبیہ فرمائی ہے وہاں ہی نادان انسان اور الجھ گیا ہے۔ اب سوچو کہ اگر تمہارے خیال کے موافق شریعت ہر جگہ اسباب و علل کو واضح کر جاتی تو تمہاری ضدی طبیعت اعتماد و تسلیم کے بجائے جنگ و جدل کے کتنے راستے تلاش کر لیتی۔

نماز کی حالت میں سترہ ٹھیک سامنے رکھنے کی ممانعت

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلٰى عُوْدٍ اَوْعَمُوْدٍ وَلَا شَجَرَةٍ اِلَّا جَعَلَهٗ عَلٰى حَاجِبِهِ الْاَيْمَنِ اَوِالْاَيْسَرِ وَلَا يَصْمُدُ لَهٗ صَمْدًا. (رواہ ابوداؤد)

مقداد بن اسودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو ہمیشہ یہی دیکھا کہ آپ اس کو اپنے دائیں یا بائیں جانب کر لیا کرتے تھے اور اس کو ٹھیک اپنے سامنے نہ رکھتے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ کسی چیز کو سترہ بنا کر سامنے رکھ لینا بھی شرعی مصلحت کی بناء پر ضروری تھا مگر اس سے پہلے یہ ضروری تھا کہ غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کی عادی قوم اسلام میں پھر اس نقشہ کو کہیں دیکھنے نہ پائے اس لئے اس مصلحت کے قائم رکھنے اور اس مفسدہ سے بچنے کے لئے یہ صورت تجویز کی گئی کہ سترہ تو رہے مگر اس کو دائیں بائیں کر لیا جائے تا کہ جس جگہ معبود حقیقی کے لئے سجدہ ادا کیا جا رہا ہے وہاں اسی کا تصور ہو اور کوئی نہ ہو۔

ناتمام غلام آزاد کرنے کی ممانعت

عَنْ اَبِى الْمَلِيْحِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلَامٍ فَذَكَرَ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَيْسَ لِلّٰهِ شَرِيْكٌ فَاَجَازَ عِتْقَهٗ. (رواہ ابوداؤد)

ابوالملیح اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کیا اور اس کا تذکرہ آپ کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا اللہ کا شریک کوئی نہیں یہ کہہ کر اس کے پورے غلام کی آزادی کا حکم دیدیا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ توحید کی منزل جتنی قطع ہوتی جاتی ہے۔ شامۂ مسلم کفر و شرک کی بدبو سونگھنے میں اتنا ہی زیادہ نازک ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی طبعی نفرت کا عالم یہ ہو جاتا ہے کہ کسی امر سے نفرت پھیلانے کے لئے اس کے سامنے شرک کا نام آ جانا ہی کافی ہوتا ہے اس مرحلہ پر پہنچ کر اس کے حق میں کسی امر کی نفرت یا رغبت دلانے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو یہ بتا دیا جائے کہ فلاں بات میں شرک کی بو ہے اور فلاں میں نہیں۔ دیکھئے یہاں حدیث مذکور میں بھلا شرک کی کیا بات تھی لیکن شریعت کو منظور یہ تھا کہ اس کے ہاتھوں سے اس کا بقیہ مملوک غلام بھی آزاد کرا دیا جائے مگر اس طرح آزاد کرایا جائے کہ اس کی طبیعت پر ذرا میل نہ آنے پائے بلکہ وہ خود ہی اس کے آزاد کرنے کیلئے مضطر ہو جائے اس لئے جو تعبیر اس کے سامنے اختیار کی گئی وہ یہ تھی کہ تیرے اس عمل خیر میں بڑا عیب یہ ہے کہ اب اس کی ملکیت میں تو اور خدا دونوں شریک بن گئے۔ آدھا تیرا اور آدھا اس کا۔ کیا تیری غیرت توحید اپنے لئے یہ شرکت برداشت کریگی کہ اس تعمیر کا لطف آپ اس وقت تک ہرگز نہیں اٹھا سکتے جب تک آپ کی نظر میں محظورات شرعیہ مکروہات طبعیہ کی جگہ نہ آ جائیں۔

کسی عذر کے بغیر نماز قضاء کر دینا کفر ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ. (رواہ مسلم)

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اور کفر کے درمیان واسطہ صرف نماز چھوڑ بیٹھنا ہے۔ (یعنی ادھر نماز چھوڑی، ادھر کفر کی سرحد میں داخل ہوا) (مسلم)

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ اَنْ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُکْ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَکَھَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ الذِّمَّۃُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّھَا مِفْتَاحُ کُلِّ شَرٍّ. (رواہ ابن ماجۃ)

ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہستی نے مجھے یہ وصیت فرمائی ہے کہ دیکھ خدائے تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تیری بوٹی بوٹی اڑادی جائے یا تجھے جلا کر خاک بھی کر دیا جائے اور کوئی فرض نماز، جان بوجھ کر ترک نہ کرنا کیونکہ جو قصداً نماز قضا کرے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور (ایک بات یہ نہ بھولنا) کہ شراب ہرگز نہ پینا کیونکہ وہ تمام گناہوں کی کنجی ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ اس حدیث میں شربِ خمر اور ترکِ صلوٰۃ کو ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا ہے شراب تمام برائیوں کی کنجی ہے اور نماز تمام برائیوں پر قفل ہے۔ جس نے نماز پابندی کے ساتھ شروع کر دی اس نے گویا برائیوں کے دروازوں پر قفل ڈال دیا۔ آیت ذیل میں نماز کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر. اس کے برخلاف شراب کی خاصیت ہے۔ اس بیان سے ان دونوں کے درمیان مناسبت بھی ظاہر ہوگئی۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ شَقِیْقٍ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَرَوْنَ شَیْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْکُہٗ کُفْرٌ غَیْرَ الصَّلٰوۃِ. (رواہ الترمذی)

عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بجز نماز کے کسی اور چیز کو ایسا نہیں سمجھتے تھے جس کا چھوڑ دینا کفر ہو۔ (ترمذی)

عَنْ بُرَیْدَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعَھْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَھُمُ الصَّلٰوۃُ فَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ کَفَرَ. (رواہ احمد والترمذی. والنسائی وابن ماجۃ)

بریدہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان جس چیز کی بناء پر عہد ہے وہ نماز ہے تو جس نے نماز چھوڑ دی اب (اس سے عہد باقی نہیں رہا) وہ کافر ہوگیا۔ (نسائی)

تشریح:۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں ضمیر کا مرجع منافقین ہیں چونکہ یہ جماعت دراصل کافر تھی مگر مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں شریک بھی رہتی تھی اس لئے اس روشن عمل کے بعد ان کو کھلا کافر کہنا آئینِ اسلام کے تحت نہ آسکتا تھا، جب ان سے یہ عمل چھوٹ جائے تو اب ان کے کافر کہنے میں کوئی امر مانع نہیں رہتا۔ عقیدہ کے لحاظ سے تو وہ پہلے بھی کافر تھے

اب عمل کے لحاظ سے بھی کافر ہوگئے لہٰذا اب ان کے جان و مال کے احترام کا جو عہد تھا وہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے جو ایک کافر کے ساتھ ہونا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کا جو نقشہ ہے اس کے مطابق تو ان حدیثوں میں کوئی اشکال ہی نہیں اس میں دو ہی قسم کی جماعتیں نظر آتی ہیں یا نمازی مؤمن یا کافر۔ کافر کو تو نماز سے تعلق ہی کیا ہوسکتا ہے۔ اس نقشے کے مطابق کافر کی سب سے کھلی ہوئی علامت ترک صلوۃ ہی تھی دورِ انقلاب و انحطاط نے اب درمیان میں ایک طبقہ ایسا پیدا کر دیا ہے جو مؤمن ہونے کے ساتھ تارک صلوٰۃ بھی ہے اس نے ان حدیثوں میں اشکال پیدا کر دیا اور اتنا اشکال پیدا کر دیا کہ بعض علماء کے نزدیک صلوٰۃ اسلام کا ایک ایسا لازمی جزء بن گیا ہے کہ اس کے ترک سے کفر کا اطلاق کسی تاویل کے بغیر بھی جائز سمجھا گیا ہے اگرچہ اکثر کا رجحان اس کی تاویل ہی کی طرف ہے۔ بہرحال نماز کو شریعت میں اتنی اہمیت حاصل ہے جتنی کسی دوسرے عمل کو نہیں کفر کی تاویل و عدم تاویل کی بحث سے علیحدہ ہو کر مومن کا یہ تو بہرحال فرض ہونا چاہئے کہ وہ ایسے عمل سے دور ہی رہے جس پر حدیثوں میں کفر کا اطلاق آچکا ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک احتیاط

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِىْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى اِبْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ. (متفق عليه)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اتنی زیادہ مبالغہ آمیز تعریفیں نہ کیا کرو جتنی نصاریٰ نے ابن مریمؑ کی شان میں کیں، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا ایک رسول ہوں لہٰذا مجھ کو عبداللہ اور رسول اللہ کہا کرو۔ (متفق علیہ)

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ قَالَ انْطَلَقْتُ فِىْ وَفْدِ بَنِىْ عَامِرٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَنْتَ سَيِّدُنَا فَقَالَ السَّيِّدُ اللّٰهُ فَقُلْنَا وَاَفْضَلُنَا فَضْلاً وَّاَعْظَمُنَا طَوْلاً فَقَالَ قُوْلُوْا قَوْلَكُمْ اَوْبَعْضَ قَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَجْرِئَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ. (رواه احمد وابوداؤد)

مطرف بن عبداللہ بن شخیر روایت کرتے ہیں کہ میں وفد بنی عامر کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے سید و آقا ہیں آپ نے فرمایا دراصل سید و آقا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ہم نے عرض کیا اچھا تو سب میں افضل اور سب سے برتر کہیں اس پر آپ نے فرمایا ہاں یہ کلمہ کہہ سکتے ہو، یا اس سے بھی کچھ اور مختصر اور دیکھو کہیں شیطان تمہیں زیادہ جری اور بہادر نہ بنا دے۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَاخَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ. (رواه مسلم)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کو یوں خطاب کیا، اے مخلوق میں سب سے بہتر ہستی آپ نے (ازراہِ کسر نفسی) فرمایا یہ کلمہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی کے شایانِ شان ہے۔ (مسلم)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ تَلَقّٰى عِيْسٰى حُجَّتَهٗ وَلَقَّاهُ اللّٰهُ فِىْ قَوْلِهٖ يَاعِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ

لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَقَّاهُ سُبْحَانَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَالَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ الآیه. (رواہ الترمذی)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب محشر میں سوال ہوگا کہ أانت قلت الخ کیا لوگوں سے تم نے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود ٹھہرا لو۔ تو اس کا جواب ان کو حق تعالیٰ ہی کی جانب سے یہ تعلیم ہوگا کہ تیری ذات پاک ہے میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی بات زبان سے نکال سکتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان عقیدت مندوں نے بات کہاں سے کہاں پہنچادی آخر یومِ حساب میں جب ان جاہلوں نے ادعاء الوہیت کی تہمت اس معصوم رسول کے سر رکھ ہی دی تو انصافِ الٰہی کا تقاضا ہوا کہ مدعیٰ علیہ سے کم ازکم اس کی صفائی تو طلب کر ہی لی جائے پھر جواب دہی کا معاملہ دنیوی عدالتوں میں بھی کیسا کٹھن ہوجاتا ہے یہ تو احکم الحاکمین کی بارگاہ تھی کس کے منہ میں زبان تھی کہ جواب دیتا۔ آخر جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو کلماتِ توبہ کی تلقین فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں تسبیح کی تلقین فرمائی تھی۔ اسی نے آج حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی راہنمائی فرمائی اور انہوں نے بڑے ادب و نیاز کے ساتھ سب سے پہلے خدائے تعالیٰ کی تمام عیوب سے پاکی بیان فرما کر عرض کیا کہ ایسی بات میں بھلا کب منہ سے نکال سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہیں پہنچتا۔ اس کے بعد اپنے جواب میں بڑی تفصیل فرمائی جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور اس میں اس عجیب انداز میں اپنی براءت کے ساتھ اپنی اس نااہل امت کی سفارش کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ یہ کلمات خاتم الانبیاء علیہم السلام کو ایسے پیارے معلوم ہوئے کہ ایک مرتبہ آپ نے ساری شب ان ہی کلمات کے تکرار میں گذار دی اور اتنا مبالغہ فرمایا کہ رکوع میں جاتے تو وہی کلمات زبان پر ہوتے اور جب سجدے میں جاتے تو بھی وہی زبان پر ہوتے۔

یہ معلوم رہے کہ محشر میں حق تعالیٰ نے اپنے علمِ ازلی پر فیصلے صادر فرمانے کا وعدہ نہیں فرمایا بلکہ اس دن کے لئے نبوت اور جواب دہی کا آئین مقرر فرمایا ہے اور اپنا لقب احکم الحاکمین رکھا ہے۔ اس لئے اس دن رسولوں کو بھی جواب دہی کرنی ہوگی خواہ دنیا ان کو خدا کے برابر یا اس کی ابنیت کا کوئی لقب بھی دیا کرے۔ (العیاذ باللہ)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ یَطْعَنُ الشَّیْطَانُ فِیْ جَنْبَیْهِ بِاِصْبَعَیْهِ حِیْنَ یُوْلَدُ غَیْرَ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ ذَهَبَ یَطْعَنُ فَطَعَنَ فِی الْحِجَابِ. (متفق علیه)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جتنی اولاد ہے پیدائش کے ساتھ ہر ایک کے پہلوؤں میں شیطان اپنی انگلیاں مارتا ہے بجز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ اس نے یہاں بھی اس کا ارادہ کیا تھا تو اس کے اور ان کے درمیان قدرت نے ایک حجاب ڈال دیا جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں اس حجاب میں رہ گئیں اور ان کا اثر ان کی ذات تک نہ پہنچ سکا۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ عام انسانوں کی پیدائش کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خصوصیت کا اس لئے خاص طور پر

ذکر کیا گیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حق میں حسب ذیل دعا پوری ہوگئی اور اس طرح پوری ہوئی۔

اِنِّیٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ.

میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان پھٹکارے ہوئے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ تو کمال یہ ہے کہ سرے سے ان کی خصوصی امتیازات ہی کا انکار کر دیا جائے اور نہ یہ کہ جو کمال ان کی ذات کے لئے کوئی کمال نہ ہو اس کو محض اپنی خوش عقیدگی کی راہ سے زبردستی ان کے سر تھوپ دیا جائے۔ دیکھئے جن حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بندگی کا اقرار ایمان کی شرط اول قرار دیا گیا ہے ان ہی میں ان کے اس خاص کمال کا بھی برملا اظہار کیا گیا ہے انبیاء علیہم السلام کی شانوں میں ذرا سا مبالغہ اور ذرا سی گستاخی دونوں بڑی خطرناک غلطیاں ہیں یہ وہ پل صراط ہے جس کی دونوں ہی طرف آتش دوزخ ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِىْ جِبَالُ الذَّهَبِ جَاءَ نِىْ مَلَكٌ وَاِنَّ حُجْزَتَهٗ لَتُسَاوِى الْكَعْبَةَ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَيَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَاِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكاً فَنَظَرْتُ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَشَارَ اِلَىَّ اَنْ ضَعْ نَفْسَكَ وفى رواية ابن عباس فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ كَالْمُسْتَشِيْرِ لَهٗ فَاَشَارَ جِبْرَئِيْلُ بِيَدِهٖ اَنْ تَوَاضَعْ فَقُلْتُ نَبِيًّا عَبْدًا قَالَتْ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يَاْكُلُ مُتَّكِئًا يَقُوْلُ اٰكُلُ كَمَا يَاْكُلُ الْعَبْدُ وَاَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ. (رواه فى شرح السنه)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کرتے۔ میرے پاس ایک فرشتہ آیا تھا، اس کے تہہ بند باندھنے کی جگہ کعبہ کی برابر بلند تھی، اس نے کہا آپ کا پروردگار آپ کو سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کیا پسند کرتے ہو؟ نبوت کے ساتھ بندگی یا نبوت کے ساتھ بادشاہی (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام) میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کیجئے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف اس طرح دیکھا جیسا کوئی مشورہ لینے والا دیکھا کرتا ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا کہ تواضع اختیار کیجئے۔ میں نے جواب میں عرض کر دیا کہ میں نبوت کے ساتھ بندگی چاہتا ہوں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی سہارا لگا کر نہ کھاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اُسی طرح کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ کھایا کرتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح ایک بندہ بیٹھا کرتا ہے۔ (شرح السنہ)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْبَغِىْ لِعَبْدٍ اَنْ يَقُوْلَ اِنِّىْ خَيْرٌ مِنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى. (متفق عليه)

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بشری ضعف اور اس پر عتاب الٰہی کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے لیکن یہ بارگاہِ نبوت کی شان کے مناسب خالق السموات والارضین کے مؤاخذہ کی باتیں ہیں۔ افضل الرسل نے اپنی امت کو یہ ادب سکھلایا کہ ان مواخذوں کو دیکھ کر کسی امتی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے ذہن میں ان کے متعلق کمتری کا کوئی ادنیٰ تصور بھی لا سکے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت میں اس کے والہانہ جذبات اس کو کسی تعصب کی طرف لے جائیں یہ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی جتنی جماعت بھی ہے اس میں افضل ومفضول تو ضرور ہیں مگر کمتر کوئی نہیں اور ان میں باہم تعصب پیدا کرنے والے کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سب ایک ہی صداقت کے منظّم موتی ہیں۔ جن میں بڑا چھوٹا تو ضرور ہے مگر گھٹیا کوئی بھی نہیں۔ پس اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے اجماعی عقیدے سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس قسم کی جتنی حدیثیں ہیں ان سب کا تعلق ایسی افضلیت اور تخییر سے ہے جس سے دوسری جانب میں کسی نقصان کا شبہ گذرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصے کے سیاق سے آپ کو اس خیال کی مزید تصدیق ہوگئی ہوگی۔ بہرحال نبی کا ذہن ہمیشہ افراط وتفریط سے خالی رہتا ہے وہ نہ کسی نبی کے متعلق اطراء کا کوئی کلمہ سن سکتا ہے اور نہ اپنے نفس کے متعلق کوئی ادنیٰ مبالغہ آمیزی برداشت کرسکتا ہے اتنی احتیاطوں کے باوجود انصاف سے دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ امت کے بہت سے افراد ہیں جنہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح مقام کو نہیں پہچانا ان کو خالق کی جانب سے اتنا بلند کیا کہ پھر دوئی کا تصور بھی ان کے نزدیک کلمہ کفر بن گیا اور یا عوام بشر میں ان کو اتنا ملایا کہ مقامِ رسالت بھی معنی سے خالی ہوکر رہ گیا۔ واللہ یہدی الحق وھو یہدی السبیل.

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَکْرَمُ قَالَ اَکْرَمُهُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُکَ قَالَ فَاَکْرَمُ النَّاسِ یُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰهِ ابْنُ نَبِیِّ اللّٰهِ بْنِ نَبِیِّ اللّٰهِ بْنِ خَلِیْلِ اللّٰهِ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُکَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُوْنِیْ قَالُوْا نَعَمْ فَخِیَارُکُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا. (متفق علیہ)

ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں بزرگ تر ہستی کس کی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بزرگ تر وہ ہے جو سب میں زیادہ متقی ہو۔ انہوں نے عرض کیا اس سوال سے ہمارا یہ منشا نہیں آپ نے فرمایا تو پھر بزرگ تر ہستی حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے جو خود نبی اور ان کی چار پشتیں نبی اور ان کی چوتھی پشت خلیل اللہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے آپ نے فرمایا اچھا تو قبائل عرب کے متعلق پوچھتے ہو، انہوں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا جو تم میں کفر کے زمانہ میں بہتر تھا وہی اسلام میں بہتر ہے بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ نبی کا ذہن خاص اپنے ماحول سے بھی اتنا لاعلم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے مخاطب سے اس کے سوال کی بھی تشخیص کرانی پڑتی ہے ہمیشہ اور ہر ہر جزئی کا علم حاصل ہونا تو علیحدہ بات ہے، یہاں یہ بات بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی شرف کے متعلق نبی کا تخیل کتنا بلند ہوتا ہے کہ وہ صرف شخصی شرف کو شرف ہی نہیں گنتا اس کے نزدیک کسی انسان کی شرافت کا معیار اس کے کمالات اور اس کی ذاتی صفات ہوتی ہیں اور ان ہی کی بناء پر اس کی نظر میں انسانوں کی تقسیم ہوتی

ہے۔ جب یہاں مخاطبین نے آپ پر اور زور دیا تب بھی ان کے جواب میں آپ نے اپنے نفس نفیس کو پیش نہیں کیا جو بلحاظ جملہ کمالات سب سے زیادہ جامع تھا بلکہ خدائے تعالیٰ کے ایک اور رسول کا ذکر فرمادیا جن میں انسان کے اور ظاہری کمالات کے سواء یہ خصوصیت بھی تھی کہ اس کی چار پشتوں میں خدا کے مقدس رسول گذرے تھے اس پر بھی جب مخاطبین کا سوال حل نہ ہوا تو پھر آپ نے قبائل عرب کے متعلق جواب دیا مگر یہاں بھی اسی معیار کو سامنے رکھا جو انبیاء علیہم السلام کا معیار ہونا چاہئے یعنی وہی فقہ فی الدین اور تقویٰ اس کے بعد آپ نے ان کے فطری جذبات کو بھی پامال نہیں فرمایا اور انہیں مطمئن کیا کہ تمہارا قدیم شرف بھی ضرور ملحوظ ہے مگر وہ اسی شرط کے ساتھ ہے جبکہ شرافتوں کا اصلی مرکز باقی رہے۔ انصاف کیجئے کہ سارے انسانی کمالات وفضائل کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس کتنا مقدس ہوگا جس کو تین مرتبہ میں اپنی بزرگی بیان کرنے کا ایک بار بھی خیال نہ آیا۔ ہاں خدائے تعالیٰ کی اس بخشی ہوئی نعمت کو تحدیث بالنعمۃ کے طریق پر ضرور ذکر فرمایا ہے مگر وہ بھی صرف بیان واقعہ کی حد تک اپنی مدح سرائی کی غرض سے نہیں۔ کیا اس مقدس رسول کی بزرگی اور صداقت جانچنے کے لئے اس کی یہی ایک صفت کافی نہیں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلاً قَالَتْ فَغِرْتُ عَلَيْهِ فَجَاءَ فَرَأَى مَا اَصْنَعُ فَقَالَ مَالَكِ يَا عَائِشَةُ أَغِرْتِ فَقُلْتُ وَمَالِيْ لَا يَغَارُ مِثْلِيْ عَلٰى مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَ كِ شَيْطَانُكِ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ أَمَعِيْ شَيْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَعَكَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ نَعَمْ وَلٰكِنْ اَعَانَنِي اللهُ عَلَيْهِ حَتّٰى اَسْلَمَ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے کہیں تشریف لے گئے۔ مجھے آپ پر غیرت آئی (اور اس خیال میں پڑ گئی کہ آپ کہیں کسی دوسری بی بی کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں) اتنے میں آپ تشریف لے آئے اور آپ نے میری پریشانی کا حال دیکھا تو فرمایا اے عائشہ! ایسی پریشان کیوں ہو کیا تم کو مجھ پر غیرت آگئی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھ جیسی بی بی آپ جیسے شوہر پر بھلا غیرت کیسے نہ کرتی آپ نے فرمایا تمہارے دل میں یہ وسوسہ اس شیطان نے ڈال دیا ہے جو تمہارے (اور ہر انسان کے ساتھ ایک ایک) رہتا ہے۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ کیا میرے ساتھ کوئی شیطان ہے آپ نے فرمایا جی ہاں۔ پھر میں نے پوچھا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا میرے ساتھ بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے مقابلہ میں ہمیشہ میری مدد فرماتا ہے تو میں اس کے مکر وفریب سے ہمیشہ محفوظ رہتا ہوں۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اور انسانوں کی پیدائش کے ساتھ ساتھ خیر وشر کا جذبہ ابھارنے والی دو خارجی قوتیں پیدا کی جاتی ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عام انسانوں سے اپنی خلقت میں جدا نہیں ہوتے البتہ عصمت میں جدا ہوتے ہیں۔ خدائی مدد اس طرح ان کے شامل حال ہوتی ہے کہ گمراہی کی قوتیں ان پر کبھی غالب نہیں آسکتیں۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام میں سب سے مقدس ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہاں بھی بار بار شق صدر کا ثبوت ملتا ہے اور اس طرح شر کی طرف رجحان سے بعید رکھنے اور خیر کی طرف میلان کی

قریب سے قریب استعداد پیدا کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ذات ہمیشہ سے ربانی تربیت کے تحت رہی ہے۔ پس ان کا کمال یہ نہیں کہ وہ انسان نہیں ہوتے یہ اگر کمال ہوتا تو خدا کے وہ فرشتے جو خلیفہ کے وجود سے پہلے موجود تھے اس کمال کے لئے کافی تھے وہ شر سے اتنے بعید تھے کہ ان کے خمیر ہی میں شر کی کوئی استعداد موجود نہیں۔ **لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون.**

لیکن اگر وہ شر کی استعداد نہ رکھتے ہوئے شر کی طرف کوئی رجحان نہیں رکھتے تو یہ کمال کیا ہے وہ اگر خدائے تعالیٰ کی معصیت کرنی بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ چاہ بھی نہیں سکتے۔ کمال اس ضعیف انسان کا ہے جو ساری استعدادوں کا مالک ہو کر شر کی طرف اقدام سے اپنے نفس کو روکتا ہے پھر ان کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کچھ ایسے نفوس بھی پیدا فرما دیتا ہے جو انسانوں کی طرح مخلوق ہو کر خدائی تزکیہ کے ماتحت اس طرح تربیت پاتے ہیں کہ ملائکۃ اللہ بھی ان کی صحبت سے تقدیس کے منازل طے کرنے لگتے ہیں۔ پس نبیوں کی انسانیت اور بشریت کا انکار در حقیقت آنکھوں سے نظر آنیوالی حقیقت کا انکار ہی نہیں بلکہ ان کے اصل کمال کا بھی انکار ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاسِيْرٍ فَلَهَوْتُ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَذَهَبَ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ الْاَسِيْرُ قَالَ لَهَوْتُ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَخَرَجَ فَقَالَ مَالَكِ قَطَعَ اللهُ يَدَكِ اَوْ يَدَيْكِ فَخَرَجَ فَاٰذَنَ بِهِ النَّاسَ فَطَلَبُوْهُ فَجِئَ بِهٖ قَالَتْ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَاَنَا اُقَلِّبُ يَدِيْ فَقَالَ اَجُنِنْتِ قُلْتُ دَعَوْتَ وَاَنَا اُقَلِّبُ يَدِيْ اَنْظُرُ اَيُّهُمَا تُقْطَعَانِ فَحَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ بَشَرٌ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ فَاَيُّمَا مُؤْمِنٌ اَوْمُؤْمِنَةٌ دَعَوْتُ عَلَيْهِ فَاجْعَلْهُ لَهٗ زَكٰوةً وَّطَهُوْرًا. (رواہ احمد)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیدی لے کر میرے گھر تشریف لائے۔ میں عورتوں کے ساتھ بات چیت میں اس قیدی کی طرف سے ذرا غافل ہوگئی تو وہ چل دیا، آپ تشریف لائے تو آپ نے پوچھا وہ قیدی کدھر گیا۔ میں نے صاف عرض کر دیا کہ عورتوں کے ساتھ بات چیت میں مجھ سے غفلت ہوگئی اور وہ نکل بھاگا آپ نے فرمایا تم نے یہ غفلت کیوں کی، اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں کو قطع کرے۔ یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو اطلاع دی وہ تلاش کر کے اس کو پکڑ لائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد آپ اندر تشریف لائے تو میں اپنے ہاتھوں کو لوٹ پلٹ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا یہ کیا بے عقلی کی حرکت کر رہی ہو۔ میں نے عرض کیا کہ جب سے کہ آپ کی زبان سے بددعاء کے کلمات نکلے ہیں، میں اپنے ہاتھوں کو اسی طرح کر رہی ہوں، دیکھتی ہوں کہ ان دونوں میں کونسا قطع ہوتا ہے۔ یہ سن کر آپ نے خدائے تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور اپنے دونوں ہاتھ دعا کیلئے پھیلا دیئے اور فرمایا اے اللہ میں ایک آدمی ہی ہوں اور جس طرح آدمی کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غصہ آجاتا ہے تو جس کسی مومن مرد یا عورت کے متعلق میری زبان سے بددعا کے کلمات نکل گئے ہوں اس کے حق میں ان کو پاکی اور صفائی کا موجب بنادے۔ (احمد)

تشریح:۔ دیکھئے فخر المرسلین اپنے ان دعائیہ کلمات کی معذرت میں خدائے تعالےٰ کے سامنے اپنی بشریت کا تذکرہ فرماتے ہوئے صرف نادانستہ طور پر حضرت عائشہؓ کے حق میں ہی دعا نہیں فرماتے بلکہ فرط محبت میں اپنی ساری امت کو یاد فرما لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اگر ان مقبول ہونٹوں سے کسی اور کے حق میں بھی کوئی کلمہ نکل گیا ہو تو آج جس برکت میں آپ کی

یہ اہل بیت شریک ہوں وہ بھی شریک ہو جائے یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ دعاء میں استجابت دعائیہ کلمات کے تابع رہتی ہے خواہ ان میں نیت کچھ رہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں "قطع اللہ یدک" سے آپ کا منشاء مبارک یہ تو ہو نہیں سکتا کہ درحقیقت حضرت عائشہؓ کو کوئی گزند پہنچ جائے مگر رسول کی مقبول زبان سے جو کلمات نکل گئے تھے وہ اپنا اثر دکھائے بغیر یہاں بھی نہیں رہے۔ پس اس بارے میں بڑی احتیاط لازم ہے کہ کبھی کسی کے حق میں خراب کلمات منہ سے نہ نکالے جائیں ممکن ہے کہ اگر کوئی زبان زیادہ مقدس نہ ہو تو وہ وقت استجابت دعا کا آ گیا ہو اور ان کا اثر ظاہر ہو جائے اسی بناء پر قدیم دستور تھا کہ بچوں کو غصہ میں بھی کوسا نہیں جاتا تھا اب بھی اس طریق کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے بندہ کی مشیت کچھ نہیں

عَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشَاءَ فُلَانٌ قُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ. (مسند احمد)

حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں مت کہا کرو کہ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور فلاں نے (یعنی مثلاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم) چاہا بلکہ یوں کہو کہ جو پہلے اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کے بعد جو فلاں نے چاہا (یعنی ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے برابر کسی کا ذکر بھی نہ آئے۔ پہلے ہر چیز کی نسبت اس کے نام کی طرف ہو پھر کسی اور کی طرف ہو۔) (مسند احمد)

تشریح:۔ یعنی ایک مومن کی زبان کو شرک کے موہم کلمات سے بھی احتراز کرنا چاہئے اور اس کے قلب و زبان پر صرف ایک اللہ کی فاعلیت کا نقش ہونا چاہئے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسلامی آداب سے متعلق ہے عقائد سے نہیں چونکہ واؤ عربی زبان میں جمع اور شرکت کیلئے آتا ہے اور ثم ترتیب کیلئے۔ اس لئے آپ نے بتایا کہ اللہ کی مشیت کے ساتھ کسی اور کی مشیت کو حرف واو کے ساتھ جمع نہ کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت جیسا کہ تمام مشیتوں پر مقدم ہے اسی طرح اس کی تقدیم ثم حرف ترتیب کے ساتھ ظاہر بھی کرنا چاہئے۔ (کتاب الاذکار ص ۱۵۷) حافظ ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کا ایک محل اور بھی بیان کیا ہے۔ (کتاب الرد علی البکری ص ۱۹۵)

عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ سَرِیْعٍ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ مَدَحْتُ اللّٰہَ بِمِدْحَةٍ وَمَدَحْتُکَ بِاُخْرٰی فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ هَاتِ وَاَبْدَأْ بِمِدْحَةِ اللّٰہِ تَعَالٰی. (رواہ احمد کما فی الرحمة المهداة)

اسود بن سریع روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک مدحیہ قصیدہ تو اللہ تعالیٰ کی شان میں لکھا ہے اور دوسرا آپ کی شان میں۔ آپ نے فرمایا اچھا لاؤ (سناؤ) لیکن پہلے وہ قصیدہ شروع کرو جو اللہ تعالیٰ کی شان میں ہے۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ اگرچہ رسول کی تعریف میں بھی اصل تعریف خدائے تعالیٰ ہی کی ذات کی نکلتی ہے مگر جہاں دونوں تعریفیں جمع ہو جائیں وہاں آپ نے خدائے تعالیٰ کی بلاواسطہ تعریف کو مقدم کرنا طریقہ ادب سمجھا۔ اب بھی دعا کا ادب یہ ہے کہ پہلے خدائے تعالیٰ کی ثناء کی جائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے اس کے بعد اپنی حاجت کے لئے دعا کیجئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ثَلَاثَةً مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَبْرَصَ وَاَقْرَعَ وَاَعْمٰی فَاَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَبْلِیَهُمْ فَبَعَثَ اِلَیْهِمْ مَلَکًا فَاَتَی الْاَبْرَصَ فَقَالَ اَیُّ شَیْئٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ

قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ وَاُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْاِبِلُ وَالْبَقَرُ شَكَّ اِسْحٰقُ اِلَّا اَنَّ الْاَبْرَصَ وَالْاَقْرَعَ قَالَ اَحَدُهُمَا الْاِبِلُ وَقَالَ الْاٰخَرُ الْبَقَرُ قَالَ فَاُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَاَتَى الْاَقْرَعَ فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي هٰذَا الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَاُعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْبَقَرُ فَاُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَاَتَى الْاَعْمٰى فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ اَنْ يَرُدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ بَصَرِي فَاُبْصِرَ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيْهِ بَصَرَهُ قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمُ فَاُعْطِيَ شَاةً وَالِدًا فَاَنْتَجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْاِبِلِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ اِنَّهُ اَتَى الْاَبْرَصَ فِي صُوْرَتِهِ وَهَيْئَاتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْئَلُكَ بِالَّذِي اَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيْرًا اَتَبَلَّغُ بِهِ فِي سَفَرِي فَقَالَ الْحُقُوْقُ كَثِيْرَةٌ فَقَالَ اِنَّهُ كَاَنِّي اَعْرِفُكَ اَلَمْ تَكُنْ اَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيْرًا فَاَعْطَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَقَالَ اِنَّمَا وَرِثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰى مَا كُنْتَ. قَالَ فَاَتَى الْاَقْرَعَ فِي صُوْرَتِهِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلٰى هٰذَا فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰى مَا كُنْتَ. قَالَ وَاَتَى الْاَعْمٰى فِي صُوْرَتِهِ وَهَيْئَاتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ وَابْنُ سَبِيْلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً اَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي فَقَالَ قَدْ كُنْتُ اَعْمٰى فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ بَصَرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللّٰهِ لَا اَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ اَخَذْتَهُ لِلّٰهِ فَقَالَ اَمْسِكْ مَالَكَ فَاِنَّمَا ابْتُلِيْتُمْ فَقَدْ رُضِيَ عَنْكَ وَسُخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ. (متفق علیہ)

ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک مبروص، ایک گنجا اور ایک اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کا ارادہ فرمایا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ پہلے وہ مبروص کے پاس گیا اور اس نے پوچھا کہئے! آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے اس نے کہا خوبصورت رنگت اور خوبصورت کھال اور یہ بات کہ جس بدنما رنگ کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں یہ جاتا رہے۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بدنمائی ختم ہوگئی اس کا رنگ اور کھال دونوں خوشنما ہوگئے۔ اس کے بعد پوچھا کہئے آپ کو مال کونسا پسند ہے اس نے اونٹ بتائے یا گائے۔ راویِ حدیث اسحٰق کو اس بارے میں شک ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ ابرص اور گنجے میں ایک نے اونٹ بتائے تھے تو دوسرے نے گائے۔ غرض اس کو ایک ایسی اونٹنی مل گئی جس کے حمل کی دس ماہ کی مدت پوری ہوگئی تھی اور وہ بیاہنے والی تھی اس کے بعد اس فرشتے نے یہ دعا دی۔ جایئے اللہ تعالیٰ آپ کی اونٹنی میں برکت دے۔ اس کے بعد وہ گنجے کے پاس گیا اور اس سے

پوچھا آپ کو کیا چیز سب سے زیادہ پیاری ہے اس نے کہا خوبصورت بال اور یہ بات کہ جس بیماری کی وجہ سے لوگ مجھے گندہ سمجھتے ہیں یہ بیماری جاتی رہے۔ اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بیماری جاتی رہی اور اس کے بال نہایت خوبصورت ہو گئے۔ اس کے بعد پوچھا کہیے آپ کو مال کونسا پسند ہے اس نے کہا گائے، اسے بھی ایک حاملہ گائے مل گئی۔ فرشتے نے اس کو بھی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی گائے میں برکت دے۔ اس کے بعد نابینا کے پاس آیا اور اس سے بھی پوچھا، کہیے صاحب آپ کو سب سے زیادہ کیا بات پسند ہے اس نے کہا، یہ کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی پھر سے لوٹا دے اور میں لوگوں کو دیکھنے لگوں، فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی اس کے بعد پوچھا آپکو کونسا مال مرغوب ہے وہ بولا بکریاں اسے بھی ایک جننے والی تیار بکری مل گئی کچھ دنوں بعد ہی وہ اونٹنی اور گائے بیا گئیں اور اس بکری کے بھی بچہ پیدا ہو گیا (اور ایسی برکت ہوئی) کہ ابرص کے پاس ایک وادی بھر کے اونٹ ہو گئے اور گنجے کے پاس ایک وادی بھر کر گائیں اور اس نابینا کے پاس بھی ایک وادی بھر کر بکریاں ہو گئیں۔ اس کے بعد وہی فرشتہ اپنی اسی شکل میں مبروص کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین ہوں سفر کی حالت میں جتنے اسباب و ذرائع تھے سب ختم ہو چکے ہیں اب منزلِ مقصود تک رسائی کا ذریعہ کوئی نہیں رہا، سوائے اللہ تعالیٰ کے یا پھر بظاہر اسباب آپ کی ذات کے۔ میں آپ سے اس خدا کا واسطہ دیکر ایک اونٹ مانگتا ہوں جس نے آپ کو یہ خوشنما رنگ اور خوشنما کھال مرحمت فرمائی۔ اس نے کہا میری ذمہ داریاں بہت ہیں اس نے کہا مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کو پہچانتا بھی ہوں۔ کہیے کیا آپ مبروص نہ تھے لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے محتاج تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سارا مال و دولت بخشا اس نے کہا یہ مال تو میرے باپ دادا سے مجھے وراثت میں پہنچا ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو پھر ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی پہلی ہی شکل میں گنجے کے پاس پہنچا اور وہی سوال اس سے بھی کیا اس نے بھی وہی جواب دیا اس پر فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ایسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی اسی صورت میں نابینا کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین مسافر ہوں سفر کی حالت میں میرا کوئی وسیلہ باقی نہیں رہا۔ اب بجز اللہ تعالیٰ کے منزلِ مقصود تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا یا بظاہر اسباب پھر آپ کی ذات ہے۔ میں اس خدا کا واسطہ دے کر جس نے آپ کو بینائی عطا کی ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے اس سفر کی ضروریات پوری کر لوں اس نے کہا بیشک میں نابینا تھا اور بیشک اللہ ہی نے مجھے پھر سے بینائی بخشی، جا تو ان بکریوں میں سے جتنی چاہے لے لے اور جتنی چاہے چھوڑ دے آج جتنی بکریاں تو اللہ کے نام کی لے لیگا میں تجھے بلا کسی مشقت کے بڑی خوشی سے دیدوں گا۔ فرشتے نے کہا جا اپنی بکریاں اپنے پاس رکھ اصل واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف تمہارا امتحان منظور تھا تجھ سے تو خدائے تعالیٰ راضی ہو گیا اور تیرے ساتھ دو شخص اور تھے ان سے ناراض ہو گیا۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ اس حدیث میں فرشتے کی زبان سے وہی عظمت و ادب سے بھرا ہوا کلمہ نکلا جو پہلی حدیثوں میں آپ کو بتایا گیا تھا یعنی اس نے بے انتہاء خوشامد کے موقعہ پر بھی اللہ کے نام کے ساتھ کسی کی اسمی مساوات برداشت نہ کی اور یہی کہا کہ میری اصل مشکل کشا تو اس کی ذات ہے ہاں ظاہری اسباب میں آپ کا سہارا بھی ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ اَنَّ رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ رَأَى فِي النَّوْمِ اَنَّهُ لَقِيَ رَجُلاً مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ نِعْمَ الْقَوْمُ اَنْتُمْ لَوْلَا اَنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ تَقُوْلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا وَاللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَا عَرِفُهَا لَكُمْ قُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ. (رواہ ابن ماجہ)

حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسلمانوں میں سے خواب میں دیکھا کہ کسی اہلِ کتاب سے اس کی ملاقات ہوئی اس نے کہا تم لوگ بہت اچھے تھے اگر کہیں تم شرک نہ کرتے تم یوں کہتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا (وہ ہوا) اس خواب کا ذکر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا بخدا تمہاری اس فروگذاشت کو میں بھی محسوس کررہا تھا لہٰذا آئندہ اب میرا تذکرہ (ایسی عبارت کے ساتھ کیا کرو جس میں لفظی شرکت کا بھی ابہام نہ رہے) اور و شاء محمد کی بجائے ثم شاء محمد کہا کرو۔ (ابن ماجہ)

عَنْ قُتَيْلَةَ اِمْرَاءَةٍ مِنْ جُهَيْنَةَ اَنَّ يَهُوْدِيًّا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّكُمْ تُنَدِّدُوْنَ وَاِنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ تَقُوْلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ وَتَقُوْلُوْنَ وَالْكَعْبَةِ فَاَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادُوْا اَنْ يَّحْلِفُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ وَيَقُوْلُ اَحَدٌ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ (رواہ النسائی)

قبیلہ جہینہ کی ایک بی بی مسماۃ قتیلہ بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا تم خدائے تعالیٰ کا ہمسر تجویز کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو، ایک تو تم یوں کہتے ہو ماشاء اللہ وشئت (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت اور اللہ کی مشیت کو برابر برابر ذکر کرتے ہو) اور دوسرے کعبہ کی قسم کھاتے ہو (حالانکہ کعبہ مخلوق ہے) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیدیا کہ آئندہ جب قسم کھانے کا ارادہ کریں تو رب کعبہ کی قسم کھایا کریں اور آپ کی مشیت کا تذکرہ خدا کی مشیت کے ساتھ ہرگز ہرگز نہ کیا کریں بلکہ خدا کی مشیت کے بعد اس کا ذکر دوم نمبر میں کریں۔ (نسائی)

عَنْ طُفَيْلِ بْنِ سَنْجَرَةَ اَنَّهُ رَأَى فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ كَاَنَّهُ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ اَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْلَا اِنَّكُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّ عُزَيْرَ اِبْنُ اللّٰهِ فَقَالُوْا وَاَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْلَا اِنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ ثُمَّ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ النَّصَارٰى فَقَالَ اَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْلَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ قَالُوْا وَاَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْلَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ فَلَمَّا اَصْبَحَ اَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَقَالَ اِنَّ طُفَيْلاً رَأَى رُؤْيَا وَاِنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ كَلِمَةً كَانَ يَمْنَعُنِيْ الْحَيَاءُ مِنْكُمْ فَلَا تَقُوْلُوْهَا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. (اخرجہ احمد وابن ماجة والبیهقی)

طفیل بن سنجرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ان کا ایک یہود کی جماعت کے پاس سے گذر ہوا انہوں نے اس سے کہا اگر تم لوگ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ سمجھتے تو کیا اچھے لوگ ہوتے وہ بولے اگر تم مسلمان بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مشیت کا ایک ساتھ ذکر نہ کیا کرتے تو تم بھی بہت اچھے لوگ ہوتے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اس خواب کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ اس پر آپ نے خطبہ دے کر فرمایا کہ طفیل نے ایک خواب

دیکھا ہے تم ایک ناموزوں کلمہ کہا کرتے ہو مجھے تم کو اس سے روکنے میں ذرا لحاظ مانع آتا رہا۔ اب آئندہ یہ کلمہ نہ کہا کرو بلکہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر کیا کرو، جس کا کوئی شریک نہیں۔ (احمد۔ ابن ماجہ۔ بیہقی)

خدا اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا اسلامی ادب کے خلاف ہے

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ اَنَّ خَطِيْبًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَالَ قُمْ اَوْقَالَ اِذْهَبْ فَبِئْسَ الْخَطِيْبُ اَنْتَ. (رواہ ابوداؤد)

عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ ایک خطیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ دیا اور اثناء خطبہ میں یوں کہا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ راہِ راست پر رہا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی اس پر آپ نے فرمایا کھڑا ہوجا یا چلا جا (راوی کو اصلی لفظ میں شک ہے) تو نالائق خطیب ہے۔ (ابوداؤد) مسلم کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ خطیب نے یوں کہا کہ جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ یقیناً گمراہ ہوگیا۔ اس پر آپ نے فرمایا تو نالائق خطیب ہے تجھے یوں کہنا چاہئے تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے۔

تشریح: یعنی لائق خطیب وہ ہے کہ جب وہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت اور معصیت کا ذکر کرے تو دونوں کے ناموں کو بھی علیحدہ علیحدہ ذکر کرے صرف ایک ضمیر میں جمع نہ کردے۔ یہاں اس خطیب نے اطاعت کے ذیل میں تو خدا اور رسول کا نام علیحدہ علیحدہ ذکر کیا تھا لیکن جب ان کی نافرمانی کے ذکر پر پہنچا تو اس نے ان کو ایک ہی ضمیر میں جوڑ دیا اس میں ایک قسم کی مساوات کی بو آتی ہے۔ اسلام کی توحید اتنی سی مساوات کی بھی روادار نہیں۔ کبھی قائل اور کبھی مخاطبین کے حالات کے لحاظ سے ذرا سی فروگذاشت اہمیت اختیار کرلیتی ہے جب تک کسی نو آموز قوم کے قلب و زبان میں خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی عظمت کا امتیاز پورے طور پر قائم نہ ہوجائے اس وقت تک اس کی معمولی فروگذاشت پر بھی سخت الفاظ میں ٹوکنا ضروری ہوتا ہے ہاں جب توحید کا نقش اپنی اصل صورت پر قائم ہوجائے تو اب ضمیر کی شرکت قابل اغماض ہوسکتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں امام طحاوی کا جواب بہت لطیف تھا مگر وہ ابوداؤد کے الفاظ میں تو چل سکتا ہے صحیح مسلم کے ایک لفظ میں اس کی گنجائش نہیں ہے اس لئے ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا۔

آقا کو اپنے غلام کو عبد کہنے کی ممانعت

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِیْ وَاَمَتِیْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَكُلُّ نِسَاءِ كُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِیْ وَجَارِيَتِیْ وَفَتَایَ وَفَتَاتِیْ وَلَا يَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّیْ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ سَيِّدِیْ وفی رواية وَلَا يَقُلِ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهٖ مَوْلَایَ فَاِنَّ مَوْلَاكُمُ اللّٰهُ. (رواہ مسلم)

ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص یوں نہ بولا کرے ''میرا بندہ'' ''میری باندی'' کیونکہ تم میں جتنے مرد ہیں درحقیقت وہ سب عبد خدا کے ہیں اسی طرح جتنی عورتیں ہیں۔ وہ باندیاں اسی کی ہیں ہاں اس کے بجائے ''میرا غلام'' اور ''میری لونڈی'' کا لفظ بول سکتے ہو اسی طرح کسی غلام کو اپنے آقا کے حق میں رب کا لفظ

استعمال نہ کرنا چاہیئے ہاں سردار اور آقا کہہ سکتا ہے۔ ایک روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ غلام کو اپنے آقا کو میرا مولیٰ نہ کہنا چاہیئے کیونکہ تم سب کا مولیٰ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ یہ حدیث بھی عقائد کے باب کی حدیث نہیں صرف ادب وتہذیب کے باب کی حدیث ہے یہاں بھی مقصود یہ ہے کہ عبدیت کی جو نسبت بڑی پر معنی ہے اس کو محل و بے محل استعمال کر کر کے بے معنی نہ بنا دینا چاہیئے وہ حقیقی طور پر ایک ہی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس لئے اس کا استعمال بھی اسی کے ساتھ قائم رہنا چاہیئے گو مجازی طور پر اس میں شرکت کی گنجائش سہی مگر چونکہ اس میں اصل حقیقت سے غفلت کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس لئے اس مجاز واستعارہ سے بھی احتراز کرنا مناسب ہے۔

شہنشاہ نام رکھنے کی ممانعت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخْنَی الْاَسْمَاءِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَاللّٰهِ رَجُلٌ یُسَمّٰی مَلِکَ الْاَمْلَاکِ. رواه البخاری وفی روایة مسلم قَالَ اَغْیَظُ رَجُلٍ عَلَی اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَخْبَثُهٗ رَجُلٌ کَانَ یُسَمّٰی مَلِکَ الْاَمْلَاکِ لَا مَلِکَ اِلَّا اللّٰهُ.

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ شرم وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہو (شہنشاہ) (بخاری شریف) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں آتا ہے قیامت میں جس شخص پر اللہ تعالیٰ کو سخت غصہ آئے گا اور وہ سب سے بدتر ہوگا وہ شخص جس کا نام شاہانِ شاہ رکھا جائے حالانکہ دراصل شاہی صرف خدائے تعالیٰ کیلئے ہے۔

تشریح:۔ ہمارے دور میں اسماء میں کوئی تاثیر ہی نہیں سمجھی جاتی مگر شریعت یہ کہتی ہے کہ ان کو بھی نفس کی اصلاح وتخریب میں بہت بڑا دخل ہے انسان کو ایسے نام رکھنے چاہئیں جو اس کے ضعف ونقصان پر شاہد رہیں۔ اسکے ہمہ وقت استعمال سے ہر وقت آپ کے نفس و نقص در نقص ہونے کا اثر پڑتا رہے اس کے برخلاف ایسے اسماء جو کمالات میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ کمال کے معنی پر مشتمل ہوں اس کے لئے موزوں نہیں کیونکہ پہلے تو وہ اس کی ناقص ہستی کا صحیح تعارف نہیں بن سکتے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ خالق کے اسماء مبارکہ کے ساتھ ٹکرا جاتے ہیں ایک ذلیل مخلوق کے لئے یہ کتنا نامناسب ہے کہ وہ اس عزیز وجبار ہستی کے ناموں میں اپنا حصہ جا لڑائے جو اس کی خالق ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو اس خالق کے لئے معروف ہو چکے ہیں ان کا استعمال مخلوقات کے دائرہ میں ممنوع ہے اور اسی طرح جو اسماء مخلوق کے دائرہ میں معروف ہو چکے ہیں ان کا اطلاق بارگاہ بے نیاز میں ممنوع ہے۔ یہاں صرف لفظی صلاحیت کافی نہیں کچھ ادب بھی ملحوظ رہنا چاہیئے اور اس طرح مخلوق وخالق کے مابین جہاں ذاتی اور صفاتی شرکت نہیں وہاں اسمی شرکت بھی ختم ہو جانی چاہیئے۔

ابوالحکم کنیت رکھنے کی ممانعت

عَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِیْ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ لَمَّا وَفَدَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِهٖ وَسَمِعَهُمْ یُکَنُّوْنَهٗ بِاَبِی الْحَکَمِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَکَمُ وَاِلَیْهِ الْحُکْمُ فَلِمَ تُکَنّٰی اَبَا الْحَکَمِ قَالَ اِنَّ قَوْمِیْ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِیْ شَیْءٍ اَتَوْنِیْ فَحَکَمْتُ بَیْنَهُمْ فَرَضِیَ کِلَا الْفَرِیْقَیْنِ

بِحُکْمِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحْسَنَ ھٰذَا فَمَا لَکَ مِنَ الْوَلَدِ قَالَ لِیْ شُرَیْحٌ وَمُسْلِمٌ وَعَبْدُاللّٰہِ قَالَ فَمَنْ اَکْبَرُھُمْ قَالَ قُلْتُ شُرَیْحٌ قَالَ فَاَنْتَ اَبُوْ شُرَیْحٍ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

شریح بن ہانیؒ اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی قوم کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سنا کہ وہ لوگ ان کو ابوالحکم کی کنیت سے بلاتے تھے آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا (دیکھو) الحکم تو اللہ کا نام ہے اور اس لئے ہے کہ تمام جہان کا مقدمہ فیصلہ کرنے والا وہی ہوگا۔ تم کہو تمہاری کنیت ابوالحکم کیسے پڑی انہوں نے عرض کیا کہ قصہ یہ ہے کہ میری قوم کے لوگ جب کبھی کسی معاملہ میں اپنا جھگڑا لے کر میرے پاس آجاتے تو میں ان کے باہم ایسا فیصلہ کر دیتا کہ دونوں فریق اس سے خوش ہوجاتے (اس لئے میری کنیت ابوالحکم پڑگئی (آپ نے فرمایا یہ بات تو بہت اچھی ہے (مگر اس پر بھی مخلوق کو اپنے خالق کے نام کی کنیت رکھنا بڑی نازیبا حرکت ہے) یہ بتاؤ کہ تمہارے کتنے بچے ہیں، یہ بولے تین ہیں۔ شریح، مسلم، عبداللہ۔ آپ نے پوچھا ان میں سب سے بڑا کون ہے یہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا شریح۔ فرمایا اچھا جاؤ تو تمہاری کنیت ابوشریح ہے۔ (کہ یہ درست بھی ہے اور عرب کے دستور کے مطابق بھی۔ (ابوداؤد و نسائی)

مومن کو چاہئے کہ وہ زمانہ کفر کی عادتوں سے دور رہے

عَنِ الْمَعْرُوْرِ قَالَ لَقِیْتُ اَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَیْہِ حُلَّةٌ وَعَلٰی غُلَامِہٖ حُلَّةٌ فَسَأَلْتُہٗ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ اِنِّیْ سَابَبْتُ رَجُلاً فَعَیَّرْتُہٗ بِاُمِّہٖ فَقَالَ لِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ عَیَّرْتَہٗ بِاُمِّہٖ اِنَّکَ امْرَءٌ فِیْکَ جَاھِلِیَّةٌ اِخْوَانُکُمْ خَوَلُکُمْ جَعَلَھُمُ اللّٰہُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ کَانَ اَخُوْہُ تَحْتَ یَدِہٖ فَلْیُطْعِمْہُ مِمَّا یَأْکُلُ وَلْیُلْبِسْہُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا تُکَلِّفُھُمْ مِمَّا یَغْلِبُھُمْ فَاِنْ کَلَّفْتُمُوْھُمْ فَاَعِیْنُوْھُمْ. (بخاری)

معرورؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوذرؓ سے مقام ربذہ میں ملاقات کی وہ اور ان کا غلام ایک ہی قسم کا حُلہ پہنے ہوئے تھے (حلہ ایسی چادر اور لنگی کو کہتے ہیں جو ایک ہی قسم کی ہوں) میں نے ان سے اس یک رنگی کا سبب پوچھا، اس پر انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو کچھ سخت وسست کہا اور اس سلسلہ میں اس کو ماں کی عار دلائی (یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی) تو آپ نے فرمایا ابوذر! کیا تم نے اس کو اس کی ماں کی عار دلائی ہے ابھی تک تم میں جاہلیت کی خوبو باقی ہے تمہارے غلام دراصل تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے (صرف کفر کی پاداش میں) انہیں تمہارا زیردست بنادیا ہے تو جس شخص کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو اسے چاہئے کہ جو خود کھائے اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے (اس لئے میں نے وہی حلہ اس کو پہنایا جو خود پہنا ہے) اور دیکھو اپنے غلاموں سے وہ کام نہ لو جو (ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور) انہیں عاجز کردے اور اگر کوئی ایسا کام لو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ ابوذرؓ کے اس واقعہ کو امام بخاریؒ نے کتاب الادب میں ذرا تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں اتنا اور مذکور ہے کان بینی وبین رجل کلام و کانت امه اعجمیه فنلت منها یعنی میرے اور ایک شخص کے درمیان کچھ تیز تیز باتیں ہوگئیں اس کی والدہ عجمی عورت تھی میں نے عرب کے خیال کے موافق اس کی نسبت کو ازراہِ تحقیر ادا کیا اس پر آپ نے فرمایا

انک امرؤ فیک جاهلیة. ابوذرؓ تجھ میں ابھی تک وہی زمانہ جاہلیت کی خوبو چلی جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا علی ساعتی هذه من کبر السن قال نعم، کیا اب تک جبکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا جی ہاں ابھی تک۔

ماں کی عار دلانا اگر چہ کفر تو نہیں مگر اسلامی اخلاق کی بات بھی نہیں۔ اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو کفر تو کفر عاداتِ کفر سے علیحدہ رہنا چاہئے۔ اسلام و کفر صرف چند اچھے یا بُرے عقائد ہی کا نام نہیں بلکہ ان عقائد کے ساتھ کچھ مخصوص افعال وشعائر کا نام بھی ہے جو ان عقائد کے لازمی اثرات ہوتے ہیں مثلاً جس کے قلب و دماغ میں توحید کا نقش قائم ہو چکا ہے ضروری ہے کہ اس کے افعال میں بھی اس نقش کے اثرات نمایاں ہوں وہ اپنی عبادات میں ایک ہی خدا کا تصور رکھے مصیبتوں میں اسی کو پکارے اور اسی کے سامنے عجز وانکسار کا سر جھکائے۔ اس کے برخلاف جس کا نفس نجاست کفر وشرک سے آلودہ ہو چکا ہے اس کے افعال میں بھی اس آلودگی کے نشانات پائے جانے ضروری ہیں۔ حدیث مذکور کہتی ہے کہ وہ اسلام کچھ خوشنما اسلام نہیں جس کے ساتھ رسومِ جاہلیت اور زمانہ کفر کی بدعادات بدستور قائم رہیں اب اسے چاہئے کہ ان تمام رسوم کو کلیۃً ترک کر دے اور کفر کا کوئی تسمہ لگا نہ رکھے۔ آپ نے یہاں ابوذر کو یہ تنبیہ فرمائی کہ اب زیبائشِ اسلام کے بعد کفر کے دور کی خامیاں تم پر زیب نہیں دیتیں۔

عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْحَرَ اِبِلاً بِبَوَّانَةَ فَاَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ اٰدَمَ. (رواه ابو داؤد وری رزین نحوه قصة امرۃ.)

ثابت بن ضحاک روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نذر کی تھی کہ وہ مقام بوانہ میں ایک اونٹ کی قربانی کرے گا۔ وہ آپ کے پاس آیا اور اپنی نذر کا قصہ بیان کیا آپ نے پوچھا کیا اس مقام پر زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت رکھا تھا جس کی پوجا کی جاتی ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں پھر آپ نے پوچھا اچھا وہاں کفار کوئی عید منایا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو (جاؤ) اپنی نذر ادا کر دو کیونکہ جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لئے ہو وہ پوری نہیں کرنی چاہئے اور نہ وہ جس کا ابن آدم خود مالک نہ ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ اس شخص نے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے قربانی کی نذر کی تھی مگر صرف اس لئے کہ عہد جاہلیت ابھی بہت قریب گذرا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ نذرِ اسلامی کی ادائیگی میں زمانہ جاہلیت کے ساتھ کوئی مشابہت پیدا ہو جائے اس لئے آپ نے تحقیق کے بغیر اس جگہ نذر اسلامی ادا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اوقاتِ مکروہہ میں نماز کی ممانعت بھی اسی مشابہت سے اجتناب پر مبنی ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ کفار کی عبادت کا وقت ہوتا ہے لہٰذا تم اس وقت عبادت مت کرو۔ ایامِ حج میں کفار کا یہ دستور تھا کہ مزدلفہ سے طلوعِ آفتاب کے بعد روانہ ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی مخالفت کرو اور طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہو جایا کرو لیکن اس مخالفت کی حدود کہاں تک ہیں یہ بہت اہم مسئلہ ہے مخالفت، محرف اور نامعقول امور میں کی جائے گی نہ کہ مشروع اور معقول باتوں میں بھی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ اِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا لَا يُفِيْضُوْنَ مِنْ جَمْعٍ حَتّٰى تَشْرُقَ عَلٰى ثَبِيْرَ فَخَالَفَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَفَاضَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ. (رواہ البخاری وغیرہ)

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مشرکین مزدلفہ سے اس وقت تک واپس نہیں ہوتے تھے جب تک کہ آفتاب ثبیر پہاڑ پر چمکنے نہ لگتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقے کی مخالفت کی اور آپ آفتاب طلوع ہونے سے قبل مزدلفہ سے روانہ ہو گئے۔ (بخاری)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ عُكَاظُ وَمَجِنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ اَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ تَأَثَّمُوْا مِنَ التِّجَارَةِ فِيْهَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَا. (رواہ البخاری)

ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ، مجنۃ اور ذوالمجاز میں بازار لگا کرتے تھے جب اسلام کا زمانہ آیا تو صحابہ نے ان بازاروں میں تجارت کرنا گناہ سمجھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اگر تم ان بازاروں میں تجارت کرو) تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے یعنی حج کے ایام میں۔ ابن عباسؓ اس لفظ کو (بطور تفسیر) پڑھ دیا کرتے تھے۔ (بخاری)

تشریح:۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ حج کے موسم میں مقامِ عکاظ میں ایک بازار یکم ذیقعدہ کو لگتا۔ بیس دن کے بعد پھر یکم ذی الحجہ تک وہ بازار مقام مجنہ میں لگتا اس کے بعد ۸ رذی الحجہ تک ذوالمجاز میں لگتا اس کے بعد لوگ منیٰ جایا کرتے تھے۔ ان بازاروں میں عرب اپنے آباءواجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے اس لئے یہ بازار زمانہ کفر کی ایک یادگار بن گئے تھے۔

قسطلانی لکھتے ہیں کہ یہ بازار خوارج کے زمانہ تک لگتے رہے۔ ۱۲۹ھ میں سب سے پہلے عکاظ کا بازار اکھڑا پھر مجنہ کا بازار اکھڑا اور آخر میں ذوالمجاز کا بازار بھی اکھڑ گیا۔

جب اسلام کا دور آیا تو ایامِ حج میں پھر ان ہی بازاروں میں تجارت کرنا صحابہ کو تشبہ بالکفار معلوم ہونے لگا۔ قرآن کریم نے یہ فیصلہ کیا کہ تجارت ایک معاشی چیز ہے عبادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لئے یہاں اپنے معاش کا سامان کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں اور نہ تشبہ کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق ہے۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ عَلٰى اِمْرَءَةٍ مِنْ اَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا زَيْنَبُ فَرَاٰهَا لَا تَكَلَّمُ قَالُوْا حَجَّتْ مُصْمِتَةً فَقَالَ لَهَا تَكَلَّمِيْ فَاِنَّ هٰذَا لَا يَحِلُّ. هٰذَا مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَتَكَلَّمَتْ فَقَالَتْ مَنْ اَنْتَ قَالَ اِمْرَأٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ قَالَتْ اَيُّ الْمُهَاجِرِيْنَ قَالَ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَتْ مِنْ اَيِّ قُرَيْشٍ اَنْتَ قَالَ اِنَّكِ لَسَؤُلٌ اَنَا اَبُوْبَكْرٍ قَالَتْ مَا بَقَاؤُنَا عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ الصَّالِحِ الَّذِيْ جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْدَ الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ بَقَاءُ كُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ اَئِمَّتُكُمْ قَالَتْ وَمَا الْاَئِمَّةُ قَالَ اَمَا كَانَ لِقَوْمِكِ رُؤُسٌ وَاَشْرَافٌ يَأْمُرُوْنَهُمْ فَيُطِيْعُوْنَهُمْ قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَهُمْ اُولٰئِكِ عَلَى النَّاسِ. (رواہ البخاری)

قیس بن ابی حازم روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر قبیلہ احمس کی ایک عورت کی طرف گذرے اس کو زینب کہتے تھے دیکھا تو اس نے بات چیت کرنا بند کر رکھا تھا لوگوں نے کہا کہ اس نے خاموش رہ کر حج کرنے کا ارادہ کیا ہے آپ نے اس سے کہا بی بی بولو یہ

خاموشی ناجائز خاموشی ہے یہ جاہلیت کی حرکت ہے اس نے بولنا شروع کر دیا اور ابوبکر سے پوچھا آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا ایک مہاجر آدمی ہوں وہ بولی مہاجرین میں کس قبیلہ کے ہیں فرمایا قبیلہ قریش کا اس نے کہا آخر قریش میں آپ کون ہیں فرمایا تو بڑی سوال کرنیوالی عورت معلوم ہوتی ہے (سُن) میں ہوں ابوبکر اس کے بعد اس نے پوچھا فرمایئے ہم لوگ اس عمدہ دین پر جو جاہلیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمایا ہے کب تک قائم رہیں گے فرمایا جب تک تمہارے امام تمہیں سیدھے لئے چلے جائیں گے اس نے پوچھا اماموں سے آپ کی کون لوگ مراد ہیں۔ فرمایا کیا تیری قوم میں پہلے ایسے سردار نہ ہوتے تھے جو لوگوں کو حکم دیتے ہوں اور لوگ ان کے احکام مانتے ہوں، اس نے کہا بیشک ہوتے تھے فرمایا تو پھر اماموں سے یہی حاکم لوگ مراد ہیں۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ اس عورت کی یہ جرأت آمیز گفتگو دیکھئے اور حضرت ابوبکرؓ کا عاجزانہ جواب ملاحظہ فرمایئے تو یہ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ ملوکیت اور اسلامی خلافت میں کتنا تفاوت ہے۔ یہاں خلیفہ اول کو اپنے متعلق یہ وسوسہ بھی نہیں گذرتا کہ وہ عام انسانوں سے کوئی علیحدہ امتیازی شان بھی رکھتا ہے وہ ایک عورت کے سوال کرنے پر اپنا تعارف عام سے عام صورت میں پیش کرتا ہے اور جب بہت مجبور ہو جاتا ہے تو صرف اپنا نام بتا کر خاموش ہو جاتا ہے۔ ملوکیت کا دماغ ان عاجزانہ کلمات سے آشنا نہیں ہوتا۔ پھر ابوبکرؓ کی تقریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کی نظر قوموں کے اسبابِ عروج و زوال پر کتنی گہری تھی انہوں نے اسلام کے عروج و نزول کے متعلق چند جملوں میں وہ سب کچھ کہدیا جو زمانہ ماضی کی تاریخ کے مفصل مطالعہ کے بعد کہا جا سکتا تھا۔ انہوں نے اجتماعی اور انفرادی زندگی کی خصوصیات کو بھی خوب سمجھا اور فرمایا کہ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کی ترقی ان کے امام کے دم سے وابستہ ہے جب اماموں کی رفتار بگڑ جائے تو اسلام کے اجتماعی نظام کا بھی خاتمہ سمجھ لینا چاہئے اس کے بعد اگر کوئی خیر باقی رہے گی تو وہ صرف انفرادی خیر ہوگی۔ انفرادی خیر صرف اس شخص کی ذات تک محدود ہوتی ہے، قومی حیات سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام کے بغیر مسلمانوں میں اجتماعی حیات پیدا ہوسکتی ہے یا نہیں۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَاَبِیْ بَرْزَةَ قَالاَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأٰى قَوْمًا قَدْطَرَحُوْا اَرْدِيَتَهُمْ يَمْشُوْنَ فِیْ قُمُصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ تَأْخُذُوْنَ اَوْبِصَنِيْعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَشْتَهُوْنَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَدْعُوَ عَلَيْكُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُوْنَ فِیْ غَيْرِ صُوَرِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا اَرْدِيَتَهُمْ وَلَمْ يَعُوْدُوْا لِذٰلِكَ. (رواہ ابن ماجہ)

عمران بن حصینؓ اور ابو برزہؓ روایت فرماتے ہیں کہ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنازہ میں شرکت کے لئے نکلے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے اپنی چادریں اتار کر پھینک دی ہیں اور صرف قمیصوں میں ننگے (جنازہ کے ساتھ ساتھ) جارہے ہیں آپ نے فرمایا اچھا کیا یہ جاہلیت کے طریقے سیکھ رہے ہو یا جاہلیت کے رنگ ڈھنگ سے مشابہت مقصود ہے۔ میرے دل میں آیا تھا کہ میں تمہیں ایسی بددعا دوں کہ تمہاری صورتیں بگڑ جائیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (یہ سن کر) انہوں نے (چپکے سے) اپنی اپنی چادریں سنبھال لیں اور پھر کبھی ایسی حرکت کی جرأت نہ کی۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ عرب فطرۃً درشت خصلت تھے نوحہ کی رسوم ان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھیں۔ نباضِ فطرت رسول نے چاہا

کہ ان کے مزاج کے مناسب ان کو تنبیہ کرے اور ایسی تنبیہ کرے کہ یہ رسوم جاہلیت ان کی سرشت سے ہمیشہ کے لئے نکل جائیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخدود وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَی بِدَعْوَیٰ الْجَاھِلِیَّۃِ. (متفق علیہ)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے رخساروں کو پیٹے اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح چیخ وپکار کی آوازیں نکالے اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ کَانَ عَاشُوْرَاءِ یَوْمٌ تَصُوْمُہٗ قُرَیْشٌ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ وَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُہٗ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ صَامَہٗ وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ کَانَ مَنْ شَاءَ صَامَہٗ وَمَنْ شَاءَ لَا یَصُوْمُہٗ. (رواہ البخاری وغیرہ)

حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود اس دن روزہ رکھتے تھے جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے خود اس دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا لیکن جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوگئے تو پھر جس نے چاہا یہ روزہ رکھا اور جس نے چاہا نہ رکھا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ یہ روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازخود رکھا کرتے تھے اگر کفار کسی اچھے کام میں شریک رہیں تو ان کی مخالفت میں اچھا کام ترک نہیں کیا جائے گا۔ اسی لئے مخالفت اور موافقت کے حدود پہچاننے کے لئے بڑا علم درکار ہے۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

عَنْ اَبِیْ وَاقِدِ اللَّیْثِیْ اَنَّھُمْ خَرَجُوْا مِنْ مَکَّۃَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی حُنَیْنٍ قَالَ وَکَانَ لِلْکُفَّارِ سِدْرَۃٌ یَعْکُفُوْنَ عِنْدَھَا وَیُعَلِّقُوْنَ بِھَا اَسْلِحَتَھُمْ یُقَالُ لَھَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ قَالَ فَمَرَرْنَا بِسِدْرَۃٍ خَضْرَاءَ عَظِیْمَۃٍ قَالَ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ کَمَا لَھُمْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالَ قُلْتُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ کَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰی لِمُوْسٰی اِجْعَلْ لَنَا اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ اِنَّ ھٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَاھُمْ فِیْہِ وَبَاطِلٌ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (رواہ ابن کثیر)

ابوواقد لیثی بیان کرتے ہیں کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حنین کی جانب روانہ ہوئے۔ راوی کہتا ہے کہ کفار نے ایک بیری کا درخت مقرر کر رکھا تھا یہاں آکر وہ ٹھہرا کرتے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ اسی مناسبت سے اس کو "ذاتِ انواط" (یعنی ہتھیاروں کے لٹکانے کا درخت) کہا جاتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب صحابہ ایک کیکر کے درخت کے پاس سے گذرے جو بہت بڑا اور سرسبز وشاداب تھا تو بولے یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک "ذات انواط" مقرر کر دیجئے جیسا مشرکوں کیلئے ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ بات تو تم نے ایسی ہی کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (ایک قوم کو بت پرستی کرتا دیکھ کر) کہی تھی کہ اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی معبود بنادے جیسا ان کا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو۔ (ابن کثیر)

عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْاَحَدِ اَكْثَرَ مَا يَصُوْمُ مِنَ الْاَيَّامِ وَيَقُوْلُ اِنَّهَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اُخَالِفَهُمْ. (رواه احمد)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ روزے شنبہ اور یکشنبہ کے دن رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دو دن مشرکین کے عید منانے کے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کیا کروں۔ (احمد)

تشریح:۔ ایک دور تھا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت کرنا پسند فرمایا کرتے کہ شاید یہ بد بخت، رسول عربی کے ان اخلاق سے کچھ فائدہ اٹھائیں اور اسلام کو اپنے قریب تر دیکھ کر اس کو قبول کر لیں لیکن جب آپ کی ملاطفت نے ان پر کوئی اثر نہ کیا تو پھر آپ نے اس طریقہ کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جس سے امتیاز بین الشرائع کا دوسرا اصل فائدہ پورا ہو جہاں تک یاد ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس تغیر کی تاریخ فتح مکہ تحریر فرمائی ہے اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے کس حد تک سلسلہ ملاطفت جاری رکھا اور آخر تنگ آ کر بالکل آخر دور میں دوسری راہ اختیار فرمائی۔ حدیثوں میں تصریح ہے کہ آپ کی موافقت کا دائرہ صرف ان امور تک محدود تھا جن میں آپ کی مخصوص شریعت نازل نہ ہوتی اور جہاں نازل ہو جاتی پھر کسی کی موافقت و عدم موافقت کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا۔

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ يَتَسَرْوَلُوْنَ وَلَا يَأْتَزِرُوْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَرْوَلُوْا وَاْتَزِرُوْا وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ. (رواه احمد)

ابو امامہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ اہل کتاب پاجامہ پہنتے ہیں اور ازار نہیں پہنتے (ہم کیا کریں) آپ نے فرمایا تم پاجامہ اور ازار دونوں پہنا کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ (احمد)

تشریح:۔ یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ شریعت نے کسی موقعہ پر بھی کسی قوم کی نفس مخالفت کرنی اپنا نصب العین نہیں بتایا بلکہ ہمیشہ اس نے ایک نہایت معتدل اور خوبصورت عمل کی تعلیم دی ہے جس کو اس قوم نے ناحق چھوڑ رکھا تھا، اسی عمل کی اس نے تاکید فرمائی ہاں اس کا عنوان ضرور مخالف رکھا ہے۔ اسی مذکورہ بالا چھوٹی سی جزئی کو لے لیجئے اگر شریعت کا نصب العین صرف مخالفت ہوتا تو یہاں آپ پاجامہ پہننے کی بھی ممانعت فرما دیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اہل کتاب کا پاجامہ پہننے سے بے وجہ احتراز کرنا چونکہ خود ایک نامعقول حرکت تھی اس لئے آپ نے ازار و پاجامہ ہر دو پہننے کی اجازت دیدی اور اسی کا عنوان مخالفت رکھا۔ اسی طرح اس سے پہلی حدیث میں شنبہ اور یکشنبہ کے دن روزہ رکھنے میں دراصل صرف مخالفت مطلوب نہ تھی بلکہ اس پر تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ یہود و نصاریٰ نے یوم عید کے انتخاب میں ایک اصولی اور قومی غلطی کھائی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوم عید کے انتخاب کرنے میں قوموں کا امتحان لیا گیا تھا سب نے غلطی کھائی صرف امت محمدیہ کامیاب رہی۔ درحقیقت وہ دن جمعہ کا دن تھا پھر کسی نے اس کو شنبہ اور کسی نے یکشنبہ بنا لیا۔ اب سوچئے کہ اس مقصد کے پیش نظر روزہ رکھ کر مخالفت کس درجہ اہم ہو گئی۔ اسی طرح اس باب کی جملہ حدیثوں کو قیاس کر لیجئے ہر جگہ کسی نہ کسی اہم غلطی کی اصلاح مد نظر رہی ہے۔ مگر اس کا عنوان مخالفت اس لئے رکھا گیا کہ یہ بات پوری وضاحت سے ثابت ہو جائے کہ اب وہ کتاب آ چکی ہے جو جملہ ادیان کی ناسخ ہے اگر اصول میں وہ پہلی کتابوں کی مصدق ہے تو فروع میں ان کے لئے ناسخ ہونے کا بھی حق رکھتی ہے اور اس کے ہر دو پہلوؤں میں اس

کے کمال ہی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ حکم ہے کہیں موافقت اور کہیں مخالفت۔ یہ دونوں اس کے حق ہیں۔ بہرحال مخالفت صرف عنوان میں ہے ورنہ دراصل مخالفت کے مرتکب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک معقول طریقہ کو چھوڑ کر غیر معقول طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں کی تکمیل شریعت کیلئے لازم ہے اسی طرح حق کی موافقت اور ناحق کی مخالفت کرنی دونوں احقاق کیلئے ضروری ہیں مخالفت کے صرف عنوان سے بدکنا نہیں چاہئے بلکہ اس پر غور کرنا چاہئے کہ جہاں مخالفت کا امر آیا ہے وہ مقام درحقیقت مخالفت کا محل ہے بھی یا نہیں پھر جہاں مخالفت کی حکمت آپ کی فہم میں نہ آسکے اس کو اہل علم سے دریافت کر لیجئے صرف اپنی عقل نارسا اور علمِ ناتمام پر فیصلہ کر ڈالنا بھی انصاف نہیں **وفوق کل ذی علم علیم**۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوْا الْمُشْرِكِيْنَ اَوْ فِرُوْا اللُّحٰى وَاحْفُوْا الشَّوَارِبَ. (متفق علیه)

ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی معاشرت اور طور وطریق میں مشرکین سے جدا رہو، اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں ترشواؤ۔ (متفق علیہ)

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَجُوْسَ فَقَالَ اِنَّهُمْ يُوَفِّرُوْنَ سِبَالَهُمْ وَيَحْلِقُوْنَ لُحَاهُمْ وَكَانَ اِبْنُ عُمَرَ يَسْتَقْرِضُ سَبْلَتَهٗ فَيَجُزُّهَا كَمَا تُجَزُّ الشَّاةُ. (رواه فی الحلیه کما فی الرحمة المهداة)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ اپنی مونچھوں کے دو طرفہ بال لمبے لمبے رکھتے ہیں اور اپنی ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں اسی لئے ابن عمر اپنی مونچھیں اس طرح باریک کر دیتے تھے جیسے بکری کے بال باریک کرا دیئے جاتے ہیں۔ (الرحمۃ المہداۃ)

تشریح:۔ اس ہیئت کا حکم بھی صرف مخالفت کی بناء پر نہیں تھا بلکہ دراصل یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک سنت تھی تمام عرب ان ہی کا متبع تھا اور دین محمدی کی زمین بھی یہی ملت ابراہیمی ہے۔ یہ پہلے گذر چکا ہے کہ ملت ابراہیمی کو دین فطرت کہا گیا ہے اس لئے ان امور کا اختیار کرنا فطرت کے مطابق اور ان کا ترک فطرت کی مخالفت پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ اگر فرنچ کٹ ڈاڑھی اور کرزن فیشن مونچھوں میں کوئی عظمت پنہاں ہے تو ملت سماویہ کے ماننے والوں کا اسوۂ ابراہیمی کی اتباع میں اس سے زیادہ عظمت پنہاں ہے اب جس کو جس کی طرف انتساب کا شوق ہو وہ جانے۔ اگر کسی بدنصیب مسلمان کو کسی وحشی انگریز کی اتباع ہی میں اپنی شان نظر آتی ہو تو اس کا علاج مناظرہ نہیں دعا ہے۔ دوسری قوموں کی نقالی کونسی فلسفیانہ بات ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور فلسفہ بیان کیا جائے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ. (متفق علیه)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود اور نصاریٰ خضاب نہیں کرتے اس لئے تم اپنی ہیئت ان سے جدا رکھو اور خضاب کیا کرو۔ (متفق علیہ)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوْا الشَّيْبَ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ. (رواه الترمذی ورواه النسائی)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کے ساتھ مشابہت پیدا نہ کرو اور

بڑھاپے کی سفیدی ذرا خضاب لگا کر بدل لیا کرو۔ (ترمذی۔نسائی)

تشریح:۔اگر شریعت کسی مکروہ شکل کے بدلنے اور کسی معقول صورت کے اختیار کرنے کا نام مخالفت رکھتی ہے تو کیا صرف لفظ مخالفت کی وجہ سے اس پر آپکو کوئی اعتراض ہونا چاہئے یا یہ سمجھ لینا چاہئے کہ نا معقول امور کی مخالفت ہی حقانیت مذہب کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَالَمْ يُؤْمَرْ فِيْهِ وَكَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُوْنَ اَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يُفَرِّقُوْنَ رُؤُسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاصِيَتَهٗ ثُمَّ فَرَّقَ بَعْدُ. (متفق علیه)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جن باتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نازل نہ ہوتی اس میں آپ مشرکین کی بہ نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنی زیادہ پسند فرماتے تھے۔اہل کتاب کا دستور یہ تھا کہ وہ پیشانی کے بال سامنے لٹکاتے اور مشرکین بیچ سے مانگ نکالتے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کے ماتحت پہلے اپنے بال پیشانی پر لٹکائے پھر بعد میں مانگ نکالنا شروع کردی۔(متفق علیہ)

عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَحَدَّثَتْنِيْ الْمُغِيْرَةُ قَالَتْ وَاَنْتَ يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَلَكَ قَرْنَانِ اَوْ قُصْبَتَانِ فَمَسَحَ رَأْسَكَ وَبَرَّكَ عَلَيْكَ وَقَالَ اِحْلِقُوْا هٰذَيْنِ اَوْ قُصُّوْهُمَا فَاِنَّ هٰذَا ذِيُّ الْيَهُوْدِ. (رواه ابوداؤد)

حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ ہم انس بن مالکؓ کے پاس گئے اس وقت میری ہمشیرہ مغیرہ نے فرمایا کہ تم اس وقت بچہ تھے اور تمہارے سر پر بالوں کے دو گچھے تھے۔انہوں نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعاء برکت فرمائی اور فرمایا تو ان دونوں کو منڈوا دو یا کٹوا دو کیونکہ یہ طریقہ تو یہود کا ہے۔(ابوداؤد)

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا (رواه احمد والترمذی)

زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی مونچھوں کے بال نہ ترشوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(احمد۔ترمذی)

عَنْ اِبْنِ عَبَاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُصُّ اَوْيَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهٖ وَكَانَ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ (صلوات الرحمٰن عليه) يفعله. (رواه الترمذی)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھوں کے بال ترشوایا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔(ترمذی)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ ثَوْبَ بْنِ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهُمَا وَفِي رواية اَغْسِلُهُمَا قَالَ بَلْ اِحْرِقْهُمَا. (رواه مسلم)

عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم پر دو زرد رنگ کے معصفر میں رنگے ہوئے کپڑے دیکھے تو فرمایا یہ کفار کا لباس ہے ان کو مت پہنو۔ایک روایت میں ہے میں نے عرض کیا ان کو دھلوالوں فرمایا بلکہ جلادو۔(مسلم)

عَنْ عَکْرِمَةَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا اَعْلَمُهُ اِلَّا رَفَعَ الْحَدِيْثَ اَنَّهُ کَانَ يَأْمُرُ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ وَقَالَ مَنْ تَرَکَهُنَّ خَشْيَةَ ثَائِرٍ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواہ فی شرح السنہ)

عکرمہ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں جہاں تک میرا گمان ہے انہوں نے یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہی نقل کیا تھا کہ آپ سانپوں کے مارنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جوان کے انتقام کے ڈر سے انہیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ (شرح السنہ)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاسَالَمْنَاهُمْ مُنْذُ حَارَبْنَاهُمْ وَمَنْ تَرَکَ شَيْئًا مِنْهُمْ خِيْفَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواہ ابوداؤد)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (سانپوں سے ہماری جنگ فطری ہے) جنگ کے بعد سے کبھی ہم نے صلح نہیں کی جو ڈر کے مارے انہیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں) (ابوداؤد)

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوْا الْحَيَّاتِ کُلَّهُنَّ فَمَنْ خَافَ ثَارَهُنَّ فَلَيْسَ مِنِّیْ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قسم کے سانپوں کو ماردیا کرو جوان کے بدلہ کے خوف سے ڈر جائے وہ ہمارے مشرب کا آدمی نہیں۔ (ابوداؤد ونسائی)

تشریح:۔ جس طرح کسی کی حد سے زیادہ تعظیم اس کی عبادت کا ذریعہ بن جاتی ہے اسی طرح حد سے زیادہ خوف بھی عبادت کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اہل ہنود کی جماعت سانپوں کو بھی دیوتا کہتی ہے۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں خدا کی محبت اور اس کا خوف اتنا غالب ہو جانا چاہئے کہ اس کے سامنے ساری محبتیں اور سارے خوف دل سے نکل جائیں۔ شرک صرف یہ نہیں کہ ذات و صفات ہی میں شرکت کا اعتقاد رکھا جائے بلکہ حقوقِ الوہیت میں شرکت بھی شرک ہے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَکْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا (رواہ مسلم)

سلمہ بن اکوع روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں پر تلوار نکال لے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم)

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ وَاَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواہ البخاری وزاد مسلم مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا)

ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو مسلمانوں پر تلوار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں (بخاری شریف) مسلم شریف میں اس پر اتنا اضافہ اور ہے کہ جو ہمیں دھوکہ دے وہ بھی ہم میں سے نہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ اِمْرَاءَةً عَلٰى زَوْجِهَا اَوْ عَبْدًا عَلٰى سَيِّدِهٖ. (رواہ ابوداؤد)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے

شوہر یا کسی غلام کو اس کے آقا کی طرف سے بھڑکائے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ یعنی جو شخص معاشرتی زندگی کو گندہ کرنے کے درپے ہے وہ اسلام کیلئے ایک بدنما داغ ہے اسلام میں تمدنی اور معاشرتی زندگی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اسی لئے وہ شخص جو اسلام کی اجتماعی وحدت میں خلل انداز ہو مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہوتا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُنْتَهِبِ قَطْعٌ وَمَنْ اِنْتَهَبَ نُهْبَةً مَشْهُوْرَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه ابوداؤد)

جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ مار کرنے والے کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں اور جو دن دہاڑے یہ جرم کرے گا وہ ہم میں سے نہیں (اگر چہ اس پر سارق کا طلاق نہ ہونے کی وجہ سے حد سرقہ قائم نہ ہو سکے) (ابوداؤد)

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً. (رواه ابوداؤد)

جبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صرف قومی عصبیت کی دعوت دے اور صرف عصبیت کی بنا پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا الْعَصَبِيَّةُ قَالَ اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ. (رواه ابوداؤد)

واثلہ بن اسقع بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عصبیت کی کیا تعریف ہے فرمایا یہ کہ تو ظلم پر بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے۔ (ابوداؤد)

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِىْ اَرْدٰى فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنَبِهٖ. (رواه ابوداؤد)

ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص حق کے خلاف میں بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کہیں اوندھا گر جائے پھر اس کو دم پکڑ کر نکالنا چاہیں (اور وہ نکل نہ سکے) (ابوداؤد)

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ كَثِيْرَةَ الشَّامِيِّ مِنْ اَهْلِ فَلَسْطِيْنَ عَنْ اِمْرَءَةٍ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهَا فَسِيْلَةُ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ اَبِىْ يَقُوْلُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهُ قَالَ لَا وَلٰكِنْ مِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يَنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلْمِ. (رواه احمد وابن ماجه)

عبادہ بن کثیر شامی فلسطین کے باشندے اپنے ہی قبیلہ کی ایک عورت سے روایت کرتے ہیں جس کا نام فسیلہ تھا وہ بیان کرتی ہے کہ میں نے خود اپنے باپ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اپنی قوم سے محبت کرنی بھی عصبیت میں داخل ہے فرمایا قطعاً نہیں۔ عصبیت یہ ہے کہ اپنی قوم کی ظلم پر بھی مدد کرے۔ (احمد۔ ابن ماجہ)

عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشَمٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيْرَتِهٖ مَالَمْ يَأْثَمْ. (رواه ابوداؤد)

سراقہ بن مالک بن جعشم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم میں وہ شخص سب سے اچھا ہے جو اپنے قبیلہ کی طرف سے جواب دہی کرے جب تک کہ اس میں گناہ نہ ہو۔ (ابوداؤد)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ یَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَائِهِمُ الَّذِیْنَ مَاتُوْا اِنَّمَاهُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ اَوْ لَیَکُوْنَنَّ اَهْوَنَ عَلَی اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِیْ یُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِاَنْفِهٖ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْکُمْ عُبِّیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ اَوْفَاجِرٌ شَقِیٌّ النَّاسُ کُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ مِنْ تُرَابٍ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ یا تو لوگ اپنے ان باپ دادوں پر فخر کرنے سے باز آ جائیں جو مر چکے ہیں اور دوزخ میں جل کر کوئلہ بن چکے ہیں نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کیڑے سے بڑھ کر ذلیل ہو کر رہیں گے جو اپنی ناک سے پاخانہ ہٹا ہٹا کر چلتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے سے روک دیا ہے۔ اب (قومیت کی تقسیم نہیں ہے) صرف دو قسمیں ہیں یا متقی مومن، یا شقی فاجر۔ سب لوگ ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کی حقیقت یہ تھی کہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ (پھر یہ نقصان سب ہی میں ہے اب باہم فخر کرنے کی بات کیا رہی) (ترمذی۔ ابوداؤد)

عَنْ اَبِیْ عُقْبَةَ وَکَانَ مَوْلًی مِنْ اَهْلِ فَارِسَ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُحُدًا فَضَرَبْتُ رَجُلاً مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ فَقُلْتُ خُذْهَا مِنِّیْ وَاَنَا الْغُلَامُ الْفَارِسِیُّ فَالْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ هَلَّا قُلْتَ خُذْهَا مِنِّیْ وَاَنَا الْغُلَامُ الْاَنْصَارِیُّ. (رواہ ابوداؤد)

ابوعقبہ فارس کے غلام تھے یہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگِ احد میں شریک ہوا ہوں۔ میں نے ایک مشرک کے تلوار ماری اور یہ کہا کہ میں فارسی بچہ ہوں، یہ ضرب میری جانب سے لیتا جا۔ آپ فوراً میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا تو نے اس کے بجائے یہ کیوں نہ کہا کہ میں انصاری بچہ ہوں یہ ضرب میری جانب سے لیتا جا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ مذکورہ بالا حدیثوں میں جہاں جہاں لیس منا (ہم میں سے نہیں) کا کلمہ آ گیا ہے علماء نے اس کی مختلف مرادیں تحریر فرمائی ہیں یہاں سب سے اچھی شرح امام طحاویؒ کی معلوم ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہی کلمہ قرآن کریم میں دو جگہ استعمال ہوا ہے۔

(۱) فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ.

جس نے اس نہر کا پانی پیا وہ ہمارا نہیں اور جس نے اُس کو نہ چکھا تو وہ بیشک ہمارا ہے۔

(۲) فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.

جس نے میرا اتباع کیا وہ ہمارا ہے اور جس نے نافرمانی کی تو بیشک تو بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص نبی کے حکم اور اس کی شریعت کا متبع ہوتا ہے وہ اس کا اور اس کی جماعت کا فرد شمار ہوتا ہے اور جو اس کا متبع نہیں ہوتا وہ اس کا جماعتی آدمی نہیں سمجھا جاتا۔ پس بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اسلامی شریعت سے کسی ایسے نہج کا علاقہ ہوتا ہے کہ اس سے علیحدگی گویا اسلامی معاشرت سے علیحدگی تصور کی جاتی ہے ایسے موقعہ پر حدیث اس کلمہ کا اطلاق کر دیتی

ہے۔ اگر یہ علیحدگی اور بڑھ جائے تو کفر کی حد تک بھی پہنچ سکتی ہے اور اسی معنی سے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کے متعلق ارشاد ہوا۔
اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ. وہ تمہارے گھر کا آدمی نہیں۔
لہٰذا اس تعبیر سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے کیونکہ وہ صرف کسی بے عنوانی تک جا کر نہیں ٹھہرتی۔ بلکہ بعضے مرتبہ اس سے آگے بھی تجاوز کر سکتی ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَقُوْلُ اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَاَنْعِمْ صَبَاحًا فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ نُهِيْنَا عَنْ ذَالِكَ. (رواہ ابو داؤد)

عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہم سلام کے موقعہ پر یوں کہا کرتے کہ خدائے تعالیٰ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور اطمینان و آرام کے ساتھ تمہیں صبح نصیب ہو۔ جب اسلام کا دور آیا تو اس نے ہم کو اس طریقہ سے روک دیا۔ (اور اس کے بجائے **السلام علیکم** کا لفظ تعلیم کیا) (ابوداؤد)

عَنْ عَقِيْلِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ اَنَّهٗ تَزَوَّجَ اِمْرَءَةً مِنْ بَنِيْ جُشَمٍ فَقَالُوْا بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِيْنَ فَقَالُوْا لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِمْ. (رواہ النسائی و ابن ماجہ و احمد بمعناہ)

عقیل بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے قبیلہ بنی جشم کی ایک عورت سے نکاح کیا تو لوگوں نے ان کو مبارکبادی دینے کے لئے وہی الفاظ کہے جو اس موقعہ پر زمانہ جاہلیت میں کہے جاتے تھے یعنی نکاح مبارک ہو اور باہم انس و محبت اور اولاد نرینہ نصیب ہو، اس پر دوسرے لوگوں نے کہا یوں مت کہو بلکہ وہ کلمات کہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں۔ اے اللہ ان کے نکاح میں برکت دے اور خود ان کے اوپر بھی برکت نازل فرما۔ (نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالَ كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَالَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمُ الْاَضْحٰى وَيَوْمُ الْفِطْرِ. (ابو داؤد)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت ان کے یہاں (سال میں) دو دن مقرر تھے جن میں وہ خوشی منایا کرتے تھے آپ نے پوچھا یہ دو دن کیسے ہیں انہوں نے جواب دیا ہم ان میں زمانہ جاہلیت سے خوشی مناتے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں تمہاری خوشی منانے کے لئے اس سے بہتر دو دن مقرر فرما دیئے ہیں ایک عید قربان کا دوم عید فطر کا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ اہل اسلام کے ایام عید اُن کی خاص خاص عبادتوں کی یادگاریں ہیں ان میں مسرت اور خوشی منانا صرف ایک پیرایہ ہے ان کی اصل حقیقت عبادت ہے۔ پس کفار کے ایام عید کو ان ایام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ان کی حقیقت آخرت سے غفلت اور لہو و لعب ہے اور ان ایام کی حقیقت تکبیرات اور ذکر اللہ۔ سوچو کہ جس قوم کی مسرت و خوشی میں بھی عبادت کی حقیقت

پنہاں ہو اس کی عبادت کی حقیقت کیا ہوگی۔ قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا۔
یہ بہت بڑی غفلت اور جہالت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ایام عید کو بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک تہوار سمجھ لیا ہے۔ تمہارے ان ایام میں خوشی منانے کی اصل روح یہ ہے کہ تم نے ان ایام میں ایک بڑے شرعی پروگرام کی تکمیل کی ہے اس لئے اس خوشی میں بھی ذکر و عبادت کی شان غالب ہونی چاہئے نہ کہ لہو و لعب کی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرْعَ وَلَا عَتِیْرَةَ قَالَ وَالْفَرْعُ اَوَّلُ كَانَ یُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوْا یَذْبَحُوْنَهٗ لِطَوَاغِیْتِهِمْ وَالْعَتِیْرَةُ فِیْ رَجَبَ. (متفق علیه)

ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ فرع اور عتیرہ اسلام میں کوئی چیز نہیں (فرع) جانور کے اس پہلے بچہ کو کہتے ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جاتا تھا اور عتیرہ وہ ہوتا تھا جو رجب میں بتوں کے نام پر ذبح ہوتا تھا۔ (متفق علیہ)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ الدِّیْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی یُؤَخِّرُوْنَ. (رواه ابوداؤد وابن ماجه)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں دیر نہ کریں گے، دین اسلام برابر غالب رہے گا کیونکہ یہود و نصاریٰ دیر سے افطار کرتے ہیں۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

تشریح:۔ اسلام میں حفاظت حدود کی بڑی تاکید کی گئی ہے خواہ وہ ایام ہوں یا ایام میں ساعات کیونکہ جب قومیں کسی اجنبی تمدن، اجنبی معاشرت یا مذہبی اثرات کا شکار ہوتی ہیں تو سب سے پہلے اس کا اثر ان حدود ہی کے اندر ظاہر ہوتا ہے پہلے یہ حدود ہی مٹتی ہیں اور جب یہ درمیانی حدود مٹنے لگتی ہیں تو پھر قوموں کے جملہ طور و طریق اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ ان میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا جس قوم کی یہ حدود پہلے مٹیں سمجھ لو کہ اس کی مغلوبیت کا آغاز ہو گیا ہے تعجیل فطر بھی ان حدود کی ایک کڑی ہے۔ جن گوشوں سے نصرانیت اسلام میں داخل ہو سکتی ہے ان سے ایک یہ بھی ہے۔ عبادات میں روزہ ایک اہم عبادت ہے اس لئے اس میں بھی اپنی حدود سے تغافل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دوسرے گوشوں میں بھی خاصہ تخلخل پیدا ہو چکا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِثْنَتَانِ فِی النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ الطَّعْنُ فِی النَّسَبِ وَالنِّیَاحَةُ عَلَى الْمَیِّتِ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں نسب میں طعن کرنا اور مردوں پر نوحہ کرنا۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ اس قسم کی احادیث کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان عادات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ عرب کے مفاخر میں چونکہ نسب بھی شامل تھا اس لئے دوسروں کے نسبوں پر طعن کرنا بھی ان کی مغرورانہ شان کا ایک جزء بن گیا تھا نوحہ بھی ان کے نزدیک انسانی شرف و بزرگی کی نمائش کا ایک خاص طریق تھا۔ یہ عارضی نمائشیں اسلامی مزاج کے موافق نہیں آتیں۔

اپنے والد کے باپ ہونے سے انکار کرنا کفر کے ہم پلہ ہے

عَنْ عِرَاکِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِيْهِ فَهُوَ كُفْرٌ. (رواہ مسلم)

عراک بن مالکؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہؓ کو بیان کرتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے والد کی طرف انتساب سے نفرت نہ کیا کرو جس شخص نے (صرف فخر ومباہات کے لئے) اپنے والد سے رشتہ توڑا (اور کسی مشہور شخصیت سے جوڑا) تو یہ بھی ایک کفر کی بات ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ انسان اپنا رشتہ مخلوقیہ خالق سے توڑ کر غیر خالق سے جوڑ لے اور دوسرے نمبر کا کفر یہ ہے کہ (محض بڑائی کی نیت سے) رشتہ ابنیت اپنے والد کے بجائے غیر والد کے ساتھ قائم کر لے۔ اسی کے قریب وہ غلام ہے جو اپنے آقا/مالک کو چھوڑ کر بھاگ جائے یا رشتہ معاملات اپنے مالک کے سوا غیر مالک کے ساتھ قائم کر لے۔

عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةٌ وَفِی رواية عنه قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وفی رواية عنه قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ مِنْ مَوَالِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْهِمْ. (رواہ مسلم)

جریر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی کا غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جائے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے جب تک کہ اس کے پاس پھر واپس نہ آ جائے (مسلم شریف)

ایمان کے منافی قول

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ اَنَا بَرِيْءٌ مِنَ الْاِسْلَامِ فَاِنْ كَانَ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَاِنْ كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَرْجِعَ اِلَى الْاِسْلَامِ سَالِمًا. (رواہ النسائی وابوداؤد وابن ماجه)

بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص یوں کہے کہ میں اسلام سے بیزار ہوں تو اگر اس نے یہ جھوٹ کہا تھا جب تو وہ درحقیقت مسلمان نہیں رہا اور اگر سچ کہا تھا جب بھی اس کا اسلام صحیح وسالم نہیں بچتا (کچھ نہ کچھ زخمی ہو جاتا ہے)۔ (ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

تشریح:۔ مذکورۂ بالا مسئلہ کی صورت یوں بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص نے زید سے بات کی پھر یہ کہا کہ اگر میں نے زید سے بات کی ہو تو میں مسلمان نہیں تو اگر اس نے یہ جھوٹ دانستہ بولا ہے تو اس قسم کا مطلب یہی ہے کہ اس کے نزدیک اپنے اسلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور اگر وہ سچا تھا اور درحقیقت اس نے زید سے بات نہ کی تھی پھر بھی اس سے کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور برآمد ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام کسی نہ کسی صورت میں قابل ترک فرض کیا جا سکتا ہے۔ ایمان کی نزاکت بے

تعلق کی اتنی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتی۔اسی طرح یوں قسم کھانا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہو یا ایسا کروں تو مجھے مرتے دم ایمان نصیب نہ ہو بہت بیجا سخاوت ہے اسلام سے محرومی کسی صورت میں بھی قابل برداشت نہ ہونی چاہئے کامل مسلمان وہ ہے جو اپنی زندگی میں ہر بات کا تصور کرسکتا ہے مگر ترکِ ایمان کا تصور کبھی نہیں کرسکتا۔ **ولا تموتن الا وانتم مسلمون** میں اسی عزیمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ورنہ اسلام پر موت کس کے بس کی بات ہے۔اسلام انقیاد واطاعت کے صرف چند کلمات کا نام ہے اسی لئے وہ اس کے خلاف چند کلمات کہنے سے مجروح بھی ہوجاتا ہے۔

فسق وکفر کی تہمت کا لوٹنا

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَرْمِیْ رَجُلٌ رَجُلاً بِالْفُسُوْقِ وَلَا یَرْمِیْهِ بِالْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّ عَلَیْهِ اِنْ لَمْ یَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذَالِكَ. (رواہ البخاری وغیرہ)

ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کوئی شخص کسی پر فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتا مگر وہ لوٹ کر اسی کے اوپر آپڑتی ہے اگر وہ شخص جس کے سر یہ تہمت رکھی گئی ہے اس کا اہل نہیں ہوتا۔(بخاری)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاَخِیْهِ یَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهٖ اَحَدُهُمَا. (رواہ البخاری وغیرہ)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو او کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے ایک نہ ایک پر یہ کلمہ چسپاں ہوکر رہتا ہے۔(بخاری)

تشریح:۔احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کلمہ منہ سے نکلتا ہے وہ کبھی فناء نہیں ہوتا۔ظاہر بیں سمجھتا ہے کہ وہ صرف ایک سیال صورت تھی جو منہ سے نکلی اور فضاء عالم میں معدوم ہوگئی۔لیکن حدیث یہ کہتی ہے کہ ایک ایک کلمہ جو کسی کے منہ سے نکلتا ہے وہ سب بدستور محفوظ رہتا ہے صرف کراماً کاتبین کے رجسٹروں میں نہیں بلکہ فضاء عالم میں بھی۔ابوداؤد میں حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے تو یہ کلمہ سب سے پہلے آسمان کی طرف جاتا ہے جب اسے رحمت کی سمت جگہ نہیں ملتی تو زمین کی طرف آتا ہے پھر دائیں بائیں گھومتا ہے جب یہاں بھی جگہ نہیں ملتی تو اب خاص اس شخص کی طرف بڑھتا ہے جس پر یہ لعنت کی گئی تھی اگر وہ بھی اس کا اہل نہیں ہوتا تو آخر لوٹ کر خود لعنت کرنے والے کی طرف آجاتا ہے۔

آدمی خیال کرتا ہے کہ اس کے اقوال وافعال حیوانات کی طرح کسی حساب میں نہیں حدیث سمجھاتی ہے کہ وہ سب سے اشرف نوع ہے اس کو اپنے ایک ایک حرف کا حساب دینا ہوگا۔فقہاء نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے اور اسی لئے وہ کسی عاقل بالغ شخص کے کسی کلام کو تاامکان بیکار جانے نہیں دیتے کوئی نہ کوئی توجیہ نکال کر اس پر کوئی نہ کوئی حکم لگا ہی دیتے ہیں۔کسی کو کافر کہنا کچھ ہنسی مذاق نہیں بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔یہ کلمہ معمولی بول چال میں بھی زبان پر لانے کے قابل نہیں "یا کافر" صرف ایک ندائیہ کلمہ ہے کوئی فتویٰ نہیں ہے لیکن بے محل اس کلمہ کا استعمال بھی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا۔

تاویل یا ناواقفی سے کسی کو کافر کہنا کفر نہیں

حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّىْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِىْ قَوْمَهُ فَيُصَلِّىْ بِهِمْ صَلٰوةً فَقَرَأَ بِهِمِ الْبَقَرَةَ قَالَ فَتَجَوَّزَ رَجُلٌ فَصَلّٰى صَلٰوةً خَفِيْفَةً فَبَلَغَ ذٰلِكَ مُعَاذًا فَقَالَ اِنَّهُ مُنَافِقٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ الرَّجُلَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا قَوْمٌ نَعْمَلُ بِاَيْدِيْنَا وَنَسْقِىْ بِنَوَاضِحِنَا وَاِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى بِنَا الْبَارِحَةَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ فَتَجَوَّزْتُ فَزَعَمَ اَنِّىْ مُنَافِقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ ثَلَاثًا اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى. (رواہ البخاری وغیرہ)

جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ معاذ بن جبلؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے اس کے بعد واپس آ کر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے ایک دن انہوں نے سورہ بقرہ پڑھی (ان کی اس لمبی قرأت کی وجہ سے) ایک شخص نے علیحدہ ہو کر ہلکی سی نماز پڑھ لی۔ معاذ کو بھی یہ خبر لگی تو فرمایا وہ منافق ہے یہ بات اس شخص کو معلوم ہوگئی یہ آپ کی خدمت میں جا پہنچا اور عرض کی یا رسول اللہ ہم کاروباری لوگ ہیں اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں اور اونٹوں کے ذریعہ سے پانی بھرتے ہیں۔ آج شب معاذؓ نے ہمیں نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ شروع کردی اس لئے میں نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی اس پر معاذ خیال کرتے ہیں کہ میں منافق ہوں، آپ نے فرمایا معاذ کیا فتنہ برپا کرو گے تین بار فرمایا۔ صرف والشمس وضحٰھا اور سبح اسم ربک الاعلیٰ جیسی سورتیں پڑھ لیا کرو۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ عہد نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں جماعت میں شریک نہ ہونا نفاق کی کھلی علامت تھی یہاں اس شخص نے ایک معقول عذر کی بناء پر جماعت میں شرکت نہ کی مگر قوتِ عمل کے زمانہ میں معذوریوں کی طرف کس کا خیال اس لئے معاذؓ نے حسب ضابطہ اس کو بھی منافق کہدیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر تطویل قراءت پر تو خاص طور پر تنبیہ کی مگر منافق کہنے پر اتنی تنبیہ نہیں کی جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں بھی ان کے متعلق حضرت عمرؓ کے منافق فرمانے پر بھی کوئی تنبیہ نہیں فرمائی کیونکہ ان مقامات پر منافق کہنا گو غلط تھا تاہم کچھ تاویل کی بنا پر تھا اگر تاویل قابل نفاذ ہو تو قائل پر سخت گیری نہیں کی جاتی۔

شراب نوشی کی عادت بت پرستی کے برابر ہے

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَاتَ لَقِىَ اللّٰهَ كَعَابِدِ وَثَنٍ. (رواہ احمد)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرابی آدمی اگر مرے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک بت پرست کی طرح حاضر ہوگا۔ (احمد)

عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى (الْاَشْعَرِيِّ) اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِىْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ اَوْ عَبَدْتُ هٰذِهِ السَّارِيَةَ دُوْنَ اللّٰهِ. (رواہ النسائی)

ابوموسیٰ فرمایا کرتے تھے کہ شراب پی لوں یا خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر اس ستون کی عبادت کرلوں میں تو ان دونوں باتوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ (نسائی)

مشرک اور مسلمان کے ناحق قاتل کی مغفرت نہ ہوگی

عَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّ ذَنْبٍ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّغْفِرَہٗ اِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِکاً اَوْمَنْ یَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا. (رواہ ابوداؤد وروی النسائی عن معاویۃ)

ابوالدرداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید ہر گناہ کو بخش دے مگر جو شرک کی حالت میں مرجائے یا جان بوجھ کر کسی مسلمان کو ناحق قتل کردے اس کی مغفرت کی کوئی توقع نہیں۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

مشرکین کی جماعت سے احتراز

عَنْ اَبِیْ الْاَسْوَدِ قَالَ قُطِعَ عَلٰی اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ بَعْثٌ فَاکْتُتِبْتُ فِیْہِ فَلَقِیْتُ عِکْرَمَۃَ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ فَاَخْبَرْتُہٗ فَنَھَا فِیْ عَنْ ذٰلِکَ اَشَدَّ النَّھْیِ ثُمَّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کَانُوْا مَعَ الْمُشْرِکِیْنَ یُکْثِرُوْنَ سَوَادَ الْمُشْرِکِیْنَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْتِیْ السَّھْمُ فَیُرْمٰی بِہٖ فَیُصِیْبُ اَحَدُھُمْ فَیَقْتُلُہٗ اَوْ یُضْرَبُ فَیُقْتَلُ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفَّاھُمُ الْمَلَائِکَۃُ ظَالِمِیْ اَنْفُسِھِمْ الآیۃ. (رواہ البخاری)

عبدالرحمٰن ابوالاسود نے بیان کیا کہ اہل مدینہ نے اہلِ شام سے جنگ کیلئے ایک لشکر تیار کیا اس میں میرا نام بھی لکھا گیا میں نے حضرت ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے شدت سے منع فرمادیا اور یہ قصہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ مسلمان، مشرکوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور ان کی وجہ سے جنگ کے موقعہ پر مشرکین کی جماعت کی تعداد میں اضافہ ہوتا تھا (اگرچہ ان کی دلی منشاء لڑنے کی نہیں تھی) ان میں ایک شخص کے تیر آ کر لگتا اور وہ ختم ہوجاتا یا تلوار سے زخمی ہوتا اور مرجاتا ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوگئی اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفَّاھُمُ الْمَلَائِکَۃُ الخ وہ لوگ جن کی روحیں فرشتوں نے قبض کیں اس حالت میں کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے (کہ بوجہ ضعفِ ایمانی کے اپنے گھروں سے ہجرت نہ کرتے تھے جب وہ مرنے لگے) تو فرشتوں نے ان سے پوچھا تم کس حال میں تھے انہوں نے جواب دیا ہم اس ملک کے ضعیف اور بے بس باشندوں میں تھے (خوف کی وجہ سے اظہار اسلام بھی نہ کرسکتے تھے) فرشتوں نے کہا کیا تمہارے واسطے کہیں زمین ماری گئی تھی کہ تم وہاں ہجرت کرجاتے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ اس واقعہ کے نقل کرنے سے عکرمہ کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کیلئے یہ پسند ہی نہیں فرمایا کہ وہ کسی باطل جماعت کے ساتھ شریک رہیں تو میں بھی موجودہ جنگ میں تمہاری شرکت پسند نہیں کرتا کیونکہ میرے نزدیک یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے اگر تم ان کے ساتھ رہو گے تو تمہاری وجہ سے کم از کم ان کو جماعتی شرکت تو حاصل ہوگی یہ بھی باطل کی اعانت

میں شامل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے اختیار سے اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دی کہ مسلمان کفر کے زیر اقتدار رہنا بخوشی برداشت کرے اس کے لئے صرف دو راستے ہیں یا ہجرت کر جائے اور یا بدرجہ مجبوری کفر کے اقتدار سے آزادی کے لئے ہمہ وقت جدوجہد کرتا رہے۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ (مصحح)

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ. (رواہ ابوداؤد)

سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا رہنا سہنا مشرکوں کے ساتھ رہے وہ ان ہی کی مثل ہے۔ (ابوداؤد)

عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوْا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ لِاَنَّهُمْ هَجَرُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَكَانَ مِنَ الْاَنْصَارِ مُهَاجِرُوْنَ لِاَنَّ الْمَدِيْنَةَ كَانَتْ دَارَ شِرْكٍ فَجَاؤُا اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ. (رواہ النسائی)

جابر بن زید سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ وعمرؓ تو اس لئے مہاجر کہلائے کیونکہ انہوں نے مشرکین کو چھوڑ دیا تھا لیکن انصار میں بھی کچھ لوگ مہاجر تھے کیونکہ ابتداء میں مدینہ بھی دار شرک تھا۔ جب کچھ لوگ ان مشرکین کو چھوڑ کر لیلۃ العقبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے (تو اس لحاظ سے وہ بھی مہاجر کہلائے)۔ (نسائی شریف)

تشریح:۔ ہجرت بظاہر ترکِ وطن کا نام ہے مگر ترکِ وطن کوئی مطلوب چیز نہیں۔ مکہ مکرمہ جیسا وطن ایسا وطن نہ تھا جس کو بخوشی کوئی ترک کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت مڑ مڑ کر مکہ مکرمہ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے جاتے اور فرماتے جاتے اے شہر مکہ اگر میری قوم ہی مجھ کو تجھ سے زبردستی نہ نکالتی تو میں ہرگز اپنے اختیار سے تیرے سوا کہیں اور رہنا پسند نہ کرتا اس لئے ہجرت کی روح ترکِ وطن نہیں بلکہ شرک اور مشرک سے علیحدہ رہنا ہے جہاں شرک کا اقتدار ہو وہاں اسلامی حیات ہرگز نشوونما نہیں پا سکتی اس حالت میں اسلام کی حفاظت صرف ہجرت سے ہو سکتی ہے۔ (مصحح)

عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ وَعَلٰى فِرَاقِ الْمُشْرِكِ وفی لفظ عَلٰى اَنْ نُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ. (رواہ النسائی)

جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امور ذیل پر بیعت کی تھی۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا اور مشرکوں سے علیحدہ رہنا۔ (نسائی شریف)

تشریح:۔ اسلام کے ابتدائی دور میں جبکہ تمام اقتدار کفر کے ہاتھ میں تھا مشرکوں سے علیحدہ رہنا بھی بیعت کا ایک اہم جزء قرار دیدیا گیا تھا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود نے جب اپنی قوم کے زشت افعال کے باوجود ان سے متارکت اختیار نہ کی اور ان ہی کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ بنے رہے تو اس مداہنت کی وجہ سے بے دینی کے جراثیم ان میں بھی سرائیت کر گئے اور آخر کار وہ بھی لعنت کے تحت آ گئے۔ دوسروں نے اسی فلسفہ کے تحت چھوت کا مسئلہ ایجاد کیا تھا افسوس کہ انہوں نے تو ایک غلط قدم کو دین سمجھ لیا اور ہم نے دین کی ایک ضروری دفعہ کو تعصب سمجھ کر ترک کر دیا۔

بد فالی کا عقیدہ رکھنا اور کاہن کی تصدیق کرنا ایک قسم کا شرک ہے

عَنْ اُمِّ کُرْزٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَقِرُّوْا الطَّیْرَ عَلٰی مَکِنَاتِھَا. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

ام کرز روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں بیٹھا رہنے دو (اور انہیں اڑا کر اچھی یا بری فال نہ لیا کرو)۔ (ابوداؤد۔ترمذی)

عَنْ قَبِیْصَۃَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعِیَافَۃُ وَالطَّرْقُ وَالطِّیَرَۃُ مِنَ الْجِبْتِ. (رواہ ابوداؤد)

قبیصہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کو اڑا کر عرب کے طریقے پر نیک فال لینا یا رمل کا عمل کرنا یا بد فالی یہ سب شرک کے عمل ہیں۔ (ابوداؤد)

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّیَرَۃُ شِرْکٌ قَالَ لَہٗ ثَلَاثًا. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بد فالی ایک قسم کا شرک ہے۔ تاکیداً تین بار یہی فرمایا۔ (ابوداؤد۔ترمذی)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی کَاھِنًا فَصَدَّقَہٗ بِمَا یَقُوْلُ اَوْ اَتٰی اِمْرَءَ تَہٗ حَائِضًا اَوْ اَتٰی اِمْرَءَ تَہٗ فِیْ دُبُرِھَا فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم) (رواہ احمد وابوداؤد)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے (غیب کی خبریں بتانے والا) پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا ایام حیض میں اپنی بی بی سے صحبت کرے یا اس محل میں صحبت کرے جس میں صحبت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے تو جو قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا تھا وہ اس سے علیحدہ ہو چکا۔ (احمد۔ابوداؤد)

عَنْ مُعَاوِیَۃَ بْنِ الْحَکَمِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُمُوْرًا کُنَّا نَصْنَعُھَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ کُنَّا نَاْتِی الْکُھَّانَ قَالَ فَلَاتَاْتُوْا الْکُھَّانَ قَالَ کُنَّا نَتَطَیَّرُ قَالَ ذَالِکَ شَیْئٌ یَجِدُہٗ اَحَدُکُمْ فِیْ نَفْسِہٖ فَلَا یَصُدَّنَّکُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ یَخُطُّوْنَ خَطًّا قَالَ کَانَ نَبِیٌّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ یَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّہٗ فَذَاکَ. (رواہ مسلم)

معاویہ بن حکم بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کچھ باتیں ہم کفر کے زمانہ میں کیا کرتے تھے (اب ان کا کیا حکم ہے) ہم کاہنوں کے پاس جا کر (غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے تھے) فرمایا اب ان کے پاس مت جاؤ، انہوں نے عرض کیا کہ دوسری بات یہ ہے کہ ہم پرندے اڑا کر نیک و بد فال کے بھی قائل تھے فرمایا بد فالی ایک ایسی چیز ہے جس کے تم سدا سے عادی چلے آتے ہو اس لئے تمہارے دلوں میں اس کا اثر تو ہوگا لیکن تم کو چاہئے کہ اس کی وجہ سے اپنے کام سے نہ رکو۔ میں نے عرض کیا ہمارے کچھ لوگ خطوط کھینچ کر غیب کی خبریں معلوم کر لیا کرتے تھے فرمایا خدا کے نبیوں میں ایک نبی ضرور اس علم کے مالک تھے۔ اب اگر کسی کا خط ان کے ساتھ مطابقت کر جاتا ہوگا تو وہ بھی درست ہو جاتا ہوگا۔ (مگر وہ خبر کیسے ہو)۔ (مسلم شریف)

عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاھَامَۃَ وَلَا عَدْوٰی وَلَاطِیَرَۃَ وَاِنْ تَکُنِ الطِّیَرَۃُ فِیْ شَیْئٍ فَفِی الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْاَۃِ. (رواہ ابوداؤد)

سعد بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہامہ اور عدوی اور نحوست یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو تین چیزوں میں ہوتی۔ گھر، گھوڑا، زمین۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ انسانی معیشت کا بڑا تعلق یا اپنے گھر سے ہوتا ہے یا اپنے گھوڑے سے یا اپنی بی بی سے آج دوسری قسم کی سواریاں ایجاد ہو جانے کی وجہ سے اگر چہ گھوڑے کا تعلق ہماری سمجھ میں نہیں آتا مگر کل تک عرب میں گھوڑا ضروریاتِ زندگی کا سب سے اہم جزء سمجھا جاتا تھا نحوست کا اگر کوئی وجود ہوتا تو ان چکروں میں ان کا قائل ہونا فی الجملہ ایک معقول بات تھی کیونکہ انسان کو ان سے ہر وقت کا واسطہ پڑتا ہے لیکن ہر معاملہ میں پرندوں کو اڑا اڑا کر نحوست یا سعادت کے تصورات جمانا یہ کسی طرح بھی معقول بات نہیں۔ کسی جانور کا تجربہ سے اچھا برا ثابت ہو جانا کسی مکان کا حسب منشاء آرام دہ نہ ہونا یا اس کی آب و ہوا نا درست ہونا اسی طرح کسی عورت کا بدمزاج یا غیر منتظم ہونا یہ سب اپنی اپنی جگہ حقائق ہیں۔ ان کو نحوست کے غلط نظریہ سے کیوں تعبیر کیا جائے خود حدیثوں میں بہت سے گھوڑے قابل پسند سمجھے گئے ہیں اور بہت سے ہٹی اور خراب قرار دیئے گئے ہیں۔ لیکن کسی حیوان کے داغ، دھبہ یا کسی عورت کے صرف شکل وشمائل یا کسی مکان کی ساخت سے ڈر کر اس کو منحوس سمجھ لینا مسلمان تو مسلمان ایک ادنیٰ ہوشمند انسان کا بھی کام نہیں لیکن کیا کیا جائے کہ جب انسان غلط یا صحیح طریقہ پر کسی عقیدہ کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں دنیا بھر کے تمام حوادث اسی کے زاویہ خیال کے مطابق ڈھلتے چلے جاتے ہیں اور وہ ہر ہر بات کو اپنے وہم کی ایک ایک دلیل سمجھتا چلا جاتا ہے۔ عربی میں ایک مقولہ مشہور ہے۔ ان الوھم خلاق۔ درحقیقت یہ تمام کارفرمائی اس کے وہم کی عنایت کردہ ہوتی ہے اور بس۔ غیر اللہ سے اتنا خوف اور اللہ تعالیٰ کے حقیقی تصرف سے اتنا ذہول یہ شرک ہے ورنہ اس کا پیش خیمہ تو ضرور ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاعَدْوٰی وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ (رواہ مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مرض کا لگ جانا، اُلو، نچھتر، صفر۔ یہ سب وہم پرستی کی باتیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ مرض اڑ کر نہیں لگتا جیسا اکثر اہل ہنود کا عقیدہ ہے جہاں سببیت قطعی طور پر دریافت ہو جائے وہ علیحدہ بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب انسان کی قوت ایمانی یا آپ کی زبان میں قوتِ ارادی اور قوتِ عزم کمزور پڑ جاتی ہے تو اس کے دل میں عدوی کا عقیدہ جم جاتا ہے اور جہاں مرض نہیں لگتا اس کے لئے وہ عذر تراشنے لگتا ہے۔

ابن قتیبہ تصریح فرماتے ہیں کہ مریض کے ساتھ ہر وقت کی مخالطت ومجالست اس کے ساتھ خورد ونوش میں بے احتیاطی اور اس کے جسمانی رطوبات سے احتراز نہ کرنے کی وجہ سے دوسرا شخص بیمار پڑ سکتا ہے مگر یہاں اس کے اسباب بھی موجود ہیں۔ یہ عدوی جاہلیت نہیں۔ عدوی جاہلیت یہ ہے کہ ایک شہر میں طاعون آئے اور آدمی اس شہر ہی کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔ نہ اتنی بے احتیاطی شریعت کی تعلیم ہے نہ اتنی احتیاط۔ ہندوستان کے قدیم ہندو اسی دوسری قسم کے عدوی کے قائل ہیں۔ (تاویل مختلف الحدیث)

ہامہ اور صفر کے متعلق اختلاف ہے ان کی حقیقت کیا تھی کوئی کہتا تھا کہ جس مقتول کا قصاص نہ لیا جاتا اس کی روح بوم کی شکل میں پکارتی پھرتی کہ میرا قصاص لیا جائے میں پیاسی ہوں۔ اور صفر ایک جانور ہے جس کے کاٹنے سے انسان کو

بھوک محسوس ہوتی ہے۔ اس کے سوا اور بھی اسی قسم کے غلط تصورات ہیں۔ شریعت ان سب کو بے اصل قرار دیتی ہے اور انسانی شرافت اور اس کے اعتقادات کے لائق نہیں سمجھتی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا عَدْوٰی وَلَا صَفَرَ وَلَا غُوْلَ. (رواہ مسلم)

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ مرض لگ جانا، صفر اور غول بیابانی سب خیالات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ غول صرف وہ انسانی خیالات ہیں جو حالتِ خوف میں متشکل ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ ایک جماعت تو ان کے وجود کو حقیقی وجود تسلیم کرتی ہے اور دوسری جماعت جنات کے حقیقی وجود سے بھی انکار کرتی ہے اس عالم میں جہاں دیکھو افراط و تفریط ہی کا تماشہ دیکھو گے۔

کافروں کی چھومنتر بھی شیطانی کام ہیں

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ. (رواہ ابوداؤد)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرۃ کے متعلق پوچھا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک شیطانی کام ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ نہایہ میں ہے کہ جس شخص کو یہ وہم ہو جاتا تھا کہ اس پر جن کا اثر ہو گیا ہے وہ اس منتر سے اپنا علاج کر لیا کرتا تھا۔ عرب کا گمان تھا کہ اس منتر کی جنات کے اثرات کے ازالہ میں بالذات تاثیر ہے۔

عَنْ عِیْسٰی بْنِ حَمْزَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَبْدِاللّٰہِ بْنِ حَکِیْمٍ وَبِهٖ حُمْرَةٌ فَقُلْتُ اَلَا تُعَلِّقُ تَمِیْمَةً فَقَالَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَیْئًا وُّکِلَ اِلَیْهِ. (ابوداؤد)

عیسیٰ بن حمزہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم کے پاس گیا انہیں سرخ بادہ کی تکلیف تھی میں نے کہا کہ اس کے لئے آپ گلے میں منکے کیوں نہیں لٹکا لیتے انہوں نے فرمایا کہ میں ان باتوں سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنے گلے میں اس قسم کی چیزیں لٹکائے اس کی جان کی حفاظت خود اسی کے حوالہ کر دی جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ نہایہ میں ہے کہ عرب چند منکے لیکر اپنے بچوں کے گلے میں نظر، گذر کے خیال سے ڈال دیا کرتے تھے ان کا گمان تھا کہ اس عمل سے نظر نہیں لگتی۔ اسلام چونکہ وہم پرستی کی بیخ و بنیاد اکھاڑنے آیا تھا اس لئے اس نے اس خیال کی بھی تردید کی اور بتایا کہ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق میں بالذات کوئی تاثیر نہیں۔ تمام کائنات میں حقیقی مؤثر صرف خالق کا ارادہ ہے چند منکے اور خرزات گلے میں لٹکا کر یہ عقیدہ قائم کر لینا کہ یہ خوبصورت پتھر کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں صرف ایک جابرانہ وہم پرستی ہے۔ تولہ بھی اسی کی دوسری شکل تھی وہ اس جادو کو تولہ کہا کرتے تھے جس کے ذریعہ زن و شوہر کے مابین محبت پیدا ہو جاتی تھی ان کا خیال تھا کہ اس عمل سے تقدیر الٰہی تک پلٹ جاتی ہے۔ جس طرح ان بے بنیاد جھاڑ پھونک کا قائل ہونا وہم پرستی ہے۔ اسی طرح اسماء الٰہیہ اور کلام الٰہی کی برکات کا انکار بھی حقائق کا انکار ہے۔ خدا کے کلام پاک اور اس کے اسماء کے محیر العقول اثرات و برکات سے

احادیث نبویہ بھری پڑی ہیں لیکن انسان کی فطرت میں توازن مفقود ہے۔ اسی لئے قرآن نے اس کا لقب ''ہلوع'' اور ''منوع'' رکھا ہے۔ ''**خلق الانسان هلوعا اذا مسه الشر جزوعا واذا مسه الخير منوعا**'' انسان کی خصلت یہ ہے کہ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو بے صبرا ہو جاتا ہے اور جب اس پر فراغت کا دور آتا ہے تو بے توفیقا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اگر گرتا ہے تو وہم پرستی پر اتر آتا ہے اور ابھرتا ہے تو انکار حقائق سے بھی باک نہیں کرتا۔ خدا کے کلام، اس کے اسماء، اس کے رسول کے کلمات، بلکہ اس کے رسول کے مستعمل پانی اور اس کے مستعمل کپڑوں میں بڑی برکتیں ہیں مگر یہ سب برکتیں خدا ہی کے نام کی ہیں۔ سمندر مان سون پیدا کرتا ہے سورج ضوء افشانی میں مشغول ہے۔ ابر و باد بارش لاتے ہیں مگر نہ ان میں حقیقۃً کوئی تاثیر و فاعلیت ہے اور نہ مقدراتِ الٰہیہ کے خلاف حرکت کرنے کی تاب و طاقت ہے۔ ''**لا الشمس ينبغي لها ان تدرك القمر ولا الليل سابق النهار.**'' نہ آفتاب اپنی لیل و نہار کے دوڑ میں کبھی چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن کے خاتمہ سے پہلے آ سکتی ہے یہ سب ایک ارادۂ الٰہی کے سامنے سرنگوں ہیں اسی طرح تمام برکتیں اور تمام تبرکات نہ مؤثر حقیقی ہیں اور نہ مقدرات کو پلٹ سکتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دونوں عقیدے موجود تھے اور جن چیزوں کے متعلق ان کا گمان تھا کہ ان کو قلبِ حقائق یا قلب مقدرات میں تاثیر ہے۔ ان سب میں معمولی سببیت بھی موجود نہ تھی اس لئے اسلام نے اس کو صرف ایک وہم پرستی قرار دیا اور اس کی بجائے اس کو صحیح عقائد کے ساتھ **تبرک بالاسماء** اور **تبرک بآثار الصالحين** کا صحیح راستہ بتا دیا ہے اس تبرک کی بھی حدود ہیں ان حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہئے ورنہ پھر وہ بھی رسومِ جاہلیت میں داخل ہو جائے گا۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِي قَالَ كُنَّا نَرْقِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ تَرَى فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ اعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَالَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ. (رواہ مسلم)

عوف بن مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں منتر پڑھ کر جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایئے اب ان منتروں کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے۔ فرمایا، ان کو میرے سامنے پیش کرو۔ اگر ان میں شرک کی کوئی بات نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (مسلم)

تشریح:۔ معلوم ہوا کہ رقیہ اور تعویذات ایک حد تک جائز ہیں جب اپنی حد سے تجاوز کر جائیں اور حدود شرک میں داخل ہو جائیں تو پھر ناجائز ہیں۔ اسلام، حدود میں رہ کر رقیہ وغیرہ کی اجازت دیتا ہے اور جب شرک یا وہم پرستی کی حدود میں داخل ہو جائیں تو اس کی ممانعت کرتا ہے۔ یہاں اگرچہ تقاضائے مصلحت تو یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت کے ہر قسم کی جھاڑ پھونک سے ممانعت کر دی جاتی مگر قانونِ یُسر کا تقاضا یہ ہوا کہ جس چیز کا نفع تجربہ میں آ چکا ہو اور قوم میں اس کی عام عادت بھی ہو اس سے اغماض کر لیا جائے۔ بشرطیکہ اس میں شریعت کے خلاف کوئی بات موجود نہ ہو۔ شریعت حنفیہ کی تمام تر بنیاد یُسر پر قائم ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ اِذَا وُلِدُوْا فَتَدْعُوْا لَهٗ بِالْبَرَكَةِ فَاُتِيَتْ بِصَبِيٍّ فَذَهَبَتْ وِسَادَتَهٗ فَاِذَا تَحْتَ وِسَادَتِهٖ مُوْسٰى فَسَاَلَتْهُمْ عَنِ الْمُوْسٰى فَقَالُوْا تَجْعَلُهَا مِنَ الْجِنِّ فَاَخَذَتِ الْمُوْسٰى فَرَمَتْ بِهَا وَنَهَتْهُمْ عَنْهَا وَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ الطِّيَرَةَ

وَيُبْغِضُهَا وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَنْهٰى عَنْهَا. (رواه البخاری فی الادب المفرد ص ۱۳۱)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ اس کے لئے برکت کی دعا فرما دیتیں۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے ایک بچہ پیش کیا گیا وہ اس کا تکیہ رکھنے لگیں کیا دیکھتی ہیں کہ اس کے نیچے ایک استرا رکھا ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ان لوگوں سے اس استرے کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا ہم یہ جنات کے خیال سے رکھ دیتے ہیں۔ انہوں نے استرا اٹھا کر پھینک دیا اور اس حرکت سے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ٹوٹکوں کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور ان سے نہایت نفرت رکھتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہ بھی اس قسم کے ٹوٹکوں کی ممانعت فرماتی تھیں۔ (الادب المفرد)

عَنْ اَبِىْ بَشِيْرِ الْاَنْصَارِىِّ اَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا لَا تُبْقَيَنَّ فِىْ رَقَبَةِ بَعِيْرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ اَوْ قِلَادَةٌ اِلَّا قُطِعَتْ. (متفق علیہ)

ابو بشیر انصاری بیان فرماتے ہیں کہ وہ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ نے ایک قاصد یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا قلادہ یا کوئی قلادہ (راوی کو شک ہے) ایسا باقی نہ رہے جو کاٹ نہ ڈالا جائے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ آپ کے اس حکم کے مختلف اسباب بیان کئے گئے مگر امام مالکؒ کی جو رائے ان کی کتاب موطا سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب نظر گذر کے خیال سے حیوانات کی گردنوں میں تانت وغیرہ کا گنڈا ڈال دیا کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس عمل سے نظر لگنے سے حفاظت رہتی ہے۔ شریعت نے اس قسم کے تمام اوہام کو باطل قرار دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو ایک خدا سے نہیں ڈرتا اس کو ہر ادنیٰ سی ادنیٰ مخلوق سے ڈرنا پڑتا ہے اور جس کا عقیدہ یہ ہو گیا کہ نفع و نقصان سوائے ایک خالق کے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں وہ تمام مخلوق کے ڈر سے آزاد ہو گیا۔

عَنْ اَبِىْ وَهْبِ الْجُشَمِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْتَبِطُوْا الْخَيْلَ وَامْسَحُوْا بِنَوَاصِيْهَا وَاَعْجَازِهَا اَوْقَالَ اَكْفَالِهَا وَقَلِّدُوْهَا وَلَا تُقَلِّدُوْهَا الْاَوْتَارَ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ابو وہب جشمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے پالا کرو (کہ یہ آلہ جہاد ہیں) اور ان کی پیشانیوں اور پٹھوں پر ہاتھ پھیرا کرو اور ان کے گلوں میں کوئی پٹہ ڈال دیا کرو مگر تانت کا پٹہ نہ ڈالا کرو (کہ یہ دور جاہلیت کا طریقہ ہے) (ابوداؤد، نسائی)

نبی کے علم کو خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کوئی نسبت نہیں ہوتی

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ فِىْ قِصَّةِ الْخُضْرِ وَ مُوْسٰى عليه السلام اِنَّ الْخُضْرَ قَالَ يَامُوْسٰى اِنِّىْ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيْهِ لَا تَعْلَمُهٗ اَنْتَ. وَاَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهٗ قَالَ سَتَجِدُنِىْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِىْ لَكَ اَمْرًا فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِيْنَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِيْنَةٌ فَكَلَّمَاهُمْ اَنْ يَّحْمِلُوْهُمَا فَعُرِفَ الْخُضِرُ فَحَمَلُوْهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِيْنَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً اَوْنَقْرَتَيْنِ فِى الْبَحْرِ فَقَالَ الْخُضِرُ يَامُوْسٰى مَانَقَصَ عِلْمِىْ وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ تعالى اِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذِهِ الْعُصْفُوْرِ فِى الْبَحْرِ ثُمَّ صبرد قصتهما وفى اٰخرها قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتّٰى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا. (رواه البخاری فی کتاب العلم)

حضرت خضر اور موسیٰ علیہما السلام کے قصہ میں ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰؑ جو علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ تم نہیں جانتے اور جو تمہیں دیا ہے وہ میں نہیں جانتا (اس لئے تم میرے ساتھ چل نہیں سکو گے) انہوں نے فرمایا آپ مجھے ان شاء اللہ تعالیٰ نہایت صابر پائیں گے۔ میں کسی معاملہ میں بھی آپ کے حکم سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اس عہد و معاہدہ کے بعد دونوں نے سفر شروع کیا چلتے چلتے سمندر کے کنارہ پر پہنچے تو وہاں کوئی کشتی موجود نہ تھی۔ اتفاقاً ایک کشتی ادھر سے گذری تو انہوں نے کشتی والوں سے بات چیت شروع کی کہ انہیں سوار کر کے دریا پار اتار دیں تو کیا لیں گے اس درمیان میں حضرت خضر علیہ السلام کو کسی نے پہچان لیا اور کرایہ لئے بغیر ان کو کشتی میں بٹھا لیا (راستہ میں) ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر آ بیٹھی۔ اس نے سمندر میں ایک دو چونچیں ماریں تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰؑ ہمارے اور تمہارے دونوں کے علموں نے ملکر بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں اتنی کمی نہیں کی جتنی سمندر کے پانی میں اس چڑیا کی ایک دو چونچوں نے۔ اس کے بعد راوی نے ان کے سفر کا تمام واقعہ نقل کر کے آخر میں بیان کیا کہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدائے تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مراتب عُلیا عطا فرمائے ہمیں تمنا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام اگر کچھ اور صبر فرما لیتے تو ان دونوں کے کچھ اور واقعات بھی ہمارے سامنے بیان میں آ جاتے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بالاتفاق ایک اولوالعزم رسول ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت گو زیر اختلاف ہے مگر پھر بھی بڑی ہستی ہیں۔ ان دونوں میں تکوینی جزئیات کا علم شاید حضرت خضر علیہ السلام کو زیادہ مرحمت ہوا تھا اور تشریعی جزئیات کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ۔ مگر ان دونوں کے علوم کو بقول ان کے خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علوم کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہ تھی جو قطرہ کو دریا سے ہوتی ہے۔ علمِ الٰہی کے متعلق ان دو حضرات کا عقیدہ تو یہ تھا آخر میں سب سے بزرگ و برتر رسول یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی سن لیجئے۔ آپ فرماتے ہیں کاش موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر کر لیتے تو ہمیں کائنات کے عجائبات کا علم کچھ اور حاصل ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ کائنات ہستی کے تمام واقعات کا علم تو درکنار آپ کو ان چند واقعات کے علوم پر بھی پورا احاطہ حاصل نہ تھا جو ان دو بزرگوں کے مابین بہت ہی محدود زمانہ میں پیش آئے۔ علمِ الٰہی کے متعلق ان تین مقدس ہستیوں کا عقیدہ تو یہ ہے اب جو عقیدہ آپ کا ہو وہ آپ جانیں بندہ کا کمال یہ نہیں کہ وہ اپنے حدود بندگی سے باہر ہو جائے بلکہ کمالِ بندگی، بندگی کامل میں ہے کسی مخلوق کی صفات کا موازنہ مخلوقات ہی کے دائرہ میں کرنا چاہئے نہ کہ خالق کے دائرہ میں مخلوق کی کوئی صفت خالق کی ہمسری نہیں کر سکتی ان دونوں میں اگر کوئی شرکت ہو سکتی ہے تو صرف اسم کی شرکت ہو سکتی۔ بندہ کو خدائے تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں۔

صحیح بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ سارا سانحہ سفر صرف ان کے اس کلمہ کا نتیجہ تھا جو ایک سائل کے جواب میں ان کی زبان سے اپنے اوپر اعلم اطلاق کر کے نکل گیا تھا۔ کوئی شبہ نہیں کہ نبی وقت اپنی امت میں سب سے زیادہ عالم ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ان کا یہ قول یقیناً صحیح اور واقع کے مطابق تھا مگر صفتِ علم کے بارے میں علیم مطلق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اطلاق بھی ناپسند ہوا اور آخر ان کو ایک ایسے بندے کی ملاقات کی طرف دعوت دی گئی جس کے علم کی جزئیات میں سے

ان کو ایک جزئی کا بھی علم حاصل نہ تھا بلکہ اس کی نوعیت علم ہی ایسی تھی جس کے ایک سبق کو بھی ان کو صبر کے ساتھ پڑھنا مشکل تھا۔

یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی جو خاص خاص صفات ہیں جیسے احیاء و اماتۃ یا غیب کا علم وغیرہا ان میں عموم و اطلاق کا دعویٰ کرنا بڑی بے احتیاطی ہے یہاں صحیح اور معتدل راہ ہے کہ ان صفات کو علی الاطلاق تو صرف صانع حقیقی کے لئے تسلیم کیا جائے اور مخلوق کے دائرہ میں جتنا جس کے حق میں قطعی طور پر ثابت ہو جائے صرف اس کا اقرار کر لیا جائے۔ یہاں مبہم الفاظ یا محض ظنی دلائل یا جذبات محبت کی بناء پر کلی اور قطعی حکم لگا دینا قطعاً مناسب نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ان کا تذکرہ آپ کے جاں نثاروں کی زبانی حرف بحرف منقول ہے اگر صحیح حقیقت کا پتہ چلانا ہے تو ان سادہ کلمات کو خالی الذہن ہو کر پڑھتے چلے جایئے اور آخر میں جس نتیجہ پر آپ کا ذہن پہنچے اسی کو منزلِ مقصود سمجھئے اسی مقصد کے پیشِ نظر ہم بہت محدود اور بہت محدود واقعات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن کو صرف مشتے نمونہ از خروارے کہا جا سکتا ہے آپ ان کو اپنے دماغ کو پورے طور پر صاف کر کے پڑھ جایئے پھر آپ کا ضمیر جو فیصلہ دے وہی اپنا عقیدہ رکھئے۔

کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت نہیں کرنی چاہئے

عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلٰى فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّيْ وَجُوَيْرِيَاتٌ يَضْرِبْنَ بِالدَّفِّ يَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اٰبَائِيْ يَوْمَ بَدْرٍ حَتّٰى قَالَتْ جَارِيَةٌ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلِيْ هٰكَذَا وَقُوْلِيْ مَا كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ. (رواہ البخاری)

ربیع دختر معوذ بیان کرتی ہیں کہ شب زفاف کی صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جیسے تم بیٹھے ہو۔ کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر میرے ان باپ دادوں کا مرثیہ پڑھ رہی تھیں جو بدر میں مقتول ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان میں ایک لڑکی نے یہ کہا۔ ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔ تو آپ نے فوراً منع فرما دیا اور کہا یوں مت کہو، بس وہی کہے جاؤ جو پہلے کہہ رہی تھیں۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ نبی کا غصہ اور مسرت بلکہ اندازِ غصہ و مسرت بھی پُر اسرار اور معنی خیز ہوتا ہے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت تو فرمائی مگر زیادہ شدت سے نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ ایک محفلِ مسرت تھی نہ کہ مجلسِ تعلیم و تعلم (جہاں مقصود ہی تعلیم عقائد ہوا کرتی ہے) پھر یہ ایک شاعرانہ نظم تھی نہ کہ ایک متین عبارت، پڑھنے والی بھی کچھ نوعمر لڑکیاں تھیں نہ کہ فہیم اور سن رسیدہ عورتیں اور جو کلمہ اپنی زبانوں سے کہہ رہی تھیں وہ بھی ایک حد تک صحیح تھا اگرچہ اس کی کلیت میں کلام ہو لیکن صاحب نبوت اپنی موجودگی میں ایسی موہم عبارت بھی برداشت نہ فرما سکے جو قرآن کریم کی ظاہر آیت سے ذرا بھی ٹکرائے۔ سورۂ لقمان میں ہے کہ پانچ باتیں مفاتیح غیب میں داخل ہیں انہیں کوئی نہیں جانتا منجملہ ان کے ایک کل کی بات کا علم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کی بہت سی خبریں دیں مگر غیب دانی کے دعوے کی بناء پر نہیں بلکہ علمِ الٰہی کے سامنے اپنی بے مائگی کے اعتراف کا سر جھکا کر۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیر متناہی خزانہ غیب سے کچھ عطا فرما دیتا ہے

اس سے وہ غیب داں نہیں کہلاتے بلکہ غیب داں کے پیغمبر کہلانے لگتے ہیں۔ دنیا سے صداقت کے بجائے خود انہیں ہی غیب داں کہنے لگتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھروں کے معاملات بتا دیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود عالم الغیب نہیں بنے مگر عیسائی نہ مانے آخر انہیں غیب داں خدا یا کم از کم اس کا بیٹا ٹھہرا کر ہی چھوڑا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَافِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (انفرد باخراجه البخاری)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفاتیح غیب پانچ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کب آئے گی۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور وہی مینہ برساتا ہے (اس کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں) اور یہ بات بھی وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے اور یہ بھی کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس جگہ مرے گا بیشک اللہ ہی ان سب باتوں کا جاننے والا اور ان سے باخبر ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ قرآن کی اصطلاح میں علم وہ ہے جو خود واقعہ سے حاصل ہوا اور کسی واقعہ کے متعلق جو اپنی جانب سے تخمینہ کیا جائے وہ ظن کہلاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں علامات کے ذریعہ بعض ان باتوں کا علم بھی ہو جاتا ہے جو حدیث میں مذکور ہیں لیکن ان کا براہ راست علم اب تک بھی کسی کو نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف استدلال اور علامات کی بناء پر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت خود بتائیں مگر اس کے باوجود قیامت کے معاملہ میں ہمیشہ اپنی لاعلمی ہی کا اظہار کیا۔ اطباء نے حمل کے مذکر و مؤنث ہونے کی شناختیں لکھی ہیں اسی طرح ہمارے دور میں فضائی اثرات سے موسم کا اندازہ بھی کر لیا جاتا ہے مگر یہ سب ظن کے مرتبہ سے متجاوز نہیں۔ یہ علم استدلالی تو ہے لیکن براہ راست واقعہ کا علم نہیں۔ واقعات کا براہ راست علم اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے ہم حوادث سے غائب رہ کر بذریعہ استدلال ان کو معلوم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ خود حاضر و ناظر ہو کر ان کا علم رکھتی ہے۔ واللہ علیٰ کل شئ شھید کا یہی مطلب ہے۔

عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ اُمَّ الْعَلَاءِ اِمْرَءَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بَايَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهُمْ اِقْتَسَمُوْا الْمُهَاجِرِيْنَ قُرْعَةً قَالَتْ فَطَارَلَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ وَاَنْزَلْنَاهُ فِيْ اَبْيَاتِنَا فَوَجَعَ وَجْعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَلَمَّا تُوُفِّيَ غُسِلَ وَكُفِّنَ فِيْ اَثْوَابِهٖ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَقُلْتُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ اَبَا السَّائِبِ فَشَهَادَتِيْ عَلَيْكَ لَقَدْ اَكْرَمَكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُدْرِيْكِ اَنَّ اللّٰهَ اَكْرَمَهٗ فَقُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَنْ يُكْرِمُهُ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّاهُوَ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ لَهُ الْخَيْرَ وَوَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَاذَا يُفْعَلُ بِيْ فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَا اُزَكِّيْ بَعْدَهٗ اَحَدًا اَبَدًا. (رواہ البخاری فی ص ۱۰۳۷)

خارجہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ ام علاء ایک انصاری بی بی تھیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی

وہ کہتی ہیں کہ انصار نے مہاجرین کی تقسیم قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کی تو ہمارے حصہ میں عثمان بن مظعون نکلے ہم نے انہیں اپنے گھروں میں بطور مہمان ٹھہرالیا۔ اتفاقاً وہ ایسے بیمار پڑے کہ اس سے جان بر نہ ہو سکے۔ وفات کے بعد جب انہیں غسل دیدیا گیا اور ان کے کپڑوں میں انہیں کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ام علاء کہتی ہیں میں نے کہا ابو السائب (ان کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت میں تمہارے حق میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور تمہیں اپنی رحمت سے نوازا ہوگا آپ نے فرمایا بھلا تمہیں یہ پتہ کیسے چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رحمت سے ضرور نواز دیا گیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا میرے ماں، باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اللہ تعالیٰ ان کو بھی رحمت سے نہ نوازے تو اور کس کو نوازے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم ان کی تو وفات ہوگئی اور مجھے بھی ان کے حق میں مغفرت کی بڑی امید ہے مگر تفصیلی طور پر تو میں اپنے متعلق بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ یہ سن کر ام علاء نے کہا خدا کی قسم آج کے بعد آئندہ میں کسی کی اس طرح حتمی طور پر تعریف نہ کروں گی۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ حدیث مذکور میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِىْ مَا يُفْعَلُ بِىْ وَلَا بِكُمْ. (احقاف)

عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ مَيْمُوْنَةَ فَاُتِىَ بِضَبٍّ مَحْنُوْذٍ فَاَهْوٰى اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ فَقَالَ بَعْضُ النِّسْوَةِ اَخْبِرُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يُرِيْدُ اَنْ يَّاْكُلَ فَقَالَ هُوَ ضَبٌّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَرَفَعَ يَدَهٗ فَقُلْتُ اَحَرَامٌ هُوَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلٰكِنْ لَمْ يَكُنْ بِاَرْضِ قَوْمِىْ فَاَجِدُنِىْ اَعَافُهٗ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهٗ فَاَكَلْتُهٗ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ. (رواہ البخاری)

خالد بن ولید بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بھُنی ہوئی گوہ پیش کی گئی۔ آپ نے اس کی طرف اپنا دست مبارک بڑھایا۔ اس پر آپ کی بیبیوں میں سے کسی نے کہا جس چیز کے تناول فرمانے کا آپ ارادہ فرما رہے ہیں آپ کو اس کی اطلاع دیدو۔ اس پر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ گوہ ہے یہ سن کر آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ جانور حرام ہے؟ فرمایا نہیں تو لیکن ہمارے ملک میں نہیں ہوتا اس لئے مجھے اس سے نفرت ہے خالد کہتے ہیں میں نے اس کو کھینچ کر اپنی طرف بڑھالیا اور آپ کے سامنے اس کو کھاتا رہا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ یہ روزمرہ کا ایک سادہ واقعہ ہے دیکھئے یہاں حاضرین مجلس حتیٰ کہ امہات المؤمنین جیسی خاص ہستیوں میں سے کسی ایک کے ذہن میں یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ غیب کا اس طرح احاطہ حاصل تھا کہ عالم کا کوئی ذرہ آپ کے علم سے باہر نہ تھا وہ کس صفائی سے ایک معمولی سی کھانے کی چیز کے متعلق آپ کو ٹوک دیتی ہیں اور آپ بھی فوراً متنبہ ہو کر اس کے تناول فرمانے سے دست کش ہو جاتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ یہ تو میں خود بھی جانتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ

حضرت میمونہؓ سے عقد کے بعد کا واقعہ ہے۔ جو آپ کی بہت آخر عمر کا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَلَمَّا کَبَّرَا انْصَرَفَ وَاَوْمٰی اِلَیْهِمْ اَنْ کَمَا اَنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهٗ یَقْطُرُ فَصَلّٰی بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ اِنِّیْ کُنْتُ جُنُبًا فَنَسِیْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ. (رواہ احمد وروی مالک عن عطا بن یسار مرسلا)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے باہر تشریف لائے۔ قریب تھا کہ تکبیر کہتے کہ فوراً آپ واپس تشریف لے گئے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ جس طرح تم اب ہو اسی طرح رہنا غسل کر کے پھر باہر تشریف لائے اور آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ آپ نے نماز پڑھائی اور فارغ ہو کر فرمایا میں جنابت کی حالت میں تھا اور غسل کرنا بھول گیا تھا۔ (احمد۔ مالک)

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّیْتُ وَرَاءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ اِلٰی بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَیْهِمْ فَرَاٰی اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ ذَکَرْتُ شَیْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَکَرِهْتُ اَنْ یَحْبِسَنِیْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ. (رواہ البخاری)

عقبہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی۔ آپ سلام پھیر کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جلدی جلدی کسی بی بی صاحبہ کے گھر تشریف لے گئے۔ لوگ آپ کی یہ عجلت دیکھ کر گھبرا گئے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ آپ کی اس عجلت پر حیران ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنے گھر میں سونے کی ایک ڈلی رکھی ہوئی یاد آ گئی تھی۔ مجھے یہ بات ناپسند ہوئی کہ مبادا وہ میرے تعلق خاطر کا باعث بنے۔ اس لئے میں اس کو تقسیم کرنے کیلئے کہہ آیا ہوں۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ سچ کہا ہے علامہ قسطلانی نے کہ قدرت نے انسان کو پیدا ہی ایسی وضع پر کیا ہے کہ غیب کے علوم کا احاطہ تو درکنار اس کو حاصل شدہ علوم کا دائمی استحضار رہنا بھی مشکل ہے۔ ایک وقت انسان کی ملکی قوت عروج کرتی ہے تو وہ عرش کی خبریں دینے لگتا ہے اور ایک وقت اس پر بشریت کا دباؤ پڑتا ہے تو وہ خود اپنی معلومات بھی فراموش کر بیٹھتا ہے اسی مدوجزر میں انسانی ترقی کا راز مضمر ہے۔ خطاء ونسیان انسان کے لئے عیب نہیں۔ غیر محدود اختیار اور جزئیات وکلیات غیب کا احاطہ اس کی نوع کا کمال نہیں۔ قدرت نے اس کی فطرت ایسے ہی ضعف و ناتوانی کے اندر بنائی ہے کہ وہ خطا بھی کرے گا اور بھولے گا بھی مگر اس کا یہ فطری ضعف اس کے لئے موجب نقصان نہ ہوگا بلکہ اور موجب کمال ہوگا۔ ایک روایت ہے انما انسی لاسن یعنی لوگ تو خود بھولتے ہیں مگر مجھ پر قدرۃً نسیان ڈالا جاتا ہے تاکہ بنی آدم نسیان کے احکام سیکھیں۔ پس جس طرح نبی کے نسیان سے مقصد نسیان کی سنت بتانی ہے اسی طرح واقعات وحوادث کی حقیقت سے بے خبر رکھ کر صرف ان کی سطح پر نبی کو فیصلہ صادر فرمانے کے حکم سے مقصد مقدمات میں فیصلہ کرنے کا آئین سکھانا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُهٗ. (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے تو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتی وہ جس طرح اپنے بعض حیات کے احکام میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح بعض وفات کے احکام میں بھی ممتاز ہوتے ہیں۔ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہوتا ہے البتہ قریب و بعید باتوں کے سننے اور جاننے کا جو آئین ان کی زندگی میں تھا وہی آئین ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہتا ہے یعنی جس طرح اپنی حیات میں وہ قریب کی بات خود سنا کرتے تھے اسی طرح وفات کے بعد قریب کی درود شریف بنفس نفیس خود ہی سنتے ہیں اور جس طرح پہلے دور کی باتوں کا علم ان کو کسی قاصد یا خطوط کی معرفت ہوا کرتا تھا اسی طرح درود شریف کے حق میں بھی وہی نظم و نسق قائم رہتا ہے بقیہ معاملات کا نظم کس طرح ہے اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں۔ پس جس نے یہ دعویٰ کیا کہ حیات یا وفات میں ہمہ وقت رسول کو ہر ہر جزئی و کلی کا علم ہوتا ہے یہ بھی بے دلیل دعویٰ ہے اور جس نے رسول کے متعلق عام انسانوں جیسا عقیدہ رکھا وہ بھی مقام رسالت سے قطعاً نا آشنا و نابلد ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ اِنَّ حِبْرًا مِنَ الْيَهُوْدِ سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَيْرٌ فَسَكَتَ عَنْهُ وَقَالَ اَسْكُتُ حَتّٰى يَجِیْ جِبْرَئِيْلُ فَسَكَتَ وَجَاءَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَام فَسَأَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ اَسْأَلُ رَبِّیْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ثُمَّ قَالَ جِبْرَئِيْلُ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ دَنَوْتُ مِنَ اللّٰهِ دُنُوًّا مَا دَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَكَيْفَ كَانَ يَاجِبْرَئِيْلُ قَالَ كَانَ بَيْنِیْ وَبَيْنَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُهَا وَخَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا. (رواه ابن حبان)

ابوامامہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمایئے سب سے بہتر جگہ کونسی ہے۔ آپ یہ کہہ کر خاموش ہو رہے کہ میں ذرا جبرئیل کے آنے تک خاموش رہتا ہوں۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام آ گئے، آپ نے ان سے یہ سوال کیا۔ انہوں نے عرض کیا جس سے آپ پوچھ رہے ہیں اس کو بھی سائل سے زیادہ اس کا علم نہیں۔ لیکن دیکھئے میں اپنے پروردگار سے جا کر پوچھتا ہوں اس کے بعد انہوں نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج مجھے اللہ تعالیٰ سے اتنا قرب نصیب ہوا کہ اس سے قبل کبھی نصیب نہیں ہوا تھا آپ نے پوچھا اے جبرئیل آخر کتنا قرب نصیب ہوگا؟ عرض کیا کہ میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر ہزار حجاب قائم تھے (ان حجابات کے اندر سے ارشاد فرمایا) کہ سب سے بدتر مقامات بازار ہیں اور سب سے بہتر مسجدیں ہیں۔ (ابن حبان)

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيْهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ اَنَّ الْجِهَادَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْاِيْمَانَ بِاللّٰهِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفَّرُ عَنِّیْ خَطَايَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَقَالَ اَرَأَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيُكَفَّرُ عَنِّیْ خَطَايَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ

وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ اِلَّا الدَّيْنَ فَاِنَّ جِبْرَئِيْلَ قَالَ لِيْ ذَالِكَ. (رواہ مسلم)

ابوقتادہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تقریر فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے، اس میں آپ نے فرمایا کہ اللہ کیلئے جہاد کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بہت بہتر عمل ہیں اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ فرمایئے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری سب خطائیں بخش دی جائیں گی۔ آپ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ تو صبر اور نیک نیتی کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اچھا پھر پوچھ کیا پوچھتا تھا اس نے پھر پوچھا کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری سب خطائیں بخش دی جائیں گی۔ آپ نے فرمایا بیشک بشرطیکہ تو نیک نیتی اور صبر کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹنے پائے۔ مگر ایک حق کی معافی پھر بھی نہ ہوگی اور وہ قرض ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے ابھی ابھی آکر مجھ سے کہا ہے۔ (مسلم)

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِمَّا اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِيْ مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَيَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ قَالَ فَمَسَحَ عَنْهُ الرُّحَضَاءَ وَقَالَ اَيْنَ السَّائِلُ وَكَاَنَّهُ حَمِدَهُ فَقَالَ اِنَّهُ لَا يَاْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ وَاِنَّ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيْعُ مَا يَقْتُلُ حَبْطًا اَوْ يُلِمُّ اِلَّا اٰكِلَةَ الْخَضِرِ اَكَلَتْ حَتّٰى اُمْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اِسْتَقْبَلَتْ عَيْنَ الشَّمْسِ فَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَاَكَلَتْ وَاِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ اَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِيْ حَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ هُوَ وَمَنْ اَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِيْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَيَكُوْنُ شَهِيْدًا عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (متفق علیہ)

ابوسعید خدریؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن باتوں کا مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے ان میں سے دنیا کی وہ رونق اور اس کی وہ فتوحات ہیں جو میرے بعد تم کو نصیب ہوں گی۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ (یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہوگی) بھلا کیا نعمت بھی کسی خطرہ کا سبب بن سکتی ہے اس پر آپ اس طرح خاموش ہوگئے جس سے ہم یہ سمجھے کہ آپ پر وحی نازل ہورہی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ حسب دستور آپ نے اپنے روئے انور سے پسینہ پونچھا (جو بوقت نزول وحی آجایا کرتا تھا) اور فرمایا وہ سوال کرنے والا کدھر گیا (آپ نے اس طرح پوچھا) گویا اس کے سوال کی تعریف کی اور فرمایا بھئی نعمت تو کسی نقصان کا موجب نہیں بنتی (البتہ اس کا بے جا استعمال نقصان کا موجب بن جاتا ہے) آخر موسم بہار سبزا اگاتا ہے اور وہی سبزا کبھی جانور کی موت کا باعث بھی بن جاتا ہے یا اس کو موت کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ ہاں ایک وہ جانور جس نے خوب کھایا اور جب اس کی دونوں کوکھیں تن گئیں تو دھوپ میں جا بیٹھا پھر چھیرا اور پیشاب کیا، اس کے بعد پھر گیا اور پھر سبزہ کھایا۔ اسی طرح مال و دولت کی حالت ہے وہ بھی دیکھنے میں خوشنما اور ذائقہ میں شیریں چیز ہے جو شخص اسے جائز طور پر حاصل کرتا ہے اور اس کو برمحل صرف کرتا ہے اس کا تو کیا کہنا وہ تو انسان کے لئے ایک عمدہ سہارا ہے لیکن جو اس کو ناجائز طور پر حاصل کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھائے چلا جائے مگر اس کا پیٹ نہ بھرے (کاسہ چشم حریصاں پُر نہ شد) اور یہ قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حدیثوں میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن باتوں کا علم نہ ہوتا ان کے جواب کیلئے کبھی تو جبرئیل علیہ السلام ازخود تشریف لے آتے اور کبھی آپ ان کی آمد کا انتظار فرماتے اور آپ کے جواب میں اگر کوئی اجمال رہ جاتا تو جبرئیل علیہ السلام فوراً اس کی ضروری تفصیل کر دیتے۔ درحقیقت یہ نبی کا بہت بڑا کمال ہے اور اس کی صداقت کی سب سے واضح دلیل ہے کہ وہ دین کے بارے میں ایک حرف بھی اپنی جانب سے نہیں کہتا۔ جس طرح نبی کی فتح وشکست اس کی صداقت کی دلیلیں ہوتی ہیں اسی طرح اس کا نطق وسکوت بھی اس کی صداقت کا ایک محکم ثبوت ہوتا ہے۔ یہاں بے علم برعکس اس کو نقصان کا موجب گردان لیتا ہے۔ مذکورہ بالا سوال ہی کو دیکھئے اگر یہ ہم سے کہا جاتا تو ہم اپنی عقل سے بھی اس کا کوئی نہ کوئی جواب تراش دیتے مگر نبی اجتہاد کے لئے بھی پہلے وحی کا انتظار کرتا ہے اسی لئے اس کا نطق و سکوت دونوں وحی سمجھے جاتے ہیں۔ الحاصل یہ تیئیس سال تک جو کچھ بھی آپ سے کہا جاتا تھا سارا کا سارا غیب ہی کا علم تو تھا پس کیا اس میں کسی مسلمان کو کلام ہوسکتا ہے کہ قدرت نے آپ کے سینے میں بے شمار غیوب کے سمندر بہا دیئے تھے مگر بحث تو صرف اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح کیا عالم کی ہر ہر جزئی کا ہمہ وقت بھی آپ کو علم حاصل تھا؟ اس طرح کے علم کا ثبوت حدیثوں سے ہم کو تو نہیں مل سکا۔ اگر کسی ایک حدیث میں کوئی لفظ مبہم ملا بھی تو بیسیوں حدیثوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی تشریح بھی مل گئی۔ پھر کیا صاف صاف تشریحات کو چھوڑ کر مبہم الفاظ کو عقیدہ بنالینا کوئی دین کی بات ہوگی۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ بِاَصْحَابِہٖ اِذْ خَلَعَ نَعْلَیْہِ فَوَضَعَھُمَا عَنْ یَسَارِہٖ فَلَمَّا رَأَی ذَالِکَ الْقَوْمُ اَلْقَوْنِعَا فَلَمَّا قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَہٗ قَالَ مَا حَمَلَکُمْ عَلٰی اِلْقَاءِ نِعَالِکُمْ قَالُوْا رَاَیْنَاکَ اَلْقَیْتَ نَعْلَیْکَ فَاَلْقَیْنَا لَھُمْ نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ اَتَانِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ فِیْھِمَا قَذِرًا اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَنْظُرْ فَاِنْ رَأَیٰ قَذِرًا فَلْیَمْسَحْہُ وَلْیُصَلِّ فِیْھِمَا. (رواہ ابوداؤد)

ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ دفعۃً آپ نے نعلین مبارک اتار کر اپنی بائیں جانب رکھ لئے۔ یہ دیکھنا تھا کہ صحابہ کرام نے بھی اپنے اپنے چپل اتار ڈالے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پوری فرما چکے تو ان سے پوچھا تم لوگوں نے اپنے چپل کیوں اتار دیئے۔ انہوں نے عرض کیا ہم نے آپ کو چپل اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار ڈالے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس تو جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ (آپ کے) چپلوں میں کچھ گندگی لگی ہوئی ہے۔ تم جب مسجد میں آیا کرو تو پہلے اپنے چپل دیکھ لیا کرو۔ اگر ان میں کوئی گندگی نظر آئے تو اس کو صاف کر کے پھر ان سے نماز پڑھ لیا کرو۔ (ابوداؤد)

عَنْ عَائِشَۃَؓ اَنَّھَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعٍ مَضَیْنَ مِنْ ذِی الْحِجَّۃِ اَوْ خَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَیَّ وَھُوَ غَضْبَانُ فَقُلْتُ مَنْ اَغْضَبَکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ النَّارَ قَالَ اَوَمَا شَعُرْتِ اَنِّیْ اَمَرْتُ النَّاسَ بِاَمْرٍ فَاِذَاھُمْ یَتَرَدَّدُوْنَ وَلَوْ اِنِّیْ اِسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا

اَسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْیَ مَعِیَ حَتّٰی اَشْتَرِیَهٗ ثُمَّ اَحِلَّ كَمَا حَلُّوْا۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے قصہ میں نقل کرتی ہیں) کہ آپ چوتھی پانچویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے جب میرے پاس تشریف لائے تو اس وقت آپ پر غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے عرض کیا آپ کو کس نے خفا کیا۔ خدائے تعالیٰ اس کا برا کرے۔ آپ نے فرمایا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ میں لوگوں کو ایک بات کا حکم دیتا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس پر عمل کرنے کے بجائے اس میں اور پس وپیش کرتے ہیں۔ کاش اگر میں اس کو پہلے سے جانتا تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی کا جانور نہ لاتا اور یہاں سے ہی خرید لیتا اور اپنا احرام بھی اسی طرح کھول ڈالتا جس طرح اور لوگوں نے کھولا۔ (مسلم)

تشریح:۔ مکہ مکرمہ میں پہنچ کر آپ نے ایک دینی مصلحت کی وجہ سے لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سب اپنے اپنے احرام کھول ڈالیں اور حج کے بجائے عمرہ ادا کرلیں۔ پھر جب حج کا وقت آئے تو حج کا احرام باندھ کر حج کرلیں یہ تمتع کی شکل ہو جائیگی لیکن جو لوگ حج کا احرام باندھ چکے تھے ان کو حج کی ادائیگی سے پہلے اپنا احرام کھول دینا بہت شاق گذرا بالخصوص جبکہ انہوں نے آپ کو دیکھا تو آپ نے بھی اپنا احرام نہ کھولا تھا۔ آپ چونکہ اپنے ہمراہ ہدی لائے تھے اس لئے ہدی کی موجودگی میں احرام کھول دینا آپ کے لئے درست نہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے فرمایا اگر مجھے پہلے یہ خبر ہوتی کہ اس بناء پر لوگ اپنے احراموں کے کھولنے میں تردد کریں گے تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی نہ لاتا اور ان کے ساتھ ہی احرام کھول دیتا۔ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس بے لطفی کا باعث کل یہ ہوا کہ رسول کو ہمیشہ ہر بات کا علم نہیں ہوا کرتا۔ ورنہ آپ اپنے ہمراہ ہدی ہی نہ لاتے۔ اب اس جہان سے گذر کر کچھ محشر کا حال سنئے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَیَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ اَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَیَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنَنِیْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِیْ وَبَيْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّیْ فَيُقَالُ اِنَّكَ تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِیْ. وفی كتاب الخوض فيقال انک لاعلم لک بما احد ثو ابعدک. (متفق علیه)

سہل بن سعد روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں، تمہارے لئے پانی پینے کا بندوبست کرونگا جو شخص میرے حوض پر آئے گا وہ اس کا پانی پیئے گا اور جو اس کا پانی پی لے گا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ میرے حوض پر کچھ لوگ میرے شناسا بھی آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے پھر ان کے اور میرے درمیان ایک حجاب ڈال دیا جائے گا میں کہوں گا کہ یہ تو میرے متبعین ہیں مجھے جواب ملے گا آپ کو یہ علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی نئی باتیں پیدا کرڈالی تھیں اس وقت میں کہوں گا جس نے میرے بعد میرے دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کیں وہ مجھ سے دور ہی دور رہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ بعض روایات میں اصیحابی اصیحابی کا لفظ بصیغہ تصغیر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جماعت بہت مختصر سی جماعت ہوگی۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ وہ منافقین کی جماعت ہوگی جو جہادوں میں بمجبوری آپ کے ساتھ لگی رہا کرتی تھی اور دراصل کافر تھی کتاب تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۲۹۶۔ قرآن کریم میں ہے وممن حولكم من الاعراب منافقون

ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم.

کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ مختصر سا فرقہ ہے جو عہد صدیقؓ میں مرتد ہو گیا تھا۔ بہر حال محشر میں ملائکۃ اللہ کی شہادت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اس جماعت کے ارتداد کا آپ کو کچھ علم نہ ہوگا اسی طرح آئندہ حدیث بھی محشر کی ہے اس میں بھی سامعین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ خطاب سے یہی واضح ہو رہا ہے کہ کسی کے ذہن میں بھی آپ کے متعلق عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں تھا بلکہ جس طرح کسی انبوہ کثیر میں کسی مختصر جماعت کی معرفت عام طور پر مشکل ہوتی ہے اسی طرح آپ کے حق میں بھی مشکل سمجھی گئی پھر جو جواب آپ نے دیا وہ یہ نہیں تھا کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اس بناء پر مجھے اپنی امت کی معرفت ہمہ وقت حاصل ہے بلکہ ایک ایسی کھلی علامت بیان فرمائی جس کے بعد اس کے امتیاز میں کسی کے لئے بھی دشواری کا سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهٗ بِالسُّجُوْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهٗ اَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهٗ فَاَنْظُرُ اِلٰى مَابَيْنَ يَدَيَّ فَاَعْرِفُ اُمَّتِيْ مِنْ بَيْنَ الْاُمَمِ وَمِنْ خَلْفِيْ مِثْلَ ذَالِكَ وَعَنْ يَمِيْنِيْ مِثْلَ ذَالِكَ وَعَنْ شِمَالِيْ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَكَ مِنْ بَيْنَ الْاُمَمِ فِيْمَا بَيْنَ نُوْحٍ اِلٰى اُمَّتِكَ قَالَ هُمْ غُرٌّ مُحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوَضُوْءِ لَيْسَ اَحَدٌ كَذَالِكَ غَيْرُهُمْ وَاَعْرِفُهُمْ اَنَّهُمْ يُؤْتَوْنَ كُتُبُهُمْ بِاَيْمَانِهِمْ وَاَعْرِفُهُمْ تَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ. (رواه احمد وعند مسلم عن ابی هريرة نحوه)

ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب سے پہلا شخص ہونگا جس کو قیامت میں سجدہ کرنے اور سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی میں اپنے سامنے دیکھوں تو اور تمام امتوں میں اپنی امت کو پہچان لوں گا میری امت اتنی ہی کثرت کے ساتھ میری پچھلی جانب ہوگی اور اتنی ہی دائیں اور بائیں جانب ہوگی۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ اتنی امتوں میں جو نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک ہوں گی آپ اپنی امت کو کس طرح شناخت کریں گے آپ نے فرمایا وضوء کے پانی کے نشانوں سے ان کے چہرہ روشن اور ہاتھ پیر چمکدار ہوں گے ان کے سواء اور کوئی امت ایسی نہ ہوگی اور میں اس بات سے بھی ان کو شناخت کروں گا کہ ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں ہوں گے اور اس بات سے کہ ان کی اولاد ان کے آگے آگے دوڑ رہی ہوگی۔ (احمد)

تشریح:۔ اس قسم کی حدیثوں کو بڑے غور سے پڑھنا چاہئے جن میں ضمنی طور سے یہ امر بہت نمایاں ہوتا ہے کہ یہاں متکلم و مخاطب کے ذہنوں میں علم محیط کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے وہ بڑی سادگی سے سوال و جواب کرتے ہیں اور نہ تو سائلین آپ کے متعلق کسی علم کی نسبت قطع کرنے میں جھجکتے اور نہ آپ اس غلطی پر ان کو تنبیہ کرتے نظر آتے ہیں بلکہ جو جواب دیتے ہیں اس سے اور ان کے عقیدہ کی تائید ہی ہوتی ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاَنَّ اُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَازُوِيَ لِيْ مِنْهَا وَاُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْيَضَ وَاِنِّيْ سَأَلْتُ

رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ اَنْ لَا یُهْلِکُهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَاَنْ لَا یُسَلِّطُهَا عَلَیْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوٰی اَنْفُسِهِمْ فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَهُمْ وَاَنَّ رَبِّیْ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اِذَا قَضَیْتُ قَضَاءً فَاِنَّهٗ لَا یُرَدُّ وَاِنِّیْ اَعْطَیْتُکَ لِاُمَّتِکَ اَنْ لَا اُهْلِکَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَاَنْ لَا اُسَلِّطَ عَلَیْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوٰی اَنْفُسِهِمْ فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَیْهِمْ مَنْ بِاَقْطَارِهَا حَتّٰی یَکُوْنَ بَعْضُهُمْ یُهْلِکُ بَعْضًا وَیَسْبِیْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔ (رواہ مسلم)

ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تمام روئے زمین کو سکیڑ دیا تو میں نے مشرق ومغرب سب دیکھا اور یقیناً میری امت کا ملک ان گوشوں تک پہنچ کر رہے گا جو حصہ زمین میرے سامنے سکیڑ کر دکھا دیا گیا ہے مجھے دو خزانے بھی مرحمت کئے گئے ایک سرخ اور ایک سفید (یعنی سونا اور چاندی) اور میں نے اپنی امت کے لئے یہ دعا کی کہ اس کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کیا جائے اور یہ بھی کہ کسی غیر دشمن کو ان پر اس طرح مسلط نہ کیا جائے کہ وہ ان کے انڈے بچے تک سب تباہ کر ڈالے میرے پروردگار نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب میں کسی بات کا فیصلہ کر چکتا ہوں تو وہ اٹل ہوتا ہے تمہاری امت کے بارے میں یہ بات تو میں نے منظور کی کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا اور ان پر کسی غیر دشمن کو اس طرح مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کا تخم مٹا ڈالے اس وقت تک کہ وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کرنے اور قید کرنے کے درپے نہ ہو جائیں۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ بارگاہ رب العزت نے اپنے حبیب کو نہ معلوم کن کن خصوصیتوں سے نوازا ہوگا ان کی تفصیل تو وہی جانے لیکن یہاں ایک عجیب نظارہ کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے کبھی کبھی آپ کو جنت وجہنم جیسی وسیع مخلوق کا نقشہ کسی دیوار پر دکھا دیا گیا ہے ایسے ہی ایک بار سارا کرۂ زمین اس طرح سمیٹ کر آپ کو دکھلا دیا گیا جیسا کسی بڑی چیز کے فوٹو کو چھوٹا کر کے دکھایا جاتا ہے اسی قسم کا ایک نظارہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بھی دکھایا گیا تھا وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض لیکن غور کرنا تو یہ ہے کہ کیا اس نظارہ کو علم سے تعبیر کر سکتے ہیں ایک انسان پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر سطح زمین کی بڑی سے بڑی آبادی کا مشاہدہ کر لیتا ہے بڑے بڑے دریا اس کو تاگے کی طرح بہتے ہوئے نظر آ جاتے ہیں اور بڑی بڑی عمارات اس کی آنکھوں کے سامنے نقطوں کی شکلوں میں نمایاں ہوتی ہیں مگر کیا اس کو اپنے اس وسیع مشاہدہ میں ہر ہر ذرہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ذرا انصاف کیجئے کہ اگر وہ اپنے اس غیر معمولی نظارہ کو بیان کرے تو کن الفاظ سے بیان کرے گا۔ اس کے الفاظ میں کتنا عموم ہوگا لیکن پھر بھی اس مشاہدہ میں اس کو علم کتنے حصہ کا ہوگا۔ اگر آپ ان حسی واقعات سے اس غیبی حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بسہولت یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَمَّا کَذَّبَنِیْ قُرَیْشٌ قُمْتُ فِی الْحِجْرِ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ فَسَاَلَتْنِیْ عَنْ اَشْیَاءَ لَمْ اُثْبِتْهَا فَکُرِبْتُ کُرْبًا مَا کُرِبْتُ مِثْلَهٗ فَجَلَّی اللّٰهُ بَیْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰیَاتِهٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهِ وعند مسلم فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِیْ اَنْظُرُ اِلَیْهِ مَا یَسْاَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَنْبَاْتُهُمْ۔

جابر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں اس وقت حجر میں کھڑا ہوا تھا اور مسلم شریف میں ہے کہ قریش نے مجھ سے (بیت مقدس کے متعلق) ایسے ایسے سوالات کرنے شروع کئے جن کا مجھے اچھی طرح دھیان بھی نہ رہا تھا اس وقت مجھے ایسی سخت کوفت ہوئی کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت بیت مقدس میری آنکھوں کے سامنے کر دیا اور میں دیکھ دیکھ کر ان تمام باتوں کے جوابات ان کو دیتا رہا اور صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے اس طرح اٹھا کر رکھ دیا کہ میں اس کو دیکھنے لگا اور جس بات کو وہ مجھ سے دریافت کرتے فوراً دیکھ کر ان کو بتا دیتا۔

تشریح:۔ صحیح مسلم کی اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کو بحالت بیداری ان آنکھوں سے دیکھا تھا۔ (۲) ان کی بہت سی چشم دید باتیں آپ کے حافظہ سے نکل گئی تھیں بلکہ اس وقت آپ نے شاید ان کو بغور دیکھا بھی نہیں تھا۔ (۳) کسی چیز کے مشاہدہ سے اس کا پورا پورا علم حاصل ہونا ضروری نہیں۔ (۴) مشاہدہ سے جتنا علم حاصل ہوتا ہے اس کا بقاء و دوام بھی ضروری نہیں۔ (۵) تجلی علم تفصیلی کو مستلزم نہیں جیسا کسی چیز کا عینی مشاہدہ اس کے تفصیلی علم کو مستلزم نہیں۔ ان امور سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی مشاہدات کی نوعیت اگرچہ وہی تھی جو عالم بیداری کے مشاہدات کی ہوتی ہے لیکن جس طرح کسی چیز کے خود دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ہر ہر گوشہ کا علم حاصل ہو جائے اسی طرح اس کی تجلی سے بھی اس کا تفصیلی علم حاصل ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ جو اجمالی انکشاف یہاں ہو جاتا ہے اس مشاہدہ کے بعد اس کا بقاء بھی ضروری نہیں ہوتا۔ اس قسم کے علم کا افاضہ کا مقصد نفسِ انسانی میں کمال کی استعداد پیدا کرنی یا صرف ایک اکرام اور تشریف ہوتی ہے جس طرح علوم رسمیہ کی تعلیم کا مقصد بھی صرف ایک ملکہ پیدا کرنا ہوتا ہے خود ان علوم کا استحضار نہیں۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غَضْبَانُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَسْاَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ الْيَوْمَ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ وَنَحْنُ نَرٰى اَنَّ جِبْرَئِيْلَ مَعَهٗ. قلت فذكر الحديث الى ان قال فَقَالَ عُمَرُؓ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّا كُنَّا حَدِيْثِيْ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ فَلَا تُبْدِ عَلَيْنَا سَوْاٰتِنَا فَاعْفُ عَفَا اللهُ عَنْكَ. (رواه ابويعلى قال الهيثمى ورجاله رجال الصحيح)

انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اس وقت آپ پر غصہ کے آثار تھے آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دے کر فرمایا آج تم مجھ سے جو جو سوالات کرو گے میں تم کو جوابات دوں گا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اس کے بعد راوی نے پورا واقعہ بیان کیا یہاں تک کہ آخر میں حضرت عمرؓ کا یہ قول ذکر کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم لوگ ایسے ہیں کہ ہمارا کفر کا دور ابھی قریب ہی گذرا ہے آپ ہماری غلطیوں اور عیوب پر سخت گیری نہ فرمائیں اور ان سے درگذر فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجے بلند فرمائے۔ (ابویعلیٰ)

تشریح:۔ یہ روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے مگر یہاں مسند ابویعلیٰ کی روایت میں صحابہ کے ان الفاظ کی زیادتی اور ہے ونحن نری الخ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک آپ کے فرمان ”تم مجھ سے جو سوال کرو گے میں اس کا جواب دوں

گا'' کی بنیاد یہ نہ تھی کہ نبی کو ہر وقت ہر بات کا علم حاصل ہوتا ہے بلکہ اس قسم کے اوقات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ ہوتے ہیں اور بذریعہ وحی اسی وقت آپ کو سائلین کے سوالات کے جوابات کی اطلاع دیدی جاتی ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِىْ هٰؤُلَاءِ وَاَنَّهٗ لَيَكُوْنُ مِنْهُ الشَّيْئُ قَدْ نَسِيْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْكُرُهٗ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ عَرَفَهٗ. (متفق علیه)

وعند ابی داؤد عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا ذَكَرَهٗ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ. (الحدیث)

حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو جو واقعات بھی رونما ہونے والے تھے آپ نے سب ہی بیان کر ڈالے۔ جس نے یاد رکھے، یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے، بھلا دیئے۔ یہ بات میرے یہ سب رفقاء بھی جانتے ہیں اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ مجھے کوئی بات فراموش ہو جاتی ہے لیکن جب وہ میری آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو پھر مجھ کو اسی طرح یاد آ جاتی ہے جیسا ایک آدمی کہیں غائب ہو جائے پھر وہ اس کا چہرہ سوچتا رہے اور جب اس کو دیکھ پائے تو فوراً پہچان لے۔ (متفق علیہ)

ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار عصر کے بعد خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور جو جو حوادث قیامت تک ظہور میں آنے والے تھے وہ سب آپ نے ذکر کر دیئے جس نے یاد رکھے، یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے، بھلا دیئے الخ۔

خلاف شرع امور میں غیر اللہ کی اطاعت کرنی بھی شرک کی ایک قسم ہے

عَنْ عَدِىِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِىْ عُنُقِىْ صَلِيْبٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَاعَدِىُّ اِطْرَحْ عَنْكَ هٰذَا الْوَثَنَ وَسَمِعْتُهٗ يَقْرَأُ فِىْ سُوْرَةِ بَرَاءَةَ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللهِ قَالَ اَمَا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا لَهُمْ شَيْئًا اِسْتَحَلُّوْهُ وَاِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ. (رواہ الترمذی)

عدی بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی آپ نے فرمایا اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال پھینک۔ اس وقت میں نے آپ سے سورۂ براءت کی یہ آیت بھی سنی۔ اتخذوا احبارهم الخ۔ اس کی تفسیر میں آپ نے فرمایا خوب سن لو کہ وہ لوگ ان احبار و رہبان کی صریح عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن جس چیز کو وہ حلال بتا دیتے اس کو وہ حلال سمجھ لیتے اور جس کو حرام کر دیتے تھے اس کو حرام سمجھ لیتے (اسی کو قرآن کریم نے رب ٹھہرانے سے تعبیر کیا ہے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خلاف شرع امور میں کسی کی اطاعت کرنا بھی شرک کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے اسی طرح غیر اللہ کی ناواجب اطاعت بھی شرک ہے۔

عَنْ النَّوْرِسِ بْنِ سِمْعَانِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ. (رواه فی شرح السنه)

نورس بن سمعان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدائے تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔ (شرح السنہ)

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَسْمَعُوْا لَهٗ وَيُطِيْعُوْهُ فَاَغْضَبُوْهُ فِیْ شَیْءٍ فَقَالَ اِجْمَعُوْا اِلَیَّ حَطَبًا فَجَمَعُوْا لَهٗ ثُمَّ قَالَ اَوْقِدُوْا نَارًا فَاَوْقَدُوْا ثُمَّ قَالَ اَلَمْ يَاْمُرْكُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَسْمَعُوْا لِیْ وَتُطِيْعُوْا قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَادْخُلُوْهَا فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَقَالُوْا اِنَّمَا فَرَرْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ فَكَانُوْا كَذَالِكَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهٗ فَطَفِئَتِ النَّارُ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذَالِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْدَخَلُوْهَا فَاَخْرَجُوْا مِنْهَا اَبَدًا وَقَالَ لَاطَاعَةَ فِیْ مَعْصِيَةِ اللهِ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ. (متفق عليه)

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر مرتب فرمایا اور اس پر ایک انصاری شخص کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اس کی بات سنیں اور اس کا حکم مانیں۔ ان لوگوں نے کسی معاملہ میں اس کو خفا کر دیا اور اس نے غصہ میں آ کر حکم دیدیا کہ آگ جلانے کی لکڑیاں جمع کرو انہوں نے جمع کر دیں اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ان کو دہکا کر ان کے انگارے بنا دو، انہوں نے بنا دیئے۔ پھر کہا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا کہ جو میں تم کو حکم دوں اس کو سننا اور ماننا۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں حکم تو دیا ہے۔ اس نے کہا تو پھر اس آگ میں داخل ہو جاؤ یہ سن کر وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور بولے کہ آگ سے بچنے کی خاطر تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھاگ کر آئے تھے (اب اسی میں پھر کیسے داخل ہو جائیں) وہ اسی بحث میں تھے کہ اتنی دیر میں اس کا غصہ فرو ہو گیا ادھر آگ بھی گل ہو گئی۔ جب یہ لوگ واپس ہوئے تو انہوں نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا آپ نے فرمایا اگر کہیں یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے کبھی نہ نکلتے۔ پھر فرمایا اطاعت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہیں ہوا کرتی۔ اطاعت جائز باتوں میں ہوا کرتی ہے۔ (متفق علیہ)

استیصال شرک کے متعلق سلف کا اہتمام

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عُمَرَ بَلَغَهٗ اَنَّ قَوْمًا يَاْتُوْنَ الشَّجَرَةَ فَيُصَلُّوْنَ عِنْدَهَا فَتَوَعَّدَهُمْ ثُمَّ اَمَرَ بِقَطْعِهَا. (رواه ابن سعد)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر ملی کہ لوگ اس درخت کے پاس آ آ کر نمازیں پڑھتے ہیں جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ سے بیعت لی تھی اس پر انہوں نے ان کو ڈانٹا اور درخت کے کاٹنے کا حکم دیدیا چنانچہ حسب الحکم وہ کاٹ دیا گیا۔ (ابن

تشریح:۔ صحیح بخاری میں تصریح موجود ہے کہ یہ اصل درخت کچھ دنوں بعد ہی اکثر صحابہ کے ذہنوں سے فراموش ہو چکا

اس کے باوجود لوگ یونہی تخمینی طور پر کسی درخت کے پاس آ کر تبرکاً نمازیں پڑھنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ کی شانِ حزم واحتیاط نے بروقت اس طرف توجہ کی وہ جانتے تھے کہ بعض مرتبہ تبرکات کی حد سے زیادہ تعظیم آئندہ چل کر ان کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتی ہے ان حالات میں ایک مشکوک تبرک کے قائم رکھنے سے یہ بدر جہا بہتر تھا کہ اس مظنہ شرک کو جڑ سے ختم ہی کر دیا جاتا۔ اس حدیث سے تبرک بآثار الصالحین کے خلاف تمسک کرنا بھی زیادتی ہے۔ مستند تبرکات اگر اپنی حد پر رکھے جائیں تو بلا شبہ برکات کا موجب ہیں ان کا استیصال بھی بے اعتدالی ہے اور فرضی تبرکات کو عوام کے سامنے ایک تمائشہ بنائے رکھنا بھی ایک فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے۔

عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ اِنِّىْ اَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اَنِّىْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ مَا قَبَّلْتُکَ. (متفق علیہ)

عابس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو حجر اسود کو بوسہ دیتے دیکھا وہ بوسہ دیتے جاتے اور یہ فرماتے جاتے میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو ہر گز تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ یہ پتھر کتنا ہی متبرک پتھر سہی، جنت سے آیا، زمین میں یمین اللہ کہلایا، نہ معلوم کتنے انبیاء علیہم السلام اور علماء کرام نے اس کو بوسے دیئے، اور نہ معلوم کیسے کیسے خواص کا وہ حامل بھی ہے۔ مگر ان سب اوصاف کے باوجود وہ نبی عربی (فداہ ابی و امی) کے ایک زیر تربیت صحابی کی نظر میں ایک پتھر ہی رہا۔ دیکھو یہ وہی حضرت عمرؓ ہیں جو غیر مستند تبرک کی تو جڑ کاٹ دیتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی ایسا نیا معاملہ کرنا پسند نہیں فرماتے جو بڑھ کر آئندہ کسی ادنیٰ فتنہ کا موجب ہو سکے اور پھر یہی وہ ہیں جو ایک مستند پتھر کے سب سے بڑے محافظ بنے ہوئے ہیں۔ یہ اس کو بوسہ تو دیتے ہیں مگر اس کی بیجا تعظیم کے جذبہ میں نہیں بلکہ رسول عربی کے والہانہ اتباع کے جذبہ میں اور اپنے اسی محبانہ انداز میں اپنی زبان سے ایسے توحید الٰہی سے لبریز کلمات بھی ادا فرماتے جاتے ہیں جن کے بعد امت کے کسی بوسہ دینے والے کی نظر میں اس پتھر میں اتباعِ رسول کے سوا اور کوئی کشش ہی باقی نہیں رہتی۔

پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ مناسب انداز میں کسی حقیقت کا اظہار توہین شمار نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حجر اسود ایک بہت بڑا متبرک پتھر ہے، اس کی تقبیل بڑی سعادت اور اس کا مس کرنا بنی آدم کی خطاؤں کے لئے جذاب ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس میں نفع وضرر رسانی کی کوئی ادنیٰ طاقت بھی نہیں ہے اس لئے اس کی ذات سے ان اوصاف کا سلب کرنا ہر گز اس کی توہین شمار نہیں ہو سکتی۔ ہاں ان کلمات کا بلا داعیہ اور بلا سبب یونہی مشغلہ لگائے رکھنا بھی فعلِ عبث ہوگا لیکن یہی اپنے گرد وپیش کسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ہوں تو بیشک برمحل اور ضروری بھی ہیں۔

الحمدللہ ''معارف السنۃ'' کی تیسری جلد مکمل ہوئی چوتھی جلد ''کتاب الرسالۃ'' سے شروع ہے۔

والسلام مرتبین

